

إِنَّ هَذِهِ تِلْكَ لَكُم مِّنْ شَأْنِ أَخَذَ إِلَىٰ رَبِّكَ سَبِيلًا

تَذَكُّرُ الْخَلِيقِ

سَوَاحِجُ قُدْرَةِ الْعُلَمَاءِ تَاجِ الْحِثِّ
زِيَادَةُ الْفُقَهَاءِ سِرَاجِ الْمُنَاطَرِينَ لِدَامِ الْهَيْمَامِ الْأَوَّسِ
مَوْلَانَا شَيْخُ الْإِبْرَاهِيمِ خَلِيلُ مُحَمَّدٍ الْمَدَنِيِّ الْمُهَاجِرَةِ سِرِّهِ

مُؤَلَّفَةٌ

جَيْتُ مَوْلَانَا مُحَمَّدٌ عَمَّا شَوْقِ الرَّحْمَنِ مَيِّتُورِ الْوَدَّ

ناشر

مَكْتَبَةُ الشَّيْخِ

٣/٢٢٥ - بهادر آباد - کراچی ٥

اِنَّ هَذِهِ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا
 اَحمَدُ لَہ کہ سوانح قدوة العلماء تاج ائمہ دین زبدۃ الفقہاء سرساج المناظرین
 امام الہام الاوحد مولانا شیخ ابی ابراہیم خلیل احمد المدنی المہاجر قدس سرہ
 بنام

تَذْكِرَةُ الْخَلِيلِ

جس کے ضمن میں حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی، مولانا مظفر حسین صاحب
 کاندھلوی، شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی، مولانا الحاج صدیق احمد
 صاحب بھٹوی، اور مولانا الحاج شیخ عبدالرحیم صاحب راتوری قدس سرہ اسراریم
 کے پیارے حالات بھی آگئے ہیں۔ اور ہندوستان کی مشہور دینی درس گاہ مظاہر علوم
 کے دارالطلبہ و کتب خانہ اور قدیم دارالحدیث کے تین عکس فوٹو مطبوعہ بھی شامل ہیں۔
 مؤلفہ

حضرت مولانا محمد عاشق الہی صاحب مدظلہ رحمۃ اللہ علیہ

ناشر مکتبہ الشیخ محمد صالح
 ۳/۴۴۵ - بہادر آباد - کراچی

فہرست مضامین

| صفحہ | عنوان | صفحہ | عنوان |
|------|---|------|-------------------------------------|
| ۳۵ | مولانا مملوک العلی | ۱۵ | حرفِ آغاز |
| " | توام ولادت | ۲۱ | تمہید حضرت مؤلف |
| ۳۶ | موصوف کے نام | ۲۳ | مقدمہ |
| " | مولانا مملوک العلی نے بسم اللہ پڑھائی | ۲۵ | تذکرۃ التحلیل کا سبب تالیف |
| " | ۵۷۷ء کا حادثہ اور شاہ ظفر کے پیر حسن عسکری | ۲۶ | سوانح کی ترتیب کیلئے مؤلف کا انتخاب |
| ۳۷ | حضرت کے والد اور چچاؤں کی گرفتاری۔ | ۲۷ | سوانح کی ترتیب میں مشکلات |
| " | شاہ حسن عسکری کی جرات اور شہادت | ۲۸ | حضرت کا وطن اور نبی شرافت |
| ۳۸ | اردو فارسی کی تعلیم | " | شاہ ابوالمعالیؒ |
| " | مولانا انصاری علی کے ساتھ گوالیار میں | " | شاہ ابوالمعالیؒ کی متوکلانہ زندگی |
| " | چچا کی شفقت اور عربی تعلیم کا آغاز | ۲۹ | شاہ بھیکؒ |
| ۳۹ | گوالیار سے واپسی | " | شیخ کی خدمت |
| " | چھ ماہ انگریزی اسکول میں | " | خدمتِ شیخ کا ثمرہ |
| ۴۰ | دارالعلوم دیوبند کی تاسیس اور موصوف کا داخلہ | ۳۰ | شاہ بھیک کی کرامت |
| " | مدرسہ مظاہر علوم کا قیام اور موصوف کا دیوبند سے ہٹا دینا۔ | ۳۱ | نسب عالی |
| " | انگریزی حرفِ شناسی | " | نبی غلطی کی اصلاح |
| ۴۱ | تکمیل علم اور فراغ تحصیل | ۳۲ | جدی نسب |
| ۴۲ | مولانا فیض الحسن سے عربی ادب کی تحصیل | " | حضرت گنگوہی سے نبی اتصال |
| " | حدیث اور فقہ سے شغف | ۳۳ | اجداد کا انہشہ میں توطن |
| " | مشکوٰۃ شریف اور صحاح ستہ کی تعلیم | " | شاہ قطب علی اور ان کی اولاد |
| " | الہاداد کی تعلیم لکھنؤ میں | " | شاہ مجید علی اور ان کی اولاد |
| ۴۳ | سلسلہ اشاد حدیث | ۳۵ | ولادت اور طفولیت |

| | | | |
|----|--|----|--|
| ۶۳ | مدینہ کے سفر میں بخاری کی حالت میں بھی معمولات کی پابندی | ۴۳ | پہلی سنا حضرت مولانا محمد مظہر |
| ۶۴ | جوہر کا سفر | ۴۴ | دوسری سنا حضرت مولانا عبد القیوم |
| ۶۵ | رمضان المبارک میں حضرت کے معمولات | ۴۵ | تیسری سنا شیخ احمد دحلان |
| ۶۶ | رمضان اور تلاوت قرآن | ۴۶ | چوتھی سنا شاہ عبدالغنی مجددی |
| ۶۷ | اخیر عمر کا معمول | ۴۷ | اجازت نامہ از حضرت شاہ عبدالغنی مجددی |
| ۶۸ | سفر حجاز اور حجاز میں رمضان | ۴۸ | تین دعائیں جو مقبول ہوئیں |
| ۶۹ | تدریس اور بیعت | ۴۹ | پانچویں حج کے بعد ربیع الاول ۱۳۳۵ھ میں بڑا الحجہ کا آغاز |
| ۷۰ | معین مدرسہ کے عہدہ پر تقرر | ۵۰ | شاہ عبدالغنی مجددی ج کا سلسلہ اسناد |
| ۷۱ | ادب کی تحصیل کے لئے لاہور کا سفر | ۵۱ | پانچویں سنا شیخ اسماعیل الرومی |
| ۷۲ | ترجمہ قاموس سے ترجمہ و تالیف کا آغاز | ۵۲ | محدث بزنجی مدنی کی اجازت و سند |
| ۷۳ | مدارس عربیہ میں منصب تدریس پر تقرر | ۵۳ | اجازت نامہ از مولانا سید احمد البرزنجی مفتی الشافعیہ |
| ۷۴ | مظاہر علوم میں بہ عہدہ صدر المدرسین | ۵۴ | شیوخ روایت |
| ۷۵ | سلوک کی طرف رغبت | ۵۵ | سند ۱ از شیخ بدرالدین محدث دمشق |
| ۷۶ | پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احسان امت پر | ۵۶ | اجازت نامہ از شیخ بدرالدین محدث دمشق |
| ۷۷ | تلاش شیخ | ۵۷ | حفظ قرآن مجید اور اس کی محافظت |
| ۷۸ | تزکیہ باطن کی اہمیت | ۵۸ | انگریزی سے گھبراہٹ |
| ۷۹ | حضرت گنگوہی کی خدمت میں حاضری | ۵۹ | قرآن کریم حفظ کرنے کا واقعہ |
| ۸۰ | بیعت | ۶۰ | تلاوت کا معمول |
| ۸۱ | منازل سلوک | ۶۱ | ادائے معمولات - جیسور کا سفر |
| ۸۲ | دستار خلافت اور خلافت نامہ | ۶۲ | ٹونک کا سفر اور معمولات |
| ۸۳ | خلافت ثانیہ | ۶۳ | منی میں معمولات پر عمل |
| ۸۴ | شیخ کا ادب | ۶۴ | انبیاء سنت کا خاص اہتمام |
| ۸۵ | طریق و مراتب کا خلاصہ | ۶۵ | جہاز کے سفر میں معمولات پر پابندی |
| ۸۶ | شیخ سے تعلق اور محبت کا ثمرہ | ۶۶ | نحت جگر بانی کی نزاع کا وقت اور معمولات کی ادائیگی |
| ۸۷ | رویاء | ۶۷ | نور لفظ محمد ابراہیم کی تیل لاری اور معمولات کی ادائیگی |

| | | | |
|---------|--|---------|--|
| صفحہ ۹۷ | مولانا مظفر حسین صاحب | صفحہ ۷۸ | فلسفہ درس اور تاریخی تالیف کا حکم |
| ۹۷ | مولانا مظفر حسین صاحب کا زہد | ۷۸ | کتب فلسفہ میں عقائدِ فاسدہ |
| ۹۸ | ایک ہندو کا قبولِ اسلام | ۷۹ | ملازمت کا معیار |
| ۹۸ | ایک خاں صاحب کا نائب ہونا | ۸۰ | ۱۳۱۳ھ مظاہر علوم میں تدریس کے اعلیٰ منصب پر تقرر |
| ۹۹ | ایک اور خاں صاحب | ۸۰ | مریدی کا نکتہ اور عمل |
| ۱۰۰ | سات ج پیل اور ایک عجیب واقعہ | ۸۱ | ۱۳۱۹ھ میں مظاہر علوم میں شورش |
| ۱۰۱ | ایک مسافر کا سامان اپنے سر پر اٹھانا۔ | ۸۲ | حضرت گنگوہی کی کرامت |
| ۱۰۲ | مشتبہ مال سے طبعی تنفر | ۸۳ | مظاہر علوم کے نئے سرپرست |
| ۱۰۳ | ذیری کھانے سے قے ہو گئی۔ | ۸۴ | فقہ اور حدیث میں مجتہدانہ صداقت |
| ۱۰۴ | نکاح بیوگان کے لئے علی مثال | ۸۵ | بخاری کی ایک حدیث پر شبہ اور اس کا جواب |
| ۱۰۵ | چٹاچ اور دیرینہ طبیہ میں وفات | ۸۶ | دوبارہ شبہ اور جواب |
| ۱۰۶ | محبت شیخ | ۸۷ | مکتوب حضرت گنگوہی رحمہ |
| ۱۰۷ | شیخ کی رحلت پر حضرت کی کیفیت | ۸۸ | طریقت |
| ۱۰۸ | مکتوب گرامی | ۸۹ | حضرت گنگوہی کے مکاتبت۔ مقصود غیر مقصود |
| ۱۰۹ | شیخ کے متعلقات سے محبت | ۹۰ | شاہ عبدالغنی اور میاں امین الدین کا انتقال |
| ۱۱۰ | حضرت گنگوہی رحمہ کی صاحبزادی کا احترام | ۹۱ | احسان کی حقیقت |
| ۱۱۱ | شیخ کے ہمیشہ زادے کی دجوبی | ۹۲ | تصوف کی بنیاد |
| ۱۱۲ | مہانوں کی خاطر داری | ۹۳ | تفرقہ اور خطرہ کا فرق |
| ۱۱۳ | نکاح اور اولاد | ۹۴ | تجدید بیعت کا شوق |
| ۱۱۴ | گنگوہ میں عقد نکاح | ۹۵ | اطلاقی حضور کا مفہوم |
| ۱۱۵ | حضرت کی اولاد | ۹۶ | شجرہ |
| ۱۱۶ | اہلیہ کی وفات | ۹۷ | بچپن کی بیعت |
| ۱۱۷ | مصیبت کا راز | ۹۸ | اسیابی |
| ۱۱۸ | بچی اور بیوی کا انتقال | ۹۹ | شیخ الحدیث مہارنپور کی دادی صاحبہ |
| ۱۱۹ | قطعہ تاریخ وفات اہلیہ | ۱۰۰ | مولانا محمد یحییٰ سے تعلق خاطر |

| | | | |
|----------|--|----------|-----------------------------------|
| صفحہ ۱۲۲ | مکتوب حضرت گنگوہیؒ | صفحہ ۱۱۱ | رضا اور غم کی شرعی صورت |
| • | مکتوب حضرت گنگوہیؒ بنام نذیر احمد | • | ۱۲۹۷ء میں نکاح ثانی |
| ۱۲۳ | مکتوب حضرت گنگوہیؒ | ۱۱۲ | پہلی اولاد کی تربیت |
| • | رضخت کی منظوری | • | صاحبزادی کا نکاح |
| ۱۲۴ | مبارک سفر | • | محمد ایوب وکیل ڈیرہ غازی خان |
| • | قیام بھاو پور اور مناظرہ | ۱۱۳ | حضرت کی نواسی عطیہ |
| ۱۲۵ | نواب بھاو پور کی والدہ کا انتقال اور | • | صاحبزادہ حافظ محمد بلالیم مرحوم |
| { | مدرسہ عربیہ کا قیام | • | انبیہ میں انجیرنگ کالج |
| • | ۸۷۹ء میں بھاو پور کی ملازمت کا آغاز | ۱۱۴ | اولاد پر شفقت |
| • | افسر مدارس کے عہدہ تک ترقی اور گیارہ سال بعد | • | مرحومہ کے اعزاء سے تعلق |
| • | بھاو پور سے ترک تعلق | • | اہلیہ ثانی سے اولاد |
| ۱۲۶ | قیام بھاو پور کے اجمالی حالات | • | ام ہانی کا انتقال |
| • | درس حدیث | ۱۱۵ | سلمیٰ کا انتقال |
| • | عوام پر بزرگی اور تقدس کا اثر | • | روحانی اولاد |
| ۱۲۷ | اہل بھاو پور کی علمی استفادہ سے محرومی | ۱۱۶ | سفر حج و زیارت بلدۃ الرسولؐ |
| • | اس دور کے تلامذہ | • | ملازمت بھوپال |
| • | اخلاق اور عادات | ۱۱۷ | مکتوب حضرت گنگوہیؒ |
| ۱۲۸ | فقہ بھاو پور کا استفسار اور مولانا کا جواب | • | پہلا سفر حج ۱۲۹۳ء |
| ۱۲۹ | موصوف کے متعلق مولوی نظام الدین کا تجربہ | ۱۱۸ | بحری جہاز کا سفر |
| • | وضع داری | ۱۱۹ | مدینۃ الرسولؐ کی کشش |
| • | لارڈ ڈفرن کی آمد اور مولانا سے سوال | • | مدرسہ اسلامیہ سکندر آباد میں تقرر |
| ۱۳۰ | ایک شیعہ کی مذہبی چیمبر چھڑ | ۱۲۰ | مکتوب حضرت گنگوہیؒ |
| ۱۳۱ | ہدایات الرشیدی کی وجہ تالیف | • | جماعت اہل اللہ کا سفر حج ۱۲۹۲ء |
| • | شرعی حکم کے اخبار میں رورعایت | ۱۲۱ | دوبارہ ملازمت بھاو پور |
| { | سے انکار | • | حضرت کا دوسرا حج ۱۲۹۷ء |

| | | | |
|-----|--|--------|--|
| ۱۵۱ | مولانا کا مکتوب بنام مولانا عاشق الہیؒ | مفتوحہ | بدعتیوں کے رد میں حضرت کی ایک تالیف |
| " | سفر حج کے نازک موقع پر دلدار علی کی طرف سے | ۱۳۱ | برائین قاطعہ |
| " | دعوتِ مناظرہ | ۱۳۲ | گنگوہ سے جو علماء آئے ان کے نام |
| ۱۵۲ | روافض سے مناظرہ | " | بدعتیوں سے مناظرہ |
| " | قادیانیوں سے مناظرہ | ۱۳۳ | تحریری مناظرہ |
| " | مکتوب گرامی بنام مولانا عبدالشکور دیر النجم | " | تقریری مناظرہ |
| " | مصطفیٰ حسین صائے خطاب | " | رومیداد مناظرہ |
| ۱۵۳ | حضرت گنگوہیؒ کی دعا کا اثر | ۱۳۶ | شرائط مناظرہ |
| " | بھادلوپور سے ترک تعلق | ۱۳۷ | تحریری مناظرہ اور سات اعتراضات |
| ۱۵۵ | بریلی کا قیام | ۱۳۸ | زبانی مناظرہ |
| " | مدرسہ مصباح العلوم کی بنیاد | " | مولوی عبدالرشید ٹوکی اور مولانا محمود حسنؒ کے |
| " | حافظ محمد جعفر خاں | ۱۳۹ | مناظرہ کا تذکرہ |
| ۱۵۶ | مصباح العلوم بریلی میں دو سال | ۱۴۰ | مولوی غلام دستگیر کے مولانا سہارنپوری پر دو اعتراض |
| " | بریلی میں حضرت کے معمولات | ۱۴۱ | مولانا کی طرف سے عام چیلنج |
| " | طرزِ تعلیم و تربیت | ۱۴۲ | مولوی صدر الدین کے رسالہ کا حوالہ |
| ۱۵۷ | حضرت گنگوہیؒ کا مکتوب | " | مکتوبات شیخ یحییٰ منیری کا حوالہ |
| ۱۵۸ | مولانا یعقوب علی خاں کا ارشاد اور مولانا کا جواب | ۱۴۳ | چوتھا جلد |
| " | ایک شبہ اور اس کا جواب | " | مولانا نے از سر نو دلائل پیش کئے |
| ۱۶۱ | حافظ امیر اللہ اور ایک شیعہ | " | پھر چیلنج |
| " | مطرقۃ الکرامہ کا سبب تالیف | " | فریق ثانی کی بدحواسی |
| " | دیوبند میں مسندِ تدریس پر تقریر | ۱۴۹ | بدعتی فتوے کے علماء |
| ۱۶۳ | مولوی مجاہد حسنی، شاگرد اور اراکین | " | کیا بھادلوپور میں علماء نہیں |
| ۱۶۷ | ایک خواب اور اس کی تعبیر | ۱۵۰ | فنِ مناظرہ میں یدِ طولیٰ |
| " | ایک دوسرا خواب اور اس کی تعبیر | " | رانڈ بریں بتدعین سے ہر شرط پر مناظرہ اور |
| ۱۶۸ | بیعت کے وقت ہدیہ قبول کرنے سے گریز | " | ان کا گریز |

| | | | |
|-----|--|-----|---|
| ۱۸۶ | دارالعلوم دیوبند میں شورش | ۱۶۸ | انتظامی ضبط پر خاص توجہ |
| " | مکتوب حضرت گنگوہی ہر دو حضرات کے نام | ۱۶۹ | اہل بریلی کی عقیدت مندی |
| ۱۸۸ | ہمتیہ دارالعلوم | " | بیعت کی برکت |
| " | حافظ محمد احمد | ۱۷۰ | متوسلین کو حج کی ادائیگی کی ترغیب |
| " | حافظ محمد احمد کی ہمتیہ کے محرک اول | ۱۷۲ | مکتوب گرامی بنام حامد یار خان |
| ۱۸۹ | حافظ محمد احمد کے انتقال | ۱۷۵ | مکتوب گرامی بنام صدیق احمد خاں |
| " | مولانا محمد مظہر نانوتوی کا انتقال ۱۳۲۶ھ | " | مکتوب گرامی بنام سید شمس الحسن |
| " | مظاہر علوم کی صدارت | ۱۷۶ | دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارن پور |
| ۱۹۰ | مظاہر علوم میں حضرت کے درس کا آغاز | ۱۷۷ | شیخ الہند کا تعلیمی دور |
| " | ۱۳۱۵ھ حضرت کے درس کا نظام الاوقات | " | شیخ الہند کا تدریسی دور |
| ۱۹۱ | حضرت تھناوی کے ساتھ دعوت | " | دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے چھ سال |
| ۱۹۲ | وعدہ کا بناہ | ۱۷۸ | شیخ الہند اور حضرت سہارنپوری میں موت اڑنا |
| ۱۹۳ | وعدہ پر عمل | " | ہر دو حضرات کے متعلق ایک ہم سبق کی رائے |
| " | بھائی رشید احمد کا انتقال | " | شیخ الہند کا پہلا وعظ |
| ۱۹۴ | وعدہ کا پاس اور پابندی اوقات | ۱۷۹ | حضرت شیخ الہند |
| ۱۹۵ | درس کی تقریر | ۱۸۱ | دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم کی برکات |
| " | فتاویٰ نویسی اور خطوط کی جواب دہی | " | زمانہ غدیر میں مسلمانوں کے ایمان کی پختگی |
| " | مظاہر علوم میں اکتیس سالہ خدمات | ۱۸۲ | علامات قیامت کا ظہور |
| ۱۹۶ | مظاہر علوم کے بانی اور اساتذہ | " | حلت اور حرمت کا اہتمام قلوب سے جانا رہا |
| ۱۹۷ | سفر حجاز کے لئے ڈیڑھ سال کی رخصت | " | اور مال کی محبت دلوں میں گھر کر گئی۔ |
| ۱۹۸ | تنخواہ میں اضافہ | ۱۸۳ | شیخ الہند کا وصال اور مادہ تاریخ |
| ۱۹۹ | مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی | " | وصال سے قبل کا حال |
| " | سلسلہ نسب | ۱۸۵ | شیخ الہند کی حضرت سے رخصتی ملاقات |
| ۲۰۰ | حفظ قرآن | " | کتبِ درسیہ جو دارالعلوم میں پڑھائیں |
| " | عربی تعلیم کا آغاز | " | اس دور کے چند نامور تلامذہ |

| صفحہ | موضوع | صفحہ | موضوع |
|------|---|------|--|
| ۳۱۰ | مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کا مظاہر علوم میں درس حدیث | ۲۰۰ | مطالعہ کا شوق |
| ۳۱۱ | مولانا محمد مظہر نانوتوی کا انتقال | ۲۰۱ | دیوبند میں برادر شیخ الہند سے ملاقات |
| ۳۱۲ | حضرت گنگوہی کی سرپرستی اور مولانا کی صدر مدرس | ۲۰۲ | مولوی بدایہ سنہلی سے اٹھارہ دن جہاندر پڑھنا |
| ۳۱۳ | حضرت گنگوہی کا سرپرستی سے استعفا | ۲۰۳ | سلم کا ازبکرنا |
| ۳۱۴ | صدر مدرس کے عہدہ سے وقتی طور پر سبکدوشی | ۲۰۴ | مدرسہ حسین بخش میں درسیات پڑھنا |
| ۳۱۵ | اصلاح حال کے سامان | ۲۰۵ | حدیث پڑھنے کی شرط |
| ۳۱۶ | حضرت راتپوری کی خصوصی توجہ | ۲۰۶ | حدیث کا مطالعہ |
| ۳۱۷ | مقدور کے مشہور باغی رشید احمد | ۲۰۷ | بخاری، سیرت ابن ہشام، طحاوی، ہدایہ اور |
| ۳۱۸ | اجنبی شخص کی علمی کارروائی | ۲۰۸ | فتح القدیر کا مطالعہ کے حدیث کا امتحان دینا |
| ۳۱۹ | فریقین کو مصالحت پر مجبور کیا گیا | ۲۰۹ | حضرت گنگوہی سے دورہ حدیث کی تکمیل |
| ۳۲۰ | حضرت کیلئے عہدہ پربرقولوی اور نئے سرپرستوں کا انتخاب | ۲۱۰ | بارہ برس حضرت گنگوہی کی خدمت میں |
| ۳۲۱ | مظاہر علوم کا غسل صحت | ۲۱۱ | خلافت سے سرفرازی |
| ۳۲۲ | ترقی کا دور | ۲۱۲ | رمضان میں رمضان ختم قرآن |
| ۳۲۳ | ۱۳۲۴ھ میں دارالطلبہ اور درس گاہوں کی تعمیر | ۲۱۳ | کبھی تنخواہ لے کر نہیں پڑھایا |
| ۳۲۴ | حضرت کی یادگار | ۲۱۴ | طلبہ سے برتاؤ |
| ۳۲۵ | عمار توں کی تفصیل | ۲۱۵ | شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا |
| ۳۲۶ | کتب خانہ میں کتابوں کا غیر معمولی اضافہ | ۲۱۶ | مولوی عبداللہ گنگوہی |
| ۳۲۷ | طلبہ کی کثرت | ۲۱۷ | حضرت گنگوہی کے درس حدیث کی تقریریں کو |
| ۳۲۸ | قاری عبدالعزیز کا تقفر | ۲۱۸ | قلب بند کرنے کا اہتمام |
| ۳۲۹ | تعلیم میں اصلاح | ۲۱۹ | مظاہر علوم میں درس کی مدت اور وصال |
| ۳۳۰ | مولانا صدیق احمد | ۲۲۰ | تنخواہ سے انکار |
| ۳۳۱ | نسبت کی دو قسمیں اور ان کا مصداق | ۲۲۱ | مظاہر علوم کا نظام اور کارگزاری |
| ۳۳۲ | دارالعلوم دیوبند میں درس و تدریس | ۲۲۲ | مظاہر علوم کا اہل محل وقوع اور جگہ کی تبدیلی |
| ۳۳۳ | مؤلف کو دعا | ۲۲۳ | مظاہر علوم تاریخی نام ہے (۱۲۹۲ھ) |
| ۳۳۴ | کشف | ۲۲۴ | مظاہر علوم کے سرپرست |

| | | | |
|-----|--|-----|---|
| ۲۳۷ | مثالی مدرسہ قرآن | ۲۲۲ | سقاوت و مہمان نوازی |
| ۲۳۹ | مصنفۃ الہی مکتب | ۲ | فریضہ حج کی ادائیگی |
| ۲۴۰ | مسجد نبوی کا نقشہ | ۲۲۳ | خواب میں حضورؐ کی زیارت اور بیماری سے صحت |
| ۲۴۱ | اصلیت اور تصنع میں بڑا فرق ہے | ۲۲۴ | مولانا انوار احمد صاحب کا مبارک خواب |
| ۲۴۲ | توکل کی نعمت | ۲۲۵ | حضرت گنگوہیؒ کا انھیں حاجی صاحب کا کرتہ دینا |
| ۲۴۳ | صبر و تحمل | ۲۲۶ | مرزا قادیانی سے گفتگو اور مرزا کا عجز |
| ۲۴۴ | دیکھوئی و مدارات | ۲۲۷ | انعامات الہی |
| ۲۴۵ | سفر حج میں رفقا کی دلداری | ۲۲۸ | انبہ کے موسم میں وطن آنا اور پھر بالیر کو ملے جانا۔ |
| ۲۴۶ | بیٹا بیمار ہے مگر رفیقوں کا خاص خیال | ۲۲۹ | انتقال |
| ۲۴۷ | لحنت جگر عبدالرشید کا انتقال | ۲۳۰ | مولانا کے ساتھ حضرت کے تعلقات |
| ۲۴۸ | مجلد نمبر کی باہمی جنگوں کی عجیب توجیہ | ۲۳۱ | طلبہ کی بد وضعی اور آزادی سے نفرت |
| ۲۴۹ | تلاوت قرآن | ۲۳۲ | طلبہ کا احترام اور ان سے ہمدردی |
| ۲۵۰ | خوراک | ۲۳۳ | مدرسین کا احترام |
| ۲۵۱ | معارف و حقائق سے بیماری کا علاج | ۲۳۴ | اسباق کی ترتیب اور فتویٰ نویسی |
| ۲۵۲ | دو متعارض حدیثوں کی نفیس توجیہ | ۲۳۵ | مصرفیات اور اوقات کار |
| ۲۵۳ | حقائق و معارف کا فیضان | ۲۳۶ | آخری ایام کے جواب نگار |
| ۲۵۴ | حق و باطل کی معرفت کا معیار | ۲۳۷ | انتظام مدرسہ |
| ۲۵۵ | کم کھانا، کم سونا، کم پولنا۔ | ۲۳۸ | علمی مشغلہ |
| ۲۵۶ | تجلیہ خواب میں دستگاہ | ۲۳۹ | طالبین کی اصلاح و تربیت |
| ۲۵۷ | سنت سے محبت، بدعت سے نفرت | ۲۴۰ | مدیرینہ طبع سے انتظامی امور کے متعلق ہدایات |
| ۲۵۸ | اصلاح اور امر بالمعروف کا انداز | ۲۴۱ | دوراندیشی و بصیرت |
| ۲۵۹ | انفع الریائی کا اندوین ترجمہ | ۲۴۲ | نامور نژاد |
| ۲۶۰ | بزرگوں اور متعلقین کی آمد سے مسرت | ۲۴۳ | حضرت راجپوریؒ بھی حضرت کے شاگرد تھے۔ |
| ۲۶۱ | بیوہ سے نکاح | ۲۴۴ | حضرت مولانا راجپوریؒ قدس سرہ |
| ۲۶۲ | نصیحت قولی و عملی | ۲۴۵ | قرآن و سنت سے عشق |

| | | | |
|----------|---|----------|---|
| صفحہ ۲۷۶ | شرح کی تکمیل مدینہ میں | صفحہ ۲۶۰ | بیہ ہونے کو نکاح ثانی کیلئے اثر انگیز نصیحت |
| ۰ | سودی حکومت پر اظہارِ اطمینان | ۲۶۱ | حاجہ سنت کے لئے شاندار دعوت کا اہتمام |
| ۰ | مکتوب گرامی | ۲۶۳ | حضرت گنگوہی سے قلبی تعلق اور شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی محبت |
| ۲۷۸ | وہ سات امور جن کا بذل المجہود میں التزام ہے | ۰ | مولانا محمد یحییٰ سے دل کی بے چینی کا اظہار |
| ۰ | خواب میں غلطی کی اصلاح | ۰ | اور مولانا کا دلچسپ جواب |
| ۲۷۹ | ۳۵۰ میں سفر حج اور واپسی | ۰ | کمال ضعف کے باوجود حج و زیارت کا شوق |
| ۰ | ۳۵۲ میں آخری حج اور مدینہ میں | ۲۶۴ | حضرت سہارنپوری کی اجازت حاصل کرنے کی کوشش |
| ۰ | قیام اور وفات | ۰ | وصیت و بیہ کا اہتمام |
| ۰ | وہ کتابیں جن سے شرح میں استفادہ کیا | ۲۶۵ | حضرت سہارنپوری کا خواب |
| ۲۸۰ | کتب تفسیر | ۰ | انتقال ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ |
| ۰ | کتب حدیث | ۲۶۷ | حدیث اور فقہ |
| ۰ | کتب اسماء رجال | ۰ | سنن ابوداؤد سے خاص اعتناء |
| ۰ | کتب اصول حدیث | ۲۶۸ | زمانہ طالب علمی میں سنن ابی داؤد کی شرح کا خیال |
| ۰ | کتب فقہ | ۰ | تالیف شرح حدیث کیلئے بڑی ہمت و کارہے |
| ۲۸۱ | اصول فقہ | ۲۷۰ | ایک دیرینہ آرزو کا اظہار |
| ۰ | لغات | ۲۷۱ | شرح سنن ابی داؤد کا آغاز |
| ۰ | کتب سیر - کتب نحو | ۰ | نوبہ میں ایک جزو کی شرح |
| ۰ | کتب تجوید و قراءت | ۲۷۲ | شرح کے متعلق ابتدائی ایلادہ اور فقہ رفتہ تکمیل ہونا |
| ۰ | بذل المجہود کے انداز پر شرح ترمذی کا خیال | ۰ | بارگاہِ الہی میں تین دعائیں |
| ۲۸۲ | قلمی کتابوں کی تلاش و جستجو | ۰ | بذل المجہود کی مدت تالیف |
| ۰ | مصنف عبد الزیاق کی جلد سوم و چہارم کی نقل | ۲۷۳ | بذل المجہود کی تکمیل پر کمال مسرت |
| ۰ | سنن بیہقی کی نقل | ۰ | اور اعیان مدینہ کی دعوت |
| ۲۸۳ | مصنف ابن ابی شیبہ کی نقل | ۲۷۴ | مطبوعہ دعوت نامہ کا مضمون |
| ۰ | شرح ابن ارسطان کی نقل | ۰ | آستانہ محمدیہ کی برکت |
| ۰ | لندن سے خریداری | ۲۷۵ | اہل نظر کو بذل المجہود پر ناقدانہ نظر کی دعوت |

| | | | |
|----------|--|----------|--|
| صفحہ ۲۹۸ | دونوں ہاتھوں سے مصافحہ | صفحہ ۲۸۳ | جمع الفوائد کا قلمی نسخہ |
| • | نماز میں آنکھیں بند کرنا | ۲۸۴ | اہل علم کا سند حدیث کی درخواست کرنا |
| • | رسول اللہ کے ساتھ لفظ سیدنا کے استعمال پر | ۲۸۵ | سند حدیث |
| • | قاضی مدنیہ سے مدلل گفتگو | ۲۸۶ | حرم مدنیہ میں درس حدیث و اجازت مسلات |
| ۲۹۹ | قاضی القضاۃ کا مسائل میں رجوع کرنا | ۲۸۷ | ایک حاسد بریلوی کی حرکت |
| • | شافعی امام کے پیچھے نماز اور دیگر مذاہب کی | • | دیگر دینی مدارس کی سرپرستی |
| • | رعایت کی درخواست | ۲۸۸ | حل شبہات |
| ۳۰۰ | سلطان کے یہاں دعوت | • | تقریر جواب، |
| • | حرم میں جمعہ کی اذانوں کے مابین سنتوں کیلئے وقفہ | ۲۸۹ | فقہ میں درک |
| ۳۰۱ | مدنیہ میں ہدایا قبول کرنے سے گریز | ۲۹۰ | ذبیحہ گاؤ |
| • | قاضی شویل کی ہٹ دھرمی اور عہدہ سے تنزلی | ۲۹۱ | رہلے ڈاک کے ملازمین بحالت سفر قمر کر |
| ۳۰۲ | حدیث دانی کی شہرہ | • | سفر شرعی کی مقدار حضرت کے نزدیک |
| • | صورتِ مسیرت اور عادات و معمولات | ۲۹۲ | فتویٰ میں شرح صدر کا اہتمام |
| • | شکل و شمائل | ۲۹۳ | جھینکا مچھلی |
| ۳۰۵ | طرزِ تقسیم اور صاف گوئی | • | رسالہ المہند |
| ۳۰۶ | نصیحت و خیر خواہی | ۲۹۴ | رسالہ تنبیہ الاذان |
| • | روز و شب کے معمولات | • | شامی کے متعلق حضرت کی رائے |
| ۳۰۷ | حالتِ سفر میں جماعت کا اہتمام | • | بدائع الصنائع کا مطالعہ |
| • | مدنیہ طیبہ کے راستہ میں نماز کا اہتمام | • | حضرت گنگوہی کا شامی کو کئی بدایا استنباب مطالعہ فرمانا |
| ۳۰۸ | تیز رفتار | • | بدائع الصنائع میں اصول اور فقہ کی لم زیادہ |
| ۳۰۹ | مراقبہ کا وقت | • | ہیں اور شامی میں جزئیات کی۔ |
| • | مسواک کا اہتمام | • | حضرت کی شانِ تفقہ |
| • | مرغوب طبع کھانا | ۲۹۶ | اختلافی صورت میں احوط قابلِ ترجیح ہے |
| ۳۱۰ | مرغوب پھل | • | ایک بے سند شہار پر حضرت کی تنقید |
| • | انجیر اور پیپر کا شوق | ۲۹۷ | اختلاف میں بھی اخلاقی کریمانہ کا مظاہرہ |

| | | | |
|-----|--|-----|--|
| ۳۲۷ | نحوی اور بدی عربی زبان پر قدرت | ۳۱۰ | بلاتمک کی چائے |
| ۳۲۸ | مزاج میں نفاست - مکتوب گرامی | ۳۱۱ | قیلولہ کی عادت |
| ۳۳۱ | عورتوں کو وعظ و تقسیم فرمانا | ۳۱۲ | ہمہ وقت با وضو رہنا |
| ۳۳۲ | پردہ کے ایک شبہ کا مؤثر جواب | ۳۱۳ | بعد عصر جلوۂ عام |
| ۳۳۳ | عورتوں کو کون سے باز رہنے کی تاکید | ۳۱۴ | قاری کے پیچھے نماز اور نقص پر تنبیہ |
| ۳۳۴ | شوہر کی اطاعت کی ہدایت و تاکید | ۳۱۵ | نماز میں سنت و استحباب کی رعایت |
| ۳۳۵ | علیات سے حضرت کو مناسبت نہ تھی | ۳۱۶ | نماز میں حضور اور خشرع و حضور |
| ۳۳۸ | کمالات و کرامات | ۳۱۷ | عطر سے رغبت |
| ۳۳۹ | جلالتِ قدر | ۳۱۸ | لباس |
| ۳۴۰ | بیعت کی حقیقت | ۳۱۹ | سفر میں بستر کا اہتمام |
| ۳۴۱ | کمال استقامت و علو ہمت | ۳۲۰ | سودیشی تحریک |
| ۳۴۲ | نہند حضرت کی اختیاری تھی | ۳۲۱ | حق گوئی و بیباکی |
| ۳۴۳ | نوافل پر مداومت | ۳۲۲ | عزم و ہمت |
| ۳۴۴ | حج و زیارت - تیسرا حج | ۳۲۳ | بے تکلفی و سادگی |
| ۳۴۵ | چوتھا حج - پانچواں حج | ۳۲۴ | بدوؤں کے مشاعرہ میں شرکت |
| ۳۴۶ | چھٹا حج | ۳۲۵ | ماہ رمضان میں حضرت کے معمولات |
| ۳۴۷ | ۳۲۵ء میں ساتواں حج | ۳۲۶ | ختم قرآن کا اہتمام |
| ۳۴۸ | مکہ کی ہر چیز میں تغیر آگیا مگر حجرِ اسود، غارِ ثور اور | ۳۲۷ | اعتکاف کا اہتمام |
| ۳۴۹ | غارِ حرا وہی ہے جس کو رسول خدا نے مس کیا | ۳۲۸ | ایک شادی کی تقریب میں حلال و حرام کا خیال |
| ۳۵۰ | مسجدِ عبا میں کیلے دیے گئے گار سمجھ کر دیکھنے کیلئے نہیں | ۳۲۹ | ایک اور تقریب دہلی میں |
| ۳۵۱ | حرم میں رزم پلانے کی اجرت | ۳۳۰ | معاشرتی تقریبات کے متعلق حضرت کا حکیمانہ طرز عمل |
| ۳۵۲ | رسالہ غینۃ المساک | ۳۳۱ | مولوی ظفر احمد کانکھ |
| ۳۵۳ | مولانا محمد حسن | ۳۳۲ | ابراہیم خاں کے نکاح میں شرکت کیلئے ٹونک کا سفر |
| ۳۵۴ | سفر میں احباب کیلئے ہدایا | ۳۳۳ | گرامی نامہ |
| ۳۵۵ | مخلصین کے ہدیے - دنیا داروں کے ہدایا سے گریز | ۳۳۴ | مزاج |

| | | | |
|----------|--|----------|--|
| صفحہ ۳۹۹ | بدعت سے بچنے کی تاکید | صفحہ ۳۶۴ | بیوہ کی دعوت |
| ۴۰۰ | ڈاڑھی کی تاکید - انداز تعلیم و تربیت | ۳۶۵ | خدام کی دلداری |
| ۴۰۲ | زنگون کا سفر | ۳۶۶ | سفر میں رفقاء کی راحت کا خیال |
| ۴۰۳ | میوات کا سفر اور اہل میوات کی اصلاح کی تاکید | ۳۶۷ | اہل عرب کا احترام |
| ۴۰۵ | بیعت کے الفاظ - نسبت کی کشش | ۳۶۸ | حرمین میں سخاوت - عرب کی ہر چیز محبوب ہے |
| ۴۰۶ | علما کو اصلاح حال اور بیعت کی زیادہ ضرورت | ۳۷۱ | خواجہ انجیریؒ کے مزار پر |
| ۴۰۷ | حرب الاعظم پر پابندی کی تاکید | ۳۷۲ | فراست |
| ۴۱۰ | توجہ کا اثر | ۳۷۳ | صبر و تحمل - صلہ رحمی |
| ۴۱۲ | مستورات کا وظیفہ | ۳۷۴ | دعا کی برکت |
| ۴۱۵ | نصائح سلوک | ۳۷۹ | دعا کا فیضان |
| ۴۲۰ | مراقبہ کی حقیقت | ۳۸۱ | تربیت تصرفات اور وصیت و وفات |
| ۴۲۰ | ہندوستان سے سوئے مدینہ | ۳۸۶ | سلوک و طریقت |
| ۴۲۵ | ہجرت کی نیت | ۳۸۷ | ملکہ یادداشت - یقین اور حضور |
| ۴۲۵ | زندگی کے آخری ایام میں درس حدیث | ۳۸۸ | نسبت عبدیت |
| ۴۲۶ | مرض الموت کا آغاز | ۳۸۹ | ذکر و شغل کی تعلیم |
| ۴۲۶ | وفات | ۳۹۰ | موصوف کی نسبت کے متعلق حضرت نگوی کا بیان |
| ۴۲۷ | مرض موت سے پیشتر رویہ اور اس کی تعبیر | ۳۹۱ | بیعت کے بعد خط و کتابت کی تاکید |
| ۴۲۷ | اہلیہ کی دلہی - اہلیہ کا وصال | ۳۹۲ | ذکر میں دو باتوں کی تاکید |
| ۴۲۸ | گریہ و بکا | ۳۹۳ | مراقبہ معیت - خلافت کا معیار |
| ۴۲۸ | جتنی مدت کی رخصت اتنے ہی دن کا قیام | ۳۹۴ | ذکر کے آداب |
| ۴۲۸ | نصائیف | ۳۹۵ | سائیک کو رویہ بار بار پکادی اور تنبیہ |
| ۴۲۸ | خلفاء | ۳۹۷ | ہونہار منتسبین پر خصوصی توجہ |
| | | ۳۹۷ | مکتوب گرامی |
| | | ۳۹۸ | انداز تحریر - گرامی نامہ |
| | | | ماثورہ دعاؤں کی ترغیب و تاکید |
| | شَمَت | | |

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

حرفِ آغاز

(از فرید الدین احمد الوحید)

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھے احوال کہ آگ لینے کو جائیں پیہری مل جائے
حق تعالیٰ شانہ کا کرم ہے کہ اس سچھدا کو برادر ام الحارج شیخ متین احمد صاحب خلف اکبر محترم
خان بہادر الحارج شیخ رشید احمد صاحب میرٹھی ثم الباکستانی رحمۃ اللہ علیہ کے توسط سے یہ سعادت حاصل
ہو رہی ہے کہ تذکرۃ التحلیل کی اشاعت حسب خواہش و ارشاد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب
مدظلہ اپنی بساط کے مطابق حصہ لینے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

حضرت مولانا فلیل احمد صاحب ہاجر مدنی قدس اللہ سرہ سے میرے والد بزرگوار حضرت خان بہادر الحارج
محمد وجیہ الدین صاحب میرٹھی ثم الباکستانی ثم ہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو اور میرے مرشد قطب العارفین حضرت
مولانا مسید محمد بدر عالم صاحب میرٹھی ہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی جو قلبی تعلق رہا ہے اس نے تذکرۃ التحلیل
کے موجودہ ایڈیشن کی اشاعت کے لئے میرے قلب کے اندر ایک عجیب انسااطی کیفیت پیدا کر دی اور میں
اس خوش نصیبی کو انہی حضرات کا فیضان سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس ناچیز خدمت کو اپنے کرم سے بہ طفیل
حضور سرور کائنات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ذخیرۂ آخرت بنائے۔

اس ایڈیشن میں سرخیوں کا بھی اہتمام کیا گیا ہے جہاں ضرورت ہوئی ہے وہاں نئی سطر سے عبارت
شروع کی گئی ہے، بغلی سرخیاں بھی جا بجا قائم کی گئی ہیں تاکہ جملہ افادی پہلو ناظرین کے سامنے آجائیں۔
ابواب کی اجمالی فہرست اور عنوانات کی تفصیلی فہرست کا بھی اضافہ کیا گیا ہے امید ہے کہ اس سہ کتاب
کی افادیت اور بڑھ جائے گی۔

کتاب کی اشاعت میں جن حضرات نے مختلف حیثیت سے دے درے سخنے قدم میری امداد فرمائی
ہے ان کا شکریہ ادا کرنا میرے فرائض میں سے ہے جن کے لئے دل سے دعائیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس کے
صلیبیں و آئین کی عافیت عطا فرمائے۔ خصوصاً صاحب ذیل حضرات قابل مبارکباد ہیں:-

الحاج الحافظ شیخ متین احمد صاحب
الحاج الحافظ شیخ انیس احمد صاحب
پسران خان بہادر حضرت الحاج شیخ رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی

مولانا اخلاق احمد صاحب

مولانا عبدالحلیم صاحب چشتی

خان صاحب الحاج پروفیسر بشیر احمد صاحب صدیقی

الحاج منشی محمد اعلیٰ صاحب

الحاج سرتاج الدین احمد صاحب ابن جناب حاجی حافظ مشتاق احمد صاحب کانپوری

الحاج آفتاب احمد صاحب ابن جناب حاجی حافظ مشتاق احمد صاحب میرٹھی مرحوم

اس صدی کے مشاہیر اہل علم میں حضرت مولانا عاشق الہی صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی
سنہ ۱۹۳۱ء کو ایک ممتاز مقام حاصل ہے۔ ان کی گونا گوں دینی، علمی، تدریسی، اصلاحی اور تالیفی خدمات
بڑی اہمیت کی حامل ہیں جن سے عوام اور خواص دونوں برابر استفادہ کرتے رہتے ہیں لیکن مولانا مرحوم
کے حالات سے بہت ہی کم لوگ واقف ہیں۔ مولانا میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف اور تراجم آئے دن
چھپتے رہتے ہیں مگر ناشرین حضرات مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق کچھ بھی نہیں لکھتے۔ قارئین کو ان کے
حالات کی جستجو ہوتی ہوگی مگر اس خصوص میں کچھ نہ معلوم ہونے سے ایک درجہ کی مایوسی ہوتی ہوگی۔

الحمد للہ کہ حضرت مولانا شیخ الحدیث محمد زکریا صاحب مدظلہ نے ارشاد الملوک کے مقدمہ کے
ساتھ مولانا عاشق الہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات لکھ کر یہ کمی پوری فرمادی۔ حضرت شیخ
مدظلہ نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے حالات ”انجواہ الزواہر ترجمہ البصائر“ سے اخذ فرمائے ہیں اور
اپنی طرف سے اضافہ بھی فرمایا ہے جو حسب ذیل ہے:-

مختصر حالات مولانا عاشق الہی صاحب

حضرت مولانا عاشق الہی صاحب نے اپنے ابتدائی حالات ”انجواہ الزواہر ترجمہ البصائر“ میں خود ہی

تحریر فرمائے ہیں اور بہت تفصیل سے ذکر فرمائے ہیں جن کو میں مختصراً نقل کرتا ہوں وہ لکھتے ہیں:-

(نسب) عاشق الہی بن یازد الہی بن رحم الہی بن فضل الہی کی ولادت پانچ رجب سن بارہ سو اٹھاون
ہجری مطابق تین جون سن اٹھارہ سو اکیاسی عیسوی یوم جمعہ کو ہوئی۔

چار سال کی عمر میں الف بار شروع ہوئی اور سن تیرہ سو چار ہجری میں جبکہ میری عمر چھ سال کی تھی قرآن پاک ناظرہ اور کچھ اردو کی کتابیں پڑھی تھیں اور بے پڑھے اخبارات کو فخر پڑھنے لگا۔ سن تیرہ سو پانچ ہجری میں عربی شروع کر دی، اس کے بعد انگریزی اسکول میں دو سال تعلیم پائی اور اسی طرح متفرق تعلیم ہوتے ہوئے جاری التانیہ سن تیرہ سو گیارہ ہجری میں جبکہ میری عمر تیرہ سال کی تھی مدرسہ قومی میرٹھ میں داخلہ ہوا اور ابتدا سے میزان وغیرہ ہوئی۔ سن تیرہ سو بارہ ہجری میں مشکوٰۃ شریف شروع ہو گئی جبکہ عربی شروع کئے ہوئے صرف دس مہینے ہوئے تھے دو سال میں جملہ کتب صحاح و دینیات ختم ہو گئیں اور حضرت مولانا میر حسن صاحب امر وہی نے دستار بندی فرمائی اس وقت میری عمر سولہ سال کی تھی۔

ربیع الثانی سن تیرہ سو پندرہ ہجری میں میرا نکاح اول ہوا اور اسی سال رجب سن تیرہ سو پندرہ ہجری میں لاہور مولوی فاضل کی تعلیم کے لئے چلا گیا اور اعلیٰ نمبر کی کامیابی حاصل کی

چار محرم سن تیرہ سو سولہ ہجری کو کامیابی کا انعام لینے کے لئے لاہور روانہ ہوا تو راستہ میں گنگوہ حضرت قطب عالم گنگوہی قدس سرہ سے بیعت کی۔ ایک شب قیام کے بعد لاہور روانہ ہو گیا۔

واپسی پر سن تیرہ سو سترہ ہجری میں ندوۃ العلماء کی طلبہ پلازمنٹ پر گیا اور چھیس محرم سن تیرہ سو سترہ ہجری کو ندوہ میں پچیس روپیہ ماہوار پر میرا تقرر دارالعلوم ندوہ کی دومدرسی پر ہو گیا لیکن آب و ہوا کی عدم موافقت اور اکابر کے عدم پسندیدگی کی وجہ سے آخر رجب میں واپسی ہو گئی۔

اور کچھ روپیہ قرض لیکر صفر سن تیرہ سو اٹھارہ ہجری میں خیر المطایع کے نام سے مطبع کھولا جس سے اجرت پر کتابیں طبع کرانے لگا اور ساتھ ہی مفید کتابوں کے تراجم میں مشغول ہو گیا۔ اور صبر سے اول قرآن مجید کا سلیس اردو میں ترجمہ کیا اور سن تیرہ سو انیس ہجری میں بصورت حائل اس کو طبع کرایا وہ بہت جلد فروخت ہو گئی اور سن تیرہ سو بیس ہجری میں اس کو دوبارہ طبع کرایا اور اس کے ساتھ ہی اپنی تالیف الاسلام طبع کرائی جن میں اتنا نفع ہوا کہ جس سے میرا قرضہ بھی ادا ہو گیا اور مجھ پر حج بھی فرض ہو گیا۔

سترہ رجب سن تیرہ سو اکیس ہجری کو مع اپنی والدہ کے حج کے سفر کے لئے روانہ ہوا۔ حج کے بعد مدینہ منورہ بدرستی کی وجہ سے جانا نہ ہو سکا۔ محرم سن تیرہ سو بائیس ہجری میں سفر حج سے واپسی ہوئی اور اپنے سابقہ تجارتی مشغلہ میں مشغول ہو گیا۔ سن تیرہ سو بیس ہجری میں دوسرا حج چوائے والدرحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے حج بدل تھا کیا اور ربیع الاول سن تیرہ سو چوبیس ہجری میں سفر حج سے واپسی ہوئی۔

سن تیرہ سو چھیس ہجری میں تذکرۃ الرشید شائع کی۔

اور سن تیرہ سو اٹھائیس ہجری میں جب حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہ

اور حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہ جج کے لئے تشریف لے جا رہے تھے تو میں نے بھی دفعہ جج کا ارادہ کر لیا۔ اسی سفر میں شام، فلسطین اور مصر کا بھی سفر کیا۔

اور سن تیرہ سو تینتیس ہجری میں یہ رسالہ ارشاد الملوک ترجمہ امداد السلوک تصنیف اور طبع کیا۔
بائیس محرم سن تیرہ سو تینتیس ہجری کو میری پہلی اہلیہ نے انتقال کیا۔ تین لڑکے (ڈاکٹر محمود الہی، مولوی حافظ مسعود الہی، حافظ مقبول الہی) اور دو لڑکیاں پسماندگان چھوڑیں۔ اسی سال ربیع الاول سن تینتیس ہجری میں میرا دوسرا نکاح ہوا اور اکیس شوال سن تیرہ سو اکتالیس ہجری میں مع دوسری اہلیہ کے چوتھے جج کے لئے روانہ ہو گیا۔ ربیع الاول سن تیرہ سو بیالیس ہجری کو واپسی ہوئی۔

ذی قعدہ سن تیرہ سو بیالیس ہجری میں پانچویں جج کے لئے روانہ ہوا جج سے فراغت پر مصر جا کر ٹائپ خریداجس پر ہندوستان آکر جمع الفوائد طبع کرائی۔ یہ حالات ابجواہر سے ماخوذ ہیں۔
اضافہ از زکریا

سن تیرہ سو چوالیس ہجری میں جبکہ حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ مستقل قیام کے لئے مدینہ منورہ تشریف لے جانے کا ارادہ کر رہے تھے تو تین جمادی الثانیہ سن چوالیس ہجری کو تین حضرات کا مدرسہ مظاہر علوم کی سرپرستی کے لئے انتخاب فرمایا حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر صاحب لائے پوری حضرت مولانا عاشق الہی صاحب میرٹھی، الحاج شیخ رشید احمد صاحب میرٹھی ثم پاکستانی نور اللہ مرقدہ ہم یہ حضرات آخر حیات تک مظاہر علوم کے سرپرست رہے۔ حضرت میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے انتہائی مشاغل کے باوجود بہت ہی زیادہ انہماک اور توصے اپنے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی یادگار سمجھ کر مظاہر کی ایسی سرپرستی فرمائی کہ بایر و شاید بار بار تشریف لاتے، مدرسین کے اسباق میں بھی تشریف رکھتے۔ مدرسہ کے حسابات کو بھی بہت اہتمام سے ملاحظہ فرماتے۔ مولانا کو دفتری اور حسابی کاموں سے بھی بہت زیادہ مناسبت تھی، مالیات کے رجسٹروں کا گہری نظر سے ملاحظہ فرماتے، خزانہ کی پڑتال کرتے۔ سال میں کئی کئی مرتبہ طلب پر اور بلا طلب دفعہ بھی بار بار تشریف لاتے۔

سن تیرہ سو اکتالیس ہجری کے آخر میں چھٹے جج کے لئے تشریف لے گئے اور بیس محرم سن تیرہ سو اکتالیس ہجری کو حجاز سے واپسی ہوئی۔ حضرت میرٹھی نے ابجواہر میں اپنے پانچ جج تحریر فرمائے ہیں، اس کے بعد اس ناکارہ کو بھی ایک جج یاد ہے جس کو بندہ نے لکھا ممکن ہے کہ مولانا نے کوئی اور بھی جج کیا ہو جو مجھے یاد نہیں۔
مولانا انتہائی زکی، انتہائی مدبر، ظریف، خوش مزاج تھے لیکن منکرات پر بہت زیادہ غصہ آجاتا جو سب اوقات سخت کلامی تک پہنچ جاتا۔ اول حضرت اقدس گنگوہی نور اللہ مرقدہ سے بیعت کی تھی وہ اوپر ذکر ہوا۔ حضرت

قدس سرہ کے وصال کے بعد حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نورائد مرقدہ ہاجر مدنی سے رجوع کیا اور حضرت ہی سے خلافت اور اجازت بیعت سلوک ملی۔ حضرت اقدس سہارنپوری کے وصال کے بعد مرشد اول کی سوانح کی طرح مرشد ثانی کی سوانح بھی تذکرۃ الخلیل تصنیف فرمائی جس میں حضرت مولانا مظہر حسین صاحب کاندھلوی، شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب، حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری، حضرت مولانا صدیق احمد صاحب انہسوی، حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی نورائد مرقدہ کے مختصر حالات بھی ذکر فرمائے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی متعدد تصانیف و تراجم مولانا کی تصانیف میں مشہور و معروف ہیں۔

یکم شعبان سن تیرہ سو ساٹھ ہجری مطابق پچیس اگست سن انیس سو اکتالیس عیسوی دو شنبہ کی صبح کو چھ بجے وصال ہوا۔ چار بجے شام کو مکان کے قریب ہی اپنے خاندانی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

حادثہ کے وقت بھی ایک عجیب واقعہ پیش آیا کہ حضرت اقدس مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری نورائد مرقدہ ایک سفر سے سہارنپور واپس تشریف لائے اور اس ناکارہ ذکر یا سے ارشاد فرمایا کہ حضرت میرٹھی کی شدت علالت کی خبر سن جا رہی ہیں خیال یہ ہے کہ رائے پور جانے سے پہلے حضرت میرٹھی کی عیادت بھی کرتا جاؤں بشرطیکہ آپ بھی ساتھ ہوں۔ میں نے قبول کر لیا اور قرار یہ پایا کہ انوار کے دن جا کر دیوبند حضرت اقدس مدنی نورائد مرقدہ کی خدمت میں قیام کیا جائے اور پیر کی صبح کو میرٹھ روانگی ہو۔ چنانچہ انوار کو دیوبند حاضری ہوئی اور پیر کی صبح کو حضرت مدنی نورائد مرقدہ سے جب میرٹھ جانے کی اجازت چاہی تو حضرت مدنی قدس سرہ نے فرمایا کہ آج عقیقہ ہے بکرے بھی ذبح کر لیا ہوں اس کا گوشت کھا کر جائیں لیکن مولانا میرٹھی کی کرامت ہو یا حضرت رائے پوری کی، حضرت مدنی سے اجازت لیکر میرٹھ روانگی ہو گئی۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ چھ بجے مولانا میرٹھی کا انتقال ہو چکا ہے اور دفن سہارنپور پہلا حادثہ کی اطلاع کا اور دوسرا جنازہ کی نماز میں انتظار کا سہارنپور جا چکے ہیں اور حادثہ کی اطلاع کا نار دیوبند حضرت مدنی کی خدمت میں بھی جا چکا ہے اور حضرت میرٹھی کی وصیت کے موافق جنازہ کی نماز میں اس ناکارہ کا انتظار تھا۔ جنازہ تیار تھا اور مکان سے متصل مسجد میں رکھا ہوا تھا اور زائرین کا ہجوم ہوا تھا اس وقت حضرت اقدس مدنی کی تعمیل ارشاد نہ ہونے کی ندامت بھی جاتی رہی بعد میں حضرت اقدس مدنی نورائد مرقدہ نے بھی جانے کی نصیب فرمائی۔

حضرت میرٹھی نور اللہ مرقدہ کی تصانیف بھی متعدد ہیں جو عام فہم ہونے کے علاوہ بہت زیادہ دینی حیثیت سے مفید ہیں مگر افسوس کہ وہ سب نایاب ہو گئیں۔ یہ رسالہ ارشاد الملوک بھی حضرت میرٹھی کی تصنیف ہے اللہ جل شانہ پڑھنے والوں کو اس سے متمتع فرمائے اور حضرت میرٹھی نور اللہ مرقدہ اور ان کے مرشد اعظم قطب عالم حضرت گنگوہیؒ جن کی کتاب امداد السلوک کا یہ ترجمہ ہے اور اصل رسالہ میکہ کے مصنف نور اللہ مرتدہ تینوں حضرات کی ارواح مقدسہ کو پڑھنے والوں کے پڑھنے کا ثواب عطا فرمائے اور ان ارواح پر اللہ تعالیٰ کی بہت ہی رحمتیں نازل ہوں کہ سالکین کے لئے اصل کتاب اور اس کا ترجمہ بہت ہی نافع ہے۔

اللہ یوفقنا لما یحب ویرضیٰ

تہید حضرت مؤلف

مُبْسِمًا وَحَامِدًا وَمُصَلِّيًا وَمُسْلِمًا

بندۂ ناچیز عاشق الہی عرض کرتا ہے کہ تالیف کی دشواریاں وہی سمجھتا ہے جس کو اس کا اتفاق پیش آیا ہو، خصوصاً سوانح عمری جس کا مدار حافظہ و یادداشت پر ہے کہ زندگی میں کسی کو پتہ نہیں کون پہلے مرے گا کون پیچھے، اور اس لئے واقعات کے ضبط کرنے کا خیال بھی نہیں ہوتا۔ پھر سوانح بھی جب کسی جامع شریعت و طریقت بزرگ کی ہو جس کی عمر کا ہر لمحہ دین کے کسی علمی و عملی نزلے رنگ میں گزرا ہو کہ کوئی حال چھوڑنے کے بھی قابل نہیں اور کوئی ہر وقت ساتھ بھی نہیں رہا کہ تمام کارناموں کو محفوظ کر لے۔ اور اگر صاحب سوانح مؤلف کا روحانی باپ ہوں تو اس کی دشواری کا ٹھکانا ہی نہیں رہتا کہ یہ تعلق دردِ فراق سے رونے پر مجبور کرتا اور چلتے ہوئے قلم کو بھی پکڑ لیتا ہے۔ ایسی اہم خدمت پر احباب اور بزرگوں نے مجھ جیسے نااہل کو مجبور کیا اور وہ بھی ایسے وقت کہ دماغ و دل بیکار ہو چکا اور ہاتھ میں ریشہ بڑھ گیا ہے۔

برادرانِ طلیقت سے مدد چاہی کہ اپنی معلومات قلمبند کر کے بھیج دیں تو اکثر جگہ سے جواب آگیا کہ کچھ یاد ہی نہیں ہے اور بعض حضرات نے اپنے مکاتیب بھیج دیئے کہ اس سے انتخاب کر لو۔ یہ ایک مستقل دردِ سری تھی اور وہ بھی ناقص، ہاں بعض حضرات نے کچھ معلومات بھیجیں جن کا شکر گزار ہوں مگر ضرورت تھی ہر عنوان میں کچھ نہ کچھ مدد کی اور وہ کہیں سے نہ ملی، سفر بھی کئے تقاضے کے خطوط بھی بار بار جگہ جگہ لکھے مگر جب کچھ نہ بن پڑا تو اپنی ہی یادداشت پر اکتفا کر کے بنام خرقلم ہاتھ میں لے لیا اور سرسری فکر سے جو کچھ یاد آتا لکھا شروع کر دیا۔ چونکہ بچپن سے اس کی عادت ہے کہ جب تنگ کا تب کے تقاضے کا بوجھ نہ پڑے کوئی مضمون لکھا نہیں جاتا اس لئے کتابت و طباعت کا ساتھ ساتھ معاملہ کر لیا۔

اتفاق کی بات کہ میری بھتیجی مرض احتباسِ نفاس میں مبتلا ہو گئی اور ایک مہینے سے زیادہ اس کو سرسای دورے پڑے کہ ہر وقت تیمارداری ضروری تھی آخر اس کا انتقال ہو گیا اور مہینہ بھر بعد اس کی نشانی جس کی ولادت ماں کے لئے مرض الموت بنی تھی نیز رخصت ہو گئی۔

اسی اثنا میں بعض مخلص دوستوں کی شہرتِ علالت اور نیز دیگر ضروریات سے بار بار سفر پیش آیا

اور دو مہینے یہ حالت رہی کہ ہفتہ میں تین دن کے لئے گھر آتا اور ہفتہ بھر کا مضمون لکھ کر کاتب کے حوالہ کر کے دوسرے سفر میں چلا جاتا تھا۔ اس سراسیمگی میں چلتے پھرتے پریشان و متفرق اوراق پر اس کا مضمون لکھا گیا کہ نظر ثانی کی بھی نوبت نہیں آئی اور ساتھ ساتھ لکھائی و چھپائی ہو کر چار مہینے میں مطبوعہ کتاب بن گئی صرف حق تعالیٰ شانہ کا فضل تھا کہ اس نے کام لے لیا ورنہ ظاہری لحاظ سے مجھے حق نہیں ہے کہ اس کو حضرت کی حیات طیبہ کی سوانح کہہ سکوں۔ الحاصل جو کچھ بھی ہوا وہ نمونہ دکھانے کے لئے ضرورت پوری کرنے کے درجہ میں اس وقت پیش کرتا ہوں رع

مگر قبول افتد رہے عز و شرف

اور التجا کرتا ہوں کہ زلت و لغزش سے چشم پوشی فرما کر دعائے خیر میں یاد رکھیں یہ

أَجِبْ الصَّالِحِينَ وَكَسَتْ مِنْهُمْ لَعَلَّ اللَّهَ يَرْزُقُنِي صَلاَحًا

کیا عجب ہے کہ دوبارہ طبع ہو تو اس سے اچھی حالت میں ہو جائے۔ وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَسَلَّمَ۔



سہ میں امت کے بزرگوں سے محبت رکھتا ہوں گو خود ان میں نہیں ہوں شاید اللہ تعالیٰ اس محبت کی برکت سے مجھے بھی صلاحیت عطا فرمادیں۔



مقدمہ

تَحْمَدٌ وَتَصَلَّى عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

گفت یلیٰ را خلیفہ کاں توئی کر تو مجنوں شد پریشان و غوی
از ہمہ خواباں تو افزوں نیستی گفت خامش چوں تو مجنوں نیستی
دیدہ مجنوں اگر بودے ترا ہر دو عالم بے خطر بودے ترا

تیرہ سو برس سے زیادہ زمانہ گزرا کہ حق تعالیٰ شانہ نے ظلمتِ کد عالم کو نور بخشنے والا وہ پیغمبر دینا میں بھیجا جس کے ہاتھ میں سیادتِ رسل کا جھنڈا اور سر پر خاتمتِ انبیاء کا تلج تھا کہ قحط کی ماری ہوئی سوکھی زمین اُس کے قدموں کی برکات سے اہلہائے لگی اور تاریکی میں ڈوبا ہوا ملک اُس کے نچکے ہوئے چہرہ کی شعاعوں سے جگمگا اٹھا۔ وہ مخلوق جس کے قلوب اپنے پیدا کرنے والے خدا سے اتنے نا آشنا ہو چکے تھے کہ اپنی جیسی حادثِ دفانی ہستیوں بلکہ اپنے ہاتھوں گھڑی ہوئی مٹی اور لکڑی کی صورتوں کو عالم میں تصرف کرنے والا خدا سمجھ بیٹھے اور کفر و شرک کو دین و ایمان بنائے ہوئے تھے دفعۃً چونکے اور آخر اُس مقناطیسی کشش کی طرف متجذب ہو کر جو اُن کو پارس بنانے کی غرض سے آئی تھی ایسے موجد بنے کہ دنیا میں شرک کا وجود اُن کو شاق گذرنے لگا اور اُن کی شہنائے مراد صرف یہ رہ گئی کہ سطحِ عالم پر جو بھی پیدا ہو وہ کاش بجز حق تعالیٰ کے کسی کا بھی بندہ و غلام نہ بنے۔

اللہ اشہر یا وہ وقت تھا کہ جس دن آپ نے توحید کا اعلان کیا تو ایک شخص بھی آپ کا ہمنوا نہ تھا بلکہ آپ کی انوکھی صدا کو بچہ بچہ حیرت و رنج و غصہ اور عتاب و دشمنی کی تیز نظروں سے دیکھتا تھا اور بابائیسویں سال وہ وقت آیا کہ آپ مجانبہ شوق میں اپنے محبوب خدا کا فریضہ حج ادا کرنے کیلئے

سلطہ بادشاہ نے لیا ہے کہا کیا تو ہی ہے وہ جس کی وجہ سے مجنوں پریشان و سرگشتہ پھر رہا ہے۔ اور سب حسیں سے تو زیادہ نہیں بولی خاموش رہو کیونکہ تم مجنوں نہیں ہو۔ اگر تم کو مجنوں کی انکمہ میر سرتوئی تو سارا عالم تمہاری نظریں سے قدر ہوتا۔ یہ اشار شہنوی ہوا تا رومی کے ہیں یہ مضمون کے ہیں کہ ذہنی عشق دوسری ہر چیز کو بے قدر کر دیتا ہے تو عشقِ خدا و رسول کے بعد کیا چیز قابلِ توجہ رہ سکتی ہے؟
شہ اندھیرا گھر سے تمام پیغمبروں کی سوا دی کا شہ سب پیغمبروں کو ختم کرنے والا ہونے کا تلج کہ بدین کسی قسم کا کوئی نبی نہ ہوگا۔ شہ موجود و نابود کرنے والا۔ شہ کچھ کر۔ شہ لوہے کو پارس پتھری جس کے گلے سے ہر چیز سباناں جاتی ہے شہ آخری شہ جمالِ الوداع سنائے میں آخری ج۔

گھر سے نکلے تو ایک لاکھ سے زیادہ مجمع جس میں بچے اور بوڑھے، مرد اور عورت، ملکی وغیر ملکی، امرا و فقرا، حکام و محکومین سب ہی شامل تھے، مشتاقانہ و غلامانہ طریق پر آپ کے ہم کاب اور آپ کی ہر ہر ادھر پر عاشقانہ و الہانہ طرز پر جہاں نثار کرنے والے ساتھ تھے جن میں ہر فرد صرف ہدایت یافتہ ہی نہیں بلکہ ہادی و راہبر ہونے کی سند لے چکا اور اس کو سید ولد آدم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ پروانہ عطا ہو چکا تھا کہ ان اصحابی کا النجوم فباہم اقتدیتم اھتدیتم۔ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین میں کی پائیدار تخم ریزی چونکہ ختم دنیا تک قائم رہنے والی تھی اور آپ کے ہاتھوں کا لگایا ہوا بارغ قیامت تک باقی و قائم رہنے والا تھا اس لئے آپ کے روشن کئے ہوئے چراغوں کا سلسلہ نور رسانی متعدی ہوا اور ایک مشعل سے دوسری مشعل اور ایک چراغ سے دوسرا چراغ روشن ہو کر ہر قرن اور ہر زبان میں ہر ملک اور ہر ہستی کے اندر اس نور کا مخلوق کو نظارہ کرانا رہا جس کا اصل مخزن قلب محمدی اور جس کا مشکوٰۃ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود اور جو خدا کا حضرت روحی فداہ خدا ارشاد فرما چکے تھے علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل۔ یہ علماء امت جنھوں نے اپنے پیشوا، اپنے امام، اپنے ہادی اپنے سرور، اپنے آقا، اپنے مولیٰ اور اپنے مورث اعلیٰ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم قدس کو روانہ ہو جانے کے بعد آپ کی نیابت میں فرائض نبوت کو انجام دیا اور مخلوق کی رہبری کو اپنا مقصود و حیات بنا دیا اور بار اللہ کہلاتے ہیں جن کی تعداد حیثۃ شمار سے باہر اور انسانی حد و حساب سے بیرون ہے۔

اسی گروہ کے ایک فرد کا جن کا مبارک نام مولانا خلیل احمد ہے یہ شریں تذکرہ ہے کہ اہل اللہ کے حالات اور سوانح میں بھی قدرت نے ایک ایسی حلاوت اور کشش عطا فرمائی ہے جو مظلم قلوب کو نور اور افسردہ دلوں کو تازگی بخشتی ہے جس کی وجہ سے ان حضرات کے کارنامے صدقات جاریات بن جاتے ہیں کہ بزرگ حیات جس طرح مخلوق نے ان کی صورت کے نظارہ سے ہدایت کا سبق لیا تھا اسی طرح بعد الوفات ان کے حالات عالیہ کی سماعت و مطالعہ سے توجہ الی اللہ کا نفع پاتی اور رغبت و شوق کے ساتھ یہ کہتی ہوئی اپنے خدا کی طرف لپکتی ہے۔

لے میرے صحابی مثل ستاروں کے ہیں کہ جس کا ابتلا کر لو گے راہ یاب ہو جاؤ گے۔ لے خزانہ۔ لے وہ طاق جس میں چراغ رکھا ہو لکھ سخاوت و فیض والا وجود۔ لے میری روح ان پر فدا ہو۔ لے میری امت کے علما بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں، یعنی جیسے وہ حضرات اپنے اپنے حلقوں میں دین کی حفاظت و اشاعت تبلیغ اور باطن کی درستی کیا کرتے تھے یہی اپنے اپنے حلقوں میں کرتے مگر خاتم الانبیاء کے خاتم الادیان کے لئے۔ لے سب سے اوپر کے وراثت دینے والے کہ حضور کی میراث علم دین و تزکیہ ظاہر و باطن ہی پر مال و دولت نہیں، جیسے صبر و شوق سے ثابت ہے۔ لے گنتی کے احاطہ سے باہر۔ گو محی الدین ابن عربیؒ نے لکھا ہے کہ ہر زمانے میں ایک لاکھ چوبیس ہزار ولی ہوتے ہیں جو تعداد بعض حضرات نے صحابہؓ کی لکھی ہے اور ایک حدیث میں انبیاء علیہم السلام کی آئی ہے گو متواتر ہونے کی وجہ سے اس پر عقیدہ قائم ہو گا۔ لے تاریک لکھ وہ نیکیاں جن کا ثواب مرنے کے بعد بھی قیامت تک ملتا رہے گا لکھ اللہ سے موت کی کوئی گناہ

أَحِبُّ الصَّالِحِينَ وَكَسَمْتُ مِنْهُمْ لَعَلَّ اللَّهَ يَكْثُرُ قَبْلِي صَلَاحًا

تذکرۃ الخلیل کا سبب تالیف ایک ہرے بھرے بارغ میں ہزار ہا قسم کے پھول ہوتے ہیں جن میں ہر ایک کا رنگ دوسرے سے جدا اور ہر ایک کی بود و سرے سے الگ ہوتی ہے لیکن اگر بلبل صرف گلاب کی پتیوں پر صدقے اور واری ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے پھول پھول نہیں، یا ان کی بوئے خوش چھپانے کے قابل نہیں۔ اسی طرح امت محمدیہ کے ہزار ہا ہزار سردارانِ ملت میں سلفاً و خلفاً ہر بزرگ ایک جدا دلربائی لایا ہے جس کے بیٹھے تذکرہ و روح کو فرحت پہنچتی ہے مگر باوجود اس کے بندہ ناچیز نگہستانِ رشیدی کے ایک خاص تو نہال کے تذکرہ کی طرف صرف اس لئے متوجہ ہوا کہ میری پیاس بجھانے اور برآن و ہر لمحہ مجھ پر ایک خاص احسان فرمانے میں اس مقدس ہستی کو خاص دخل تھا۔ اس لئے جس طرح کسی دلق پوش بے نوافقیرے پوچھا جائے گا کہ تجھے سب سے پیارا کون ہے تو وہ کہے گا کہ میرا باپ۔ اسی طرح مجھ سے اگر کوئی سوال کرے گا کہ تیرے نزدیک بزرگتر کون ہے؟ تو میرے روئیں روئیں سے ہی نکلے گا کہ مولانا خلیل احمد قدس سرہ العزیز مولانا روم نے کیا خوب کہا ہے۔

گفت معشوقے عاشق کاے فتنے تو بغربت دیدہ بس شہر ہا
پس کد امی شہر ازا نہا خوشتر است گفت آن شہرے کہ درے دلبر است

با ایں ہمہ اعتقاد ہے کہ اموات ہوں یا اجیاد اور اسلاف گذشتہ ہوں یا اخلاف موجودہ جتنے بھی اہل حق نامتین رسالت ہیں اپنے سر کے تلخ اور محبوب و مطلع ہیں کہ گواہان مختلف اور طرق تربیت الگ الگ ہیں مگر سب ایک بحرِ توحید کے غواص اور ایک دریائے ہدایت کی نہریں ہیں۔ حق تعالیٰ ان کے مراتبِ عالیہ میں ترقیات بخشے اور مخلوق کو ان کی ذات سے دینی برکات حاصل کرنے کا تادیر وقت عطا فرمائے کہ یہی حضرات بقائے کائنات عالم کا سبب بنے ہوئے ہیں۔

کسی بزرگ کی سوانح لکھنا درحقیقت اس کا منصب ہے جو صاحبِ سوانح کے حالات ظاہر و باطنیہ و واقفیت کاملہ اور اس کے ساتھ مناسبت و محاسنت تامہ رکھتا ہو کہ ہر قول و فعل کو جو کہ

اسے ترجمہ تفسیر کے آخر کے حاشیہ میں ہے۔ ۱۔ ایک معشوق نے اپنے عاشق سے کہا کہ اے جوان نونہ تو میں بہت شہر دیکھ چکا ہوں ان میں سے عمدہ شہر کونسا ہے بولا وہی شہر جس میں محبوب ہو۔ ۲۔ اگلے بزرگ، اخلاف پچھلے۔ ۳۔ حضور کے قائم مقام۔ ۴۔ غوط لگائے والے۔ ۵۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ قیامت جب آئے گی جب کوئی اللہ کہنے والا نہ رہے گا، ان حضرات کی بدولت اللہ اللہ کہنے والے رہیں گے تو دنیا باقی رہے گی، یہ نہوں گے تو کہنے والے کم ہوتے ہوئے ختم ہو جائیں گے پھر کائنات دنیا بھی ختم ہو جائے گی اس لئے یہ حضرات کائنات کے باقی رہنے کا سبب ہیں۔

ثمرہ ہے حالتِ قلبیہ کا وزن کر سکے اور اس کو اپنے موقع پر استیہادیں لاسکے، مگر بندہ ناچیز کا حال یہ کہ اپنے مشاغلِ دنیا میں مہمک رہنے کی وجہ سے حاضری کا اتفاق بھی ماہوار ایک دو دن سے زیادہ نصیب نہ ہوتا تھا اور مناسبت کا تو ذکر ہی کیا کہ چہ نسبت خاک را با عالم پاک مشہور مقولہ ہے۔ لہذا حضرت کے علم دوست اعزہ اور اہل مدرسہ سے منتظر تھا کہ اس خدمت کو انجام دیکر ایک جم غفیر کو مرہونِ منت اور خوشوقت بنائیں گے، مگر افسوس کہ تہا پوری نہ ہوئی اور آخر یہ سمجھ کر کہ عمر کا ہر لمحہ غنیمت ہے جتنا وقت بھی اس خیال و دھیان میں گزر جائے نعمت ہے، اور مٹے نمونہ از خروارے جو کچھ بھی ہدیہ ناظرین ہو سکے مبارک ہے اس شغل کی طرف مائل ہوا اور شوق پورا کرنے لگا کہ مالا یدرد کلا کلا یتراک کلا۔

اس ترتیبِ سوانح میں بڑا دخل میرے بزرگوں حضرت سوانح کی ترتیب کے لئے مؤلف کا انتخاب

اور مخلص دوستوں حضرت مولانا حافظ عبد اللطیف صاحب اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کو ہے کہ ان حضرات کا حکم اور اصرار ہوا جس کی تعمیل سے انکار کو سوراہا دب سمجھا ورنہ ایمان کی بات یہ ہے کہ میں اپنی بے بضاعتی و ناکارگی کے سبب حضرت کی سوانح لکھنے کا اہل نہیں اور نہ وہ قابلیت اپنے اندر پاتا ہوں جو کسی جامع شریعت و طریقت شیخ کی سوانح عمری کے لئے ضروری ہے۔ رہا تذکرۃ الرشید کا قصہ کہ جس کی وجہ سے احباب کی نظریں میری طرف اٹھیں، سو حقیقت یہ ہے کہ اس کی تسطیر و تکمیل جو کچھ بھی ہوئی وہ خود حضرت قدس سرہ کی تو جہاتِ روحانیہ اور اعانتِ قلبیہ و لسانیہ کی بدولت ہوئی، جس پر مجھے خود حیرت و استعجاب ہے مگر اب خود حضرت کی سوانح کس قلب اور کس قلم سے لکھوں کہ خود بیتیم اور مصدوم القلب ہوں، اوریوں بھی بائیس سال کا زمانہ گزر جانے کے سبب نہ وہ امنگ اُبھارے اور نہ قلب و قلم میں وہ طاقت و زور کہ ہر قوت انحطاط پذیر ہے۔

مگر سمجھتا ہوں اس وقت سوانح کا مقصود تہامی احوال کا استیعاب تو ہے نہیں کہ جس شخص نے اپنی عمر کے ستر سال کے اُن گنت لمحات کو دینی خدمات میں صرف کیا اس کا وہی احاطہ کر سکتا ہے جو ہر لمحہ ساتھ رہا اور ہر قول و فعل کو ضبط و محفوظ کرنا رہا ہو اور ایسا دنیا میں کوئی ہے نہیں بلکہ جس کے ساتھ قلوب کو محبت و عقیدت ہوتی ہے اس کی زندگی میں کسی کو یہ خیال بھی نہیں آتا کہ وہ دن بھی خدا

سلہ دلیل۔ شہ اسی وجہ سے متوسلین نے حضرت مولانا جیسے خلیفہ اہل کو انتخاب کیا تھا۔ شہ خاک کو پاک جہان سے کیا نسبت۔ شہ ڈھیر سے ایک ٹھنی نمونہ ہوتا ہے۔ شہ جو چیز بے نعل کے اس کو بالکل چھوڑا بھی نہیں جاسکتا۔ شہ بے سلمان اور کام کے قابل نہ ہونے کے سبب۔ شہ حضرت مولانا محدث و قطب عالم ریڈا احمد صاحب گنگوہی کی سوانح عمری جو آپ ہی کی تالیف ہے۔ شہ سطر بندی لپی لکھنا۔ شہ سخت تعجب۔ شہ روحانی باپ سے یتیم۔ شہ دل کا صدمہ زندہ۔ شہ پورا جمع کرنا۔

دکھائے گا کہ یہ سایہ ہمارے سروں سے اٹھ جائے گا اور لوگ ہم سے خواہشمند ہوں گے کہ ان کی سواخ لکھو اس لئے جو واقعات نظر کے سامنے گزرتے بھی ہیں وہ محفوظ نہیں رہتے اور اگر ان کو سوچا بھی جائے تو زلت و غلطی کا احتمال ان کو لکھنے سے روکتا ہے۔

سواخ کی ترتیب میں مشکلات | اور ان وجوہ سے صاحب سواخ کے متوسلین جن سے بھی درخواست کی جائے کہ اپنی معلومات قلمبند کر دیجئے کہ سب کو فراہم کر کے سواخ

مرتب کر لی جائے تو چار طرف سے سکوت، پایہ جواب ملتا ہے کہ کوئی بات بھی یاد نہیں۔ بایں وجہ سواخ میں کسی بزرگ کے ہزار کمالات میں ایک کمال کا اظہار بھی دشوار ہے۔ البتہ محض نمونہ کے درجے میں چند محاسن تذکرہ میں آجاتے ہیں جن کا مقصود صرف یہ ہے کہ جن قلوب میں تعلق مع اللہ کی استعداد ہے ان کو ابتداء کا شوق و رغبت پیدا ہو جائے اور یہ ذریعہ بن جائے ہدایت اور اس نور کے شیوع کا جو بواسطہ اکابر اہل امت سلسلہ بہ سلسلہ قلب محمدی کی مشعل و مشکوٰۃ سے حاصل ہوا اور تار و زقیا مت منور و متعل ہو رہا ہے گا۔ پس جو کچھ بھی بن پڑا شکستہ دلی و مہموم قلب کے ساتھ ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں پیش کرتا ہوں اور ہم عصر حضرات سے مستدعی ہوں کہ مورخ کی مشکلات اور نا اہل کی دشواریوں پر نظر فرما کر مسامحت و چشم پوشی سے کام لیں اور ناقدانہ و معترضانہ نگاہ نہ ڈالیں کہ اپنے علمی و عملی ہر قسم کے صنعت کا مجھے خود اقرار ہے جس نیت سے قلم اٹھانے کی جرأت ہوئی ہے حق تعالیٰ اس کو قبول اور زلت قلم کو محو و معاف فرمائے تو انشاء اللہ کسی درجہ میں میرے اور نیز ناظرین کے لئے دینی بہبودی اور روحانی نفع سے خالی نہیں۔ وما تو فیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

لے لغزش۔ لے مریدا و رفیع لینے والے لے دنیا سے ہٹ کر اللہ کی طرف متوجہ ہونے کی قابلیت۔ لے دل کے افکار لے درگزر۔ لے قلم کی لغزش کو مٹا دیں۔

حضرت کا وطن اور شبی شرافت

خدا در انتظارِ حمدِ ما نیست محمد چشمِ بر راہِ ثنا نیست
خدا حمدِ آفرینِ مصطفیٰ بس محمد حامدِ حمدِ خدا بس
مناجاتے اگر خواہی بیاں کرد یہ بیٹے ہم قناعت میتواں کرد
محمد از تو می خواہم حندارا الہی از تو حبِ مصطفیٰ را

انبہٹہ کی وجہ تسمیہ | سہارنپور سے سولہ میل بجانب جنوب شرفار کی ایک قدیم بستی ہے جس کو بڑا نہ
فیروز تغلق بادشاہ ۷۷۴ھ میں سپہ سالار فوج سعد اللہ ریگ نے آباد کیا

اور فیروز آباد نام رکھ کر فوجی کیمپ قرار دیا تھا، کچھ مدت کے بعد اس قصبہ کی شہرت انبہٹہ کے نام سے ہو گئی
جس کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے کہ بعض کہتے ہیں اس زمین کی صلاحیت اور زراعت و غلہ جات
کی کثرت پیداوار کے سبب اس کا نام انبہٹہ ہوا کہ اُن غلہ کو کہتے ہیں، یا چونکہ انبہ اس جگہ بکثرت ہوتا تھا
اس لئے انبہ ہٹ یعنی انبہ کی آٹت اور منڈی بن کر انبہٹہ کہلانے لگا۔ بہر حال اس سرزمین کو عربی النسل
خاندانوں کی بود و باش کا فخر حاصل ہوا کہ صدیقی و فاروقی و ایوبی شیوخ اس میں آباد ہوئے۔

شاہ ابوالمعالی | ۷۸۴ھ میں امام وقت حضرت شاہ ابوالمعالی قدس سرہ نے اس کو قیام گاہ
بنائے اس فخر میں پیش از پیش اضافہ کر دیا کہ آپ کا وطن بن جلنے کے بعد اس کا نام
انبہٹہ پیر زادگان ہو گیا کیونکہ آپ نسباً سید اور مشرباً خاندانِ چشتیہ کے چمکدار ستارہ تھے جن کے نور سے
بستی اور اس کا نواح معمور ہوا اور آپ کے صاحبزادہ شاہ محمد باقر کی پوتی محفوظ بی بنت نظام الدین ایوبی
خاندان میں شاہ غلام محمد سے بیابھی گئیں اس رشتہ سے یہاں کے انصاری شیوخ شاہ ابوالمعالی کی
دختری اولاد میں ہوئے اور پیر زادے کہلائے۔

شاہ ابوالمعالی کی متوکلانہ زندگی | شاہ ابوالمعالی متوکلانہ و فقیرانہ شان سے ایامِ گزاری
کرتے، کچے کوٹھے میں رہتے اور فاقہ و گمنامی کو محبوب

لے خدا تعالیٰ ہماری تعریف کے انتظار میں نہ حضرت شہید شہر حضور کی شان کیلئے پیدا کرنے والا خدا کا کافی، خدا کی تعریف کیلئے حضور تعریف کرنے والا
کافی ہیں، اگر تم خدا و رسول سے مناجات کرو گے ہی تو ایک شعر بھی قناعت کر سکتے ہو۔ کہ حضور آپ سے تو میں خدا کو طلب کرتا ہوں اور اے اللہ آپ سے
حبِ مصطفیٰ کو۔ ۷۸۴ھ ہندوستان کے صوبہ یوپی کا مشہور اور مردم خیز شہر ۷۸۴ھ اس لئے بے حد تنگی و فقر میں ماری عمر گزری۔ دنیا
سے بے تعلقی اور آخرت سے شدید تعلق کا کمال ہے۔

سمجھتے تھے مگر آپ کا نور چونکہ پھیلنے والا تھا اس لئے شہرت مفرد تھی اور آج ایک کثیر مخلوق آپ کی شناخت ہے۔
شاہ بھیک شاہ بھیک رحمۃ اللہ علیہ جن کا وطن ٹھسکہ میرانچی ضلع انبالہ تھا حضرت شاہ ابوالمعالی کے خادم خاص اور عاشق جان شائق تھے۔ ایک مرتبہ بارش زیادہ ہوئی اور شاہ بھیک اپنے وطن میں تھے کہ بارش کی کثرت دیکھ کر فکر ہوا کہ میرے پیر کا کچا کوٹھا بارش سے گر گیا ہوگا اس لئے بے چین ہو کر گھر سے نکل کھڑے ہوئے راستہ میں دریا پڑتا تھا جس میں کشتی بھی نہ تھی مگر اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر اسے عبور کر کے راتوں رات چل کر صبح کے وقت انہیں پہنچے اور دیکھا کہ درحقیقت کوٹھا گر گیا اور شیخ باہر بیٹھ ہیں، سلام کیا اور شیخ کے دریافت کرنے پر اپنے مضطربانہ سفر کی وجہ بیان کر کے مٹی لالا کر کوٹھا دوبارہ تعمیر کر دیا۔

شیخ کی خدمت شیخ ایک مرتبہ کسی مخلص کی استدعا پر سہارنپور آئے تو شاہ بھیک ساتھ تھے اور ان کو معلوم تھا کہ پیرانی صاحبہ اور صاحبزادہ کو فاقے پر فاقے ہوتے ہیں اس لئے جب حضرت شیخ کی دعوت ہوئی تو شاہ بھیک علیحدہ جا کر یہ طے کر لینے کہ دو آدمی کا کھانا زائد دینا پڑے گا چنانچہ عشا کی نماز شیخ کے ساتھ پڑھتے اور اس کے بعد دو نفر کا کھانا لیکر انہیں روانہ ہو جاتے، دستک دیکر دروازہ کھلواتے اور کھانا حوالہ کر کے اٹے پاؤں واپس ہوتے حتیٰ کہ شیخ جب تہجد کے لئے حسب معمول اٹھتے تو شاہ بھیک لوٹا بھر کر پیش کرتے۔

چند روز بعد جب حضرت ممدوح انہیں آئے اور بی بی سے پوچھا کہ کیونکر گذری تو ان کو تعجب ہوا اور کہا کہ اس دفعہ تو تم روزانہ کھانا بھیجتے رہے پھر گذر کا سوال کیسا؟ اور بیان کیا کہ دو گھڑی رات گذرنے پر ہر رات شاہ بھیک کھانا لاتے اور واپس ہو جایا کرتے تھے۔ شیخ یہ سن کر خاموش ہو گئے اور باہر آکر شاہ بھیک سے پوچھا تو انھوں نے صورت حال عرض کر دی اور کہا کہ ماں جی اور صاحبزادہ صاحب تو فاقہ کرتے اور بھیک اپنا پیٹ بھرتا اس کی غیرت نے گوارا نہیں کیا۔

خدمتِ شیخ کا ثمرہ شیخ کو اس جواب پر مسرت ہوئی اور یہ فرما کر کہ تو نے میرے توکل میں توفیق ضرور ڈالا مگر خدمت کا حق ادا کر دیا اپنی چھاتی سے لگالیا اور روحانی نعمت جو کچھ دینی تھی وہ عطا فرمادی۔ شاہ بھیک نے اپنے قلب کو نور معرفت سے معمور دیکھا تو شیخ کے قدم چوم لئے اور ستانہ وار شوق میں یہ دو ہازبان سے نکلا۔

لے دعوت شاہ بھیک کی بھی ہوتی اور جس کی دعوت ہو اس کو کوئی شرط کیا درست بھی ہو کہ اگر دعوت والا شرط مانے تو دعوت منظور و رد نہ منظور جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دعوت میں حضرت عائشہؓ کی شرط لگائی تھی۔ اسے یعنی عاجزی و انکساری کی اور نہ سادہ لایا۔ یہ صرف محاورہ کے طور پر ہے۔
 قدم پر نہ رکھنا نہیں ہے۔

بھیکا مائی پر واریاں پل میں سو سو بار
 کاگ سے ہنس کیا اور کرت نہ لاگی بار
 یعنی بھیک اپنے مرشد ابوالمعالی پر ہر آن سو سو دفعہ قربان ہو کہ انھوں نے اس کو زارغ سے ہنس
 (یعنی ناکارہ و نااہل سے اہل) بنادیا اور (ایسی جلدی بنایا کہ) دیر بھی نہ لگی۔ (ادھر سینہ سے سینہ لگا اور ادھر
 ولایت و معرفت الہیہ نصیب ہو گئی)۔

ﷺ میں شاہ ابوالمعالی نے وصال فرمایا اور وہیں مدفون ہوئے بستی کی غریب جانب آپ کی
 خانقاہ اور مزار اب بھی موجود ہے۔

آپ کے خلیفہ حضرت شاہ مدار اپنے شیخ کے جانشین ہوئے جن کا مزار سمت مشرق ہے
 شاہ مدار اور دوسرے خلیفہ حضرت شاہ بھیک نے موضع کوہ رام میں قیام کیا اور وہیں وصال
 فرما کر مدفون ہوئے۔

محمد شاہ بادشاہ کا وزیر روشن الدولہ حضرت شاہ بھیک سے بیعت اور آپ کا
 مخلص مرید تھا اس کے اپنے دادا پیر شاہ ابوالمعالی کے پوتوں شاہ امام الدین

اور شاہ نظام الدین کو صوبہ دار بنادیا تھا کہ مخدوم بن کر آرام سے زندگی گزاریں۔ ایک مرتبہ ملک میں
 اساک باراں ہو کر قحط پڑا اور مخلوق گھبرا گئی تو محمد شاہ نے وزیر سے کہا کہ میں تو تمہارے پیر کا معتقد
 اس وقت ہوں گا جبکہ کل کو بارش ہو۔ روشن الدولہ نے عرض کیا کہ حضور میرا پیر تو خدا نہیں تھا کہ بارش
 برسانا اس کے اختیار میں ہو، البتہ خدا کا مقبول بندہ تھا اس لئے واسطہ دیکر اللہ سے دعا کر دوں گا، کیا
 عجب ہے کہ قبول ہو جائے۔ چنانچہ عشاء سے فارغ ہو کر تمام رات جاگا اور دعا مانگی کہ یا اللہ شاہ بھیک
 کا واسطہ مجھ فقیر کو بھیک دے۔ آخر شب میں غنودگی طاری ہوئی اور خواب میں شاہ بھیک کی زیارت
 ہوئی کہ فرماتے ہیں کیوں گھبراتے ہو تمہاری دعا قبول ہوئی اور فلاں وقت بارش ہوگی۔ صبح کو روشن الدولہ
 دربار میں آیا تو بادشاہ نے پوچھا کہ ہو دعا بھی مانگی؟ عرض کیا کہ ہاں جہاں پناہ مانگی اور احمد اللہ
 قبولیت کی بشارت بھی ملی کہ فلاں وقت بارش ہو جائے گی۔ چنانچہ اسی وقت بارش ہوئی اور اتنا
 موسلا دھار سینچہ برسا کہ مخلوق نہال ہو گئی۔

لے بارغ بتانے والا یعنی پیر۔ ۱۔ لے یعنی تعلیم و تربیت اور ظاہری و باطنی درستی میں ورنہ یہ اسی جانشینی جو بدعت ہے
 وہاں نہ تھی کہ اہل ہوا اہل ہو خواہ مخواہ پیر کا جانشین بنادیں۔ درحقیقت ان حضرات کا مقام تو اللہ سے قوی تعلق اور سبکدان سے تعلق قوی کرنا
 جو اس کا اہل ہو یہ کام کرے چلاں رکھ بھی کرے وہ قائم مقام اور جانشین ہے جو ایسا نہیں تو وہ تو دھوکہ باز اور دکاندار ہوا اہل حق میں نہیں ہوتا
 لے لورنگ زرب عالمگیر کا بیٹا۔ ۲۔ یعنی آپ کا جو تعلق اپنے ولی شاہ بھیک سے ہے اور ان سے محبت کرنے والوں کی محبت ہے اس تعلق کے واسطہ
 سے بھیک کا شکر ہوں یہ اللہ سے مانگنا ہے اسی کی صفیت تعلق کے واسطہ سے مانگنا ہے یہ وسیلہ جائز ہے ورنہ خدا نے تعالیٰ پر کسی کا کوئی حق واجب نہیں ہو سکتا
 ۳۔ احتیاد کرنے کی ضرورت ہے ورنہ بعض دفعہ گناہ اور بعض دفعہ شرک تک نوبت آجاتی ہے۔

بادشاہ نے خوش ہو کر وزیر سے کہا کہ مانگو کیا مانگتے ہو، وزیر نے جواب دیا کہ میرے پاس حضور کا دیا ہوا سب کچھ ہے، اب جو دینا ہو وہ میرے پر کی اولاد پر وقف کر دیجئے چنانچہ بائیس گاؤں مزار کوہ رام پر وقف کئے گئے مگر شاہ بھیک کے جانشین سجادہ نے لینے سے انکار کیا اور کہا کہ یہاں جو کچھ آیا ہے وہ حضرت ابوالمعالیؒ کی عنایت و توجہ سے آیا ہے لہذا وہی مقدس جگہ اس کی مستحق ہے کہ اس پر وقف ہو، اس بنا پر معافی دوام شاہی عطیہ شاہ ابوالمعالیؒ کی اولاد کے نام منتقل ہوا جس کی آمدنی چھ ہزار تھی اور اب تک سجادگان شیخ اس پر قابض و متصرف ہیں۔

یہی انہیں پیر زادگان حضرت مولانا خلیل احمد جہا جید بنی قدس سرہ العزیز کا وطن ہے جو کہ آپ کے مرشد حضرت قطب العالم محمد امین الکل امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ العزیز کے وطن یعنی قصبہ گنگوہ سے پانچ کوس ہے۔

نسبِ عالی اور آپ اسی ایوبی خاندان کے ایک ممتاز فرد تھے جن کو شاہ ابوالمعالی قدس سرہ کی دختری اولاد ہونے کے لحاظ سے سادات سے تعلق اور سیدالاشراف سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہونے کا بھی فخر حاصل ہے، اس رحمی علاقہ کی وجہ سے بعض پیر زادگان نے اپنے کو نسباً سید سمجھا مگر حضرت قدس سرہ نے سلسلۃ الانساب کو احباد کے ساتھ اہم اور اصل قرار دیکر ہمیشہ اپنے آپ کو ایوبی بتایا کہ نبی شرافت کے لئے یہی کچھ کم نہیں کہ آپ کے جد امجد حضرت ابوالیوب خالد انصاری صحابی رضی اللہ عنہ ہیں جن کا گھر اس جہا جہا ہما تب رسالت کا مدینہ میں سب سے پہلا قیام گاہ بنا جس کو اہل مکہ نے ناقدردان بن کر اپنے سے علیحدہ کیا تھا، اسی گھر سے نعمتہائے خداوندی کی وہ تقسیم شروع ہوئی جس سے آج دنیا کا گوشہ گوشہ بالامال ہو رہا ہے۔

مبارک منزلیں کان خانہ رام ہے چینیں باشد ہمایوں کشورے کاں عرصہ راشا ہے چینیں باشد
نسبِ غلطی کی اصلاح چنانچہ آپ نے اپنے بھتیجے لطیف احمد سلمہ اشتر کو ان کے والد یعنی اپنے بھائی مولوی رشید احمد کے انتقال پر نبی تحقیق کے جواب میں ایک خط تحریر فرمایا تھا جس کا ضروری حصہ بحکمہ درج کرتا ہوں :-

مے تقریباً چھ میل مشرق میں ہے۔ مے صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی کہ دختری اولاد کا نسب حضور ہے ورنہ نسب باپ کی طرف سے ہوتا ہے اب کسی سید کا نواسہ میر نہیں، حضور کا تعلق تو ہے اس لئے برکات کا سبب ہے۔ مے کتابا مبارک ہے وہ گھر کہ جس گھر میں ایسا پانڈ ہو، کنسی مبارک ہے وہ سلطنت کہ جس میں ایسا بادشاہ ہو۔ مے کراچی میں قیام تھا وہیں انتقال ہوا، اب ان کے چھوٹے بھائی ڈاکٹر محمد صنیف بھی راولپنڈی میں انتقال کر گئے۔

”رشید احمد مرحوم ساکن انہٹہ ضلع سہارنپور انصار کے خاندان میں سے تھے۔ اس نواح کے انصاری خواجه ابو ایوبؒ کی اولاد میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ان کے اجداد اصل گنگوہ کے رہنے والے ہیں جو انہٹہ سے پانچ کوس ہے، ان کے اجداد میں سے شیخ عبدالرشید کے والد ایک خانہ جنگی میں مقتول ہوئے اس لئے ان کی والدہ ان کو اپنے میکہ سہارنپور میں لے آئیں اور ایک عرصہ تک سہارنپور رہیں، اس کے بعد ان کی اولاد میں سے شیخ غلام محمد کی شادی سید شاہ ابوالمعالی کے خاندان میں ہوئی اس کے بعد ان کی اولاد کا قیام انہٹہ میں ہوا۔ مرحوم کے والد کے دادا شاہ قطب علی صاحب انہٹہ ہی میں رہے چونکہ شاہ ابوالمعالی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سید تھے اس لئے شیخ غلام محمد کی جو اولاد سیدہ کے بطن سے ہوئی وہ اپنے آپ کو غلطی اور بے علی سے سید سمجھتے رہے۔ مرحوم چونکہ پڑھے لکھے تھے اس لئے انھوں نے اس غلطی کو خلاف دیانت سمجھ کر اپنے لئے پسند نہیں کیا اور ہمیشہ اپنے آپ کو اپنے اجداد انصاریں کی طرف منسوب کرتے رہے۔“

جدی نسب

حضرت قدس سرہ کا جدی سلسلہ الانساب جس کو حضرت کے چچا زاد بھائی مولانا صدیق احمد رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ مولانا فاروق احمد صاحب سلمہ ربہ شیخ الحدیث ریاست بھاولپور نے تحریر فرما کر بھیجا اور حضرت کے نو اس داماد مولوی مسعود علی صاحب مدرس مظاہر علوم نے رسالہ المقام میں صریح کیا ہے اس طرح ہے:-

مولانا شاہ خلیل احمد بن شاہ مجید علی بن شاہ احمد علی بن شاہ قطب علی بن شاہ غلام محمد بن شرف الدین خاں بن غلام محی الدین بن عبدالرشید بن محمد فضل بن نظام الدین بن امین الدین عرف قاضی امین بن خواجہ فرید الدین بن خواجہ محمد فاضل بن خواجہ ہاشم بن خواجہ علاؤ الدین بن خواجہ رکن الدین بن خواجہ نجم الدین بن خواجہ شرف الدین بن خواجہ عبدالحمید بن خواجہ کبیر بن خواجہ رکن الدین بن خواجہ شرف الدین بن خواجہ تاج الدین بن خواجہ منہاج الدین بن خواجہ ہاشم بزرگ بن خواجہ ابی اسمعیل عبداللہ انصاری بن خواجہ ابی منصور محمد بن علی بن محمد بن احمد بن علی بن جعفر بن ابی منصور مست بن ابی ایوب خالد الخزرجی الانصاری صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کہ قسطنطنیہ کی جنگ میں شہید اور وہیں مدفون ہوئے۔

دسویں پشت یعنی قاضی امین پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ نسب حضرت گنگوہیؒ سے نبی اتصال اپنے روحانی باپ حضرت مرشد گنگوہیؒ قدس سرہ کے نامہائی نسب سے مل جاتا ہے جس کو مبدئہ تذکرۃ الرشید کے شروع میں بحوالہ شیخ محمد شفیع قدوسی گنگوہیؒ نقل کر چکا ہے۔

لے کیونکہ نسب باپ کی طرف سے چلتا ہے گو بذریعہ ماں کے تعلق کے بھی حضور سے یہ علائقہ مفید ہو گا کہ حدیث میں ہے کہ قیامت میں ان نسب باقی رہے گا۔ لہٰذا ان کا پورا نام نواب شرف الدین خاں تھا۔ سلمہ دیکھو تذکرۃ الرشید

مگر ہر دو منقولہ سلسلۃ الانساب میں اوپر چل کر کچھ اختلاف ظاہر ہو رہا ہے کہ گنگوہی شجرۃ الانساب میں خواجہ فرید الدین اور خواجہ محمد فاضل کے درمیان خواجہ شاہ کا اور خواجہ شرف الدین و خواجہ عبد الحمید کے درمیان خواجہ بڑا کا توسط زائد ہے جو انہوں ہی نقل میں نہیں ہے۔ نیز اس میں خواجہ عبد الحمید ہے اور گنگوہی نقل میں خواجہ عبد الحمید ہے، اسی طرح اس میں خواجہ ہاشم بزرگ بن خواجہ ابی اسمعیل عبد اللہ ہے اور گنگوہی نقل میں خواجہ ہاشم بن خواجہ اسمعیل بن خواجہ عبد اللہ ہراتی ہے اور ابو منصور مست و حضرت ابویوب کے درمیان حضرت ابویوب بن ابی یوب کا توسط زائد ہے جو کثرت نقول میں کاتب کی زلت قلم سے اکثر ہو جاتا ہے اور نہیں کہا جاسکتا کہ صواب اس نقل میں ہے یا اس نقل میں۔

اجداد کا انبیٹہ میں نوطن | بہر حال حضرت قدس سرہ سلسلہ اجداد سے ایوبی النسل ہیں اور آپ کے جد رابع شاہ غلام محمد کا عقد چونکہ حضرت سیدہ محفوظی بنت شاہ

نظام الدین بن شاہ محمد باقر بن شاہ ابوالمعالی سے ہوا جن کے بطن سے شاہ قطب علی پیدا ہوئے اور یہی تعلق آپ کے اجداد کے قیام و نوطن انبیٹہ کا سبب ہوا لہذا آپ کو سلسلہ سادات کی طرف انتساب حاصل ہوا اور اس غیر اختیاری شرافت جسی و بی نے آپ کے کالات علمیہ و عملیہ اور اخلاق طبعیہ و روحانیہ میں وہ بے بہا اضافہ کر دیا جس پر زبان سے بے اختیار نکلتا ہے

آقا کا گریہ ام مہر بتاں و زبیدہ ام | بسیار خوباں دیدہ ام لیکن توجیزے دیگری
شاہ قطب علی رحمۃ اللہ علیہ صاحب نسبت بزرگ تھے ان کی
شاہ قطب علی اور ان کی اولاد | لڑکیاں تو کئی تھیں جن کا تعلق از دواج سادھوہرہ وغیرہ میں
خاندان پیر زادگان کے ساتھ ہوا مگر لڑکا بڑی تنہاؤں کے بعد حق تعالیٰ نے ایک ہی عطا فرمایا تھا جن کا
نام احمد علی رکھا گیا، ان کو حق تعالیٰ نے بڑا صاحب نصیب بنایا اور چھ بیٹے غایت فرمائے: شاہ محمد علی
شاہ محمد نواز، شاہ احمد حسن، مولانا انصار علی، شاہ مجید علی، اور شاہ حبیب محمد۔

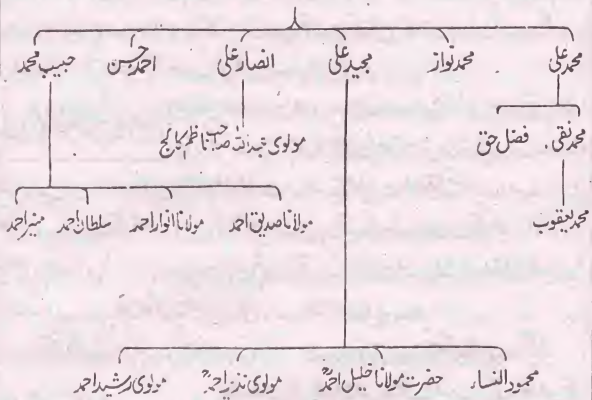
ایوبی خاندان میں گیا ہوا علم سب سے پہلے مولانا انصار علی صاحب کے ذریعہ آیا جن کے
تین صاحبزادوں میں مولوی عبد اللہ صاحب ناظم دینیات علی گڑھ کا کج زیادہ مشہور ہیں۔

شاہ مجید علی اور ان کی اولاد | شاہ مجید علی صاحب کے چند لڑکیاں ہوئیں جن میں پانچ نے
خورد سالی میں انتقال کیا اور ایک زندہ رہ کر صاحب اولاد ہوئیں

۱۔ میں دنیا کے سب کناروں میں گھومنا سب لوگوں کی محبتوں کو برتا، بہت سے اچھے لوگوں کو دیکھا ہے مگر تم ایک دوسری ہی
چیز ہو۔ ۲۲۵۳ ربیع الاول ۱۳۳۵ء میں وفات پائی ۱۲ شیخ الحدیث
۳۔ شاہ قطب علی کی سات لڑکیاں تھیں۔ (اخلاق احمد غفرلہ) ۴۔ جد ثالث

جن کا نام محمود النساء تھا اور تین صاحبزادے ہوئے: حضرت مولانا خلیل احمد، مولوی نذیر احمد، اور مولوی رشید احمد۔ اور شاہ حبیب محمد صاحب کے جو سب میں چھوٹے تھے چار فرزند ہوئے، مولانا صدیق احمد، مولانا انوار احمد، سلطان احمد، میر احمد۔ وضاحت کے لئے مختصر شجرہ درج کرتا ہوں جس سے آئندہ تذکرہ واقعات میں مدد ملے گی اور معلومات تعلقات میں سہولت ہوگی۔

شاہ احمد علی



عہ موصوفہ کی شادی سہارنپور کے انصاری خاندان میں محمد حسن صاحب سے ہوئی ان کے دو لڑکے تھے الطاف احمد اور اشفاق احمد آخر تذکرہ میرے والد تھے۔ (اخلاق احمد غفرلہ)

سورہ
۱۷ حضرت کی اولاد میں سے صرف ایک صاحبزادی میر النساء زوجہ محمد ایوب کی اولاد صرف ایک بیٹی عطیہ خاتون زوجہ میر انوار سلطان
آج کل ذریعہ غازی خاں میں ہیں جن کی اولاد ایک لڑکا بنام محمد احمد ارشد اور پانچ لڑکیاں ہیں۔ (جبل احمد تھانوی)

شاد باش لے خستہ بھرانِ بلا کز پئے دردِ تو درماں میرسد
دردِ لافسردہ روئے می دم مردہ تن را مژدہ جاں میرسد
بہرِ فشرِ علم و نثرِ نورِ دین بحرِ عرفاں ہیزِ تاباں میرسد
سالکانِ جادۂ تحقیق را قافلہ سالارِ کنگاں میرسد

ولادت اور طفولیت حضرت قدس سرہ اواخر صفر ۱۲۶۹ھ ہجری مطابق اوائل دسمبر ۱۸۵۲ء میں اپنی نانہیال قصبہ ناوٹہ ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے آپ کی والدہ ماجدہ

بی مبارک النساء مولانا محمد یعقوب صاحب صدر مدرس مدرسہ عالیہ دیوبند کی حقیقی بہن اور حضرت اساتذہ اہل مولانا مملوک العلی صاحب قدس سرہ کی بیٹی تھیں جو کہ شوہر کے کسی ریاست میں ملازم ہونے کے سبب اپنے میکہ میں مقیم تھیں۔

مولانا مملوک العلی مولانا مملوک العلی صاحب جنہوں نے درسیات کا اکثر حصہ ماہِ تاب ہند حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ کے ارشد تلامذہ حضرت مولانا رشید الدین خاں صاحب دہلوی سے پڑھا تھا، فلکِ علم کے تیرنِ امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی وقاسم انجیات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب ناوٹوی اور مولانا محمد منظر صاحب صدر المذہبین مظاہر علوم سہارنپور جیسی مقدس و مشہور سیٹیوں کے اساتذہ تھے کہ ان سب حضرات نے علومِ دینیہ و فنونِ ادبیہ کی پیاس اسی بحرِ ذخار کے آبِ دہن سے بجھائی اور ہر چار طرف سے پریشان ہو کر اسی آستانہ پر شفا و تسکین پائی تھی۔ آپ کی دوسری صاحبزادی مسماۃ نجیب النساء حضرت کے چچا مولوی انصار علی صاحب کے عقدِ نکاح میں آئیں کہ مولوی عبداللہ صاحب ناظمِ دینیات علیگڑھ کالج حضرت قدس سرہ کے چچے بھائی بھی تھے اور خلیرے بھی۔ اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب ناوٹوی دونوں کے حقیقی ماموں تھے۔

توأم ولادت حضرت اپنی والدہ محترمہ کے بطن سے توأم پیدا ہوئے کہ آپ نے چند گھنٹے قبل آپ کے ایک بھائی تولد ہوئے جو تومنا اور خوش روتھے اور ان کی دیکھ بھال میں مشغول ہو کر حضرت کی طرف کسی کی توجہ بھی نہ ہوئی کہ بچے ضعیف اور نحیف البختہ تھے حتیٰ کہ آپ کو دایہ نے غسل بھی نہیں دیا اور بلل کے ایک سفید کپڑے میں لپیٹ کر آپ کو علیحدہ کھوٹے پر ڈال دیا مگر قدرت کو منظور تھا

لے خوش ہو جاؤ لے مصیبت بھر کے مارو کہ تمہارے درد کے لئے علاج پہنچ رہا ہے، مست دل میں ایک روح پھونکی جا رہی ہے بے جان بدن کو جان کی خوشخبری پہنچ رہی ہے، علم پھیلانے اور دین کے انوار کھینے کے لئے معرفت کا سمندر روشن سورج پڑ رہا ہے۔ تحقیق کے راستہ پر چلنے والوں کے لئے گنگان کے قافلہ کا افسر (حضرت یوسف حبیب) پہنچ رہا ہے۔ اللہ آسمانِ علم کے چاند سورج۔ اللہ کمزور جسم کے۔ (جیل احمد)

کہ اس بچہ پر جس کی طرف ماں کی نگاہ توجہ بھی نہیں اٹھتی ہے کسی وقت دنیا کی نظریں پڑیں اور اس کا نورانی چہرہ
تماشا گاہ عالم بنے اس لئے تنومند بھائی کو دنیا سے اٹھالیا اور اس طرح ماں کی آغوش آپ کے لئے خالی ہو گئی
کہ اب سارے کنبہ کی محبت و پیار کی نظریں خالص آپ پر پڑنے لگیں۔

بسم اللہ کے نام | ظہیر الدین اور خلیل احمد دو نام آپ کے تجویز ہوئے اور چونکہ آپ کا بھائی نونا میرہ دنیا
سے رخصت ہوا تھا اس لئے تقابل کے درجہ میں اشر رکھا بھی آپ کا نام پڑا۔ کنبہ

کی بڑی بوڑھی عورتیں بچپن میں اسی نام سے آپ کو پکارتی تھیں۔ نیز چونکہ شروع سے آپ خوبصورت تھے
جیسے گلاب کا پھول اس لئے بعض عزیزوں نے آپ کا نام موتی رکھا اور اسی نام سے آپ کو پکارنا ان کو پیارا
معلوم ہوتا تھا۔ آپ کے والد ماجد شاہ مجید علی چونکہ ریاست میں ملازم تھے اور سفر کی وہ سہولتیں مہیا تھیں
جو آج ریل اور پختہ سڑکوں و موٹروں کی وجہ سے نصیب ہیں اس لئے برسوں میں وطن آنا ہوتا تھا اور اس وجہ سے
آپ کی رضاعت اور ابتدائی تربیت زیادہ نر آپ کے ماموں اور نانا کے پاس ہوئی تاہم آپ کی والدہ آپ کو لے کر
انبہہ آئیں اور یہاں سسرال میں بھی کافی قیام کیا کرتی تھیں۔

مولانا مملوک العلی صاحب نے بسم اللہ پڑھائی | عمر شریف کا پانچواں سال شروع ہوا تو آپ کو مکتب میں
بھانے کی تجویز ہوئی اور خود آپ کے نانا حضرت مولانا

مملوک العلی صاحب نے نبر کا بسم اللہ شریف پڑھا کر قاعدہ شروع کر دیا۔ فطرۃ آپ نکی اور ذہین تھے اس لئے
ناظرہ قرآن شریف جلد ختم کر لیا اور اس کے بعد اردو پڑھنا شروع کر دیا، انہی ایام میں ۱۳۵۷ء کا وہ سانحہ
پیش آیا جو غدر ہندوستان کے نام سے مشہور ہے اور جس کی تاریخ ہندوستان سے اسلامی سلطنت
کے جانے کی تاریخ ہے۔

۱۳۵۷ء کا حادثہ اور شاہ ظفر کے پیر حسن عسکری | آپ کے چچا شاہ حبیب محمد کے خسر حضرت شاہ
حسن عسکری رحمۃ اللہ علیہ جن کی شادی انصاری خاندان

انبہہ میں ہوئی تھی دراصل رامپور مہنیا ران کے رہنے والے تھے مگر ظفر پادشاہ ان کے معتقد تھے اس لئے
حضرت ممدوح کا قیام دہلی میں رہتا تھا۔ جب شاہ دہلی قید کر کے رنگون بھیج دیئے گئے تو گورنمنٹ برطانیہ نے

لے دین کے معاون اور حضور کے دوست، قدرتی طور سے جامع شریعت و طہنیت ہونے کا اشارہ من گیا جو اللہ تعالیٰ نے سب
کی زبانوں پر جاری فرمایا اور حفظ و امان میں ہونے کا اشارہ اشر رکھا ہے ظاہر کر دیا اور حسن ظاہری و باطنی کو موتی سے (جیل احمد)
۱۳۵۷ء پر برجی مجید علی صاحب حضرت قدس سرہ کے والد کا انتقال ۲۲ ربیع الاول ۱۳۵۷ء کو ہوا۔ (شیخ الحدیث)

۱۳۵۷ء انگریزوں کی غدار نے نام غدر مشہور کر دیا ورنہ جنگ آزادی کا آغاز تھا جو پاکستان کی بنیاد قرار دی جاسکتی ہے کیونکہ جگہ جگہ اس رجحان
ہوا اور بہت سے علماء شہید ہوئے بہت سے علماء ہجرت کی حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نے ہجرت اسی جہاد کے بعد کی تھی بہت علماء قید و قتل
کئے گئے کتب خانہ و قرآن کی جلدیں جلائی گئیں دین پر طرح طرح کے حملے کئے گئے جن کی روک تھام کے لئے سرور سے قائم کئے گئے۔ (جیل احمد)

شاہی خواص کو بھی بنگاہ اشتباہ دیکھا اور اس لئے شاہ حسن عسکری روپوش ہو کر انہٹہ چلے آئے کہ گوان کی بیوی کا غدر سے چند سال قبل انتقال ہو چکا تھا مگر ان کی لڑکی مسماۃ امتہ اشہر جو کہ حضرت کی چچی اور مولانا صدیق احمد صاحب کی والدہ ہیں انہٹہ میں موجود تھیں، اور یہ مصاہرت کا رشتہ اس کی امید دلاتا تھا کہ انصاری خاندان ان کی مدد میں کوتاہی نہ کریگا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ شاہ احمد حسن کے علاوہ جو کہ اس وقت سلسلہ گورنمنٹی ملازمت کسی معزز عہدہ پر سندھ میں تشریف رکھتے تھے باقی پانچوں بھائی وطن میں موجود تھے اور انھوں نے پناہ گزین عزیز کی حمایت میں اپنی جائیداد اپنے مال، اپنی آبرو، اپنے عیش و آرام اور اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈال دیا کہ بارہا ان کے اور ان کی اکثر رعایا کے مکانوں کی تلاشی ہوئی مگر محصور کا پتہ نہ چلا اور گرفتاری عمل میں نہ آئی۔ گورنمنٹی کی نظر اس وقت سیاست و انتظام پر تھی اور یہ حضرات اس پر اڑے ہوئے تھے کہ بادشاہ کے پیر کو ملکی معاملات سے کیا تعلق اور بے گناہ کو اس کس میری کے زمانے میں موت کے حوالہ کر دینا صریح ظلم اور بے دردی ہے جو کہ مذہب اور شرافت دونوں کے خلاف ہی ہاں امن ہو جانے کے بعد جبکہ تحقیق حالات کا زمانہ آئے تو معاملہ زیر تحقیق لایا جائے۔

حضرت کے والد اور چچاؤں کی گرفتاری مگر وقت نازک تھا اور اس حجت کو باغی کی حمایت سمجھا جاتا تھا اس لئے پانچوں بھائیوں کو گرفتار کر کے سہارنپور کی حوالات میں بند کر دیا گیا اور کم و بیش ڈیڑھ دو ماہ ان صاحبوں کو ان تکالیف کا مقابلہ کرنا پڑا، آخر شاہ احمد حسن صاحب اطلاع پا کر سہارنپور پہنچے اور بھائیوں کو چھڑا کر وطن لائے۔

شاہ حسن عسکری کی جرات اور شہادت شاہ حسن عسکری نے جب دیکھا کہ صرف میری وجہ سے میرے عزیزوں کو طرح طرح کی مصیبت جھیلنی پڑتی ہے اور ان کی شرافت خاندانی اس کو گوارا نہیں کرتی کہ مجھے آزاد کریں تو خفیہ وہاں سے نکل کھڑے ہوئے اور سہارنپور پہنچ کر اپنے آپ کو حکومت کے حوالہ کر دیا۔ آخر پھانسی پر چڑھا دیئے گئے اور ساری جائیداد ضبط کر لی گئی جو امر مفقود تھا وہ کسی کے ٹالے نہ ملا مگر جس کے نامہ اعمال میں جو کچھ لکھا جاتا تھا وہ لکھ لیا گیا۔ مولانا صدیق احمد صاحب تو شاہ حسن عسکری کے نواسہ ہی تھے مگر ان کے ساتھ خود حضرت سے بھی شاہ صاحب کو اس درجہ محبت تھی کہ گویا نواسہ ہی ہیں اور یہ علامت تھی اس سعادت کی جس کا آئندہ ظہور ہونے والا تھا۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

لے بیکی کی قوت بازو کے زور سے نہیں ہو سکتی جب تک کہ بخشے والا نہ ہو کسی کو بخشے۔ (جیل احمد)

اردو فارسی کی تعلیم

حضرت نے قرآن مجید اور ابتدائی کتب اردو و فارسی کی تعلیم انہیں اور نانوتہ میں مختلف اساتذہ سے پائی آپ کی والدہ جہاں جاتیں آپ ان کے ساتھ ہوتے اور وہیں کسی مکتب میں سلسلہ تعلیم شروع فرمادیتے کہ وقت ضائع نہ ہو۔ فارسی میں آپ بوستان تک پہنچ گئے تھے مگر ہونہار بروٹے کے چکے چکے پات ”آپ پریشان رہا کرتے تھے کہ جس نظم اور قابلیت کے ساتھ جلد آپ فارغ ہونا چاہتے تھے وہ نانوتہ یا انہیں میں کہیں نظر نہ آتا تھا۔ اتفاق سے آپ کے چچا مولوی انصار علی صاحب جو کہ ریاست گوالیار میں بعدہ صدر الصدور فائز تھے بحصول رخصت وطن تشریف لائے اور بھتیجے کا شوق اور ذکاوت و ذہن دیکھ کر خواہشمند ہوئے کہ اپنے ساتھ گوالیار لیجائیں اور خود عربی و دینیات پڑھائیں۔

مولانا انصار علی کے ساتھ گوالیار میں ہر چند کہ عزیزوں کا دل اور خصوصاً ماں کا دل گوارا نہ کرتا تھا کہ نورِ نظر کو آنکھ سے اوجھل کریں اور ایسے وقت کالے کوسوں بھیج دیں کہ آج آنے کا قصد کرو تو رتھ اور ہل کی سواری میں ہمیشہ بھر گذار کر وطن پہنچے مگر اندر سے ترقی علم دین کہ کسی نے بھی خلاف نہ کیا اور آپ طالب علم بن کر چچا کے ساتھ ہل میں سوار ہو گئے۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ جس وقت میں اپنے چچا کے ساتھ ہل میں سوار ہو کر قصد گوالیار چلا ہوں تو میری عجیب کیفیت تھی، کبھی وطن کا چھوٹا، والدہ کا فراق اور اقربا و بھائیوں سے جدا ہونا اپنا اثر ڈالتا اور مجھ کو پریشان بنا دیتا تھا اور کبھی وطن میں تعلیم کی بد نظمی اور حصول علم میں اپنی ناکامی و نقصان کا تصور ہو کر گوالیار میں یکسوئی کے ساتھ پڑھنے لکھنے میں مشغولیت اور چچا کی شفقت و حسن تعلیم کا رنگ غالب آتا تو مجھے باغِ باغ کئے دیتا تھا، آخر اسی کشاکش میں پہلی روانہ ہو گئی اور میں وطن سے باہر نکلا۔ اس سفر میں کچھ ایسی دلچسپیاں تھیں کہ تھوڑا ہی سفر طے ہونے کے بعد وطن اور اہل وطن کا خیال نسیان ہو گیا اور سفر میں ہر نئی چیز کو دیکھ کر چچا سے اس کے متعلق پوچھتا اور تحقیق کرتا ہوا خوش خوش گوالیار پہنچ گیا۔ نیز فرمایا کہ میری عمر اُس وقت گیارہ سال کی تھی اور وہ واقعات اب محض خواب کی طرح ذہن میں رہ گئے۔

چچا کی شفقت اور عربی تعلیم کا آغاز
چچا کی شفقت و محبت کا ذکر کرتے ہوئے آپ فرمایا کرتے تھے کہ گوالیار میں کوئی یہ نہ سمجھتا تھا کہ خلیل احمد ان کا بیٹا نہیں ہے، میرے چچا زاد بھائی مولوی عبداللہ بھی چچا صاحب کے پاس تھے اور بزرگوں کو اتنا معلوم تھا کہ ان میں ایک حضرت مولانا کا بیٹا ہے اور ایک برادرِ زادہ، وہ مولوی عبداللہ کو برادرِ زادہ خیال کرتے تھے

لے پورہ۔ سلسلہ دونوں سواریاں بیلوں سے چلتی تھیں تھیں چار اور پہلی میں دو بیٹھے ہوتے تھے۔ سبھی بھولا بھایا (جیل احمد)

حالانکہ واقعہ برعکس تھا کہ وہ بیٹے تھے اور میں بھتیجا۔

گو الیارس پنچ کر حضرت نے میزان الصرف اپنے عم بزرگوار سے شروع کی اور فطری ذہانت سے چند ہی روز میں صرف میرا و پنچ گنج تک پڑھ لیا۔

گو الیارس واپسی اتفاق سے اسی زمانے میں حضرت کے والد ماجد شاہ مجید علی صاحب جن کی عمر کا اکثر حصہ ریاستوں کی ملازمت میں باہر ہی گذارتھا ملازمت ترک فرما کر وطن تشریف لائے اور مستقل قیام فرمایا تو حضرت کو گو الیارس سے وطن واپس بلا لیا کہ خود پردیس سے آکر بھی تخت جگر پردیس میں نگاہوں سے دور رہا تو وطن آنے کا حظ ہی کیا نصیب ہوا۔ والدین کی محبت بھری آغوش اور نظر کے زیر سایہ رہ کر آپ کی تعلیم مولوی سخاوت علی صاحب کے حوالہ ہوئی جو قصبہ کے مشہور استاذ اور محترم عالم تھے اور آپ نے ان سے کافیہ تک پڑھا مگر آپ کی دکاوت استاذین جس قابلیت اور تعلیم میں جن نظم کی جو بیاں تھی وہ یہاں حاصل نہ تھی اور یوں بھی وطن کا قیام اور گھر کا عیش و آرام اس شوق کو پورا نہ ہونے دیتا تھا جو آپ کے قلب میں موجیں مارا کرتا تھا۔

چھ ماہ انگریزی اسکول میں آخر بعض اعزہ کی رائے ہوئی کہ اس طرح عمر ضائع کرنے سے کیا حاصل، ان کو سرکاری مدرسہ میں داخل کر دیا جائے کہ انگریزی پڑھ لیں۔ چنانچہ آپ اور آپ کے چچا زاد بھائی مولانا صدیق احمد صاحب قصبہ کے انگریزی اسکول میں داخل ہو گئے جس کا ماسٹر ہندو تھا اور کافیہ تک نحوی استعداد ہونے کی وجہ سے چھ ماہ میں دونوں صاحبوں نے اتنی انگریزی پڑھ لی کہ دو سال سے پڑھنے والی جماعت کا مقابلہ کرنے لگے۔ اور گرامر یعنی انگریزی ترکیب پر نواتنے قادر تھے کہ ماسٹر حیران ہوتا اور کہا کرتا تھا کہ تم ایسی جلد اور صحیح ترکیب کرتے ہو کہ میں بھی نہیں کر سکتا۔ مولانا صدیق احمد نے جواب دیا کہ ہم نے عربی میں شرح جامی پڑھی ہے اور اس لئے ترکیب نحوی کسی زبان کی بھی ہو ہمیں دشوار نہیں، اس نے کہا کہ ہم کو بھی عربی پڑھا دو، فرمایا بہت اچھا۔ مگر اس کو پڑھانے کا وقت کیا آتا خود انگریزی پڑھنے ہی کا وقت قریب الختم تھا کہ گواپنے بڑوں کی تعمیل میں انگریزی شروع کر دی تھی مگر دل اوجھا تھا اور وہ قلب جو علوم عربیہ کا لذت آشنا ہو چکا تھا اس کا خواہشمند تھا کہ کاش علوم دین کی تعلیم کا کوئی بہترین انتظام ہو جائے اور یہاں کچھ کارا نصیب ہو۔

لے لفظوں کے آپس کے جوڑ کے قاعدے جو کہ قرآن وحدیث کے حوت حوت کو پوری طرح حل کرنے کے لئے مسلمانوں نے مفرکے اور ایسے ہی لفظوں کے رد و بدل یعنی صرف کے اور جملوں کے تفاوت اور بلاغت کے بھی اور ساری دنیا کی زبانوں میں ہی قاعدے معمولی فرق سے چلتے ہیں پھر دین کے اہتمام کی وجہ سے مسلمانوں میں ان کا اہتمام بھی بہت رہا ہے اس لئے عربی کے ان قاعدوں کا جاننے والا ہر زبان کو ان قاعدوں سے جان لیتا ہے دوسرا شخص نہیں جانتا وہ تو محض رٹ لیتا ہے۔ (جیل احمد)

دارالعلوم دیوبند کی تاسیس اور موصوف کا داخلہ

دفعہ ۱۲۸۳ء میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد قائم ہونے کی خبر آپ کے کانوں میں پڑی اور یہ بھی سنا کہ صدر مدرس آپ کے ماموں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قرار پائے لہذا آپ کی طلب میں جوش آیا اور والدین سے اجازت چاہی کہ دیوبند بھیج دیں چنانچہ آپ دیوبند تشریف لائے اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے آپ کے لئے کافیہ کا سبق تجویز فرما کر جماعت کافیہ میں شریک کر دیا۔

مدرسہ مظاہر علوم کا قیام اور موصوف کا دیوبند سے سہارنپور آنا۔
دارالعلوم دیوبند سے چھ مہینے بعد جب ۱۲۸۳ء میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کا افتتاح ہوا اور مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی کہ وہ بھی قریبی رشتہ سے حضرت کے ماموں ہوتے تھے

یہاں صدر مدرس تجویز ہوئے۔ ہر چند کہ دیوبند میں تعلیم کے بہترین نظم کے ساتھ حقیقی ماموں کی شفقت مادری شفقت کا لطف دے رہی تھی مگر قدرت کو منظور تھا کہ جس نوہال کے ہاتھوں مظاہر علوم کو حیرت بخش ترقی ہونے والی مقدار ہے وہ اسی مدرسہ کا خوشہ ہیں و مرمون احسان بنے، اس لئے دیوبند سے آپ کا دل گھبرایا اور آپ سہارنپور چلے آئے۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ مولانا محمد یعقوب صاحب سے بہ نسبت مولانا محمد مظہر صاحب کے اگر چیز زیادہ قریبی تعلق قرابت تھا لیکن پھر بھی خدا جانے دیوبند میں کیوں دل نہ لگا جس وقت میں یہاں پہنچا ہوں بس اس طرح مانوس ہو گیا کہ گویا ہمیشہ سے یہیں رہتا تھا۔

انگریزی حرف شناسی
ہر چند کہ انگریزی کی چند ماہیہ تعلیم کو آپ نے خیر باد کہہ دیا اور علم دین کے اشغال میں کوشش بھی کی کہ وہ پڑھا ہوا ذہن سے نکل جائے مگر اس

بے توجہی پر بھی آپ انگریزی حروف اور ہند سے پہچان لیتے اور حروف مفردہ کو جوڑ کر خطوط کی مہر وغیرہ پڑھ لیا کرتے تھے۔ آپ کے بھتیجے مولوی فاروق احمد کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ بھاوپلور تشریف لائے اور آپ کے نام ایک خط آیا جس میں کاتب نے اپنا پتہ نہ لکھا تھا، حضرت سوچنے لگے کہ کس کا خط ہے اور کہاں سے آیا ہے میں نے عرض کیا کہ ٹھہر ڈاکٹی نہ دیکھی جائے شاید اس سے کچھ پتہ چلے،

لے میرے سامنے کا واقعہ کہ حضرت قیلولہ فرمانے کے بعد بیت الخلاء میں گئے، اس دوران میں میرے تایا زاد بھائی احسان احمد اپنی نئی سائیکل لے کر گھر میں آئے اور سائیکل ستون سے لگا کر کھڑی کر دی۔ جب حضرت فارغ ہو کر تشریف لائے تو ان کو شفقت سے پیار کیا پھر ان کی سائیکل دیکھی اور اس کی گدی پر انگریزی میں لکھا ہوا دیکھ کر فرمایا کیا لکھا ہے "بروکس" (اخلاق احمد غفرلہ)

حضرت نے ٹہر پر نظر ڈالی اور فرمایا فلاں فلاں حروف پڑھے جاتے ہیں، اور خط کا رخ میری طرف کر دیا میں نے حیرت کے ساتھ عرض کیا کہ انگریزی حروف بھی حضرت پڑھ لیتے ہیں؟ فرمایا ہاں جب ابتدا میں ابنتہ کے انگریزی مدرسہ میں داخل ہوا تھا اس وقت سیکھتے تھے۔ حضرت اس کو مسرت اور شکر گزاری کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ الحمد للہ حق تعالیٰ شانے نے انگریزی سے نجات دی اور علم دین نصیب فرمایا۔

تکمیل علم اور فراغ تحصیل

جس وقت حضرت قدس سرہ مظاہر علوم میں تشریف لائے تو کافیہ شرح جامی کا کوئی سبق مدرسہ میں نہ تھا اور تہائی اسباق کا نظام الاوقات مرتب ہو چکا تھا لہذا مولانا محمد مظہر صاحب نے آپ کو مختصر معانی کی جماعت میں شریک کر دیا اور آپ دل نہاد ہو کر سہ ماہ تک تحصیل علم میں مشغول ہو گئے، آپ نے اکثر کتابیں خصوصاً کتب حدیث و فقہ و اصول و تفسیر حضرت مولانا محمد مظہر صاحب سے پڑھیں اور باقی کتابیں بالخصوص منطق و فلسفہ و ہیئت و ریاضی مدرسہ کے دیگر مدرسین سے، اس طرح پڑھ کر ۱۲۸۹ھ میں جبکہ آپ کی عمر شریف انیس سال تھی آپ نے درس نظامیہ ختم کر لیا اور پانچ سال میں مدرسہ سے سند فراغ حاصل کی۔

لے آج کل کے مسلمان انگریزوں سے مرعوب ذہن کی بدولت انگریزی پڑھنے کو بیش بہا نعمت قرار دے رہے ہیں مگر یہ بات حقیقت پر غور نہ کرنے سے ہے۔ سینے علم خود مقصود نہیں جس کام کا علم ہے وہ کام مقصود ہوتا ہے اور تمام علوم تو کوئی حاصل کر نہیں سکتا لامحالہ اہم اور ضروری کا انتخاب کر لیا تو دین کا ہر کام ضروری اور بہت اہم ہے اس کے کاموں کا علم سب سے اہم فرض ہے اور اس میں کمال پیدا کرنا کچھ پر تو فرض باقی پر مستحب ہے اگر دنیوی علموں میں ملگ کر یہ دینی فرض ترک ہوا جیسے کہ ہو رہا ہے تو انتہائی خسارہ ہے اور مستحب علم ترک ہوا تو یہ بھی خسارہ ہے گو اس سے کم ہے اور دونوں کو جمع کرنا جیسے نا تجربہ کار کہتے ہیں دونوں کو ناقص رکھنا ہے۔ ظاہر ہے کہ جتنا وقت دنیوی علم پر لگے گا وہ دینی علم سے خالی رہ کر خسارہ کا سبب اور کمی کا باعث ہوتا ہے، دوسرے ضرورتیں سب کو ہیں نفس و شیطان سب کے ساتھ ہے اگر دینی طالب علم کو دنیا کا کوئی علم یا فن بھی سکھایا جائے تو اس میں غریب کسی ہو کر اس میں نقص اور خلل ہوتا ہے کم سمجھ لوگ ہی ایسی باتیں کیا کرتے ہیں لیکن جس قدر علم دین فرض میں ہے کہ عقائد و اعمال کے مسئلہ معلوم ہوں وہ اسکولوں میں ہونا ضروری ہے تاکہ بچے میلان نہ سکیں اس کا اہتمام ضروری ہے

مولانا فیض الحسن بر عربی ادب کی تحصیل | اس کے بعد علوم ادبیہ میں مہارت کا شوق آپ کو پنجاب کی طرف کھینچنے لگا کہ ہندوستان کے مشہور ادیب مولانا

فیض الحسن صاحب سہارنپوری اس وقت اور نیٹل کالج لاہور کے پروفیسر اور علوم مشرقیہ کے استاذ اعظم تھے کہ طالبانِ علوم دور دور سے آکر انوار ادبیہ کا مولانا سے اقتباس کرتے اور فصاحتِ عرب کی حقیقت سے آشنا ہو کر سرور و شاد کام جایا کرتے تھے اس لئے باوجودیکہ فراغ کے بعد آپ کا تقریباً چھ ماہیں مدرسہ میں ہو چکا تھا مگر ذوقِ عربیت نے آپ کو سفر پر مجبور کیا اور آپ نے لاہور پہنچ کر مولانا سے علوم ادبیہ کی خاطر خواہ تکمیل فرمائی۔

ہر چند کہ آپ نے تمامی علوم نقلیہ و عقلیہ میں کمال حاصل کیا مگر جو حدیث و فقہ سے شغف | اس اور تناسب آپ کی طبیعت کو کلام الرسول اور علم فقہ کے ساتھ تھا

وہ خود ہی اپنی نظر ہے اور اس کی شہادت کے لئے حضرت کے چند ہزار روہ فتاویٰ جن سے مدرسہ کی ضخیم ضخیم چار جلدیں لبریز اور بھری ہوئی ہیں، و نیز آخر عمر کا زین کا رنامہ جس کا نام بذل المجہود فی حل ابی داؤد ہے پیش کرنا کافی ہے کہ بذل المجہود پانچ جلد منکر مطبوع ہو چکی اور ہزاراں ہزار تشنہ کا مانِ علم کو سیراب کر رہی ہے، اور فتاویٰ کے متعلق بھی خیال ہے کہ مدرسہ کی طرف سے مطبوع ہو جاویں تاکہ ہر قسم کی ضروریات شرعیہ سے عامۃً مخلوق قیامت تک منتفع ہوتی رہے۔ چند مخصوص فتاویٰ جو حضرت کے دست مبارک کے لکھے ہوئے تھے اور جن میں کسی عالم کی خلافِ تحریر کے سبب اہمیت تھی وہ نقل کر اگر درج سوانح بھی کر دوں گا مشکوٰۃ شریف اور صحاح ستہ کی تعلیم | مدرسہ کی رودادِ قدیمیہ سے پتہ چلتا ہے کہ حدیث کی پہلی کتاب

میں اعلیٰ نمبر حاصل کر کے مختصر معانی و شرح عقائد انعام میں پائی۔ ۱۲۸۶ھ میں بخاری و ہدایہ آخرین میں امتحان دیا اور جامع ترمذی انعام میں ملی

ابوداؤد کی تعلیم لکھنؤ میں | غرض صحاح کی اکثر کتب آپ نے حضرت مولانا محمد منظر صاحب سے ختم کیں مگر ابوداؤد اس زمانے میں نہیں پڑھی۔ چنانچہ بذل المجہود کے

ترجمہ المؤلف کی تطبیق کے وقت مولانا محمد زکریا صاحب کے استفسار پر حضرت نے خود فرمایا کہ میں نے

۱۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے فیض یافتہ بڑے زبردست عالم بیاضی کا مل کے محشی فیضی شرح بہارہ ریاض البیض شرح بمعجلۃ وغیرہ بے مثال کتابوں کے مصنف، عربی فارسی اردو شاعری میں صاحبِ دیوان تھے۔ ۲۔ انھوں نے نادر تحقیقات کا بیٹھال مجموعہ اب تک طبع نہیں ہوا اللہ تعالیٰ غیب سے کوئی صورت بنادیں۔ (رجیل احمد)

بوداؤد شریف دور کے ساتھ نہیں پڑھی بلکہ اپنی ملازمت کے زمانہ میں پڑھی ہے۔ میں خود بھی جہاں ملازمت پر ہوتا رمضان میں مکان پر چلا آتا اور حضرت استاذ کبھی رمضان المبارک ان ایام میں اپنی سسرال قصبہ کھنوتی میں گزارا کرتے تھے۔ ایک سال میں نے بھی رمضان وہیں گزارا اور بوداؤد شریف پڑھی۔ سال کی تعین تو یاد نہیں مگر میں تعلیم سے فارغ ہو ہوا اگر ملازم ہو چکا تھا۔

سلسلہ اسنادِ حدیث

پہلی سند از حضرت مولانا محمد منیرؒ یہ ابتداء حضرت کی دورہ کی تعلیم ہے جس کا سلسلہ اسناد اس طرح ہے کہ آپ کے استاذ حضرت مولانا محمد مظہر اور ان کے استاذ مولانا مملوک العلیؒ اور وہ شاگرد تھے مولانا رشید الدین خاں دہلوی کے اور وہ مولانا شاہ عبدالعزیز کے اور وہ حضرت حجتہ اللہ مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے جن کا سلسلہ اسناد مشہور و معروف اور اکثر کتب حدیث بالخصوص ترمذی شریف کے اوائل میں مطبوع موجود ہے اس لئے ان کا تذکرہ چھوڑ دیا گیا۔ رحمہم اللہ رحمۃ واسعہ۔

مظہر علوم حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نے بخاری شریف حضرت اقدس مولانا شاہ اسحاق صاحب ہاجر رحمۃ اللہ علیہ سے بھی پڑھی ہے، اور شاہ صاحب اعلیٰ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے مشہور شاگرد ہیں۔ اس طرح پر حضرت کا سلسلہ سند صرف دو واسطوں سے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ کے ساتھ جاملتا۔

دوسری سند از مولانا عبد القیومؒ نیز ۱۲۹۳ھ میں جبکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ بھوپال میں مدرسہ پر فائز تھے تو حضرت مولانا عبد القیوم صاحب بڑھانوی سے جو کہ حضرت مولانا شاہ اسحاق صاحب کے ارشد تلامذہ ہونے کے علاوہ داماد بھی تھے دوبارہ بخاری شریف، شمائل ترمذی، اور کچھ حصہ مسلم شریف کا نیز مسلمات حجتہ اللہ شاہ ولی اللہ و نوادر اور درختین پڑھ کر جملہ احادیث کی اجازت اور سند حاصل کی۔

لے سات سو صفحات کی کتاب اس قدر قلیل عرصہ میں استاد شاگرد دونوں کی کرامت ہی۔ ۱۲۹۵ھ وہ حدیث جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پھر شاگرد رواج تک ہر استاد سے اس کے شاگردوں کو کسی خاص کیفیت سے پہنچائی گئی ہیں بعض مصافحہ کے ساتھ بعض زمزم و کجور کی دعوت کے ساتھ بعض ملزم پر قبول دعوے کے واقعہ کے ساتھ مسلسل آئی ہیں یہ سارا مطبوع ہے ملتا ہے۔ ۱۲۹۵ھ وہ حدیث جو حضرت شاہ صاحب کے بلا واسطہ خود حضور سے پہنچی ہیں خواب میں یا باری کے شاہدہ ہیں۔ (جیل احمد)

تیسری سند از شیخ احمد حلاں پہر اسی سال کے ختم پر جبکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو حرمین شریفین کی پہلی مرتبہ حاضری نصیب ہوئی جو کہ حج فرض کا سفر تھا تو مکہ مکرمہ میں شیخ المشائخ مولانا الشیخ احمد حلاں مفتی شافعیہ سے روایت و اجازت حدیث حاصل کی۔

چوتھی سند از شاہ عبدالغنی مجددی اور مدینۃ الرسول میں محدث دارالہجرت استاذ الکل حضرت مولانا الشاہ عبدالغنی المہاجر المجددی النقشبندی کو جملہ کتب حدیث کے اوائل سا کر بالا جمال اور قبولیت دعا عند الملتزم کی بالتفصیل اجازت حاصل کی۔

حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کا عطا کردہ اجازت نامہ جس کو بندہ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کر لیا تھا اور دعا عند الملتزم کی سبب جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بندہ ناچیز کو عطا فرماتے وقت خود ارشاد فرمائی تھی تبرکاً درج کرتا ہوں۔

اجازت نامہ از حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ

الحمد لله أولا واخرا والصلوة والسلام دائما وسلاما. اما بعد فيقول الملتزم الى حرم النبي عبد الغني بن ابي سعيد المجددي سألني الله بلطفه الخفي قد قرعني من اوائل الكتب الستة مولانا الشيخ خليل احمد وطلب مني اجازتها واجازة بقیة کتب الاحادیث والفقه والتفسير فاجزته ان يروي عني ويحيز غيره من تاهل لهذا الفن الشریف مع الشرائط المعتمدة عند علماء هذا الشأن والله المستعان وصلى الله على سيد الانس والجان عليه وعلى آله الصلوة والسلام الايمان الايمان في المدينة المنورة سنة ١٢٩٥ هـ (مهر)

يقول مولانا الشاه عبد الغني اخبرني به شيخنا عابد سدي اجازة قال ارويه عن عمي محمد حسين الانصاري عن الشيخ محمد بن محمد بن محمد بن عبد الله المغربي عن الشيخ عبد الله ابن سالم البصري عن الشيخ محمد بن علاء الدين البابلي عن الشهاب احمد بن خليل السبكي عن الفجر محمد بن احمد بن علي الغيطي عن القاضي زكريا الانصاري عن الحافظ ابن حجر عن شرف الدين ابى بكر بن عز الدين بن عبد العزيز بن جماعة عن يحيى بن فضل الله العمري عن مكي بن علاء ابى الوطاهر السلفي سمعت ابا الفقم ابن مسعود الخزني يقول سمعت ابا الحسن علي بن محمد بن نصر اللبان يقول سمعت ابا القاسم حمزة بن يوسف السهمي يجران

له ملتزم يعني هو اسودے بیت اشکے دروازے تک کہ صبر دعا کے قبول ہونے کی جگہ۔

یقول سمعت ابا القاسم عبد الله بن محمد بن خلف البزار بمصر يقول سمعت محمد بن الحسن بن راشد الانصاری يقول سمعت ابا بکر محمد ادريس المکی وهو راق الحمیدی واسم جده عمر يقول سمعت عبد الله بن الزبير الحمیدی يقول سمعت سفیان بن عیینہ يقول سمعت عمر بن دینار يقول سمعت عبد الله بن عباس يقول سمعت النبی صلی الله علیه وسلم يقول الملتزم موضع يستجاب فی الدعا واما دعاء الله فی عبد الاستجابه قال ابن عباس فوالله ما دعوت الله عز وجل فیما الاستجاب لی منذ سمعت هذا من رسول الله صلی الله علیه وسلم قال عمر وانا والله ما اهتمی امر فدعوت الله عز وجل الا اجابی منذ سمعت هذا من ابن عباس وهكذا قال کل راو۔ يقول عبد الغفر وانا والله دعوت الله عز وجل فاستجاب لی (واجاز فیما الشیخ مولانا الحاج خلیل احمد المهاجر الیوبی الانصاری اجازة وقال بعد سر واسنادہ وانا اقول انی دعوت الله عز وجل فاستجاب لی) واخرج سعید بن منصور والبیہقی فی سننہما عن ابی الزبیر عن ابن عباس موقوفاً۔

تین دعائیں جو مقبول ہوتیں | عمر شریف کے اخیر حصہ میں جبکہ حضرت قدس سرہ نے بذل الجہود کی تالیف سے بلدۃ الرسول میں فراغ پایا تو فرمایا کرتے تھے کہ میں نے حق تعالیٰ سے تین دعائیں مانگی تھیں جن میں دو کی قبولیت دیکھ چکا ہوں اور تیسری کا متوقع اور منتظر ہوں۔ ایک دعا یہ مانگی تھی کہ عرب میں امن وامان کی حکومت اسلامیہ شرعیہ دیکھ لوں، سوا الحمد بشہ وہ امن وامان آنکھوں سے دیکھا کہ جہاں پہاڑیوں میں قاتلوں کا چلنا مشکل تھا اب تھا آدمی سونا اچھا لتا ہوا بے خطر چلتا ہے اور کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔ دوسری دعا یہ تھی کہ بذل الجہود زندگی میں ختم کر لوں، سوا الحمد بشہ فارغ ہو لیا۔ تیسری دعا یہ تھی کہ بجوار رسول اس سرزمین میں دفن ہونا نصیب ہو، سو توقع تو ضرور ہے کہ انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔

چنانچہ دو ہی مہینے بعد اس کا ظہور ہو گیا کہ آپ نے بذل کے ختم سے پورے سات ماہ اور چوبیس دن بعد یعنی ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ یوم چہار شنبہ کو بعد عصر وصال فرمایا اور قبۃ اہل بیت کے متصل مدفون ہوئے۔ اطاب الله ثراہ وجعل الجنة مثواہ۔

لہ عبد اللہ بن عباس کہتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سلبہ فرماتے تھے کہ ملزم ایسی جگہ ہے کہ اس میں دعا قبول کی جاتی ہے کسی بندہ نے اس جگہ دعا نہیں کی مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول فرمایا۔ حضرت ابن عباس کہتے ہیں صدائے قم جب سے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا تھا کوئی دعا نہیں مانگی مگر وہ قبول ہوئی ایسے ہی سب لوگوں نے کہا۔ مگر اللہ تعالیٰ ان کی کمی کو پاکیزہ اور جنت کو

پانچویں حج کے بعد ربیع الاول ۱۳۳۵ھ میرا غالب خیال ہے کہ یہ تینوں دعائیں ملتزم ہی پراگئی ہوئی تھیں جن کا شکر اللہ تعالیٰ و توفیق الہدٰی الرہبۃ
 میں بذل المجہود کا آغاز

المآثرۃ اس طریق پر اظہار فرمایا۔ بالخصوص تکمیل
 بذل المجہود کی دعا کہ ماہ شعبان ۱۳۳۵ھ پانچویں سفر حج سے واپس ہو کر آپ نے اس خیال و شوق کو ظاہر
 فرمایا اور اربیع الاول ۱۳۳۵ھ کو بنام خدا افتتاح فرمایا، کام بہت بڑا تھا اور علاوہ اس کے کہ بہت یاد
 علمی قابلیت اور دماغی محنت کو چاہتا تھا۔ کتاب کی ضخامت زیادہ ہونے کے سبب مدت مدیدہ اور زبان
 کثیر کو چاہتا تھا اور حضرت قدس سرہ کا دماغ علاوہ مجاہدہ و ریاضات اور افکار و صدقات و حوادث
 مختلفہ کے پوری نصف صدی یعنی پچاس برس خدمت تدریس میں مشغول رہنے کے سبب بہت زیادہ
 ضعیف ہو چکا تھا اس لئے بظاہر اسباب اس تالیف کی جس میں یک وقت متعدد مشروح و حواشی کے
 اقوال مختلفہ و کثیرہ کو مستحضر رکھنے اور کھوٹا کھرا پرکھ کر مشاہیر علماء کے آثار متنوعہ میں حق کو محقق کرنے کی
 ناقابل برداشت محنت تھی کسی طرح ہمت نہ ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ چونکہ موت کا استحضار اور لقاء
 رب کا اشتیاق ہر وقت آپ کے دل کو اچاٹ بنائے ہوئے تھا اور بار بار آپ کی زبان پر آتا تھا کہ میرے
 اقران و معاصر سب رخصت ہو چکے دیکھے اس مٹی کو کتنک گھسیٹنا مقدر ہے۔ اگر کبھی شوق کا داعیہ ہوتا بھی تھا
 تو مدت کا خیال فرما کر آپ خاموش ہو جاتے تھے کہ برسوں میں ختم ہونے والے کام کی امید کون باندھے۔

مگر سفر پنجم سے واپسی پر یکایک خیال کا عزم اور فعل کے درجہ میں آنا اس کی علامت تھی کہ آپ
 ملتزم پر دعائے مانگ کر آئے ہیں اور قبولیت کے اذعان و یقین پر یابوس کن مشقت اور طول مدت کے داعیہ
 سے خالی الذہن ہو چکے ہیں، ورنہ یوں تو صدہا دعائیں آپ کی قبول ہوئیں اور توسلین تو اس کے خوب تجربے
 کر چکے ہیں کہ جب کوئی پریشانی لاحق ہوتی تو حضرت سے دعا کی استدعا کرتے اور اس کی فوراً ہی قبولیت کا
 مشاہدہ ہوتا تھا۔ پس یہ قوت یقین آپ کی ایک مستقل کرامت ہے جس کے سامنے ہزار کشوف و خوارق
 بھی بیچ دیجے ہیں کہ اس یقین ہی کے حاصل کرنے کو طالبان حق نے سلطنت چھوڑ کر فقر اختیار کیا اور تخت
 تلخ دنیا پر لائے بارگاہِ حق گدائی اور صحرانوردی کو ترجیح دی ہے۔

خلیل آسا دیر ملک یقین زن صدائے لا احب الا فلیں زن

لہ اللہ تعالیٰ کے شکر اور اس حدیث کے بھروسہ کے لئے ذکر فرمایا۔ سہ معمول کے خلاف کام یعنی کرامتیں۔
 سہ فقیری کی گدڑی اور جنگل جنگل گھومنے کو۔ سہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی طرح ملک یقین کا مدواہ کھٹکنا اور
 نعرہ لگا کہ میں غائب ہونے والوں کو نہیں چاہتا۔ یعنی فانی کو نہیں باقی کو چاہتا ہوں (جیل احد)

شاہ عبدالغنی مجہدی کا سلسلہ اسناد

شاہ عبدالغنی صاحب ہاجرہ فی سلسلہ طریقت میں

اپنے جد بزرگوار محمد دالغ ثانی حضرت سید احمد سرہندی قدس سرہ کے طریقہ نقشبندیہ مجہدیہ کے متمسک اور اپنے والد ماجد حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہ سے بیعت اور مجاز تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب اور اسناد سلوک و اخذ طریقت ساتویں پشت پر حضرت مجہدی صاحب سے اس طرح ملتا ہے: شیخ عبدالغنی بن ابی سعید بن صفی القدر بن عزیز القدر بن محمد عیسیٰ ابن سیف الدین بن محمد معصوم بن احمد العمری السہرندی قدس سرہ۔

مسلم شریف، ابوداؤد شریف، ترمذی شریف، نسائی شریف، سنن ابن ماجہ اور مؤطا امام مالکؒ بالاستیعاب آپ نے اپنے والد شاہ ابوسعیدؒ سے پڑھی، اور بخاری شریف، فرائد و سماع حضرت شاہ اسحاقؒ سے، شاہ اسحاق صاحب اور شاہ ابوسعید صاحب دونوں حضرات شاگرد ہیں حضرت محدث زماں شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم العمری کے۔ پس ہر دو سلسلہ سے آپ کی اسناد حدیث تیسری پشت پر حجۃ اللہ البالغہ سے جالی ہے۔

مشکوٰۃ شریف حضرت شاہ صاحب نے شاہ رفیع الدین بن شاہ ولی اللہ کے صاحبزادہ حضرت مولانا مخصوص اللہ کو پڑھ کر سنائی اور بعد ہجرت مدینۃ الغرام میں بخاری شریف کا کچھ حصہ تبرکاً شیخ محمد عبدالانصاری السنہی ثم المدنی کو پڑھ کر سنایا اور حضرت ممدوح نے جملہ صحاح کی آپ کو اجازت دی اور اپنے ہاتھ سے سند لکھ کر عطا فرمائی۔

پانچویں سزا شیخ اسماعیل الرومیؒ پھر مدینۃ الرسول ہی میں شیخ اسماعیل بن ادریس الرومی نے جو کہ مقدونیہ کے مشہور علامتھے خود اپنی خوشی سے صحاح کی اجازت کلیہ آپ کو عطا کی۔ پانچوں اساتذہ کی اسانید بالتفصیل ایک مستقل کتاب کی صورت میں طبع ہو چکی ہیں جس کا نام الیانع الجنی ہے لہذا نقل نہیں کی گئیں۔ انھیں سلاسل اسناد میں اگر حضرت قدس سرہ کا نام درج کر دیا جائے تو حضرت کے تلامذہ کی اسناد حدیث صاحب الکلام والحقیم سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک مسلسل و مکمل ہو جائے گی۔

محدث بزرگبخا مدنی کی اجازت و سند اس کے بعد ۳۲۳ھ میں جب حضرت قدس سرہ تیسری مرتبہ مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو حضرت مولانا سید احمد البرزنجی المفتی الشافعیہ ببلدۃ الرسول نے جملہ کتب حدیث اور تمامی فنون معقول و منقول

لے لے کر دیئے۔ اسے مرید کرنے کی اجازت دیئے ہوئے۔ اسے خود پڑھ کر اور دوسروں کے پڑھنے کو سکھانے کی اجازت دی۔

اور فروغ و اصول کی آپ کو اجازت دی اور اجازت نامہ لکھوا کر میرے مزیں فرما کر آپ کے حوالہ کیا چونکہ
بندۂ ناچیز اس سفر میں حضرت قدس سرہ کے ہمراہ اور مولانا برزنجی کی خدمت میں حاضری کے وقت
حضرت کے ساتھ تھا اس لئے خود بھی اس اجازت سے مشرف ہوا جو میرے پاس محفوظ ہے اور اس کا
سلسلہ اسناد نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ حضرت کے تلامذہ اخذ کر سکیں +

اجازت نامہ از حضرت مولانا سید احمد البرزنجی المفتی الشافعیہ بالمدریۃ المنورہ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذي رفع دين الاسلام على سائر الأديان. وجعل شأنه عالياً باصم سند برهان.
وشيد اعلامه المشهورة الباهرة. وأثاره المعروفة المتواترة حتى لم يتقريب بين الأنام الخاص منهم
والعام. في انه الحق المبين. وجعل الله المتين. فطرب عند رواية احاديثه الحسنة الاسماع. واعترف
ارباب النقد الصحيح بقبول وصله والاتباع. واستفاض بنقل الثقات العدول الاثبات ولائاً صدقة.
وانكشف الخطأ وبرح الخفا ببراہین حقہ. فمن اهتدى بهداه الى صراطه المستقيم. فازيا لخط
الافق والخير العميم. والصلوة والسلام الاكملان مددا. الا وفران عدا على من ارسل الله على فترة
من الرسل نوراً مبيناً. يهدي الى اقوم السبل. فكشف الغمة وهدى الامة. واخرجهم من الظلمات الى
النور. وفتنة الشيطان الكفور. وعلى العوصية الذين اقتفوا آثاره. وحفظوا سنته وأثاره. وكل تابع
باحسان. وحافظ الدين بالضبط والاتقان. اما بعد فان اشرف مقامات العبد القرب من
المعبود. والتحلي بصفة الحضور والشهود. واعظم وسيلة الى هذا المطلب النفيس الذي به تكون
تزكية النفوس في القديم والحديث. علماء اسناد والحديث. المشتمل على الحكمة التي من اوتيتها
فقد ادق خير كثير لا يحصى على هدى خير العباد الذي من اقتدى به فقد فاز فوزاً كبيراً. فمن ثم توجهت
همنه صاحب الفضل والسماحة. والعلوم والرياسة. الهام الاورع. والشهيد السديد. الفائز من
مدارك التقى باقر نصيب. وما كان من مسالك الهدى للسهم المصيب. ذي المجد الشامخ. اللودعي
الكامل والعلامة الفاضل. حضرة جناب الشيخ خليل احمد بن الشاة مجيد على حفظ الله واوصله
الله الى ما يتمناه لنيل هذه الطريقة المثلى. والسبق الى غاية تلك القسوى. فطلب مني ان
اجيزه بمأرونياء سماعاً واجازة من الاسانيد المختارة الممتازة وتلقيناه من علماء هذا الشأن.

لہ سلسلات جو خود حضرت کی طبع کرائی ہوئی ہے اس میں بیان یہ نقطہ ہیں الشیخ خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ لفظ الیہ لیل الخ
(یعنی الخیر)

واسلافنا الصالحين وسائر الاعيان. فليبدأ دعوتنا واسرعنا اجابته واجزنا له جازة خاصة وعامة
وشاملة تامة بجميع مسموعاتنا وهداياتنا من الصحاح والحسان في المسانيد والسني. العاصمة من
رعاها حتى رعايتها من الاهواء والفتن. وسائر المصنفات في العلوم الشرعية الاصلية والفرعية و
سائر لها من الفنون التي بها يتأدب الاديب. ويتبصر بعلامها حلة كل فاضل اريب. مما هو موضح
في اسانيد مشايخنا الاعلام. الكاشفين بنور التحقيق حجب الاهام عن وجوهات محذرات من مقصر^{المراد}
في الخيام. الذين منهم والدي العلامة المحقق الفهامة السيد اسمعيل^{عليه السلام} عن والده العلامة السيد
زين العابدين^{عليه السلام} مفتي المذهب الخفي والشافعي. مقم القائم وشا في العي عن والده جميل الماثري الفضل
الباهر السيد محمد^{عليه السلام} لهاي عن عمه الامام العلامة السيد جعفر^{عليه السلام} عن والده العلامة ابن فارض زمانه و
حافظ عصره واوانه السيد حسن^{عليه السلام} عن والده العلامة الامر بالمعروف والنهي عن المنكر السيد
عبد الكريم المدفون بمجدة الشهير بالملوم عن والده الامام الاحمد والعلم المفرد العلامة السيد
محمد بن السيد عبد الرسول الحسيني الموسوي البرزنجي مجدد القرن الحادي عشر ذي التصانيف
السائرة سير المثل في البدو والحضر وهو قد اخذ العلم عن جميع كثير وجم غفير من اعيان العراق
والثام من كل تحرير وهام^ح وعن والدي السيد اسمعيل^{عليه السلام} المشار اليه عن شيخه وقت الاستاذ
المسند الشيخ صالح بن محمد الفلاني العمري عن الشيخ المعمر المحقق للدق محمد بن محمد العمري الفلاني
وعن غيره من اعيان عصره. ^ح وعن شيخنا العلامة السيد محمد المواني^{عليه السلام} الدمي الحلي نزيل طيبة عن
الاستاذين الجليلين حسن^{عليه السلام} عطر والشيخ ابراهيم الباجوري. وعن غير هؤلاء من اعيان عصر المقيزين
وجهابذة المبرزين فاجزنا وبجميع ما تلقيناه وروينا به واجازنا به اشياخنا المذكورين وغيرهم.
ووصينا به بالعمل والتقوى والاخلاص في العلن والنجوى. فان لكل امرئ ما نوى. بلغنا الله
واياه من الديانة اعلى النهاية. واوفانا واياه من الامانة على كل غاية. ووقفنا جميعا
لنصر الحق ونصم الخلق ورزقنا سعادة الدارين ونشفاة سيد الكونين وصلى الله على من
بهرت آياته وظهرت معجزاته سيدنا محمد سيد المرسلين وعلى آله الطيبين وصحبه اجمعين
والحمد لله رب العالمين +

محمد

امر بكتابة مفتي الشافعية بالمدينة المنورة سابقا

السيد احمد البرزنجي عفي الله عنه

شیوخ روایت

الحاصل چونکہ حضرت قدس سرہ کو حدیث میں کثرت روایات اور قوت سند کا جو کہ اس فن شریف کا مایہ ناز ہے اہتمام تھا اس نے مشاہیر علماء زیاں میں آپ کے اساتذہ پانچ ہوئے: (۱) مولانا محمد منظر صاحب نانوتوی۔ (۲) مولانا عبد القیوم صاحب بڈھانوی۔ (۳) مولانا الشیخ احمد دحلان المہاجر المکی۔ (۴) مولانا الشاہ عبدالغنی المہاجر المدنی۔ (۵) مولانا السید احمد البرزنجی اطاب اشتر نزام و جعل الجنتہ مشواہم۔

سند از شیخ بدرالدین محدث دمشق

مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی تو وثوق کے ساتھ نقل فرماتے ہیں اور مجھے بھی غالب یاد اسی طرح ہے کہ ۱۳۲۹ھ میں جب بندہ حضرت سے اجازت لیکر براہ حجاز ریلوے مدینہ منورہ سے دمشق گیا اور وہاں قطب الوقت مولانا السید بدرالدین محدث دام ظلہ کی زیارت کی جو علامہ نووی کے مشہور دارالحدیث کے جانشین اور نہایت متبع سنت یگانہ وقت مرجع العلماء بزرگ ہیں تو بندہ کو احادیث صحیح اور بعض وراویہ خصوصاً کی انھوں نے اجازت دی اور اجازت نامہ تحریری دستخطی مجھ کو عطا فرمایا۔ واپسی وطن کے بعد جب حضرت سے اس کا تذکرہ ہوا تو حضرت نے بھی شوق ظاہر فرمایا کہ ایسے علامہ سے مجھے روایت حدیث کی اجازت حاصل ہوتی تو بندہ نے ایک مطبوعہ اجازت نامہ جس کے تین نسخے شیخ مہرچ نے چلتے وقت مجھ کو دیئے تھے کہ جس کو اس کا اہل پاؤ اس خالی جگہ میں اس کا نام لکھ کر میری طرف سے دیدینا، میں نے حضرت کا امم شریف لکھ کر حضرت کی نذر کر دیا۔ یہاں پر حضرت نے والا نامہ تحریر فرمایا اور شیخ بدرالدین نے اجازت نامہ خود دمشق سے روانہ فرمایا۔ بہر حال اگر یہ واقعہ صحیح ہے جیسا کہ غالب گمان ہے تو یہ سلسلہ سناد چھاپے جس کو اپنی کتاب سے بہ تبدیل نام نقل کرتا ہوں کہ محفوظ رہے۔

اجازت نامہ از شیخ بدرالدین محدث دمشق

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمدك اللهم على متواتر الاثراك. وشكرك على مسلسل نعمائك. ونشكاك متصل الصلوات والتسليمات على المرفوع من بين المخلوقات وعلى الاله المشهوره اخبارهم واصحابه المستفيضة اثارهم. اما بعد. فان الاسناد من الدين. والاخذ به متمسك بالحبيل المتين. فمن ثم علف اهل العلم عليه. وتوجهت مطاياهم هماليه. واما كان منهم مولانا الشيخ خليل احمد بن الشاہ مجيد على الساكن في سہارنپور من بلاد الهند وفقہ الله تعالى لا رشاد العباد۔

وسهل الله تعالى لنا ولطرق السداد - طلب مني الاجازة التي هي امان عند اقتحام المغازة - ولست
اهل ان استجاز - وهل يقال يمثل هذا الجواز - الا انه حسن في ظنه - انا به الله تعالى على قصده
البحر - فاجزته بالمعقول والمنقول من قروع واصول - والا حادith الشريفه والاثار المنيفه - كما
اجازني بذلك فضلاء العصر وجهابذة مصر منهم بحر الفضلاء ومعترف الفحول والتجلاء
افضل من عنده يتلقى - الشيخ ابراهيم السقا - عن الامام المذهب العلامة الشيخ ثعلب عن
العلامة الشهاب الملوذي النوري الديجور عن الامام الشيخ عبد الله بن سالم صاحب
الثبت المشهور - وعن العلامة الشيخ محمد امير عن والده الشيخ الكبير وقد حوى ثبته الاسانيد
بما لا يحتاج الى مزيد فروي صحيح البخاري عن العلامة الشيخ علي الصعيدي حال قراءته
بالجامع الازهر عن الشيخ محمد عقيلة المكي عن الشيخ حسن بن علي العجمي عن ابي العجل
اليمني عن الامام يحيى الطبري قال اخبرنا البرهان ابراهيم بن محمد بن صدقة الدمشقي
عن الشيخ عبد الرحمن بن عبد الاول الفرغاني عن ابي عبد الرحمن محمد بن شاذان بنحت
الفرغاني بما عده جميعه على الشيخ ابي لقمان بن مقبل شاهان التتلافي عن محمد بن يوسف
الفربري عن جامع - وروي صحيح مسلم عن الشيخ علي السقاط عن الشيخ ابراهيم الفيوفي
عن الشيخ احمد الفرغاني عن الشيخ علي الاجهوري عن الشيخ نور الدين علي القراني عن
الحافظ - ايل الدين السيوطي عن البلقيني عن التتوخي عن سليمان بن حمزة عن ابي الحسن
علي بن نصر عن الحافظ عبد الرحمن بن مندة عن الحافظ ابي بكر محمد بن عبد الله عن مكي
النيسابوري عن الامام مسلم - وادعى المجاز المشار اليه بنظر الله تعالى بعين العناية
اليه بمجاهدة النفس وتفريغ القلب عن الاغتيار - وتطهيره عن سفاسف هذه الدار
وبملازمة الاذكار الماثورة - والادعية المشهورة - والاكثر من الصلوة والسلام على
خير الانام - مع المشاهدة المعنوية المنتجة للحالة الحسنة والمرجوع من الشيخ المذكور
ضاغف الله تعالى لنا وله الاجور - ان لاميناني من دعوة صاحبه - جعل الله تعالى تجارة
الجميع رابحة - وامدنا بالمدد الاسنى وختم لنا بالحسنى



العبد الفقير اليه تعالى
محمد بن الدين عفي عنه - امين

جن کے قلوب ایمان سے خالی ہیں ان سے تو خطاب نہیں لیکن جن حضرات کو مرشدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی بننے پر مسرت و فخر ہے ان سے ضرور کہا جائے گا کہ خدا را دنیا کی محبت اور طلب میں اتنے نہ کھو کہ دین کی تعلیم سے غار و نفرت ہو جائے اور حفظِ قرآن مجید کو جو برکاتِ الہیہ کا سرچشمہ ہے عظمت کی نگاہ سے دیکھو کہ کلام کی عظمت سے صاحبِ کلام کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔

چیت قرآن لے کلام حق شناس روناے رب ناس آند بہ ناس
حرفِ حرفش راست در بر معنی معنی در معنی در معنی

تم کو اور تمہارے اسلاف کو ساری دنیا پر اس کی بدولت فخر ہے کہ حق تعالیٰ نے تمہارے حوالے اپنا وہ کلام کیا جس کی حلاوت و طراوت کی نظیر سطحِ زمین پر نہیں ہے۔ وائے افسوس کہ اب شرفِ اسلام اس کی تلاوت و حفاظت سے بھی مستغنی وبے نیاز ہو جا دیں۔

دنیاے دنی کی یہ ہوس جانے دو گلچیں ہو اگر تو خار و خس جانے دو
مالک کے بغیر گھر کی رونق نہیں کچھ اللہ کو اپنے دل میں بس جانے دو

انگریزی سے گھبراہٹ | ہر چند کہ زمانے کی ہوا کم و بیش سب پر اثر کرتی ہے اس لئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے والدین بھی قصہ والوں کے بار بار مشورہ دینے اور خیر خواہانہ صورت پر

اصرار کرنے سے متاثر ہوئے اور آپ کو بچپن میں انگریزی اسکول میں بھیجا دیا کہ آپ کی فطری ذہانت سے بہت جلد ہر قسم کی دنیوی ترقیات متوقع تھیں۔ مگر قدرت کو آپ سے وہ دینی خدایات لینا تھیں جو انسان کی پیدائش کا مقصودِ اعظم ہیں اس لئے آپ کا مبارک قلب طفولیت کی کم سمجھی کے زمانے میں بھی انگریزی تعلیم سے گھرایا اور روحانی علومِ الہیہ کا ایسا جویاں ہوا جیسا تو زائیدہ بچہ پستانِ مادر کے دودھ کا جویاں ہوتا ہے کہ اس طلب کے لئے نہ اس کو ترغیب کی ضرورت ہے نہ کسی کی رہبری و تعلیم کی حاجت۔ لہذا آپ کا فلتِ آشنا دل از خود اس طرف متوجہ ہوا کہ عزیز وطن کو چھوڑ کر پردیس اختیار کریں اور پیرزادے پیاموں کے لادے بھاگے بن کر نہیں بلکہ ادنیٰ طالبِ علم بن کر غلامانہ انداز سے استاد کے سامنے بیٹھیں۔ پھر اہل وطن اور اقاربِ محزون کہیں یا دیوانہ کسی کی ایک نہ سنیں۔

دلاؤ سے کہ داری دل درو بند دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

لے لے کلام حق کو پہچاننے والے قرآن مجید کیلئے؟ یہ لوگوں کے پروردگار کا جلوہ دکھانے والا ہے سب لوگوں کے پاس آیا ہے۔ اللہ اس کے تو ایک ایک حرف کی بغل میں ایک معنی اور پھر معنی میں معنی، معنی میں معنی ہیں۔
سہ کینی۔ سہ فلیل ددوست پروردگار ہونے کا شوقین۔ اللہ دل کے آلام کی جو چیز معنی محبوب رکھتے ہو بس دل اس میں لگاؤ بھر نام جان سے آنکھ بند کرلو۔

اسی دیوانگی نے آپ کو گیارہ برس کی عمر میں آغوشِ مادر سے جدا کر کے گوالیار پہنچایا اور اسی شوقِ ولولہ نے جبکہ آپ کی عمر کا چودھواں سال شروع ہوا انگریزی چھپرہ کر دیو بند پہنچایا۔ یہی علمِ دین کا احترام اور اس کے حصول میں تعب و تنہائی کا لطف آپ کو سہارنپور لایا۔
 کشنداز برائے دلے بارہا خورند از برائے شگے خارہا
 اور یہی اشتیاق آپ کو بیس سال کی عمر میں لاہور لے گیا حالانکہ آپ علومِ دینیہ سے فارغ ہونے ہی مظاہرِ علوم میں معین المدرسین بنادیئے گئے اور چار روپیہ ماہوار کا بصورتِ وظیفہ تقرر ہو کر کارندہ درس آپ کے حوالہ کر دیا گیا تھا مگر علم تو سمندر کا پانی ہے کہ جتنا پیو اسی قدر پیاس بڑھے اور عمر نوح بھی اس میں ختم ہو تو **هَلْ مِنْ فَرْيَدٍ كِي صَدَابَتْدَه بُو سَه**

رَضِيْنَا قِسْمَةً الْجَبَّتَا رَفِيْنَا لَنَا عِلْمٌ وَ لِحُجَّتَالِ مَالٍ
فَوَانِ الْمَالِ يَقْفِي عَنْ قَرِيْبٍ وَ اَنَّ الْعِلْمَ بَاقِي لَا يَزَالُ

قرآن کریم حفظ کرنے کا واقعہ | اسرار میں ماہِ رمضان کی تعطیل ہو اکتی اور آپ امتحان سے فارغ ہو کر آخر رمضان میں مکانِ تشریف لے آیا کرتے تھے کہ والدین کی زیارت کے ساتھ ساتھ مبارک مہینے کے دن روزوں میں اور راتیں تراویح و تلاوتِ قرآن مجید میں گزار کر سالِ آئندہ کی دماغی محنت کے لئے طیار ہو جائیں۔ وطن میں حفاظ کی کمی تھی باخصوص شرفاریں کہ حفظِ قرآن مجید کا شوق بھی نہیں رہا تھا اس لئے آپ اور آپ کے چچا زاد بھائی مولوی صدیق احمد صاحب جو دیوبند میں پڑھتے اور پھر حصولِ علم کے لئے مالیر کوٹلہ چلے گئے تھے محلہ سے دور مسجد میں تراویح پڑھا کرتے تھے جہاں حافظ رحیم بخش نور باف سنایا کرتے تھے۔ ایک سالِ بربانہ طالبِ علمی آپ رمضان میں سہارنپور سے اور مولوی صدیق احمد صاحب مالیر کوٹلہ سے وطن آئے ہوئے تھے یہ دونوں حضرات اپنے ایک تیسرے عزیز مولوی اسحاق بن حمید علی کو کہ وہ بھی طالبِ علم تھے لے کر حافظ صاحب کے پاس گئے اور درخواست کی کہ اس سال ہماری مسجد میں قرآن مجید سنا دیجئے کہ جو لوگ ضعف یا کسل کے سبب یہاں نہیں آسکتے ان کے کان بھی اس کے لذتِ چندہ بن جاویں۔ مگر انھوں نے بے پردہی کے ساتھ ٹکاسا انکاری جواب دیدیا اور بروایت: **اَبَا اَصْرَادٍ پَر اَصْحُوں نے تیز لفظوں میں کہا کہ ایسا ہی قرآن سننے کا شوق ہے تو خود حفظ کیوں نہیں کر لیتے حدیث پڑھنے کے لئے تھے قرآن یاد نہیں ہوتا۔**

لے ایک دل کے واسطے بہت سے بوجھ کھینچے ہیں ایک بھول کے واسطے بہت کانٹے کھاتے ہیں۔ لے کیا اور بھی زیادہ ہے۔
 لے ہم اشتہارِ تلی کی اس تیسرے بوجھ کوگوں کے درمیان ہے خوش ہیں کہ ہمارے لئے علم چاروہاںوں کے لئے نال۔ لے کیونکہ مالِ مغربِ فنا ہو جائے گا اور علم لا زوال باقی رہے گا۔ لے کپڑا بننے والے۔ لے مزہ چکے ہوئے۔ جیل احمد

ان کا یہ کہنا حضرت کو بہت شاق گذرا کہ گویا قرآن مجید کا حفظ کرنا حدیث پڑھنے سے زیادہ مشکل و دشوار ہے اس لئے وہاں تو خاموش ہو گئے مگر تینوں نے مشورہ کیا کہ اس مرتبہ تو جس طرح ہو سکے گذار لو مگر آئندہ سال تینوں دس دس پارے یاد کر کے وطن آویں کہ ایک شروع کے دس اور دوسرا درمیان کے دس اور تیسرا آخری دس، اور اپنی مسجدیں سناؤ کہ یہ احتیاج سوال پھر نہ ہو۔ چنانچہ بعد رمضان اپنے مدرسہ میں چلے گئے اور مطالعہ کتب و تکرار سے جو وقت بچا اس میں قرآن مجید حفظ کرنا شروع کر دیا۔ ہر چند کہ اودہ دس پارہ کا تھا مگر جب سلسلہ چل پڑا تو آپ کی بڑھنے والی ہمت رُکی نہیں اور نتیجہ یہ ہوا کہ آپ جب آخر رمضان میں وطن آئے تو پورے قرآن مجید کے حافظ بن کر آئے۔ اور یہی قصہ مولوی اسحاق صاحب کا ہوا مگر افسوس کہ مولوی اسحاق کی عمر نے وفات کی اور وہ حافظ قرآن بن کر محراب منانے سے قبل شعبان ہی کے مہینے میں انتقال فرما گئے۔ مولانا صدیق احمد صاحب حسب قرار داد دس پارے حفظ کر کے آئے مگر جب دیکھا کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے اپنی مسجد میں محراب سائی اور تراویح میں ختم قرآن کا استحباب پورا ادا کر لیا تو آئندہ سال آپ نے بھی پورا کر لیا۔ ادھر ان حضرات کو حافظ قرآن دیکھ کر دوسرے بھائی مولوی نور احمد صاحب حرص ہوئی تو سال آئندہ انھوں نے شروع کیا اور تین سال میں وہ بھی حافظ قرآن بن گئے کہ محلہ اور اس پاس کی تین مسجدیں ہمیشہ کے لئے اوارِ قرآنہ سے معمور و متور بن گئیں۔

حضرت نے خود بابا یہ قصہ نقل فرمایا اور آخر میں یہ لفظ ارشاد فرمائے کہ یاد تو خیر یاد ہی ہوتا ہے لیکن الحمد للہ کچھ دال دلیا ہو ہی گیا۔ حق تعالیٰ کو ایک نعمت عطا فرماتا تھی وہ اس طریق پر عطا فرمادی۔

اس کے بعد حضرت نے اس نعمت کی محافظت کا اس درجہ اہتمام فرمایا کہ **تلاوت کا معمول** گرمی ہو یا سردی اور عسّر ہو کسی حال میں آپ نے کوئی دن اس کی تلاوت

مخصوصہ سے خالی نہیں رکھا۔ مشاغلِ علیہ آپ کے دن بدن بڑھتے اور تعلیم و تدریس کے ساتھ ارشاد و تلقین کے تعلقات روز افزوں ہوتے رہے اس لئے آپ نے پورے قرآن مجید کا ختم اپنی نماز کا جزو بنالیا کہ کم از کم سو بارہ روزہ دوڑھائی پارے بعد مغرب صلوٰۃ الاوابین کی چھ رکعت میں پڑھا کرتے جو کبھی سفر اور مرض میں بھی قصانہ ہوتی تھیں الا نادراً۔ اور کبھی ریل میں سفار و نجوم سواریاں کی وجہ سے طویل توافل کا اتفاق سے موقع ہی نہ ملا تو پارہائے قرآن مجید کو بیٹھ کر ضرور پورا فرمالتے تھے۔ اسی طرح ہجرت کی بارہ نفلوں میں دوسرا ختم معمول تھا کہ دو پارے سے لیکر چار پارے تک جتنا وقت اور سکون کے ساتھ

لے آباد و نورانی۔ علاہ تنگی ہو یا آسانی۔ (جیل احمد)

جس مقدار میں طبیعت کا لگاؤ پاتے وہ تلاوت فرماتے کہ اس کا بھی اس قدر اہتمام تھا جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔
ادائے معمولات | گھر تو بہر حال اپنا گھر ہے اور ادائے معمولات کے لئے ہر قسم کا آرام ہیا رہتا ہے مگر میں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اسفار میں ایسی اجنبی جگہ پر جہاں یہ بھی معلوم ہونا مشکل تھا کہ پانی کہاں ہے اور مسجد کہاں، آپ کے اس معمول کو قصا ہوتے نہیں دیکھا۔

جیپور کا سفر | ایک مرتبہ حضرت جیپور کے سفر میں تھے اور بندہ ہم کو آب تھا، گاڑی بعد عشاء پہنچی اور میزبان مولوی عبدالغنی صاحب نے کہ وہ بھی شہر سے فی الجملہ اجنبی ایک سرائے میں ہم کو لانا جس کی تنگ و تاریک کوٹھریوں میں بوا آ رہی تھی، پاس نہ روشنی کا سامان تھا نہ کھانے پینے کا، بھوک لگ رہی تھی اور شب کا چوتھا حصہ گزر چکا تھا کہ اکثر دکانیں بند ہو گئی تھیں، رفیق سفر میزبان حضرت سے اجازت لے کر روشنی اور کھانے کا انتظام کرنے کو سرائے سے باہر نکلے اور ہم دونوں اندھیری کوٹھری ہاتھ سے ٹٹول کر ایک چارپائی پر بیٹھ گئے۔ دیر ہو گئی اور چراغ نظر نہ آیا تو طبیعت گھبرائی اور میں نے حضرت سے عرض کیا کہ نہ بیکار بیٹھے بن پڑتی ہے نہ حضرت کو تنہا چھوڑ کر جائے بن پڑتا ہے ورنہ خود ہی کہیں ٹکریں مار کر موم بتی اور دیا سلائی لاتا۔ حضرت چپ ہو رہے اور تھوڑی دیر اور انتظار فرما کر خود ہی کہا کہ بہتر ہے تم ہی اٹھو اور دیکھو مولوی عبدالغنی کہاں گئے۔ میں اٹھا اور سرائے کے اندھیرے میدان کو پاؤں سے ٹٹولتا ہوا دروازہ کی طرف چلا کہ دروازہ پر مولوی عبدالغنی آتے ہوئے مل گئے اور میں ان کو لیکر واپس ہوا، دھم دھم سکھم چراغ جلایا اور ذرا اچھی کسی ہوئی چارپائی دیکھ کر اس پر حضرت کا بستر بچھا دیا، اس کے بعد جو کچھ کھایا گیا کھانا کھایا اور مشکل سے پانی دستیاب ہوا جس کو پی کر شکر حق ادا کیا۔ ہر چند کہ مجھے حضرت کے ساتھ بارہا سفر کا اتفاق ہوا اور خوب جانتا تھا کہ حضرت اپنے معمولات کے بہت ہی زیادہ پابند ہیں مگر آج شب کی کوفت اور کلفت محسوس کر کے اس کا دہم بھی نہ ہوا کہ تہجد کے لئے حضرت کے واسطے پانی اور کم سے کم اتنی صاف جگہ کا انتظام کر دوں کہ حضرت نوافل ادا کر لیں، یہ ضرور فکر تھا کہ دیکھئے نماز فجر کس طرح ادا ہو۔ چراغ جس نے کھانے کا ساتھ بھی ٹٹا کر بمشکل دیا تھا سلام کر گیا اور بجز اس کے چارہ نہ تھا کہ پڑ کر سو رہیں۔ آدھی رات گزر چکی تھی اور بدن کو تعب سفر نے گویا کوٹ دیا تھا اس لئے حضرت بھی لیٹ رہے اور میں بھی کوٹھری کو کھٹلا چھوڑ کر کہ کچھ تو روشنی نظر آئے پڑتے ہی سو گیا۔

صبح صادق سے گھنٹہ بھر پہلے دفعۃً آنکھ کھلی تو دیکھتا ہوں کہ حضرت کی چارپائی خالی ہے،

لے نیز نظر کی نماز سے فارغ ہو کر حضرت اس جگہ جہاں نوٹیں حجرے سے متصل تیکے کھائی قرآن شریف کھول کر تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ (خلافت احمدیہ)

خبر اکراٹھا اور باہر اگر ادھر ادھر دیکھا کہ کہاں تشریف لے گئے مگر کہیں نظر نہ آئے۔ تاروں کی جھللاہٹ میں ذرا دور ایک مسجد نظر آئی اور میں اس طرف چل دیا۔ شکستہ حال مسجد کی ٹوٹی ہوئی سیڑھیوں پر کچھ جوت بھی کھائی مگر صحن میں قدم رکھا تو حضرت کی آواز کان میں پئی کہ اندر گوشہ میں کھڑے ہوئے تلاوت فرما رہے اور اپنے مبعود کے سامنے غلامانہ حاضری کا معمول بجالا رہے ہیں، آوازیں گریہ اور روضہ تھا اور لہجہ میں خوف و خشیت ملا ہوا حضور میں حیران تھا کہ حضرت نے مسجد کا پتہ کس وقت لگایا اور مطمئن ہو کر چارپائی پر لیٹ رہے کہ خود بھی پانی اور مصلے کا اہتمام کئے بغیر سو گئے۔ بس میزبان کی تلاش میں چند منٹ کے لئے میرا علیحدہ ہونا حضرت کے لئے گنجائش تھی کہ اپنی اصل ضرورت کا پتہ لگا کر بیٹھے اور سونے والوں کو سوتا چھوڑ کر اپنے وقت پر اپنے خدا کے سامنے آکھڑے ہوئے، مجھے شرم کے مارے پسینا گیا کہ نف تیری جوانی پر کہ حضرت اس بڑھاپے اور ضعیفی میں اتنے مستعد اور تو عالم شباب میں اتنا کامل اور کم ہمت۔ آخر اندھیرے میں ٹٹول کر لوٹا اٹھایا اور پھر پانی ڈھونڈتا پھر کہ کنواں ہے یا حمام، کہاں ہے پانی لوں، اور ہر دشواری پر اس کا اندازہ کرتا گیا کہ یہی دشواری حضرت کو بھی پیش آئی ہوگی۔

غلام یہ کہ نہ معلوم حضرت کس وقت اٹھے اور کب سے نفلوں میں مشغول تھے۔ اتنا میں ضرور کہہ سکتا ہوں کہ میرے سامنے کی بھی طویل قنوت سوا پارے سے کم نہ تھی۔ تنہا ہی دیر بعد صبح ہو گئی اور جماعت سے فرض ادا کر کے باہر آئے تو شرم کے مارے میری نظریں جھکی ہوئی تھیں کہ نوافل کے لئے اہتمام نہ کیا تھا مگر حضرت کو گویا اس کا دم بھی نہ تھا کہ آج ادائے معمول میں کچھ دشواری پیش آئی، وہی انبساط تھا اور شفقت کے ساتھ پوچھ رہے تھے کہ رات کچھ نیند بھی آگئی تھی؟ جی ہاں تو نیکہ پر سر رکھ کر خبر نہ رہی کہ سر لائے میں پڑے ہیں یا گھر۔

ایک بار ٹونک کے سفر میں شب کو گیارہ بجے حضرت کے ساتھ دہلی سے ٹونک کا سفر اور معمولات | پنجر میں سوار ہوا تو، ہجوم مسافران کی یہ حالت تھی کہ بیٹھا بھی دشوار تھا حسب عادت لوٹا بھر کر بیچ کے نیچے ضرور رکھ لیا تھا مگر حیران تھا کہ کیسا وضو اور کیسی نظلیں، مگر آخر شب میں حضرت کے اٹھنے کا وقت آیا اور اتفاق سے جھکی آکر میری آنکھ کھلی تو دیکھتا ہوں حضرت لوٹ لائے ہوئے ریل کا دروازہ کھول کر وضو فرما رہے ہیں، جلدی سے اٹھا اور حضرت کو دھوکرایا، گلاب پریشان تھا نماز کی جگہ کہاں کروں کہ اُجڑے مسافروں کے چار طرپ پاؤں اور اسباب پھیلے ہوئے ہیں، کسی چیز کو ذرا سرکاؤں گا تو کوئی دھبہ رسید کر گیا مگر اللہ رے ہمت و استقلال حضرت نے جگہ نکال ہی لی اور اسی طمانیت کے ساتھ کھڑے ہو کر لمبی لمبی آنکھ نفلوں میں اپنے معمول تلاوت کو پورا فرمایا کہ نہ متشابہ لگانہ رکاوٹ ہوئی۔

سفر حج میں جلتے وقت منیٰ کا قیام تھا اور کچھ اسباب کے گرد برابر منیٰ میں معمولات پر عمل

مچایا کہ طیار ہو جاؤ عرفات کے لئے۔ دیکھتا ہوں تو حضرت دو شغرفوں کے بیچ میں گلی نما جوتنگ جگہ چھوٹی ہے اس میں کھڑے ہوئے اپنے مولیٰ کے ساتھ رازوینا میں مشغول ہیں اور پارہائے قرآن مجید کی اس تلاوت کو پورا فرما رہے ہیں جس کا حفظ قرآن کے وقت سے آپ نے التزام کیا تھا مطوف جالین نے سب کچھ شور مچایا مگر حضرت کے طویل قیام میں ایک آیت کا بھی فرق نہ آیا۔

اتباع سنت کا حاصل ہتمام آپ نے سلام پھیرا تو اللہ کے شیر پر ایک غصہ کے آثار نمودار تھے اور

تند و تیز لہجہ میں آپ نے مطوف سے کہا ”تم بھول گئے ہم نے تم سے وعدہ لیا تھا کہ سنت کے خلاف ہم ہرگز نہ کریں گے اور تم نے اقرار کیا تھا کہ جس طرح کہو گے اسی طرح کروں گا پھر قبل طلوع آفتاب لے چلنے پر ہم سے کہنے کا تم کو کیا حق ہے کہ فضول پریشان کر رہے ہو؟ مطوف نے کہا کہ میں کیا کروں جال نہیں مانتے جن پر کسی کا زور نہیں اور یہ اونٹ لیکر چل دیئے تو حج فوت ہو جائے گا سنت کی خاطر فرض کو خطرہ میں لانا تو اچھا نہیں۔ اس جواب پر حضرت کا غصہ تیز ہو گیا اور بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا ہم نے تم کو مطوف قرار دیا ہے استاد اور سرِ قرار نہیں دیا کہ علی مشورہ لیں، جاؤ اپنا کام کرو ہم شروق آفتاب سے ایک منٹ پہلے بھی نہیں اٹھیں گے کہ ہمارا مال خرچ اور صعوبت برداشت کر کے آنا حج کو بطریق سنت ادا کرنے کے شوق میں ہوتا ہے نہ کہ تمہارے اور جالوں کے غلام بننے کے لئے۔ جالوں کو اپنے اونٹوں کا اختیار ہے ان کا حج چلے وہ ان کو بلجائیں باقی ہم پر ان کو کوئی اختیار نہیں کہ اٹھنے پر مجبور کریں، تم نے ناوقت شور مچا کر ہم کو پریشان کر دیا اور نماز تک نہیں پڑھنے دی اس لئے ہم تم کو بھی آزاد کرتے ہیں اپنے دوسرے حاجیوں کو سنبھالو ہم کو ہمارے حال پر چھوڑو، اللہ کا شکر ہے ہم لوے لیجے نہیں ہیں اور نہ عرفات کچھ زیادہ دور، اونٹ چلے جائیں گے تو سیدل بھی ہم انشاء اللہ پہنچ جائیں گے مگر تم یہ چاہو کہ سنت چھوڑ کر تمہارا کہنا میں سوا اس کی ہرگز ہم نہ توقع مت رکھو۔

اب مطوف کے پاس جواب ہی کیا تھا کہ زبان سے ادا کرے خاموش ہو کر چلا گیا اور حضرت نے پھر نیت باندھ لی اور اسی سکون کے ساتھ تلاوت و نماز میں مشغول ہو گئے جتنی کہ صبح صادق ہوئی اور

لے اونٹ پر سواری کی عماری جو قیام میں بچے رکھ دی جاتی ہے۔ سہ حاجیوں کی سہولت کے لئے حکومت کی طرف سے اجرت ہرج کے اعمال ادا کرنے اور تمام ضروریات کو فراہم کرنے والے لوگ مقر میں ان کو مطوف یا معلم کہتے ہیں اور سواری کے اونٹ والے جالین ہیں۔ سہ سورج کے خوب روشن ہو جانے سے پہلے روانہ ہونا خلاف سنت ہے۔ سہ سختی و تکلیف۔

حضرت نے باجماعت نماز پڑھی۔ بعد نماز مطوف و جالین آئے اور جب کہ شبیر پر شمع شمس چمک اٹھی تو حضرت اپنے شغف میں سوار ہو گئے۔ اب وہی حضرت تھے اور وہی مطوف و جال، وہی پیارا اخلاص تھا اور وہی محبت کے ساتھ بات چیت کہ معمول ایسی حالت میں بھی قضا نہ ہوا اور وقت پر جو غصہ تھا وہ اسی وقت ختم بھی ہو گیا، جمال کی خاطر مدارات کرتے ہوئے دس بجے عرفات پہنچ گئے۔

جہاز کے سفر میں معمولات پر پابندی | حضرت فرمایا کرتے تھے کہ سب سے زیادہ تعب کا اثر مجھ پر جہاز کے سفر میں ہوتا ہے اور درحقیقت میں نے بھی دیکھا کہ جہاز کے لنگر اٹھاتے ہی حضرت کو تکیہ سے سر اٹھانا مشکل ہو جاتا تھا جس کا بڑا سبب یہ تھا کہ مجاہدہ و ریاضت باطنیہ اور تدریس و تالیف کے مشغلہ علیہ کے مسلسل پچاس سال کی محنت شاقہ نے آپ کے دماغ کو بالخصوص زیادہ ضعیف کر دیا تھا اور اس لئے جہاز کے حرکت کرتے ہی دوران میں آپ بے ستلا ہو جاتے تھے۔ واقعہ حال ہونے کے سبب مجھے اس کی کوشش ہوتی تھی کہ جہاز پر پہنچ کر سب سے پہلے آپ کا ستر بچھا دوں باقی کام پیچھے ہوتے رہیں گے، با اینہم میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے شب کے نوافل بھی بھی بیٹھ کر پڑھے ہوں یا اپنی طویل تلاوت میں کمی کی ہوں۔

جہاز میں سناٹا چھایا ہوا ہوتا اور چار طرف سے امتلا و استفراغ کی پریشان کن آوازیں آتی رہتی تھیں، جہاز کے خلاصی اور غورگلاز میں بھی چلتے ہوئے گردش جہاز کی وجہ سے متانہ وار جھوٹے اور گر گر پڑتے تھے مگر آپ پہاڑ بنے ہوئے تاروں کی چھاؤں میں گھنٹہ سوا گھنٹہ اپنے مولا کے سامنے کھڑے ہو کر دو ڈھائی پارے پورے سکون کے ساتھ پورے کر لیا کرتے تھے۔

میں اپنا بستر اس نیت سے حضرت کے قریب ہی بچھایا کرتا کہ آخر شب میں وضو کے لئے پانی دے سکوں مگر ایسا بھی اتفاق ہوا کہ دفعۃً آنکھ کھلی تو حضرت کو بستر پر موجود نہ پایا اور گھبرا کر اٹھا تو دیکھا کہ ڈو لچی لئے ہوئے جہاز کے کنارے کھڑے ہو کر سمندر سے پانی کھینچ رہے ہیں۔ شرم کے مارے ڈوب جاتا اور ڈو لچی ہاتھ سے لے لیتا۔ مگر حضرت فرماتے تم کمزور ہو جہاز حرکت زیادہ کر رہا ہے ایسا نہ ہو کہ گر پڑو میں نے بارہا دیکھا ہے کہ نماز کا سلام پھیرتے ہی حضرت کو بیٹھنا دشوار ہو جاتا اور اس طرح تکیہ پر سر رکھ دیتے تھے گویا جگر آگیا اور گر گئے مگر یہ ایک دن بھی نہیں دیکھا کہ نفلیں بیٹھ کر بھی پڑھی ہوں یا پاروں کے معمول میں اس غدر کو دخل سمجھ کر قصاص پر اکتفا کر لیا ہو۔

لے مئی سے عرفات کو روانہ ہونا طلوع آفتاب کے بعد ہی سنت ہے سواری والے جلدی کرتے ہیں ترک سنت کرا دیتے ہیں۔ ان لفظوں میں صرف وقت بتایا گیا ہے۔ حدیث شریف میں چارے لفظاً مشرق سرکفار کے نفل ہیں ان سے شہ نہ کیا جائے۔ (شرح الحدیث) کہ طبیعت کا متلا نا اور نہ کرنا۔ ۱۰ سورۃ لم یکن سے قل اعوذ برب الناس تک۔ (جمیل احمد)

جہاز جس وقت سقوط میں پہنچتا جہاں سمندر کی گہرائی حد سے زیادہ ہے یا کسی دن سمندر میں تلاطم ہوتا اور مست ہاتھی کی طرح چنگھاڑ مارنے والی موجیں جہاز کے ساتھ کھیل کر تیں تو جہاز پتہ کی طرح طولاً و عرضاً دونوں رخ ہندولے کی طرح ایسی عجیب حرکت کرتا کہ مشاق چلنے والے بھی محمود مجبور کی طرح گر پڑتے تھے مگر ایسی حالت میں بھی زیادہ سے زیادہ حضرت کے معمولات پر اثر پڑا تو صرف اتنا کہ شاید ڈھائی تین پاروں کی جگہ ایک یا سو پارہ پڑھ کر تکیہ پر سر رکھ دیا اور باقی تلاوت لیٹے لیٹے پوری کر لی مگر اس کو ہمیشہ دل ترستا ہی رہا کہ کاش حضرت اپنی حالت پر ترس کھا کر کسی دن رخصت پر عمل فرمائیں اور مختصر نفلوں پر اکتفا فرما کر بیٹھ کر ہی ادا کر لیں مگر نہیں۔ عزیمت کی مجسم تصویر تھی جو زبان حال یہ سبق پڑھا رہی تھی کہ رخصت پر عمل کرنے والے تو ہزاروں دیکھ سکو گے مگر عزیمت کا پتہ ان کمزور ہڈیوں کے زیر زمین چھپ جانے کے بعد نظر آنا مشکل ہو جائے گا۔

اٹے دل آں بہ کہ خراب از مچھ گلگوں باشی بے ز رو گنج بصد حشمت قاروں باشی
در رہ منزل یلی کہ خطر است بجلال شرط اول قدم آست کہ مجنوں باشی

نختِ جگر ہانی کی نزع کا وقت اور معمولات کی ادائیگی

پیمانہ حیات لبریز ہوا، مرحومہ کی دنیوی زندگی کی سب سے آخری رات آئی تو اس نے بھی محسوس کر لیا کہ اب دن کی دھوپ یا شب کی چھاؤں دیکھنا نصیب میں نہیں، اس لئے مرحومہ نے باپ سے خواہش کی کہ آبا آج آخری تکلیف اور اٹھا لو اور یہ شب میرے پاس بیٹھ کر گزار دو کہ تنہا را چہرہ دیکھتی ہوئی رخصت ہو جاؤں۔ مرحومہ کا محبوب شوہر مجنوں ہو چکا اور اس کے بقید حیات ہوتے ہوئے گورم جانے سے اس مرحومہ کے قلب پر ایسا صدمہ بیٹھا تھا کہ یہی بظاہر اس کے تپ کہنے میں بتلا ہونے کا سبب ہوا تھا، اس لئے حضرت کو اس نختِ جگر کے ساتھ محبت بھی زیادہ تھی، آپ کئی راتیں اس کی تیار داری میں

لے اور لوگوں کو چکر بہت آتے اور تپ بہت ہوتی ہیں۔ لے موجوں کا اٹھ اٹھ کر ہر چیز سے ٹکرانا۔ لے لمبائی چوڑائی میں۔ لے شرابی مدہوش۔ لے اصل حکم پر عمل۔ لے غدر میں آسانی کا حکم۔ لے اے دل سب سے بہتر کام یہ ہے کہ محلِ رنگ شراب سے یعنی حبِ الہی سے قسمت ہو جائے اور بغیر سونے اور خزانے کے قانون کے دقا لگا سونگا دقار کے ساتھ تو ہو جائے۔ لے یلی یعنی محبوب کے راستے میں جان پر بہت خطرے ہیں قدم رکھتے ہی سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ تم مجنوں بن جاؤ ایسے ہی عشقِ الہی میں دیوانہ ہو جاؤ۔ لے نالیدی۔ لے کچھ پہلے۔ لے پرانا ناخا یعنی دق۔ (جیل احمد) لے ام ہانی حضرت کی دوسری زوجہ محترمہ منیر النساء کے بطن سے بڑی لڑکی تھیں اور خطا بہت صاف لکھی تھیں۔ عہ ان کا نام محمدیابین تھا قاضی کے محل میں رہتے تھے۔ (اخلاق احمد)

ایسی گندار چلے گئے کہ سونا برائے نام ملا تھا اور یہ تو وہ فیصلہ کن شب تھی جس کے متعلق حضرت بھی سمجھ چکے تھے کہ کل کا دن نورِ نظر کے مٹی میں چھپانے اور کفن و دفن میں مشغول ہونے کا ہے اس لئے ماں باپ دونوں اس کے پاس بیٹھ گئے۔ نصف شب گزری تھی کہ سانس میں تغیر پیدا ہو گیا اور سکرات شروع ہو گئی۔ رات کا سناٹا تھا اور حضرت کے لئے یہ جانگداز نظارہ، یسین شریف پڑھتے تھے اور مٹی پر دم کرتے جاتے تھے۔ اس حسرتناک منظر میں وہ وقت آگیا جس میں حضرت کا اپنے مولیٰ کے سامنے حاضری دینے اور اس کے کلام پاک کے تین جزو اس کو سننے کا معمول تھا اس لئے آپ بیوی سے یہ کہہ کر کہ تم ہانی کے سانس دیکھتی رہو میں چند نفلیں پڑھ لوں اٹھ کھڑے ہوئے اور وضو فرما کر اپنے اُس شغل میں لگ گئے جس کے پچاس برس سے عادی تھے۔ اس حالت میں بھی آپ محافظۃ کلام اللہ کی عادت مستمرہ سے غافل نہ ہوئے اور وہی تعداد پوری فرمائی جس کی عادت تھی، ہاں ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے اور اہل سے پوچھتے تھے کہ کیا حال ہے اور جب یہ جواب سننے کہ ابھی سانس باقی ہیں تو پھر نیت باندھ لیتے اور تلاوت شروع فرمادیتے تھے، آخر اُدھر آپ کا معمول ختم ہوا اور اُدھر مرحومہ کے سانس ختم ہوئے کہ سلام پھیرنے پر جب آپ نے پوچھا کیا حال ہے تو جواب سنا کہ رخصت ہوئی اور اللہ کو پیاری ہوئی تب آپ اٹاٹھ پڑھ کر جنازہ کے سرانے آ بیٹھے اور اہل سے فرمایا کہ ابھی وقت باقی ہے نفلیں پڑھا ہوں تو پڑھ لیں۔

آنکس کہ ترا شناخت جاں را چہ کند
فرزند و عیال و غامناں را چہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہاں را
بخشی دیوانہ تو ہر دو جہاں را چہ کند
بندہ محض عیادت کے خیال سے گھر سے چلا تھا مگر عصر کے وقت جب انہیں پہنچا تو معلوم ہوا کہ مرحومہ آخر شب میں رخصت ہوئی اور حضرت اس کو دفن فرما کر ابھی واپس ہوئے اور مسجد میں تشریف لے گئے ہیں۔ چنانچہ بندہ مسجد میں حاضر ہوا کہ حضرت سے ملا تو نہ حضرت کے چہرہ اور پر حزن کا کوئی خاص اثر نمایاں تھا نہ بیداری شب اور تعب یوم کا کوئی اضمحلال۔ حسب عادت مثنوی مسکرا کر چھاتی سے لگایا اور خندہ روئی سے باتیں کرنے لگے۔

نورِ نظر حافظ محمد ابراہیم کی تیمارداری اور معمولات کی ادائیگی | اسی طرح آپ کا اکلوتا جوان لڑکا حافظ ابراہیم مرحوم جب مرض الموت میں

لے قرآن مجید کو دل میں محفوظ کرنے کی جو دیر سے عادت تھی۔ لے جس نے آپ کو بچپانہ ایچہ جان کو کیا کرے گا و اہل خانہ و سامان کو کیا کریگا۔ لے آپ دیوانہ بنائے دونوں جہاں بھی بخش دیں تو آپ کا دیوانہ چاندنی کا کیا کرے گا۔ لے مصنف مولانا عاشق الہی مرحوم (مجلد احمد)
عہ موصوف میرے والد اشفاق احمد صاحب حافظ صاحب مرحوم کے حقیقی ماموں زاد بھائی تھے (باقی بر صفحہ آئندہ)

بتلا ہو کر سہارنپور آیا تو اس کو کوئی اندرونی تکلیف ایسی تھی جس کے سبب وہ ہٹ نہیں سکتا تھا، سات راتیں متواتر حضرت پر ایسی گزریں کہ دن بھر مدرسہ کے مشاغل سے فارغ ہو کر گھر میں جاتے تو پیچھے پیچھے اپنا سینہ مریض کا تکیہ بناتے اور اس کی کمر کو چھاتی سے لگا کر بیٹھ جاتے۔ ماں سے جس نے دن بھر کا تعب اٹھایا تھا فرماتے جاؤ چارپائی پر دراز کر سیدھی کر لو۔ چنانچہ وہ لیٹ رہتیں مگر نیند کس کو آتی۔ پھر نصف شب گزرنے پر وہ آجائیں اور حضرت سے کہتی تھیں کہ دن بھر کے تھکے ہوئے ہو ذرا تم بھی آرام کر لو۔ چنانچہ وہ بیمار کو سہارا دے کر بیٹھ جاتیں اور چند منٹ کے لئے حضرت چارپائی پر لیٹ جاتے مگر اس حالت میں بھی حضرت کا تہجد اور تلاوت طویلہ کا معمول کبھی نہ چھوٹا اور اس وقت میں جبکہ ماں کا نمبر ہوتا آپ وقت معمول پر چارپائی سے اٹھ کر اپنے خدا کے سامنے حاضری دیا کرتے تھے۔

اس مرتبہ بھی بحیال عیادت حاضر ہوا تو اسٹیشن پر معلوم ہوا کہ مرحوم دنیا سے رخصت ہو کر آج عصر کے وقت دفن ہو گیا۔ مدرسہ میں پہنچا تو نمازِ عشاء ہو چکی تھی اور معلوم ہوا کہ حضرت نے عشا کی نماز باجماعت ادا فرما کر جب سلام پھیرا تو یوں فرمایا کہ سات شب متواتر جاگنے سے نیند کا اتنا خمار کہ امام کے ساتھ رکوع و سجود تو کیا مگر معلوم نماز ہوئی یا نہیں کہ آخر رکعت کی مجھے خبر ہی نہیں ہے۔ یہ فرما کر فوراً امکان تشریف لے گئے اور سو گئے، بااں ہمہ آخر شب میں آپ کا معمول ہاتھ سے نہ گیا کہ صبح کو حسب عادت صبح صادق ہوتے ہی حضرت "سنت فجر سے فارغ ہو کر مدرسہ میں آئے اور مجھے دیکھتے ہی جواب سلام کے بعد معاف فرما کر سب سے پہلا لفظ یہ فرمایا کہ مجھے دروازہ پر کھڑے ہو کر آواز کیوں نہ دے لی۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت تشریف لیجا چکے تھے اور میں نے سن لیا تھا کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اور دونوں ریاست بھادلوپور میں بسلسلہ ملازمت مقیم تھے۔ عید الفطر کی نماز ادا کرنے کے بعد تلے ابرہیم نے کسی ملاقاتی کے یہاں شہر کھلایا جس اس کے بعد طبیعت خراب ہو گئی۔ بیماری کی شدت کو دیکھ کر والد صاحب ان کو فوراً سہارنپور لائے۔ انالہ چھاؤنی سے میرے تائے حکیم الطاف احمد آباد بھی ساتھ ہو گئے تھے۔ تقریباً بارہ پندرہ روز تک علاج ہوتا رہا مگر افادہ نہ ہوا۔ ان کے سینہ میں شدید تکلیف تھی۔ آخری دن ان کی صحت کے لئے مدرسہ میں بخاری شریف کا ختم کرایا گیا تھا تقریباً دس گیارہ بجے ان کو ان پرنسز کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس وقت گھر کے سب عزیز اطراف میں جمع تھے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے سینہ پر ان کی کمر کو سہارا دیتے بیٹھے تھے کہ دفعہ آپ نے آپ نے تلقین کے لئے کلمہ شہادت پڑھا شروع کیا اور جب مرحوم نے آخری سانس ختم کیا تو حضرت کی زبان سے اپنے تحت جگر کے فراق میں بیقراری کے ماحہ یہ الفاظ نکلے "اے ابراہیم تو نے کون توڑی یا شہر دانا الیہ راجعون" اس کے بعد حضرت مدرسہ میں تشریف لے آئے اور بتاؤ تیار ہونے تک صبر و استقامت کے ساتھ تسبیح و تہلیل میں مصروف رہے۔ تائے ابرہیم نے ۱۳۳۸ھ میں یومِ چالیس سال انتقال فرمایا۔ دارِ حیات میں خطاب لگنے لگے تھے اور بسلسلہ ملازمت پنجاب میں رہنے کی وجہ سے پنجابی پہننے تھے بہت خوش مزاج اور ہنس مکھ تھے۔ (اخلاق احسن)

(حاشیہ صفحہ ۶۱) سکہ اگر نماز میں نیند آئی ہو کہ نماز کی ہیئت میں قفل نہ آئے تو نماز شرعی قاعدہ سے ہو جاتی ہے نہ ہونے کا اپنے کیفیت کے

حضرت پر متواتر سات شب جاگنے کی وجہ سے نیند کا غلبہ زیادہ ہے ایسی حالت میں حضرت کو تکلیف دینے کی ضرورت نہ سمجھی اور یہاں آرام سے لیٹ رہا۔ حضرت نے فرمایا ہاں بخار تو بہت تھا مگر کیا حرج سخاوتی آواز پر آجاتا اور پھر سو جاتا۔

یہ چند واقعات ہیں جن سے ان غواض و حوادث میں حضرت کی صرف استقامت اور محافظت کلام اللہ پر مواظبت کا نمونہ دکھایا ہے جن کے پیش آنے پر اچھے اچھے حفاظ کو فرض نماز کا بھی ہوش نہیں رہتا چہ جائیکہ معمول تلاوت۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ تلاوت ہی نہیں بلکہ ہر امر مستحب و منون حتیٰ کہ صف اول اور یمنین امام اور تختہ المسجد و نوافل قبل العصر و قبل العشاء تک امور میں حضرت کی مواظبت و اہتمام کا یہ عالم تھا کہ دیکھنے والے حیران ہو جاتے تھے۔ برسوں جن حضرات کو خدمت میں رہنے کا اتفاق ہوا وہ استعجاب کے لہجہ میں کہتے ہیں کہ اللہ اللہ حضرت کے معمولات و وقتیہ میں ہم نے کبھی تخلف نہیں دیکھا۔

زمانے نے کروٹیں لیں گردش افلاک نے تغیرات ظاہر کئے موسم بدلے، عمر کے اوقات نے بچپن و جوانی اور کھولت و بڑھاپے کی صورتیں پلٹیں سب کچھ ہوا مگر برہم یا بحر اور حضر ہوا یا سفر رہیں ہوئی یا جہاز اور اونٹ ہوئے یا پہل، عشر ہوا یا سیر اور صحت ہوئی یا مرض، کسی حال اور کسی منط حضرت قدس سرہ کے انضباط اوقات اور مواظبت معمولات میں تغیر نہ دیکھا۔ اس استقامت پر ہزاراں ہزار حتیٰ کرامات قربان کہ اسی کو اہل دل نے فوق الکرامۃ لکھا ہے۔

مدینہ کے سفر میں بخاری کی حالت میں بھی معمولات پر عمل میں نے تمامی اسفار میں کٹھن سفر یعنی مدینہ منورہ کے راستہ میں حضرت کو ایسا شدید بخار چڑھا ہوا دیکھا کہ بدن پر ہاتھ رکھنا مشکل تھا مگر نماز باجماعت تو کیا قضا ہوتی تھا مگر کی رات میں ذرا ٹھنکی آئی تو بخار ہلکا ہو جاتا اور حضرت کا آخر شب کا معمول اس حالت میں بھی فوت نہ ہوتا تھا۔

جو درجہ چور کا سفر ایک مرتبہ سفر جو درجہ چور میں بندہ ساتھ تھا اور حضرت مولانا تھانوی کا بعد عشاء وعظ ہوا جس سے ایک بجے فراغت ہوئی اور قیام گاہ پر پہنچ کر دو بج گئے سخت گرمی کا موسم تھا اور صبح صادق میں اتنی دیر تھی جو معمولاً حضرت کی نوافل میں صرف ہوتی تھی کہ یا سولیں یا قرآن مجید پڑھ لیں۔ سنگتانی گرمی کے سبب پتھر کے مکان میں دن کو بھی نیند آنا مشکل تھا اور

۱۔ دین کی ہر بات پر جارہنا۔ ۲۔ قرآن مجید کو محفوظ رکھنے پر بیٹھی۔ ۳۔ جماعت میں امام کے داہنے۔ ۴۔ ہیٹنگی ۵۔ درمیان عمر۔ ۶۔ قیام کے سفر نہ ہو۔ ۷۔ بیلوں کی ایک سواری گاڑی ہوتی تھی۔ ۸۔ ٹنگی یا فراغت ۹۔ طریقہ۔ ۱۰۔ کرامت سے اوپر جو بزرگوں کا مشہور مقولہ ہے الا استقامۃ فوق الکرامۃ معمولات پر جارہنا اگر اکتوں سے زیادہ ہے۔ (جمیل احمد)

اور اگلا سفر بھی طویل باقی تھا اس دن اللہ حضرت کو دیکھا کہ قیام گاہ پر پہنچ کر فرمایا اب لیٹ کر اٹھنا
مشکل ہے ناؤ نفلین پڑھ لوں۔ پس تہجد تو قضا ہوا نہیں مگر جہاں تک میرا اندازہ ہے نصف پارہ پڑھ کر
سو گئے اور باقی تلاوت دن میں پوری فرمائی۔

دنیا میں سب کچھ دیکھا اور اپنی وضع کے پابند ایسے دیکھے جن کو نظیر بنا کر پیش کیا جاسکتا ہے مگر
معمولاتِ نفلیہ کا مجسمہ استقامت ایک ہی دیکھا جس کی ظاہر میں کو اطلاع ہونے کی بھی کوئی صورت نہ تھی۔
دلفریبیاں بناتی ہمہ زبور بستند دلبراست کہ با حسن خدا داد آمد
زیر بار اندر رخاں کہ ثمر یادارند لے خوشا سرو کہ از بند غم آنا داد

محافظت کلام اللہ کا یہ معمول تو گیارہ مہینے کے لئے
رمضان المبارک میں حضرت کے معمولات

نزولِ قرآن کا مہینہ اور کثرتِ تلاوت کلام اللہ کے لئے مخصوص ہے تب تو آپ کی جدوجہد کی کوئی حد
ہی نہ رہتی تھی۔ تراویح میں سو پارہ سنانے کا کہ قرآن مجید کے ہر رکوع پر رکوع فرماتے اور بیس رکوع
روزانہ کے حساب سے ستائیسویں شب کو ختم فرمادیا کرتے ہمیشہ آپ کا معمول رہا۔ مظاہرِ علوم کے
درس بننے کے بعد آپ مسجدِ مدرسہ میں محراب سنانے کے پابند رہے اور دارالطلبہ بننے کے بعد دو سال
وہاں کی مسجد میں محراب سنانے والوں کا ہجوم زیادہ ہوتا اور مشتاقِ دور دور سے آتے بلکہ بعض
حفاظ اپنا سنا بنا ذکر کے اقتدار کرتے تھے۔

آپ متوسط جہر کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر صاف صاف پڑھتے کہ ایک ایک حرف اچھی طرح سمجھ میں
آتا تھا۔ چونکہ جوانی میں یاد کیا تھا اور نیز پڑھنے میں استغراق بھی ہوتا تھا اس لئے اٹکنے کی بھی نوبت ضرور
آتی مگر غلط پڑھنے کی نوبت نہیں آتی تھی، دفعۃً زبان رُک جاتی یا متشابہ لگتا تو تاملانے والے جیسا کہ رواج ہے
جلدی سے بولتے اور کبھی غلط بھی بتا دیتے تھے جس کو حضرت نہ لیتے اور خود سوچ کر دوبارہ صحیح بتانے
والے کے بتانے پر آگے چلتے تھے۔ بایں ہمہ آپ پر کبھی ناگواری کا اثر نہ ہوتا بلکہ سلام پھیر کر تسلی کے طور پر فرمایا
کرتے کہ آخر جب حافظ بھولتا ہو تو سامع کو بھی بھولنا ضرور ہے اگر بھول کر کہیں غلط بتا دیا تو تعجب ہی کیا ہے۔

لے نباتات چمن کے دل وہ لینے والے ہر طرح کی زبردست بانہ سے ہوئے ہیں مگر ہمارا محبوب ہر کھدا داحسن کے ساتھ آیا ہے۔ تہ و جہ
والے جھکے ہوئے ہیں وہ درخت جو پھل رکھتے ہیں سرکش چھاپے کہ ہر غم سے آنا دے دیا چلا جا رہا ہے۔ دریاں بلند آواز دی۔ (جیل بھی)
عہ رمضان المبارک کا زمانہ بھی کبھی حضرت اپنے وطن انہیں گدازتے تھے۔ حضرت غاہ ابو المعالی کی خانقاہ میں ایک وسیع
مسجد واقع ہے اس مسجد میں نماز جمعہ و تراویح پڑھتے تھے اور عشرۂ آخر میں احتکاف فرمایا کرتے تھے۔ جمعہ کی نماز حضرت کے
ہم زاد بھائی مولانا عبد اللہ انصاری پڑھایا کرتے تھے اور تراویح میں قرآن شریف خود حضرت پڑھتے تھے۔ (اخلاق احمد)

محراب سنانے کا معمول حضرت کا برہا برس قائم رہا مگر عمر شریف جب ستر سال سے متجاوز ہوئی تو محراب سنانے کا تحمل دشوار ہو گیا اور حضرت فرمانے لگے کہ ”رکوع کرتا ہوں تو خیال ہوتا ہے دوسری رکعت میں کھڑا نہ ہو سکوں گا۔“ گریہت کر کے کھڑا ہو جاتا ہوں آخر میں رکعت اسی طرح پوری ہوتی ہیں کہ ہر رکعت میں گر جانے کا اندیشہ رہتا اور سجدہ سے اٹھ کر کھڑا ہونا ہار پڑنے سے زیادہ مشکل معلوم ہوتا ہے۔“ اس حالت میں بھی آپ دو سال نباہ گئے اور ہمت نہ ہارے، آخر جب قوت نے جواب ہی دیدیا تو محراب سنانا چھوٹ گیا مگر اس کے بدلے دوسرے سے سننے اور خالی اوقات میں خود تلاوت کرنے کا شغل بڑھ گیا۔

رمضان اور تلاوت قرآن | ماہ مبارک میں اول اشراق سے لے کر گیارہ بجے تک تلاوت فرماتے اور پھر بعد ظہر سوپا پارہ کسی حافظ کو سناتے تھے۔ چند سال اجڑا رہے کے حافظ محمد حسین صاحب نے رمضان حضرت کی خدمت میں گزارا تو یہ سننا ان کے متعلق رہا ورنہ مولانا محمد الیاس یا مولوی زکریا جو بھی نظر پڑتے ان کو سناتے، کبھی دونوں کو جدا جدا سناتے کہ اسی میں عصر کا وقت آجاتا ورنہ اکثر ایک کے سنانے پر اکتفا فرما کر یہی پارہ دوبارہ خود پڑھا کرتے تھے۔ فرض مغرب سے فارغ ہو کر اوہا میں سوپا پارہ حسب معمول قدیم خود پڑھتے اور پھر ایک پارہ کسی کو سناتے، اس کے بعد مکان میں کھانا تناول فرماتے اور عشا کی اذان پر تشریف لا کر تراویح میں محراب سنانے تھے، اور جب محراب سنانا چھوٹ گیا تو صبح اور صاف پڑھنے والے خوش الحان حافظ کا اقتدا فرماتے جن میں اکثر حافظ عبداللطیف صاحب ہوا کرتے اور کبھی کبھی مولوی محمد الیاس صاحب۔ پھر حسب عادت صبح صادق سے دو گھنٹہ قبل اٹھ کر تہجد میں دو ڈھائی پارہ کی تلاوت فرماتے اور اگر اس وقت کے لئے کوئی سنانے والا حسب پسند نہ ہوتا تو خود پڑھنے کے بجائے اس کا اقتدا فرماتے۔ جب تک مولانا محمد سخی صاحب حیات رہے تو عشرہ اخیرہ میں پورا قرآن مجید سنانا بحالت اعتکاف ان کے ذمہ رہا اور ان کے بعد مولوی زکریا صاحب یا حافظ عبداللطیف صاحب جن کو باہمت پایا ان کو لے لیا۔

۱۔ حضرت دس سرہ کے خلیفہ اجڑا صلح میرٹھ انویا کے تھے۔ ۲۔ حضرت کے خلیفہ اور تبلیغی جاعت جو ہندوستان پاکستان میں کام کر رہی ہے اس کے بانی تھے۔ ۳۔ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے شیخ الحدیث حضرت کے خلیفہ ہیں وہیں تشریف فرما ہیں جاعت تبلیغی کے سرپرست ہیں۔ ۴۔ مظاہر علوم سہارنپور کے کامیاب ناظم اور حضرت اقدس کے داماد بھی تھے۔ پھر صاحبزادی صاحبہ کا جلد انتقال ہو گیا تھا دوسری اہلیہ سے ایک لڑکا دو لڑکیاں ہیں ایک صاحبزادی ڈھاکہ میں باقی ہندوستان میں ہیں۔ ۵۔ حضرت اقدس کے خلیفہ حضرت گنگوہی کے منظور نظر شیخ الحدیث صاحب سہارنپور کے والد صاحب تھے۔ ۶۔ اس میں کچھ سہوہا ہے حضرت شیخ الحدیث نے لکھا کہ تہجد میں میرے والد صاحب کے سوا اور کسی کا نہیں سنا۔ اور خلیفہ کے نزدیک جلا تدریج یعنی دعوت عام کے بغیر خود بھی تک کی جات جائز ہے زیادہ کی مکروہ ہے۔ (مجل احمد)

۷۔ کچھ سہوہہ معلوم رہا ہے مغرب بعد سنانے کا معمول۔ ۸۔ مختصرات ظہر بعد کا معمول تھا۔ (شیخ الحدیث)

رمضان میں اگر آپ کو سفر پیش آتا تو حافظ کو جن کے اقتدا میں آپ سنا شروع فرماتے اپنے ساتھ لیا کرتے تھے تاکہ ختم ناما تمام نہ رہے اور سلسلہ ٹوٹ نہ جائے۔ غرض ہر مہینے پانچ چھ ختم کرنے کی آپ کی عادت گیارہ مہینے کی تھی تو ماہ مبارک میں اس کا نصاب دو چند یا سہ چند ہو جایا کرتا تھا۔

اور آخر عمر شریف میں مدینہ منورہ پہنچ کر تو اس معمول میں بہت کچھ اضافہ ہو گیا تھا کہ ڈاک دسویں دن آتی تھی لہذا یہاں جو کثیر وقت روزانہ جواب خطوط میں صرف ہوا کرتا وہاں تلاوت کے لئے مخصوص ہو چکا تھا، اور تعلیق ختم ہونے کے بعد اس کا وقت بھی زیادہ تر تلاوت ہی میں صرف ہوتا کہ مکان کے اندر علیحدہ بیٹھ کر کبھی حفظ پڑھتے اور کبھی قرآن شریف دیکھ کر۔

مولانا سید احمد صاحب اور مولوی زکریا صاحب نے یہ دیکھ کر کہ حضرت تالیف شرح حدیث کی اس درجہ دماغی محنت کے بعد تلاوت کا اس ضعیفی میں طاقت سے بہت زیادہ بار اٹھا رہے ہیں عرض بھی کیا کہ حضرت دماغ کی بھی رعایت کی ضرورت ہے مگر حضرت میساختہ فرمایا کرتے کہ اب اس سے کام ہی کیا لینا باقی ہے جو رعایت کروں؟ ایک مرتبہ فرمایا کہ ضعف کی وجہ سے حافظہ پر اثر پاتا ہوں اس لئے مجھے ڈر ہے کہ میرا کلام مجید نہ بھول جاؤں اس وجہ سے اس کا اہتمام کرتا ہوں، ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ دماغ چاہے جاوے یا رہے مگر کلام مجید نہیں چھوڑتا۔

زندانہ کنی عطائے تو دور بکشی ذرائے تو جاں شدہ مبتلائے تو ہر چکنی رضائے تو

اور اس آخری رمضان کا تو پوچھنا ہی کیا جو عمر شریف کا آخری رمضان تھا کہ غذا بھی سادہ چاہ، کایک فحان اور مشکل ادھی چپاتی رہ گئی تھی۔ تلاوت و ساعت کا مجاہدہ اتنا بڑھ گیا تھا کہ دیکھنے والے خدام اس ماہ مبارک کا آخری ہوتا سمجھ چکے تھے کہ یہ فرط شوق و غلبہ اشتیاق یقیناً قرب وصال اور لقاء رب کا مقدمہ ہے۔ یعنی اول صبح کو سوایا رہ حفظ سنانے اور پھر ظہر سے عصر تک مسلسل تلاوت کبھی دیکھ کر اور کبھی حفظ فرماتے۔ بعد مغرب اوہیں میں سوایا رہ سنانے اور چونکہ ضعف حد سے زیادہ بڑھ گیا تھا کہ کھڑے ہو کر نوافل کا پڑھنا بھی مشکل تھا اس لئے کبھی کھڑے ہو جاتے اور کبھی بیٹھ جاتے۔ پھر عشاء کی نماز حرم میں پڑھ کر مولانا سید احمد صاحب کے مدرسہ میں تشریف لاتے اور قاری محمد توفیق صاحب مدرس تجوید کے اقتدا میں تراویح پڑھتے کہ وہ نہایت اطمینان سے دوپارے پڑھتے جن میں عربی پانچ بچ جاتے جو یہاں سوایا رہ بجے کا وقت ہے اس کے بعد قریب

لے معنی ابوداؤد شریف کی شرح بذل المجہود کی تالیف مکمل ہو جانے کے بعد۔ ۱۰۰ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے بھائی اور مدرسہ شرعیہ کے ہتم تھے۔ ۱۰۰ زندہ رکھیں تو آپ کی عطا و بخشش ہے ماردا لیں تو میں آپ پر فدا ہوں یہ جان آپ کی شہداء جو آپ کریں آپ کی مرضی۔ (مجلد احمد)

چھ بجے عربی کے سوجاتے تھے۔

مولوی زکریا صاحب کو حکم تھا کہ آٹھ بجے مجھے جگادیا کرو۔ مولوی صاحب فرماتے تھے کہ تمام رمضان میں صرف ایک یا دو دفعہ مجھے اس کی نوبت آئی کہ حضرت کی آنکھ اس سے قبل نہ کھلی ورنہ ہمیشہ جب آٹھ بجے پہنچا تو حضرت کو یا وضو فرماتے دیکھایا استنجا کرتے ہوئے۔ چنانچہ حضرت دوپارے اس وقت نفلوں میں سنتے کہ حضرت کو امام نافع کی قراءت کامل سننے کا شوق تھا اس لئے مدرسہ کے دو طالب علم ایک ایک پارہ اس قراءت کا سناتے تھے۔ آخری ۲۷ رمضان کی شب میں حضرت کو بخارجہ آیا اور بدن میں خدر کا اثر ہوا جس کا سلسلہ وصال تک چلا اور آپ اپنے محبوب لم یزل کے کلام پاک کی تلاوت و سماعت پر اپنی صحت و حیات کو بچھاؤں فرما کر بقیع الغرقس میں بیٹھی نیند جاسوے قاطاب اللہ شراہ و جعل الجنة مثواہ۔

سفر حجاز اور جہاز میں رمضان | اس سے قبل ۱۳۳۸ء کے سفر حجاز میں چونکہ رمضان کا چاند جہاز ہی میں نظر آگیا تھا باوجود دورانِ سر اور غایت تعب کے آپ نے تراویح کا اہتمام فرمایا اور کلام مجید سنا اور سُنانا شروع کر دیا، مولوی محمد زکریا صاحب ساتھ تھے، اول آٹھ رکعت میں حضرت نصف پارہ سناتے اور پھر بارہ رکعت میں مولوی زکریا صاحب پون پارہ سنایا کرتے تھے۔ ۱۰ رمضان المبارک کو مکہ مکرمہ پہنچ گئے تو حضرت نے تراویح ایک قاری صاحب کے اقتدا میں پڑھیں اور اپنا کلام مجید نوافل میں ختم فرمایا۔ اس سفر میں جہاز سے جدہ اتارنا عینِ مغرب کے وقت ہوا اور تکان کا یہ عالم تھا کہ تراویح کا تو کیا ذکر فرض نماز کا بھی کھڑے ہو کر پڑھنا مشکل تھا، مگر حضرت نے اس شب میں بھی کچھ تراویح کھڑے ہو کر اور کچھ بیٹھ کر پڑھیں۔ اللہ سے ہمت، آپ کے کمالاتِ حسیہ کا نقشہ اتارنا ممکن مگر اس خدا داد نعمت کو کن لفظوں میں ادا کروں جس کے کارناموں نے عقل کو حیران اور زبان کو لنگ بنادیا۔

گر تصور صورتِ آں دلستاں خواہد کشید
لیک جبرانم کہ نازش را چاہاں خواہد کشید

۱۔ عربی کے یعنی سوا تین بجے صبح یہاں کے۔ ۲۔ سات متواتر قراءتوں میں سے ایک قراءت کے قاری امام نافع مدنی ہیں اور عام طور سے جہاز پر یہاں قراءت ہے وہ امام عاصم کوئی کی ہے بروایت حفصؓ ہے۔ ۳۔ پٹھوں کے سن ہونے کا۔ ۴۔ سلامت ہے۔ ۵۔ اللہ تعالیٰ ان کی مٹی کو پاکیزہ اور جنت کو ان کا ٹھکانا بناویں۔ ۶۔ تصویر بنانے والا اس دربار کی صورت کی تصویر تو کھینچ دیکھا مگر میں حیران ہوں کہ اس کے نازدانا زکی تصویر کیسے کھینچ دے گا۔ (جیل احمد)

تدریس اور بیعت

لئے بے خبر کوش کہ صاحب خبر شوی تاراہ ہیں نباشی تو کے راہبر شوی
درکتب حقائق و پیش ادیب عشق ہاں اے پسر کوش کہ روزے پدر شوی
۱۸۸۴ء مطابق ۱۲۸۴ھ جبکہ آپ کی عمر انیس سال تھی آپ کے تعلیم دینیات سے فرار کا سال
جس کی خوشی میں آپ کے والد شاہ مجید علی صاحب نے تمام برادری کو اس طرح مدعو کیا جیسے تقریبات
شادی و نکاح میں پکا جانا ہے اور بڑی فراخ دلی سے سب کو کھانا کھلایا۔

فارغ ہوتے ہی آپ مدرسہ مظاہر علوم میں معین المدین بنادیے
معین مدرسہ کے عہدہ پر تقرر گئے اور آپ کا درس شروع ہو گیا تھا کہ ایک زمانہ تھا جس میں
پسین کر آپ استاذ کے سامنے بیٹھا کرتے تھے اور اب بجمہ اندوہ وقت آگیا کہ اسی مدرسہ میں آپ پدر
بن کر مدرسہ درس پر بیٹھے اور ابتدائی کتابوں کے طلبہ آپ کے شاگرد بنے۔

ادب کی تحصیل کے لئے لاہور کا سفر | مگر تحصیل ادب کا شوق چونکہ آپ کو بے چین کئے ہوئے تھا
اس لئے آپ لاہور چلے گئے۔

ترجمہ قاموس ترجمہ تالیف کا آغاز | اور جب وہاں سے واپسی ہوئی تو آپ کے ماموں مولانا
محمد یعقوب صاحب نے آپ کو دس روپے ماہوار پر
قاموس کا ترجمہ کرنے کے لئے منصوری پہاڑ پر بھیج دیا کہ کسی صاحب نے ترجمہ سے مناسبت رکھنے والے
قابل عالم کی آپ سے درخواست کی تھی اور اس کے لئے آپ نے حضرت کا انتخاب فرمایا تھا۔

مدارس عربیہ میں منصب تدریس پر تقرر | منصوری پر آپ کے قیام کو چند ماہ گزرے تھے کہ
منگور کے مدرسہ عربیہ میں مدرس کی طلب ہوئی اور
آپ کو مدرس اول بنا کر وہاں بھیج دیا گیا۔ اس کے بعد آپ بھوپال، بھاو پور، بریلی اور دارالعلوم دیوبند
میں مدرس رہے جس کا تذکرہ آئندہ کیا جائے گا۔

۱۔ اے معرفت کے بے خبر کوشش کرتا کتبر والا ہو جائے جب تک راہ کا دیکھ لینے والا نہ ہو جائے گا راہ پر لیجانے والا لاکھ ہو سکتا ہے
۲۔ حقیقتوں کے مدرسین اور ماہر عشق کے سامنے اے بیٹے کوشش خوب کرو تا کہ ایک دن تم باپ بن جاؤ۔
۳۔ لڑکا۔ ۴۔ باپ۔ ۵۔ فن ادب کا حاصل کرنا۔ ۶۔ عربی لغت کی بڑی معتبر اور سخت عبارت کی کتاب ہے، اس کا
مقدمہ بہت مشکل ہے۔ (رجل احمد)

مظاہر علوم میں بعہدہ صدر المدرسین کی تھی چالیس روپے مشاہرہ پر صدر مدرس ہو کر مظاہر علوم سہارنپور میں تشریف لے آئے جس میں آپ نے پڑھا اور علمی نشوونما پایا تھا، دلدادہ باغبان بن کر اپنے ساذمولانا محمد مظہر صاحب کے لگائے ہوئے اس باغیچہ کو جس شیفٹی و عشق کے ساتھ آپ نے سیتجا تو لایا اور پانی پہنچایا ہے اس کا اظہار آج خود مدرسہ کی زبان حال کر رہی ہے سہ

بخدا کہ رشک آید زدو چشم روشن خود کہ نظر درینغ باشد بچنین لطیف رو
 باوجودیکہ آپ درس نظامیہ کے تمامی علوم سے فارغ ہو چکے اور مسند مدرس پر بیٹھ چکے تھے مگر آپ کی فطرت سلیمہ مغز کے روغن اور

سلوک کی طرف رغبت بدن کی روح یعنی اس معرفت الہیہ کی جو یاں تھی جو قال کو حال بنا دے اور اس آبیحاث کی پیاس تھی جو کشت زار ایمان کی آبیاری کرے اور اعمال جوارح کے ایک ایک فائدہ کو مستر شہزاد بنا کر نکالے۔

غذا ہی ہے جس سے خون پیدا ہو کر حیات و قوت جسمانی مرتب ہوتی ہے مگر غذا کی رغبت و طبعی خواہش ایک دوسری چیز ہے کہ وہ نہ ہو تو جبر و قہر کے درجہ میں غذا کا استعمال چندان مفید اور پائیدار نہیں ہوتا۔ ایک شخص کو معلوم ہے کہ زراعت کا یہ طریق ہے مگر اس کو کھیتی کرنے سے دلچسپی نہیں ہے لہذا یہ علم اس کے لئے کارآمد نہیں۔ اسی طرح علوم شرعیہ حصول نجات اخروی کے لئے بمنزلہ شرط اور رکن اعظم ہیں مگر اس کے ساتھ ہی جب تک قلب میں آخرت کا یقین اور اس کی لذتوں کے حاصل کرنے کا شوق نہ ہو اس وقت تک اس علم پر بطیب خاطر عمل ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

بغیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احسان امت پر پیغمبر کے احسان امت پر دو طرح کے ہیں ایک یعلمہ کتاب کہ وہ راستہ بتاتے اور طریق نجات سکھاتے تھے

دوم یزکھمہ کہ پیاس بٹھا کر قلب میں ایک نور ڈالتے اور عمل کا ایک شوق جس کو دلچسپی کہنا چاہئے پیدا کرتے تھے کہ عمل کے لئے محک بن کر حاضر و غائب بحالت عسریہ ہر صورت میں بندہ خدا اور مستقیم الحال بنائے رکھے۔ پس خاکی اندھا ہر چند کہ اندھا ہے مگر اس کے اندرون میں ایک نظر نہ آتے والی ایسی شے کی

لے خدا کی قسم اپنی دونوں روشن آنکھوں سے مجھ کو رشک آتا ہے کہ ایسے نازک چہرہ پر نظر کرنا ایک حسرت کی چیز ہے۔
 سہ ظاہری اعضا کے اعمال و عبادات کے۔ سہ خوش دلی سے اور گورانی کے ساتھ بھی عمل ہو تو مفید ہی ہے بلکہ زیادہ مفید کہ مشقت کا بھی ثواب ہو گا مگر دل نہ لگے ہیں چھوٹ چھوٹ جانے کا خطرہ ہونا اور کچھ غفلت کا غلبہ ہو سکتا ہے مگر خوش دلی اور ذوق شوق سے کام عمرہ اور دوام کے ساتھ ہونا ہے اس لئے یہ طریقہ کو فرض و واجب نہیں مگر اعلیٰ درجہ کا مستحب و فریضہ کہ بدعمل سے اور اس کے خطرے سے حفاظت اور عمل میں روح دوام پیدا ہوتا ہے۔ سہ لوگوں کو اللہ کی کتاب کھاتے ہیں شے ان کو پاکیزہ

کی ہے جس کے سبب اس میں بچہ بننے کی قابلیت نہیں اور بقا و نسل و سلسلہ تولید میں اس کا ہونا نہ ہونا دونوں برابر ہے۔ پس آپ عالم تھے اور علم مورث اور عمل کو مورث حال بنانے کے خواہشمند تھے۔

تلاشِ شیخ

قدرت نے ولایتِ خاصہ آپ کے نصیب میں لکھی اور شیخِ وقت ہونا آپ کے لئے مقدّر فرمایا تھا اس لئے اُس وقت جبکہ آپ منگلور میں مدرس تھے اس نور کی طلب آپ کے قلب میں پیدا ہوئی جو حرص و ہوا کی ظلمت کو مٹائے اور ایمان میں وہ حلاوت ڈالے جس کے حاصل کرنے کا علم ظاہری وسیلہ اور آلہ ہے۔ اور یہ طلب اتنی بڑھی کہ راہبر کی تلاش میں آپ کا طائرِ خیال بار بار پرواز کرتا اور بے چینی کے ساتھ اس کا داعیہ پیدا ہوتا کہ جلد کسی اشد والے کا دامن پکڑوں جو علمِ ظاہر کے مقصود تک پہنچائے اور طاعت و بندگی کا ذوق پیدا کرے کہ

| | |
|-----------------------------|---------------------------|
| گر تھوئے این سفر داری ولا | دامن راہبر بگیر و پس در آ |
| بے رفیق ہر کہ شد در راہ عشق | عمر بگذشت و نشد آگاہ عشق |
| گر تو خواہی خرمی دل زندگی | بندگی کن بندگی کن بندگی |
| زندگی مقصود بہر بندگی ست | زندگی بے بندگی شرمندگی ست |
| جز خضوع و بندگی و اضطار | اندریں حضرت ندارد اعتبار |
| ہر کہ اندر عشق یا بدر زندگی | کفر باشد نزد او جز بندگی |
| ذوق یا بد تا بد طاعات بر | مغز یا بد تا بد دانہ شجر |

ترکیہ باطن کی اہمیت

دینا اور دنیا کی ہر چیز انسان کے لئے بنائی گئی ہے کہ ایک چیز بھی نہ ہو تو کسی نہ کسی انسانی ضرورت میں حرج ضرور واقع ہو جائے گا، مگر انسان دنیا کی کسی چیز کے لئے بھی نہیں بنایا گیا کہ انسان معدوم ہو جائے تو کسی چیز کا کوئی بھی حرج و نقصان نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح اصطبل اور گھاس دانہ کا تمامی سامان گھوڑے کے لئے ہے مگر گھوڑا صرف آقا کی سواری کے لئے اسی طرح تمامی کائنات زمین و آسمان

لے وارث بنانے والا یعنی ذریعہ۔ اے اگر اے دل تو اس سفر (خدا تک پہنچنے) کی خواہش رکھتا ہے تو کی راہبر (پچھیر) کا دامن پکڑ لے اور پیچھے پیچھے چلا آ۔ اے بغیر کسی ساتھی (پچھیر) کے جو بھی عشق کے راستہ پر ہو گیا تو عمر گزر گئی اور عشق سے واقف ہی نہ ہو سکا۔ اے اگر تم خوش و زندہ دلی (حقیقی) چاہتے ہو تو خدا کی بندگی کرو بندگی ہی بندگی شے خدا کی بندگی کی وجہ سے ہی زندگی مقصود ہے بغیر بندگی کے زندگی آخرت کی شرمندگی ہی شرمندگی ہے۔ اے سوائے اپنی و بندگی و بیکفاری کے اس بار گاہ میں کوئی چیز اعتبار نہیں رکھتی۔ اے جو کوئی عشق میں کی زندگی پالیتا ہے اس کو بندگی کے سوا ہر چیز کفر ہی ہو جاتی ہے یعنی نفرت۔ اے ذوقِ شوقِ فردی چاہے تاکہ عبادت میں پھل دیں بیج میں گری چاہے تاکہ درخت دانہ دے سکے۔ (جیل احمد)

شجر و حجر، نباتات و جمادات سب انسان کی راحت کے لئے ہے اور انسان محض اپنے خالق بزرگ کی غلامی و عبادت کے لئے، مگر عبادت کے لئے ضرورت ہے دو چیز کی، ایک طریق عبادت سے واقفیت جس کا نام علم دین ہے۔ دوم عبادت سے دلچسپی اور شوق و رغبت جس کا نام تزکیہ باطن اور عشق و محبت ہے۔ پس اول کا حصول بواسطہ درس و تدریس مدارس علمیہ میں ہوگا اور شریعت نام رکھا جائے گا، دوسرے کی تحصیل اہل اللہ کی جوتیاں اٹھانے سے خائفانہوں میں ہوگی جس کو طریقت کہا جائے گا اور وہی شریعت کی روح اور مغز اور اصل الاصول ہے کہ اس کے بغیر باوجود علم کے عمل ہی نہ ہو سکے گا یا ہوگا تو بار آور و متمر نہ ہوگا اور بار آور بھی ہوا تو بے فزہ اور عارضی و ناپائیدار ہوگا جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ علم بلکہ انسانی زندگی کا مقصود اعظم یہی تعلق مع اللہ ہے جو محرک ہوتا ہے علم پر عمل کا اور احکم الحاکمین کی طاعت و عبادت کا۔

حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضری | اس مقصود کے حاصل کرنے کو حقیقت آگاہ معرفت

دستگاہ منبع البرکات سلطان العارفین مخدوم العالم امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ سے بہتر کون تھا کہ قطب الارشاد ہونا آپ کا عالم آشکارا ہو چکا اور اہل علم و بصیرت کی جماعت در جماعت دور دور سے آپ کی طرف کھینچی چلی آتی تھی۔ آپ کا وطن گنگوہ سے پانچ ہی کوس تھا اور گنگوہ میں آپ کی سسرال بھی تھی کہ اکثر آپ یہاں آتے اور حضرت کی زیارت کیا کرتے تھے، آپ یہ بھی دیکھتے تھے کہ آپ کے استاد مولانا محمد مظہر صاحب جن کے تبحر علم اور کمالات قدسیہ کی ایک خاص عظمت آپ کے قلب میں جا گزیں تھی، گو عمر میں حضرت گنگوہی سے بڑے تھے مگر عقیدت مندانہ حاضر آستانہ ہوا کرتے اور بے اختیار حضرت کے پاؤں پر بوسہ دے کر آنکھوں میں آنسو بھر لایا کرتے تھے حضرت امام ربانی شریعت اور فرائد کرتے کہ آپ مجھے کیوں نادیم بنایا کرتے ہیں، آپ تو مجھ سے بڑے ہیں اور آپ کا ادب و احترام مجھ پر ضروری ہے آپ ایسا کام نہ کیا کریں کہ مجھے شرم آتی ہے، مگر حضرت مولانا محبت سے مجبور تھے پھر آپ نے شاگرد رشید مولوی خلیل احمد صاحب کے قلب میں حضرت گنگوہی کی جو کبھی عظمت پیدا ہو وہ تھوڑی ہے۔

۱۔ دل کی صفائی برائیوں سے علیحدگی اور بھلائیوں کا شوق۔ ۲۔ پھل دار۔ ۳۔ پھل لانے والا۔

۴۔ فرائض کو لگنا تعلق شدید ہو جانا۔ ۵۔ چھ میل جانب مشرق۔ ۶۔ سمندر وسیع عالم۔

۷۔ یعنی تواضع اور عاجزی کرتے نہ کہ واقفی بوسہ دیتے۔ گو بعض فقہانے جائز کہا ہے مگر ہمارے بزرگوں نے اس سے بھی احتیاط کی ہے چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ جلد ۱۳۶ پر ہے اس کا کرناوائی نہیں ہے عوام فتنے میں پڑ جاتے ہیں۔

(رحیل احمد)

قافلہ سالار بار و شن ضمیر
آں رشید احمد شہ برنا و پیر
قطب عالم غوث و دراب بے مثال
گنج عرفاں نور ایقان خوش خصال
زندہ دل زندہ نفس و الا صفات
تشنگان عشق را آب حیات
ہادی گم گشتگان راہ حق
بجئے بر خلق از رب الفلق
ذیل و از فضل و امداد الہ
ظلمت از زندہ کند مرده دلاں
قلب اور روشن کند قلب جہاں
بے نیاز از خلق آں خادم نواز
با خدا راز و نیاز د لگداز
گر بگویم تا قیامت نعت او
ہیچ آں را مقطع و غایت مجو

اس لئے جس وقت بھی آپ کے دل کو ایک بے کلی محسوس ہوئی اور وہ ایسے راہبر کا جو یاں ہوا جس کے ہاتھ میں ایمان کی باگ پکڑنا صحیح ہو تو فوراً حضرت قدس سرہ کا تصور آنا اور آپ کے اضطراب میں سکون پیدا کر جاتا تھا، کبھی ایک دفعہ بھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ کے قلب میں شیخ بنانے کے لئے حضرت کے سوا کسی دوسرے کا خطرہ بھی گذرا ہو اور سچ یہ ہے کہ اسی توحید مطلب نے جو گویا آپ کے لئے فطرت تھی آپ کو اتنا خوش نصیب بنایا جس کی نمٹا ہوتی ہے کہ کاش یہ نعمت ہم کو بھی نصیب ہو۔
ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

بیعت چنانچہ آپ نے اپنے ماموں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کو کہ حضرت گنگوہی کے استاد زادہ تھے اور حضرت اُن کا بہت ہی لحاظ فرماتے تھے اس مقصود کا واسطہ بنایا اور لکھا کہ حضرت گنگوہی سے میری سفارش فرمادیجئے کہ مجھے بیعت کر لیں۔ مولانا نے امام ربانی کے نام خط تحریر فرما کر

لے ہمارے قافلہ کا نورانی دل والا سر اور رشید احمد جواؤں بوڑھوں کے بادشاہ۔ سہ جہاں کے قطب جن پر احکام کو پنی یعنی اختیار انسانی سے باہر کا مدار ہوتا ہے) زیانہ کے غوث (وہ ولی جو دعا و تصرف سے سبکی مدد کرتا ہو) بے مثال معرفت الہی کا خزانہ یقین کے نور پاکیزہ عادات والے۔ سہ اندھ کی لگن سے زندہ دل زندہ روح والے ملز صفوں والے عشق کے پاسوں کے آب حیات کے حق کے راستے کو گم ہونے والوں کے لُزبایت بخش دن کو رات کے جدا کرنے کی طرف سے مخلوق پران کی دلیل جو حق کو باطل سے جدا کرے۔ سہ ان کا دامن شہر کی امداد فضل و طلب الوں کو بارگاہ الہی میں لے جاتا ہے۔ سہ ان کا سایہ مرودہ دلوں کو زندہ کرتا ہے جو ان کا دل سایے جہاں کے دلوں کو مدفن کر رہا ہے۔ سہ مخلوق سے بے نیاز مگذا دموں کو خوب نوازنے والے اور خدا کے ساتھ دل بگھلانے کے راز و نیاز والے۔ سہ اگرین قیامت تک بھی ان کی شاکر تار ہوں تو کچھ بھی اس کی حمد و ثناء نہ تلاش کر دہ ختم ہونے والی ہیں۔ سہ ایک کی طلب۔ سہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے دیدیتے ہیں۔ (جمل احمد)

سہ حضرت شیخ اکھمیت صاحب نے لکھا ہے کہ تذکرۃ الرشید میں خود حضرت سہارنپوریؒ کے لفظوں میں ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کا واسطہ اختیار کیا تھا اس لئے یہاں کچھ سہو ہوا ہے اور اگر یہ روایت صحیح ہے تو ممکن ہے دونوں سے سفارش کرائی ہو۔ (چشتی)

حضرتؑ کے پاس بھیج دیا اور وہ خط لے کر آپ گنگوہ حاضر ہوئے۔

حضرتؑ کی غیور طبیعت چونکہ وصول الی اللہ کی عظمت و شان کا لحاظ رکھتے ہوئے اس پر جمی ہوئی تھی کہ جب تک طالب کے قلب میں سچی طلب نہ ہو اس وقت تک رسمی بیعت بے سود ہے اس لئے طلب کا امتحان فرمایا کرتے اور خدا داد حذاقت سے باتوں باتوں میں پتہ چلایا کرتے تھے کہ بیعت کا نام مقصود ہے یا کام۔ لہذا آپ نے استاد زادہ کا خط پڑھ کر اس طرح رکھ دیا گویا کوئی چیز ہی نہیں اور استغنا کے ساتھ فرمایا کہ میں تم پر زادہ ہو خود پیر ہو نہیں کسی کے مرید ہونے کی کیا ضرورت؟ مگر اللہ بے غلیل کی قابلیت کہ یہ سکر آنکھوں میں آنسو بھولائے اور عرض کیا کہ ”حضرت کیسی پیر زادگی میں تو اس دربار کے کتوں کے برابر بھی نہیں۔ بیعت کا حاجت مند ہی نہیں بلکہ سزنا یا احتیاج ہوں اور چھاتی سے لگائیے یا دھکے دیجئے میں تو حضرت کا غلام بن چکا۔“

یہ الفاظ آپ کی زبان سے نکلنے تھے اور حضرت کے چہرہ پر انبساط کی لہر دوڑی تھی کہ آپ نے فرمایا بس بس بہت اچھا اور اس کے بعد فوراً بیعت کر لیا۔

طلب گارے باید صبور و محمول کہ نشیدہ ام کیا اگر ملول

غلام نواز آقا کی مجاہد کشش نے ہاتھ میں ہاتھ ڈالتے ہی آپ کو محبوب بنالیا اور آپ یہ عہد کئے ہوئے گنگوہ سے رخصت ہوئے کہ حضرت نے جو کچھ ارشاد فرمایا یا آئندہ فرمائیں گے اس پر مرثیوں گا اور جان بکھا دوں گا کہ طلب کا انتہا یہی ہے۔

بھرے است بحر عشق کہ ہمیش کنارہ نیست آنجا جز اس کہ جاں سپار نہ چارہ نیست

امام ربانی کا مرتجع علماء و صلحا ہونا تو آپ عرصہ سے دیکھ رہے تھے اور آپ کا جامع شریعت و طریقت شیخ ہونا آپ کے لئے عین الیقین بن چکا تھا مگر اب نفس کی بیعت تمام ہو جانے کے بعد تو آپ اپنے خریدار کے شیدا بن چکے تھے کہ آپ کا رُواں رُواں پکارنا تھا۔

گنگوہ میں اک خدا رسیدہ دیکھا اللہ کا برگزیدہ بندہ دیکھا

کیا وصف بیان کروں میں اس کا ممتاز انسان کی شکل میں فرشتہ دیکھا

آپ کے قلب میں محبت کی ایک حرارت تھی جو رگ رگ میں پھیلی جاتی اور اللہ جل جلالہ کی طرف

لے طلب والا تو صبر و تحمل کرنے والا ہونا چاہئے کیونکہ میں نے کسی کیا دلے کو اکتا جانے والا نہیں سنا۔ اللہ عشق کا دریا تو ایک سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ ہی نہیں وہاں تو اس کے سوا کہ جان ہی سپرد کریں اور کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی۔ اللہ اہل علم و تقویٰ کے رجوع کی جگہ۔ اللہ وہ یقین جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو۔ اللہ بیعت کر لینا اپنے نفس کو پیر کے ہاتھ بیعت کر دینا ہے کہ اب اس کی ہدایات پر ہی عمل ہو گا چاہے عقل میں آتش یا آئیں۔ (عجل احمد)

توجہ کا ایک میلان تھا جو خون کے ساتھ ملا ہوا سارے بدن میں سرایت کر رہا تھا جس کی بے کیف لذت کے اظہار پر آپ کو قدرت نہ تھی اور اس خواہش میں کہ کاش تمامی امت محمدیہ اس مزہ سے آشنا ہو جائے آپ بزبانِ حال کہہ رہے تھے۔

بازارِ عشق و شوقِ محبت کے جاں فروش لیکن کہ چل چلاؤ ہے دنیاؤں کے دوں کا
سیکھیں طریق وصل و لقاء خدائے پاک دل بیچ کر خرید لیں سودا جنوں کا
غرض آستانہ گنگوہیہ سے آپ ایک لطیف روح لے کر واپس ہوئے کہ علمِ شریعت کے منتہی تھے اور علمِ طریقت کے مبتدی، مدرسہ عربیہ میں آپ مدرس تھے کہ طلبہ کو درس دیتے تھے اور مکتبِ معرفت کے آپ طالب علم تھے کہ خالقِ جل جلالہ کی عظمت و محبت کا سبق پڑھا کرتے تھے۔ دن بھر شنگانِ علم کو فقر و تفسیر کا سبق پڑھاتے اور شب کو ذکرِ الہی سے انس و انتذاذ حاصل کرتے اور سنانِ گھڑیوں میں جبکہ دنیا پڑی سو باکرتی آپ اپنے مولیٰ کے ساتھ راز و نیاز میں مشغول ہو جایا کرتے تھے۔ آپ کے شاگردوں عزیزوں اور آنے جانے والوں کو پتہ بھی نہ چلا کہ آپ کس دھن میں لگے ہوئے اور کس سوز و گداز میں مبتلا ہیں۔

نظر کو کیا خبر پردہ کے اندر دل لگی کیا ہے کوئی آزاد کیا جانے کسی دل کی لگی کیا ہے
اب یہ کون کہہ سکتا ہے کہ آپ نے کس ترتیب سے سلوک طے کیا، شیخ کی طرف منازلِ سلوک سے کیا کیا تعلیم ہوئی، کیا حالات گزرے اور راہِ طریقت قطع کرنے میں کیا کیا مناظر آپ کو پیش آئے بجز اس کے کہ حضرت نے ایک بار خود فرمایا مجھے نہ زیادہ واردات پیش آئے اور نہ آخر تک میں سمجھا کہ نسبتِ سلسلہ کیا چیز ہے بس ایک حالت تھی جو گزردہ ہی تھی۔

حتیٰ کہ ۱۲۹۷ھ میں جب آپ دوسرے حج کے لئے مکہ مکرمہ دستارِ خلافت اور خلافت نامہ
روانہ ہوئے تو حضرت امام ربانی نے مرشدِ العرب والعجم
اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ شاہ صاحب کی خدمت میں لکھا کہ ”مولوی خلیل احمد حاضر خدمت ہوئے ہیں حضرت ان کی حالت پر مطلع ہو کر مسرور ہوں گے“ چنانچہ جب آپ حاضر ہوئے تو اعلیٰ حضرت

لے بٹوار سے کمیٹی سے مزہ اور لذت حاصل کرنا۔ (جمل احمد)
عہ مولانا محمد الیاس صاحب کی روایت ہے کہ حضرت ہجر کے اہتمام کی خاطر سوتے وقت دونوں قدم کے انگوٹھے باہم ملا کر باندھ لیا کرتے تھے کہ وہ بے احتیائی نیند تو آجاتی جس میں فکر و شوش بھی نہیں رہتا اور صحت کے لئے اس کا ہونا ضروری و باقی وہ نیز جس میں کروٹ لینے یا پاؤں پھیلانے اور پھیلانے کی نوبت آئے ہیں اتنی تھی اور پھر بے گلی میں اٹھتے ہی بن بٹتی تھی۔ عہ بذل الجہود ترجمہ المؤلف اور تذکرۃ الرشید میں اس حج اور حصولِ خلافت کا سال ۱۲۹۷ھ لکھا گیا ہے مگر حضرت گنگوہی کے مکتب سے جو کہ حضرت کے نام بھادلو سے جاتے رہے پتہ چلتا ہے کہ یہ سال آپ کے حج کا نہیں بلکہ ۱۲۹۸ھ مطابق ۱۸۸۵ء ہے۔ (مؤلف)

آپ کی باطنی کیفیت مشاہدہ فرما کر نہایت خوش ہوئے اور جب آپ رخصت ہونے لگے تو چھاتی پر لگایا اور اپنی دستار مبارک سر سے اتار کر آپ کے سر پر رکھ دی، امام ربانی کے نام مبارک کا خطا اور اور حضرت کے نام کا خلافت نامہ مزین بہر آپ کے حوالہ فرما کر رخصت کیا۔ حضرت نے اس شاہی عطیہ کو ایک خاص احترام کے ساتھ قبول کیا اور دستار مبارک کو اسی بندش پر جو اعلیٰ حضرت کی باندھی ہوئی تھی جگہ جگہ سوئی سے سی لیا کہ اس کے بل جہانہ ہونے پائیں۔

خلافتِ ثانیہ | اور جب ہندوستان پہنچ کر گنگوہ حاضر ہوئے تو اعلیٰ حضرت کا والا نامہ پیش کر کے یہ دونوں عطیے بھی امام ربانی کے سامنے رکھ دیئے۔ حضرت نے فرمایا مبارک ہو یہ تو اعلیٰ حضرت کا عطیہ ہے۔ آپ نے عرض کیا کہ بندہ تو اس لائق نہیں یہ حضور کی بندہ نوازی ہے اور اور میرے لئے تو یہی مبارک ہے جو آنحضرت کی طرف سے عطا ہو۔ نیز یہ بھی عرض کیا کہ اجازت نامہ درحقیقت شہادت ہے کسی مسلمان کے ایمان کی، لہذا دو مقبول شہادتیں ثبت ہوں گی تو ہر شخص کے نفسی پکارنے کے وقت بارگاہِ خدا میں پیش کر سکوں گا۔ حضرت امام ربانی آپ کے اس حسنِ ادب سے کہ اصل کمال یہی ہے بہت خوش ہوئے اور خلافت نامہ پر دستخط فرما کر مع دستار آپ کے حوالہ فرما دیا۔

شیخ کا ادب | اس طرح پر جیسے آپ نے تکمیلِ علومِ شریعت کی دستارِ فضیلت حاصل کی تھی اسی طرح طریقِ سلوک طے فرما کر روحانی باپ اور جدِ امجد کے ہاتھوں سے دستارِ خلافت حاصل فرمائی اور اس نسبتِ احسانیت سے مالا مال ہوئے جس کا مشکوٰۃ قلبِ رشیدی تھا اور جو سلسلہٴ رشیدیہ کی شاخ بن کر سلسلہٴ خلیلیہ چلنے کی بنیاد تھی مگر یہ آپ کا حسنِ ادب تھا کہ جب تک حضرت امام ربانی حیات رہے آپ نے کسی طالب کو خود بیعت کرنا پسند نہ فرمایا اور اگر کسی ضرورت اور اصرار پر اس کی نوبت بھی آئی تو آپ نے توبہ کر کے یہ الفاظ کہلائے کہ کہو بیعت کرتا ہوں میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب سے غلیل احمد کے ہاتھ پر۔ ہاں حضرت امام ربانی کی وفات کے بعد آپ کا سلسلہ بڑھا اور اطرافِ ہند سے آگے کی کر حجاز تک پہنچی کہ اہلِ حرمین شریفین نے بھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

طریق و مراتب کا خلاصہ | قلب میں کیفیاتِ حسنہ اور انوار و تجلیات کا ورود قدرت نے علاقہٴ محبت کے ساتھ مربوط کیا ہے کہ اصل جاذبِ کمالات مرید کا اپنے شیخ کے ساتھ وہ تعلق روحانی ہے جس کو حُب کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے اور حدیثِ المہمہ مع من احب میں

لے اب حضرت کا سلسلہ بلادِ اوسط بھی حضرت حاجی صاحب قدس سرہ ہو گیا۔ گو حضرت نے ظہر میں حضرت گنگوہی کا ہی واسطہ برقرار رکھا کہ یہ بھی انہی کے طفیل تھا۔ وہ وہ طاق جس میں چلے غہر یعنی گن کر نور پھیلنے کی جگہ۔ اسے کمالاتِ باطنیہ کو کھینچ لینے والا۔

لے انسان اس کے ساتھ ہوتا ہے جس سے وہ محبت رکھتا ہے یعنی قیامت میں ان کے ساتھ ہوگا۔ (جلیل احمد)

اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، باقی اذکار و اشغال اور تعلیم کردہ اور ادواعمال اس کے آثار کا بمنزلہ اوزار کے ہیں کہ ان کے بدون بھی چارہ نہیں۔ دیکھو ریل کا چلنا حقیقتاً اس بھاپ پر موقوف ہے جس کو گیس کہا جاتا ہے اور وہ جتنی قوی ہوگی اسی قدر انجن کی رفتار تیز اور قوی ہوگی کہ اس کے بغیر گاڑی ایک قدم بھی نہیں سرک سکتی۔ مگر باایں ہمہ پٹری اور پھیول کی بھی ضرورت ہے کہ ان کے بغیر رفتار مستقیم و مغادر پیدا نہیں ہو سکتی۔ پھر چونکہ عمل و مجاہدہ امر اختیاری اور کسی ملے ہے مگر حب و انس اور ربط مع الشیخ امر غیر اختیاری اور محض و ہبی امر ہے اس لئے یہ بالکل مجمع ہے کہ جس کو جو کچھ بھی روحانی کمال نصیب ہوا وہ محض فضل خدا سے نصیب ہوا ہے نہ کہ کسب سے۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ عادت انشاء اسی طرح جاری ہے کہ جو اس کے مقرر کردہ طریق پر چلتا اور مجاہدہ و ریاضت میں اپنے آپ کو ڈالتا ہے وہ اسی کو روحانی کیفیات بخشتا اور اپنے قرب کا ثمرہ چکھاتا ہے ورنہ اس کی غفلت و بے پروائی جو کہ اس کا امر اختیاری ہے اس کی محرومیت کا سبب بن جاتی ہے پس حضرت کا مجاہدہ عملیہ اتنا کثیر نہیں ہے جتنا آپ کے اکثر ہم عصروں کا، مگر وہی امر یعنی حب مع الشیخ نے آپ کے تھوڑے عمل پر وہ ثمرہ مرتب کیا جو دوسروں کے کثیر پر بھی مرتب نہیں ہوا۔ اور یہی راز ہے امت محمدیہ کے اعمالِ قلیلہ پر ان صلات و اجور کے مرتب کرنے میں جو دوسری امتوں کے اعمال کثیر پر بھی مرتب نہیں ہوئے کہ محبوبیت کے ساتھ توازن ہوئے پیغمبر کے ساتھ محبت و عقیدت کا تعلق رکھنے والا غلام جذبہ محبت کی وجہ سے انوارِ محمدیہ کا وہ انعکاس قبول کرے گا جس سے دوسرے قلوب محروم رہیں گے۔ پس اس وہی امر اور عطا و فضل میں کسی کو اس سوال کا کیا موقع کہ فلاں پر کیوں فضل ہوا اور ہم پر وہ فضل کیوں نہ ہوا۔ وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

شیخ سے تعلق و محبت کا ثمرہ | حضرت پر حق تعالیٰ شاء کا خاص فضل تھا کہ بیعت ہوتے ہی آپ کے قلب میں حضرت گنگوہیؒ کی وہ محبت پیدا ہو گئی تھی جس کو دنیا کی ہر مغرب سے مرغوب چیز بلکہ ماں باپ کی محبت کے ساتھ بھی مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہی محبت مرقاة حب الہی کی پہلی سیڑھی تھی کہ اس کے بغیر منتہائے مراد کا حصول ناممکن ہے۔ پس یہی نہیں کہ آپ ذکر و شغل کی بابت شیخ سے پوچھیں یا دعا و توجہ کی درخواست کر دیا کریں بلکہ آپ مجبور تھے کہ علوم و درسیہ میں جو کچھ شکال پیش آئے وہ بھی باوجود استاذ کے موجود ہونے کے بے تکلف حضرت ہی سے

لے مکاتے یعنی کوشش کرنے سے حاصل ہونے والی چیز سے پیرے پرست ہو جانا۔ بلا اختیار کے حق تعالیٰ عطا و عہد ہے۔
 سے یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتے ہیں عطا فرمادیتے ہیں۔ ۵۔ زینہ۔ ۱۔ آخری۔ (جمل احمد)

پوچھیں اور اس طرح پوچھیں کہ شاگرد بعض دفعہ سوال پر سوال کرتا ہوا چمکے مگر آپ رکاوٹ دل تنگی کا نام بھی نہ لیں۔ نیز معاہدے ساتھ معاش کے متعلق بھی ہر جزئی و کلی امر میں مشورہ باوجود والدین اور دیگر اعزہ و اقارب کے حیات ہونے کے آپ ہی سے لیں اور اس طرح لیں کہ بیٹے کو اپنی صفیٰ بیان کرتے ہوئے باپ سے شرم آئے مگر آپ اس میں تامل یا تعویذ کا خطرہ بھی نہ لائیں۔ بیعت کے بعد آپ کی ملازمت کا تعلق جہاں بھی ہوا وہ حضرت کے مشورہ ہی سے نہیں بلکہ گویا تجویز اور حکم سے ہوا اور جہاں بھی آپ جتنی مدت رہے حضرت کے ایما و اشارہ سے رہے کہ بیمار پڑے اور آب و ہوا ناموافق ہوئی تو رد و حالی باپ کو اطلاع ضروری مگر یہ دوسو سہ بھی نہ ہوا کہ صریح حکم رضا آئے بغیر ترک ملازمت کا نام لیں۔ اسی طرح جب حضرت کا ایما کسی جگہ سے علیحدگی کا ہوا تو کبھی خطرہ بھی نہیں گذرا کہ ترک کی وجہ دوسروں کو کیا بتاؤں گا۔

چنانچہ بھادلوپور میں آپ کو طرح طرح کی تنگیاں پیش آئیں مگر آپ نے جبراً و قہراً نہیں بلکہ طبع کے خلاف کو رمضان شعبہ کی حلاوت سے موافق طبع بنا کر پورے گیارہ برس وہاں گزارے اور ترک ملازمت کا نام نہ لیا۔ اسی طرح جس وقت آپ کو حکم پہنچا کہ دیوبند چھوڑ کر مظاہر علوم سہارنپور میں جاؤ تو سب ہی کو حیرت تھی مگر آپ اس خوشی سے آئے جیسے مسافر اپنے گھر آتا ہے۔

یہ ربط قلب اور عظمت و محبت شیخ کی وہ دہی عطا تھی جس نے بیعت و محاسنیت تامہ پیدا کر کے اسی مخصوص نسبت سے آپ کو بالالال کیا جو قدرت نے حضرت امام ربانی قدس سرہ کو نصیب فرمائی تھی۔

رمضان ۱۰۳۸ھ میں آپ نے بحالت اعتکاف خواب دیکھا کہ خرپہ تراش کر حضرت امام ربانی رو بہ آ کر کھلا رہے اور لعاب جو اس کے کھانے میں حضرت کے دہن سے گر رہا ہے اس کو اپنی زبان پر لے رہے ہیں۔ حضرت کو خواب سنا کر جب تعبیر پوچھی تو حضرت مسکرائے اور فرمایا تم خود سمجھتے ہو گے آخر نسبت تو ایک ہی ہے اسی طرح ایک بار کسی تذکرہ میں حضرت کی زبان سے بے اختیار نکلا جو میں دہی مولوی خلیل احمدؒ

دو خط جو حضرت امام ربانی نے آپ کے نام بھادلوپور بھیجے اور تیسرا خط جو دیوبند آپ کے پاس بھیجا چونکہ اہل علم کے لئے نتائج مفیدہ پر مشتمل ہیں اس جگہ نقل کرتا ہوں جن سے اندازہ ہو گا کہ حضرت کو طریقی مسائل میں بھی عمل کے لئے اعلیٰ حضرت کا ایما لینے کی کس قدر کوشش رہتی تھی جو کہ فریضہ عظمیٰ شیخ کا اور مفہوم اس شعر کا ہے سپردم بہ تو مایہ خویش را تو دانی حساب کم و بیش را

لے آخرت کے معاملات سے دنیا کی زندگی کے معاملات۔ ستہ تنگی و تنگدلی سے دور لگانا۔ ستہ ساتھ اور یک جنس ہونا اور ی طرح کا یعنی کامل اتحاد۔ ستہ حالانکہ شیخ سے تعلق امور دین اور ان سے بھی اصلاح باطن کے لئے ہوتا ہے اور بظاہر امور دنیا یا علوم ظاہری کی بات بے محل معلوم ہوتی ہے مگر نعت کی شرت جو یکا غلت پیدا کرتی ہے اس میں سب برہنہ ہو جاتا ہے۔ ستہ میں تو اپنی کل جمع پونجی ۴

درسہ دینیات جس میں حضرت مدرس تھے جب کالج کے ماتحت ہوا اور علوم فلسفہ و ہیئت داخل ہوئے تو آپ نے اعلیٰ حضرت کو اطلاع دی اور جواب اس طرح آیا:-

فلسفہ درس اور تاریخی تالیف کا حکم | مولوی خلیل احمد صاحب السلام علیکم۔ آپ کا خط آیا۔ مدرسہ کے حال سے البتہ تاسف ہونا چاہئے۔ بندہ کے

نزدیک جب اس قدر مشقت اور خلافت وضع تعلیم سپرد کی جاتی ہے ترک کر دینا مناسب ہے۔ سب سے زیادہ یہ بات ہے کہ جب اُن لوگوں کا اس میں دخل ہوا تو انکا کاجانے کیا کیا ترسیم ہووے گی۔ اور جب اس قدر بارگراں سرپر رکھا گیا تو پھر سارے روز و شب شغل دنیا ہی دنیا کا ہوا۔ شغل باطن کو بالضرور نقصان ہووے گا۔ اس کی کمی کے مقابلہ میں سب سے بچ ہے۔ اگرچہ تالیف تاریخ و سیر بھی عمدہ ہی کام ہی مگر بوجہ دنیا اور مشقت مضر کے ساتھ ہے اور بے اختیاری کی صورت میں روز بروز ترقی ان خیالات فاسدہ کی ہووے گی، ایسی حالت میں پسندیدہ نہیں، رزق مقدر ہے۔

کتب فلسفہ میں عقائد فاسدہ | پھر تعلیم صدر اخوند ناپسند ہے۔ انصاف کرنا چاہئے کہ اثبات ہیولی و صورت و ابطال جز اور اقرار قدیم ہیولی و صورت سے

کیا مطلب ہے؟ ابطال قیامت و اقرار تعدد قدما و عدم اختیار حل علل شانہ نہیں تو کیا ہے؟ ان عقائد فاسدہ کو منہ سے نکالنا موجب ظلمت ہے اور پھر دلائل سے ثابت کر کر طلبہ کو اس پر قائم کرنا اور شہادت کو رفع کر کے بچتہ کرنا ضروری ہے۔ گودل میں عقیدہ نہیں مگر کفار کے عقیدہ کا اثبات ہے۔ اگر انجیل کی تعلیم پادریوں کے مدرسہ میں کرے اور عقیدہ بطلان تثلیث وغیرہ ہو تو کیوں برا جانتے ہیں؟ یہاں بھی وہی پہلے زمانے میں بضرورت ابطال مذہب فلاسفر اور معتزلہ اس کو پڑھنے کی ضرورت تھی کہ مطلع ہو کر اس کے قواعد کے جواب دیویں، اب کیا ضرورت ہے؟ بالکل غلط ہے سب جیلہ ہے۔ لہذا اس نوکری کو جائز نہیں جانتا ہوں۔ فقط

لے دینی آدمی کے لئے دینی تعلیم۔ سہ مدار تنظیم پر ہوتا ہے دنیا دار دنیا کی کام بن کر رکھے گا۔ سہ باطن کی ذرہ برابر کی کے مقابلہ میں ساری دنیا بیچ ہے۔ سہ جودین والوں کی ہوں۔ سہ ملازمت کی مجبوری سے ترک نہ ہو سکے پر سہ ہی مانے کہ علمائے دین نے تاریخ و سیر پر زیادہ توجہ نہیں کی۔ سہ مادہ۔ سہ وہ ٹکڑا جس کے آگے نکلے نہ ہو سکیں۔ سہ قدیم ہونا کبھی محدود نہ رہا ہو نہ آئندہ ہو۔ سہ کئی قدیم ماننا حالانکہ صرف ایک ذات خدا کی قدیم اور سب کچھ حادث یعنی عدم کے بعد پیدا کئے ہوئے ہیں۔ سہ کئی قدیم مانے گئے تو ان پر اختیار خداوندی نہ ہوا اور خدا کو بے اختیار قرار دینا کفر ہے۔ سہ جو سبق کا مقصد ہے تو یہ کفر کو ثابت کرنا اور بچتہ بنانا ہو جیسے اگلی مثال میں ہے۔ سہ سوال یہ ہے کہ اسلاف نے آخراں کتابوں کو داخل نصاب کیوں کیا یہ اس کا جواب ہے کہ وہ فلسفہ کا دور تھا اس کو توڑنا تھا۔ سہ کیا اب رد نہ کیا جائے، جواب اس وقت ضرورت تھی اب ضرورت نہیں اجازت نہیں اس پر قیاس کرنا غلط ہے جیلہ ہے۔ (جیل احمد)

چنانچہ حضرت ترک پر طیار ہو گئے مگر جب معلوم ہوا کہ حضرت کے سپرد صرف حدیث و تفسیر کے سابق ہوں گے اور کالج کی ماتحتی محض ضابطہ کے درجہ میں ہے کہ اس کا کوئی اثر آپ کی نشستِ بغالت پر بھی نہ پڑے گا تو آپ نے پھر حضرت کو اطلاع دی اور یہ جواب آیا۔

ملازمت کا معیار مولوی خلیل احمد صاحب۔ السلام علیکم۔ آج آپ کا خط آیا اس میں دوسری صورت لکھی ہے۔ اب خلاصۃً الجواب یہ ہے کہ جب تک تم دیکھو کہ بالکل

خلاف شرع کام نہیں کرنا ہوتا اور طاقت کے قدر کام ہوتا ہے اور تمہارے شغل میں حرج بھی نہ ہووے تو ترک مت کرو۔ بلکہ اب میں تم کو اختیار کئی دیتا ہوں اور تمہاری رائے پر چھوڑتا ہوں مجھ سے استفسار کی بھی حاجت نہیں۔ جب تک تمہاری طبیعت چلے کر ولور جب کوئی امر خارج عارض ہو جاو تو ترک کر دینا۔ غرض بندہ کی طرف سے تم اپنے امور اور مولوی نذیر احمد کے معاملہ میں مختار ہو، اگرچہ مشورہ کو منع نہیں کرتا مگر تم کو تکلیف تحریر ہوتی ہے اس لئے یہ لکھ دیتا ہوں، لگے علاقہ کا ترک اچھا نہیں ہوتا۔ معاش کی ضرورت میں پھر پریشانی ہوتی ہے۔ اور مسلمانوں کی ریاست کا ہر حال دوسری جگہ سے اچھا حال ہوتا ہے لہذا ترک کرنے میں جلدی مت کرنا اور مولوی نذیر احمد کے واسطے بھی ایسا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ فقط۔

چنانچہ آپ رک گئے اور پھر چھ سال تک ترک ملازمت کا نام نہ لیا۔ اسی طرح جب آپ دارالعلوم دیوبند میں مدرس دوم تھے تو دفعۃً حضرت کا والا نامہ آپ کے نام پہنچا۔

ازبندہ رشید احمد غنی عنہ۔ جناب مولوی خلیل احمد صاحب سلمہ۔ السلام علیکم۔ مدرسہ سہارنپور کی سرپرستی میرے ذمہ لگئی اور یہ مجبوری اس امر خیر کو گوارا کرنا پڑا۔ چونکہ ہر طرح اس مدرسہ کی نگرانی میرے ذمہ ہو گئی۔۔۔

۱۳۱۴ھ مظاہر علوم میں تدریس کے
اعلیٰ منصب پر تقرر
اس وقت اُس کی یہودی اس ہی امر کو متفق ہی ہے کہ آپ فوراً مدرسہ دینیہ سہارنپور کی مدرسہ اعلیٰ قبول کر کے فوراً وہاں تشریف لے جائیں۔ اہل دیوبند کو آپ کی مفارقت اگرچہ گوارا نہیں مگر

بمقتضائے وقت یہی ضروری ہے لہذا آپ اس کی تعمیل میں توقف نہ کریں۔
ازنگوہ سرلئے۔ ۳ شعبہ ۳ جمادی الثانیہ ۱۳۱۴ھ

بہ کہ دین کی تعلیم ہوگی۔ ستہ تنگی و تنگدلی میں ڈلنے والا۔ ستہ کام لگا ہونا بھی حق تعالیٰ کا ایک فضل ہے بغیر دینی مجبوری کے اس کا ترک شکر ہی ہے۔ ستہ گئے کام کو جوڑنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے جو پریشانی ہوتی ہے وہ موجودہ باتوں سے سخت بن جاتی ہے اس لئے من استی بلیتین فلسفہ اھو غھا کہ جو دو مصیبتوں میں گھرا ہو وہ آسان کو اختیار کرے اور موجودہ دیکھی بھالی آسان ہے بہ نسبت حق مصیبت کے۔ ستہ تیسری وجہ یہ ہے کہ اسلامی حکومت یا ریاست دوسروں سے افضل ہے۔ ستہ مشاغل کثیرہ و مضغ کی مجبوری کا حافضاً و نامظور کرنے کا تھا مگر نیک کام کا صحیح انتظام جس میں بڑی مشقت ہوتی ہے کا خیر تھا اس کی مشقت کو گوارا کیا گیا۔ (رجل احمد)

چنانچہ آپ فوراً سہارنپور آ گئے اور پھر اس کو نہ چھوڑا یہاں تک کہ خاک گورنے یثرب کی طرف کھینچا اور آپ اس کو اپنے معتمد خدام کے حوالہ فرما کر مدینہ منورہ روانہ ہوئے اور وہیں کے ہو رہے۔

مُریدی کا نکتہ اور عمل | حضرت گنگوہیؒ نے ایک بار فرمایا تھا کہ مُرید بابِ افعال سے ہے جس کی ایک خاصیت سلب مادہ استقامت ہے لہذا مرید کے معنی ہیں مسلوب الارادہ۔ یعنی

جو ہر امر میں اپنی باگ اپنے شیخ کو دے کر ذاتی ارادہ سے خالی ہو چکا ہو۔ حضرت نے بیت ہو کر اس صفوں کا حق ادا کر لیا۔

۱۳۱۹ھ میں مظاہر علوم میں شورش | جس کے ثبوت میں مظاہر علوم کا وہ مشہور قصہ پیش کیا جاسکتا ہے جو ۱۳۱۹ھ میں پیش آیا اور جو حضرت کی ارادت و غلامی کا ثبوت

اور امام ربانی کی کھلی کرامت کا نمونہ ہے کہ حضرت امام ربانی ممبرانِ مدرسہ کے استبداد پر سرپرستی سے استعفا دینے پر مجبور ہوئے مگر حضرت کو اجازت نہ دی کہ تعلق ملازمت قطع کریں۔ چنانچہ حضرت باوجودیکہ ممبرانِ مدرسہ کی نظروں میں خابن کر کھٹکتے تھے ایسے جھے رہے کہ دیکھنے والے طعن کرتے اور غیرت دلاتے تھے کہ کیا دوسری جگہ نوکری نہیں ملتی جو اس ذلت کے ساتھ پڑے ہیں۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ممبران نے کمیٹی کر کے آپ کو برخاست کر دیا، طلبہ اٹھائے گئے، کتابیں لے لی گئیں اور مولوی عبدالعلی صاحب کو بلوایا گیا کہ حضرت کی جگہ درس کی مسندِ صدارت پر ان کو بٹھادیا جائے مگر آپ اپنے شیخ کے حکم کا انتظار کر رہے تھے کہ جاؤں یا رہوں۔

حضرت گنگوہیؒ کی کرامت | اول حکم آیا کہ آنے کا قصد کرو، چنانچہ آپ نے اسباب اور اہل و عیال کو

انہیں بھیج دیا مگر فوراً ہی حضرت کا دوسرا حکم پہنچا کہ خود وہیں ٹھہرے رہو۔ چنانچہ اسی مسرت کے ساتھ اس ظاہری ذلت کو عین عزت سمجھے ہوئے سہارنپور ٹھہرے رہے۔ حالانکہ آپ مدرسہ میں آنا تو کیا مدرسہ کی مسجد میں نماز بھی نہ پڑھ سکتے تھے اور قوی اندیشہ تھا کہ فسادِ عظیم ہو کر نوبت گرفتاری فریقین کی پہنچے، مگر آپ نے اپنی عزتِ آبرو اور جان سب کچھ شیخ پر نچھاور کر رکھی تھی۔ اس لئے نہ کسی ظاہری خوف کا آپ کو خدشہ تھا نہ لعن طعن اور سب وشم کا لالال و خیال۔ آپ کا مطرحِ نظر صرف شیخ کا ائصال اور اشارہ پر چلنا تھا کہ ہو رہے گا جو کچھ ہونا ہو گا۔

عاشقِ بدنام کو پروائے ننگ و نام کیا اور جو خود نا کام ہو اس کو کسی سے کام کیا۔ قدرت کو منظور تھا کہ ہمیشہ کے لئے مدرسہ مظاہر علوم کو اہلِ دنیا کے استبداد سے سبکدوش فرمائے

لے ارادہ چھینا ہو کہ کوئی ارادہ نہ رہے گو مقصودِ باطن ہے اس میں ارادہ ختم ہونا تھا مگر کمال یہ ہو گا کہ ظاہر میں بھی اور دنیوی امور میں بھی ختم ہو رہے۔ ۱۳۱۹ھ میں (جیل احمد) ۱۳۱۹ھ مطابق (شیخ الحدیث)

اس لئے غیب سے ایسے امر کا ظہور ہوا جس کا کسی کو خواب بھی نظر نہ آیا تھا۔ ممبرانِ مدرسہ وہ باوجاہت اور مقتدر ہستیاں تھیں جن کے سامنے مولوی حبیب احمد اور شیخ عزیز علی و مولوی مشتاق اصحابِ ثلاثہ جو کہ حضرت کے حامی بنے ہوئے تھے اس سے زیادہ بااثر نہ تھے جتنی نقارخانہ میں طوطی کی آواز۔ مگر ان صاحبوں نے سینہ سپر ہو کر حضرت کو مدرسہ میں لا بٹھایا اور باہر چند نوجوانوں کو لا بٹھیاں لے کر کھڑا کر دیا کہ کوئی مزاحم ہو تو سر پھوڑ دو۔ پولیس کو اطلاع ہوئی اور صاحب علی انسپکٹر جن کے تشدد کا چار طرف شہرہ تھا گارڈیوکر موقع پر پہنچے، ڈانٹا دھمکایا حاضرین کے بیان لے لے کر رہا کر دیکھا کہ حضرت بیٹھے ہوئے باطمینان سبق پڑھا رہے ہیں۔ معلوم کیا کہ مدرسہ اول کو بلا وجہ معزول کرنے پر یہ شور مچا رہا ہے لہذا فریقین کو مجبور کیا کہ مصالحت کریں اور بالآخر نغمہ اشرفاں رئیس اور خود صاحب علی انسپکٹر کو حکم قرار دے کر ہر دو فریق نے ثالثی نام پر دستخط کر دیئے۔

ان کی تجویز جو عمر بھر کے لئے مدرسہ کو نا اہلوں کے بارِ احسان سے سبکدوش کر گئی حضرت امام ربانی کی محض کرامت تھی جس کے متعلق ان صاحبوں کا خود بیان ہے کہ ہم نے جو کچھ لکھا اپنے اختیار سے نہیں لکھا بلکہ کوئی ہم سے لکھوا رہا تھا اور ہم اس کے لکھنے پر مجبور تھے اور وہ یہ ہے کہ مولوی خلیل احمد صاحب کی بیخاستگی بلا وجہ ہے لہذا نسخہ۔

مظاہرِ علوم کے نئے سرپرست | اور ہماری رائے میں اس مدرسہ کے سرپرست مولوی ذوالفقار علی صاحب دیوبندی اور مولوی عبدالرحیم صاحب رائے پوری اور مولوی

اشرف علی صاحب تھانوی ہونے چاہئیں۔

یہ عجیب کرشمہ ہے کہ بحث تھی مدرسہ کی بجایا بیجا علیحدگی پر اور ثالثی کی تجویز یہ ہوتی ہے کہ ممبرانِ سابق سب برخاست اور مدرسہ کا تمامی نظم و نسق آئندہ کے لئے حضرت مولانا لنگوہی کے غلامانِ خدایان کے حوالہ فریقین چونکہ ثالث کی تجویز پر رضامندی کی تحریر دے کر اپنے ہاتھ کٹا چکے تھے اس لئے یہ تجویز صاحبِ کلکٹر کی منظوری سے باضابطہ حکومت کا فیصلہ بن گئی اور تمامی رجسٹر ہائے مدرسہ ممبران سے لیکر ۲۶ ذی قعدہ ۱۳۰۵ کو سرپرستانِ جدید کے حوالہ و سپرد کر دیئے گئے۔

خاکسارانِ جہاں را بحقارت منکر تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد
یہ نمونہ تھانوی امور میں آپ کی بے نفسی کا۔

لے اس دنیا میں کے کم حیثیت لوگوں کو تحقیر کے ساتھ مت دیکھو تم کو کیا خبر کہ اس غبار میں کوئی سوار بھی ہو۔ (جیل احمد)

فقہ اور حدیث میں مجتہدانہ حذاقت

ہے امور دینیہ جس کے دو جز ہیں ایک شریعت اور دوسرا

طریقت، سو شریعت میں عمل کا درجہ تو بہت بالا ہے آپ کو چونکہ فقہ و حدیث سے طبعاً مناسب تھی اور اسی کی تعلیم و تعلم میں آپ کو لطف آتا تھا، نیز کادت آپ کی مادی شے تھی اور مجتہدانہ حذاقت و فہم آپ کے خمیر میں پلائی گئی تھی اس لئے ہدایہ پر آپ کے شہادت پر شہادت جاتے اور جواب پر جواب آتے کہ جن کا نمونہ تذکرۃ الرشید میں ذکر ہو چکا ہے اور آپ کی اس بحث میں ساری تحریرات کو جمع کیا جائے تو ضخیم کتاب بن جائے۔ خلاصہ سب کا یہ ہے کہ بس شہادت کے لئے آپ جیسا ذکی ہو اور جواب کے لئے امام ربانی جیسا فقیہ۔ کہ آخر حضرت قدس نے بھی ایک خط میں تحریر فرمادیا کہ تم شہادت کیا کرتے ہو مسائل کی لم اور علت فقہیہ کی کیہ کرتے ہو سو یہ کہاں تک نبھیگی۔

اسی طرح حدیث کے متعلق اشکالات کی یہ حالت تھی کہ کوئی بے تکلف و جری شاگرد بھی اپنے علامہ استاد سے اتنی کج و کاؤ نہ کریگا جتنی آپ بیگانگت کے تعلق سے دیرین کمر اُجھلا سب کچھ اپنے شیخ سے پوچھنے کے عادی ہو گئے تھے، آپ کے ہم عصر علماء کو بھی آپ کی یہ خود معلوم ہو گئی تھی اور وہ نقل کے لئے آپ سے وہ تحریرات طلب کیا کرتے تھے جو کجا ذکی وجہ سے خود نہ پوچھ سکتے تھے۔

بخاری کی ایک حدیث پر شبہ اور اس کا جواب

ایک مرتبہ آپ نے بخاری کے قصہ لدود کی بابت جس میں تذکرہ ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض ذات الجنب سمجھ کر باوجود حضرت کے منع فرمانے کے اہل بیت نے لدود کیا یعنی عود ہندی کو زیت میں ملا کر ایک طرف منہ میں ٹپکایا حضرت نے مواخذہ فرمایا کہ باوجود میرے منع کرنے کے ایسا کیوں کیا؟ تو اہل بیت نے عذر کیا کہ مریض کو دو اگوارا نہیں ہوتی اس لئے حضور کے منع فرمانے کو ناگوار ہی دوا پر حمل کر کے ایسا کر گزرے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ اچھا گھر میں کوئی نہ بچے گا جس کے لدود نہ کیا جائے بجز عباس کے کہ وہ لدود کے وقت موجود نہ تھے، چنانچہ حضرت کا ارشاد پورا ہو کر رہا کہ تمامی حاضرین بیت کو قبل از موت بادل ناخواستہ لدود کی نوبت پیش آئی۔

اس حدیث کی حضرت نے توجیہ دریافت کی اور شبہ لکھا کہ حضرت کی رؤف و رحیم دلت نے انتقام کیوں لیا اور امت کی غلط فہمی پر سزا بددی کیوں دی؟ حضرت امام ربانی نے جواب تحریر فرمایا: مولوی خلیل احمد صاحب مدفیو منکم۔ بعد سلام مسنون مطالعہ فرماید۔ اس وقت تو ہمت نہ شروح بخاری دیکھنے کی ہے اور نہ بظہر توقع کہ شروح سے رفع اشکال ہو۔ بندہ جو توجیہ اس

لہ ہمارت سہ جو کوئی دوا منہ کے ایک جانب میں ڈالی جائے (بیل احمد)

مقام کی کرتا ہے یہ ہے کہ منع لدود لامر اللہ تعالیٰ تھا اور اصل امر رسول کی امر اللہ تعالیٰ ہی ہوتی ہے اس کے نہ ماننے میں ہتک حرمتہ اللہ تعالیٰ تھا سو یہاں دو امر جمع ہوئے ہیں آپ کی تکلیف دی دوا پلانے میں اور ہتک حرمتہ اللہ تعالیٰ کہ امر رسول امر اللہ ہی ہوتا ہے پس آپ نے بوجہ امر تائی کے انتقام لیا نہ بوجہ اپنی تکلیف کے۔ اسی واسطے بعد میں فرمایا کہ تم کو منع نہیں کیا تھا کہ مت کرو۔ تو معلوم ہوا کہ خلاف امر کرنا موجب ہتک حرمت امر الرسول تھا کہ وہ ہتک امر اللہ تعالیٰ ہے اور یہ نہ فرمایا الماذیہ قنوتی (مجھے تکلیف کیوں دی) باقی اہلیت کا کرہت مریض جانتا مفید نہیں کیونکہ ہتک حرمت ہو چکا، اس فہم سے کیا فائدہ۔ یہ کوئی حد نہیں تھی کہ شبہ سے درج ہو جاتا بلکہ انتقام ہے کہ خطا میں بھی انتقام لیا جاتا ہے کسی کی خطا اور قصد کچھ معتبر نہیں۔

یہ وہ ہے کہ بندہ اس مقام پر طلبہ سے بیان کرنا ہے اور طلبہ آج تک قبول کرتے رہے ہیں۔ مگر تم ما شاء اللہ ذی آدمی ہوا اگر کوئی شبہ خدشہ کرو گے تو پھر شاید شروح کی طرف رجوع کرنا ہو، اور اس سے انتقام الرجال من النساء اوبالعکس وغیرہ مسائل لازم آجاتے ہیں، نہ یہ کہ یہ واقعہ بھی انتقاماً نفسہ تھا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

دوبارہ شبہ اور جواب چونکہ حضرت امام ربانی نے دوبارہ شبہ پیش کرنے کی گنجائش دی اس لئے اس کے جواب میں ایک طویل تحریر حضرت کی لنگوہ آئی جس میں اہل بیت کے فعل کو خطاب اجنبادی اور قابل چشم پوشی قرار دیکر دیگر متعدد دلائل واستشہاد واقعات کے ساتھ یہ بھی لکھا کہ انتقام اگر ہتک حرمتہ اللہ کی وجہ سے ہوتا تو حضرت عباسؓ کو معافی نہ ملتی کہ لدود کرانے والے وہی تھے، اور گو چاہتے مگر شرعی حد سے معاف کرنا آنحضرتؐ کا شیوہ نہ تھا، لہذا اس کے مختصر جامع جواب پر جو لنگوہ کر گیا اکتفا کرتا ہوں کہ اس سے ذی علم کو اشکالات کا پتہ چل جائے گا اور وہ یہ ہے:-

کتوب حضرت لنگوہی مولوی خلیل احمد صاحب سلمہ۔ بعد سلام مطالعہ فرمایند۔ آپ کا خط مشعر صحت مرض پہنچا مسرور کیا۔ بندہ کو چار روز سے بخار موسم تھا آج تخفیف ہو

سہ دوا دلانے کی ممانعت اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے فرمائی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم کی اصل اللہ تعالیٰ کا ہی حکم ہوتا ہے۔ سہ اللہ تعالیٰ کی بے حرمتی۔ سہ اللہ تعالیٰ کی بے حرمتی۔ سہ قرآنی مقررہ مزاجیہ زنا، چوری، تہمت لگانے کی سزا قرآن مجید میں ہے حدیث شریف میں ہے کہ اگر ثوبت میں شبہ ہو جائے تو حد جاری نہ کرو۔ سہ یعنی دفع۔ سہ بدل لینا مرنوں کا عورتوں سے، اس کا عکس کہ بدلہ عورتوں کا مردوں سے۔ کہ اپنی ذات کے لئے بدلہ لینے کا تھا۔ سہ وہ خطا جو دینِ احوالوں میں قرآن کی ایک احتمال کو بہت کوشش اور گہری نظر و تحقیق سے افشاء کیا جائے پھر وہ خطا ہی ثابت ہو تو وہ۔ میں خطا پر اجنبادی پر بھی ایک ثواب وارد ہو، اور دستِ اجنباد پر دہرہ ثواب تو اس خطا پر جو اجنبادی تھی ایک ثواب میرا تھا نہ کہ گرفت (جیل احمد)

تو آپ کا جواب لکھتا ہوں۔ اجتہاد جیسا نص صریح کے مقابلہ میں درست نہیں ایسا ہی شارع علیہ السلام کے رد ورموع ہے۔ جب مرض موت میں قرطاس میں نزاع ہوئی تو قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا استفہاموہ ولا ینبغی التنازع عند نبی او کما قال کے ہی معنی تھے کہ کیوں رائے کو دخل دیتے ہو خود پوچھ لو۔ پس شارع منع فرما دے امتنا وبل کر امتہ المریض کی جاوے اور استفار نہ کریں اور اپنی رائے کو کرامت طبعی فخر عالم پر ترجیح دیوں یہ خطا را اجتہادی نہیں تھی بلکہ خطا بر محض تھی۔ ایسے محمل کو ثواب واحد نہیں کیونکہ یہ محل جواز اجتہادی نہیں تھا بلکہ خلاف ادب ہوا تھا اگرچہ محبت ہی کے سبب ہوا ہو سواس کو اجتہاد کہنا سراسر بے موقع ہے۔ اور لایصلین میں شارع تشریف نہیں رکھتے تھے اور نص محمل

لہ کا غزلانے میں جیسے کہ مسلم ۲۲۴ وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف زیادہ ہوئی تو فرمایا کاغذ لادیں کچھ لکھروں کہ تم اس کے بعد راہ سے نہ ہو حضرت عمرؓ نے کہا کہ حضور پر تکلیف کا غلبہ ہے اور اللہ کی کتاب ہمیں کافی ہے اس پر کچھ گفتگو ہوئی تو حضرت عمرؓ وغیرہ نے کہا کہ نبی کے پاس بحث و جھگڑا نہیں ہونا چاہیے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرلو۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ ان کا یہ کہنا کہ حضورؐ سے دریافت کرلو اسی لئے تھا کہ حضورؐ کے سامنے اجتہاد کرنا درست نہیں تو حضورؐ سے معلوم کرلو یعنی جیسے حضورؐ کے نہ ہونے کے وقت نص یعنی حضورؐ کے ارشاد کے مقابل اجتہاد درست نہیں موجودگی میں بھی کہ نص معلوم ہو سکتی ہے درست نہیں لہذا اجتہاد درست نہیں تو خطا اجتہاد والی خطا نہیں ہو سکتی دوسری قسم کی ہی خطا جس پر ثواب نہیں گرفت ہی ہونی چاہئے۔

۱۵ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرلو اور کسی نبی کے سامنے بحث اور جھگڑا مناسب نہیں یا اور جو لفظ ہوں۔
۱۶ ایسے خطا کرنے والے کو جس کی خطا اجتہاد کے جواز کے موقع پر نہیں اس کی خطا بروہ ثواب جو اجتہاد کے موقع پر خطا ہونے سے ہوتا ہے نہیں ہو سکتا بلکہ یہ خطا خلاف ادب ہے یہاں ثواب نہیں گرفت ہونی چاہئے۔ جب نص کے ہوتے اجتہاد کی گنجائش نہیں تو اس خطا کو اجتہاد کہنا بے موقع ہوا۔

۱۷ بخاری ۱۲۹۱ پر عبد اللہ بن عمرؓ کی حدیث ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ احزاب سے واپس ہو رہے تھے فرمایا کوئی شخص عصر کی نماز نبی قریظہ کے سوا کہیں نہ پڑھے۔ راستہ میں عصر کا وقت ہو گیا بعض صحابہ نے کہا کہ ہم تو نبی قریظہ ہی میں پڑھیں گے تو یہ بعض نے کہا کہ نماز پڑھنے میں حضورؐ کی یہ مراد نہیں کہ وقت ہوئے پر بھی نہ پڑھیں۔ جب حضورؐ کے یہاں حاضر ہوئے تو یہ واقعہ عرض کیا، حضورؐ نے کسی کو ملامت نہیں فرمائی۔ ثواب شبہ یہ تھا کہ اس میں صحابہ نے اجتہاد کیا کہ حضورؐ کی مراد کیا تھی وقت سے پہلے نبی قریظہ میخ کر نماز پڑھنا اگر وقت آجائے تو درمیان میں پڑھ لینا یا یہ مراد تھی کہ وقت بھی درمیان میں آجائے تو بھی نماز نبی قریظہ ہی پڑھ کر پڑھیں کچھ نے ایک مراد پر عمل کیا کچھ نے دوسری پر۔ دونوں نے اجتہاد کیا تو حضورؐ نے کسی کو غلطی پر نہیں قرار دیا نہ ملامت فرمائی تو یہاں بھی کسی نے لہو کو مناسب سمجھا کسی نے نہیں، اجتہاد کیا تو غلطی پر مواخذہ نہ ہونا چاہئے۔ جواب یہ ارشاد ہے کہ سفر میں حضور تشریف فرما نہ تھے کہ حضورؐ سے دریافت کر لیا جاتا اس لئے اجتہاد کی گنجائش تھی کہ ارشاد مبارک دونوں مرادوں کا احتمال رکھتا تھا اور یہاں حضور تشریف فرما تھے یہاں اجتہاد کی گنجائش نہ تھی خود حضورؐ سے دریافت کرنا تھا ایسا نہیں ہوا تو یہ اجتہادی غلطی نہ ہوئی بے ادبی ہوئی اس پر گرفت ہونی تھی۔

و معنوں کو تھی۔ لفظ ظاہر ہی کی اور مقصود جلدی سے، وہ محل اجتہاد تھا وہاں کوئی مانع اجتہاد نہ تھا۔
 دونوں نے شارع کا حکم ہی یقین کر کے عمل کیا تھا، اسی واسطے دونوں کی تصویب ہوئی۔ اس میں اس
 میں فرق بین ہے، وہاں صارت نہی کا فعل الصلوات باوقاہا کا مضمون موجود تھا یہاں کراہت
 طبعی محض رائے تھی۔ آپ کا اخبار کہ اس مرض سے نجات نہ ہووے گی گویا مانع علاج تھا اور خود علاج
 مباح امر کہ توکل کامل کے خلاف تھا گویا عدم توکل کا مضمون ادا کرنا اور غیر حاصل فعل بجالانا خود
 اس رائے کا مانع موجود تھا۔ فَاَيُّنَ هَذَا اَمِنْ ذَالِكَ۔ اور تنگ حرمت اللہ کے واسطے تعزیر کا فیہ۔ ایجاب
 قصاب تو ضرور نہیں۔ ترک حلق و ترک نسخ حج میں صوم وصال اور ترک گھاٹی احد میں آپ کا رنج و اظہار

لہ ظاہری لفظ راستہ میں بڑھنے کی ممانعت چاہتے تھے اور ناز میں مقصود جلدی پڑھنا ہوتا جلدی پڑھنے کو چاہتا تھا دونوں کے
 مراد ہونے کا احتمال تھا۔ سہ ممانعت سے ہٹانے والا۔ سہ نمازوں کو وقت پر پڑھنا۔

سہ علاج ایک جائز کام تھا جو کہ پورے توکل یعنی ترک اسباب کے توکل کے خلاف تھا گویا نہ تھا اور یہ ارشاد کہ اس مرض سے نجات
 ہوگی علاج و اسباب کے محسوس کرنے کا مانع تھا تو اب علاج کرنا اس بلا اسباب کا کل توکل نہ ہونے کا مضمون ادا کرنا اور نہ ہونے والا
 کراہت نہ تھا یہ اس عجز کی بنا کے مانع موجود تھا اس لئے یہ خلاف کرنا ہوا غلطی اور محض خطا ہوئی نماز والے قصے کو اس پر کیا نسبت۔
 سہ حق تعالیٰ کی حرمت کی مخالفت کے بدلے کے لئے معمولی مزا کا فی تھی برابر کا بدلہ تو ضروری نہ تھا کیونکہ قصاص (برابر کا بدلہ) انسانی
 حقوق میں ہوتا ہے خدا کی نہیں۔

سہ احرام کھول کر سر نہ ڈالنے کا ترک اور حج کو نسخ کر کے عمرہ نہ بنانا، بخاری ۱۹۳۵، مسلم ج ۱ ص ۳۹۲ پر حدیث ہے کہ حضرت جابر بیان
 کرتے ہیں کہ ہم صحابہؓ نے خالص حج کا احرام بلا عمرہ نہ تھا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ذی الحجہ کو تشریف لائے جب ہم پیچھے حکم دیا کہ ہم احرام
 کھولیں (یعنی صرف عمرہ کے بعد ہی کھولیں) اور اس حج کو عمرہ ہی قرار دیں جزائے جاہلیت کی رسم کو توڑتا تھا کہ وہ عمرہ ایم حج میں گناہ
 سمجھتے تھے حکم دیا کہ حلال ہو جاؤ اور بیویوں سے بھی میل کر لو۔ حضرت جابر کہتے ہیں کہ حضور نے بیویوں سے ملنے کو واجب تو نہیں فرمایا
 حلال فرمادیا تھا۔ پھر حضور کو یہ اطلاع پہنچی کہ ہم لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم میں اور عرفات پہنچنے میں صحت پانچ دن باقی ہیں حضور نے
 بیویوں سے میل کی اجازت فرمادی ہے تو کیا ہم ہندی پکے پیچیں گے اور ہاتھ سے اشارہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور فرمایا تم
 لوگ جانتے ہو کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ کا خوف رکھنے والا سب سے زیادہ سچا سب سے زیادہ نیک کرنے والا ہوں اگر میرے ساتھ
 ہری کا جافور نہ ہوتا تو میں بھی احرام کھولتا جیسے تم کھول رہے ہو تو تم احرام کھول دو۔ اگر مجھ سے پہلے سے یہ بات معلوم ہوتی تو ہدی معلوم
 ہوئی کہ تم لوگ تردد کرو گے تو میں ہدی کا جانور سا تھا نہ لانا۔ پھر ہم سب نے احرام کھول دیے اور حضور کی اطاعت کی۔

اس پر سوال یہ ہے کہ باوجود حضور کے ارشاد کے احرام نہ کھولنا اور اس میں تردد کرنا ایک اجتہادی غلطی تھی حضور نے اس پر
 کوئی داری نہیں فرمائی صاف فرمادیا نہ انتقام لیا نہ تعزیر جاری فرمائی تو یہ بھی اجتہادی غلطی پر یہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔
 جواب یہ ہے کہ وہاں نسخ فرمانا اور ناخوشی ظاہر فرمانا موجود ہے یہی دارو گیر ہے کہ فرمادیا میں زیادہ ڈرنے والا چھوٹے ہونے والا۔
 نیکی کرنے والا ہوں اگر ہدی میرے ساتھ نہ ہوتی تو یہی کرتا اور پہلے سے معلوم ہوتا کہ تم یہ خیال کر دو گے تو ہدی ساتھ نہ لانا۔

۷ ایک روزہ کے بعد بلا افطار کئے دوسرا روزہ رکھنا بخاری ۶۶۳، مسلم ج ۱ ص ۳۵۱ پر حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی
 علیہ وسلم نے صوم وصال کی ممانعت فرمائی تو لوگوں نے عرض کیا حضور آپ تو صوم وصال (و فریضہ نہ) بلا فطار رکھتے سب فرمایا میں تمہاری
 طرح نہیں ہوں میں تو کھلا بلایا جاتا ہوں (یعنی جنت کی چیزیں جن سے روزہ نہیں جانا یا عبت الہی سے غدا ہی سے) (باب بر ص ۱۴۸)

ناخوشی خود منقول ہے مگر نہ معلوم آپ کو کیوں غفلت ہوئی۔ پھر یہ کہ انتقامِ کرمۃ اللہ لینے کو کہاں سے لازم ہے کہ انتقامِ کرمۃ اللہ کو ترک بھی نہیں کرتے تھے، حدیث سے اتنا ہی ثابت ہے کہ اپنے واسطے انتقام نہیں لیتے تھے اور ہتکِ حرمتہ اللہ کے واسطے لیتے تھے، نہ یہ کہ ہتکِ حرمتہ اللہ میں ترک ہرگز نہیں کرتے تھے، سو یہ نقص سرے ہی سے مرفوع ہے۔ معہذا ذوالخو لصرہ پر غصہ کرنا خود تعزیر ہے اور تعزیر بقدر عصیاں کے ہے۔ حضرت عباسؓ کا صائم ہونا ملنے لہو د کا تھا ناخوشی خود ظاہر ہو چکی تھی۔ اور معاف کرنا بھی منع نہیں تھا۔ اور کبر کو قلیل تنبیہ بھی کافی ہوتی ہے بہر حال یہ سب شبہات غیر محل میں فقط

(بقیہ صفحہ گذشتہ) سوال یہ ہے کہ باوجود منع کرنے کے پھر جو صلہ نے بلا اظہار روزہ پر روزہ کا قصد کیا تھا اور حضور کے فعل کو دلیل بنایا تھا یہی اجتہادی خطا تھی حضور نے اس پر گرفت نہیں فرمائی تو یہاں بھی نہ ہونی چاہئے تھی۔ جواب یہ ہے کہ یہاں ناگواری و ناخوشی کا اظہار فرمایا ہے تم میری طرح نہیں ہو سکتے۔

۷۵ غزوہ احد میں معینہ صحابہؓ کا گھائی کو چھوڑ دینا۔ بخاری ۴۲۷ و ۵۴۹ پر حضرت برابن عازب سے روایت ہے کہ غزوہ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جبر کو پاس پریدل حضرات پر حاکم بنا کر ایک گھائی پر مقرر فرمایا اور فرمایا تھا اگر تم یہ بھی دیکھ لو کہ ہماری لاشوں کو پرندے نوچ رہے ہیں تو بھی اپنی اس جگہ سے نہ ہٹنا جب تک میں ہی پیام نہ بھیجوں۔ اور اگر تم دیکھو کہ چم کا فروں کو شکست دیدی اور ان کو روند ڈالا تب بھی جگہ سے نہ ہٹنا جب تک میں ہی پیام نہ بھیجوں۔ حضور نے ان کو شکست دیدی تو حضرت عبداللہ بن جبر کے ساتھیوں نے کہا ہے قوم غنیمت حاصل کرو غنیمت حاصل کرو، تمہارے ساتھیوں نے ان پر غلہ یا لیا ہے اب کیا انتظار کر رہے ہو، حضرت عبداللہ بن جبر نے کہا کیا تم بھول گئے حضور نے کیا فرمایا تھا، بولے وا اللہ ہم ساتھیوں کے ساتھ لگیں گے اور غنیمت حاصل کر لیں گے یہ سمجھا کہ حضور کا ارشاد جنگ کے اندر چھاؤں تھا اور اب تو جنگ ختم ہو چکی دشمن بھاگ چکا مال غنیمت جمع کرنے کا وقت آگیا جب یہ لوگ ادھر آئے ان کے منہ اوپر سے ہادیے گئے تو شکست خوردہ بن گئے۔

اس پر سوال یہ ہے کہ یہ بھی اجتہادی خطا تھی حضور نے نہ مزادی نہ گرفت فرمائی تو ایسے ہی یہاں بھی ہوتا تھا۔ جواب یہ فرمایا کہ وہاں بھی حضور کے رجحانِ اخلاقی کا اظہار منقول ہے اور تعزیر کے لئے صورت عین نہیں ہوتی جو امام نے مناسب قرار دیا یہی ان کی تعزیر تھی۔ اور آیتوں میں بھی اس پر گرفت نازل ہونی تھی۔

(حاشیہ صفحہ ۷۵) ۱۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حضور نے ان واقعات میں انتقام یا تعزیر نہیں فرمائی تو بات یہ ہے کہ حکمِ الہی کی بے حرمتی پر انتقام کے لئے یہ تو لازم نہیں کہ ہمیشہ انتقام لیا کریں کبھی نہ فرمایا کریں۔ حدیثوں سے اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اپنی ذات کے لئے انتقام نہیں لیا کرتے تھے اور خدا کی حکم کی بے حرمتی پر لے لیتے تھے یہ تو لازم نہیں آتا کہ خدا کی بے حرمتی کے انتقام کو کبھی بھی ترک نہ فرماتے تھے یہاں ترک فرمایا ہو تو کمالِ اشکال نہیں یہ اشکال رفع ہے۔ یہ حدیث بخاری ۲۵۷۰ و ۲۵۷۱ پر ہے کہ اپنے لئے انتقام نہیں لیتے تھے خدا کی حکم کی بے حرمتی کر لیتے تھے۔

۲۔ بخاری ۲۵۷۱ پر ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضور کچھ تقسیم فرما رہے تھے کہ عبد اللہ ذوالخو لصرہؓ میری آیا اور بولا اے رسول! نہ انسان کیجئے فرمایا تجھے ہلاکت ہو اور کون انصاف کرے گا اگر میں ہی انصاف نہ کروں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا اجازت ہو کہ میں اس کی گردن لادوں فرمایا اس کو چھوڑ داس کے ساتھی ایسے لوگ ہوں گے کہ تم میں کوئی ایک اپنی نماز کو اس کی نماز سے اپنے راہ کو اس کے روزہ کو تویر سمجھا کر گدہ دین کے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر نکالیں گے نکل جائیں تو کوئی نہیں نکلتا۔

حق تعالیٰ حضرت کی قبر نور سے بھر دے کہ اس تعلق مع الشیخ سے خود بھی مستفید اور مال مال ہوئے اور مراسلات علمیہ چھوڑ کر پس ماندگان کو ان لطائف و نکات عجیبہ سے بہرہ مند بنایا جو شروح اور کتب سے حاصل نہیں ہو سکتی تھیں۔

تحریر مذکور میں ایک دقیق بات یہ معلوم ہوئی کہ کسی امتی سے اگر یہ تقاضائے محبت بھی ایسا فعل صادر ہوگا جو شارع علیہ السلام کی طبعی خواہش کے خلاف ہو تو استحقاقِ سزا سے نہ بچے گا کہ اہل بیت کا لد و کرنا ظاہر ہے کہ غایتِ محبت اور زنادیر حضرت کے سایہ عاطفت قائم رہنے کے شوق میں ہوا، مگر محض اس وجہ سے کہ اس میں محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ طبیعت اور روش کی رعایت قائم نہ رہی سببِ عتاب بلکہ موجبِ انتقام ہو گیا، پھر بعد میں آنے والی امت کا کیا پوچھنا کہ کتنا ہی عولے محبت کریں مگر حضرت عائشہؓ و حفصہؓ و میمونہؓ جیسی جاں نثار بیبیوں کی محبت کا لاکھواں حصہ بھی نہیں لاسکتے۔ اور یہی وہ آخری سبق تھا جو معلمِ خلق و راہبرِ عالم کو دنیا سے رخصت ہوتے وقت عملاً پڑھانے کی ضرورت تھی کہ عشاق و محبین کو جادۂ اعتدال کی تعلیم دیں اور بتائیں کہ محبت معتبرہ و ناجیہ صرف وہی ہے جو تعمیلِ حکم کی مجسم تصویر ہو اور جس میں محبوب کے طریقِ عمل اور طرزِ طبیعت سے ذرہ برابر بھی غفلت نہ ہونے پائے۔ یہ بھی اکابر امت کی رعایت کہئے یا شفقتِ محمدیہ کہ منشاءِ فعل یعنی تقاضائے محبت کی رعایت فرما کر انتقام لے لیا کہ دنیوی تکلیف بمقابلہ منزائے آخرت کے بہت آسان اور یہ تبادلہ حق تعالیٰ کا بڑا فضل و انعام ہے ورنہ مخالفتِ امر الرسول کی سزا آخرت میں وہ دیتا جس نے اپنے محبوب کی طبیعت کو اپنی رضا کا سانچہ بنا کر بھیجا ہے کیونکہ کسی کو حق نہ تھا کہ محبوبِ رسولؐ کو چھوڑ کر اپنی محبت کے تقاضائے نفس کو متبوع بنائے۔

طریقت | دوسرا جزو طریقت ہے سو اس کے متعلق تو ہر شخص جانتا ہے کہ طالبِ سالک کا شیخ کے زیرِ حکم اور مصلوب الارادہ ہونا ایسا ضروری ہے جیسا حاجتِ بدنی کے لئے غذا اور چراغ کے لئے تیل ہے بے سجادہ رنگین کن گرت پیر نماں گوید کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلِ ہا

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) سوال یہ تھا کہ حضور نے انتقام نہیں لیا تعزیر میں فرمائی۔ جواب یہ ہوا کہ غصہ ہی تعزیر ہے سزا بقدر گناہ ہی ہوتی ہے۔ سہ سوال یہ تھا کہ حضرت عباسؓ خود اس کے محرک تھے ان کو کیوں لدود سے مستثنیٰ فرمایا گیا اس کا جواب یہ ہے کہ وہ روزہ دار تھے مگر شرح بخاری کا جواب یہ ہے کہ عمل کے وقت وہ موجود تھے اسلئے مستثنیٰ قرار دینے کے گوشورہ کے محرک ہی تھے۔ (حاشیہ صفحہ ۸۷) سہ نجات دینے والی۔ سہ بدلہ کرانا۔ سہ اس کی پیروی کرے۔ سہ ارادہ چھپتا ہوا کہ کوئی ارادہ نہ کرنا۔ سہ اگر مرشد کامل کہے تو شراب سے جاننا زکوٰۃ رنگ دو کیونکہ راہ کو جاننے والا راہ اور نشانِ منزل سے بے خبر نہیں ہوتا۔

(جمیل احمد)

اس بحث میں حضرت امام ربانی کے بارہ مکاتیب تذکرۃ الرشید کے

حصہ سوم مکاتیب رشیدیہ میں درج کر چکا ہوں اور صرف پانچ مکاتیب
میں نقل کرنا ہوں جو حسرت کے نام بھلا پور گئے اور حضرت کے پاس تبرکات اس ذخیرہ میں موجود تھے جو حضرت
نے کمال شفقت مجھ ناچیز کو عطا فرما دیا تھا۔ حضرت کے حالات قلبیہ کا اندازہ کرنے کے علاوہ ان مکاتیب
میں عام سالکین کے لئے بھی خاص نفع ہے اس لئے ان کو بجنہ نقل کرنا مناسب سمجھا اور وہ یہ ہیں۔

(۱) مولوی خلیل احمد صاحب مدظلہ شوقم الی اصلہ۔ بعد سلام مسنون مطالعہ
مقصود وغیر مقصود

فرایند۔ اپنی عافیت پر شکر حق تعالیٰ کا کرتا ہوں۔ تمہاری صحت سے اطمینان
ہوئی۔ سب امور دین و دنیا رضائے حق تعالیٰ پر موقوف ہیں۔ اپنی طرف سے سعی کرتے رہنا کام بندہ کا ہے
اور ثمرات و مواہب عطا فرمانا اختیار مولیٰ تعالیٰ شانہ ہے کسی کے اختیار میں نہیں، ذکر سچہ کرنے میں ساعی رہو
اور نور منبسط جو محسوس ہو اس کو بغور ملاحظہ رکھنا چاہئے یہاں تک کہ جملہ اشار میں ساری معلوم ہونے لگے
رفع کرنا نہیں چاہئے۔ فقط

(۲) غایت فرایم مولوی خلیل احمد صاحب دام مجدہم۔ بعد سلام مسنون مطالعہ فرایند۔ بخت
ہوں۔ آپ کا خط آیا حال معلوم ہوا، آثار ذکر مبارک ہوں اور حق تعالیٰ ترقی عطا فرمائے مقصود ذکر
سے حضور مسمیٰ ہے جس قدر حضور ہو بہتر ہے اور ذکر قلبی وہ ہے کہ بدون لفظ اسم کے ذات مسمیٰ کی طرف
خیال ہو جیسا کہ غیبیہ ولیدیں مثلاً بدون تصور اسم ذات کے ولد کی طرف دھیان ہوتا ہے۔ فرق
اتنا ہے کہ ولیدیں صورت بھی غالب اوقات مد نظر ہوتی ہے اور یہاں چونکہ شکل و صورت سے برات ہے
لہذا نفس مسمیٰ کا خیال ہے۔ اس خیال میں اگر کوئی وضع و شکل مد نظر قلب ہو لا حول سے دفع کرنا چاہئے
کہ ذات حق تعالیٰ نفس وجود ہے نہ قیود زائد ہے

دور بینان بارگاہ الست غیر ازیں پے نبرہ اند کہ ہست

سوائے اس کے جو کچھ ہے سب مخلوقات و حادثات ہے اور غیر ہے نہ عین، بہر حال جو کچھ ہے وہ
غایت محض ہے اس کا شکر ضروری ہے۔ فقط۔ مولوی عبدالرحمن جیسے رفیق ہمدم کا فوت ہونا البتہ موجب
حسرت ہے مگر کیا کیجئے اپنے اختیار میں کچھ نہیں حق تعالیٰ ہم کو بھی با ایمان لے جاوے۔ آمین۔

۱۔ دراز کیا جائے نہ ادا شوق شوق کی آہ تک۔ ۲۔ عطا یا۔ ۳۔ پھیلے والا۔ ۴۔ جاری و سرائت کرنے والا۔ ۵۔ ذات کہ
جس کا وہ نام ہے جو ذکر میں لیا جاتا ہے۔ ۶۔ بیٹے کے سامنے نہ ہونے میں۔ ۷۔ بلا ذات کے نام کی صورت کے وہ ذہن میں ہوتا ہے
۸۔ عبدالست کے دور تک نظر رکھنے والے بھی اس کے سوا کوئی خیال نہیں لے جائے کہ بس وہ ہیں۔ (جیل احمد)

شاہ عبدالغنی اور میاں امین الدین کا انتقال
عبداللہ مستان کا بھی انتقال ہوا، اور سب سے

زیادہ یہ ہے کہ ۵ محرم کو جناب شاہ عبدالغنی صاحب
رحمۃ اللہ علیہ بھی اس عالم سے رحلت فرما ہو گئے۔ ایک فرزند ہفت ماہر چھوڑا حق تعالیٰ ان کو بھی
جوار رحمت میں قرب دیوے۔ اور میاں امین الدین صاحب ماموں مولوی محمد قاسم صاحب کے بھی جو
سرہند میں تھے فوت ہوئے۔

کیا عجب ہے کہ وہ دھان اندھی جو میاں ظہور احمد نے خواب میں دیکھا نمونہ اس ہی حشر کا ہو یا
یا اور اوقات ہیں کہ عالم میں قیامت خیز فتن سے پیدا ہوتے ہیں، اس سے نجات بجز ایمان کی شریعت مصطفویہ
علیہ الصلوٰۃ والسلام سے النجا اور تمسک کیا جاوے اور کچھ نہیں۔ یہ ہی تغیر خواب ہے۔ دلائل کا پڑھنا
بہتر ہے التزام کر لو۔ فقط۔

(۳) مولوی فیل احمد صاحب السلام علیکم۔ آپ کا خط آیا حضور مسمیٰ اور اس کے شکر کے بحر سے
بہت بہت فرحت ہوئی الحمد للہ علی ذلک۔ آدمی اگر ہرگز مہر راہ ہزار زبان ہو جاوے اور بدت
دنیا ایک ادنیٰ نعمت کا شکر ادا کرنا چاہے نہیں ہو سکتا بلکہ ہر قصید شکر بھی ایک نعمت عظمیٰ ہے دو بالا
مرہون منن کبریٰ ہو جاتا ہے۔ وہ کون ہے کہ توفیق حضور کا شکر تلقین کر سکے ہاں بحر عن ادا شکر کو اگر بجائے
شکر قبول فرمایوں تو بندہ نوازی سے کیا بعید ہے کہ ایسے نالایق بے بس کو ایسے منعم صمد سے معاملہ ہوا۔
بحرائیں کہ ہمہ تن فنا اپنے کردار سے ہو کر پانی ہو جاوے اور شرم اپنے قصور اور اس کے نعماء سے خاک
بن جاوے اور کیا کر سکتا ہے۔ بارے شکر ہے کہ آپ کو یہ مقام عطا ہوا، اس کا نام یادداشت باصطلاح
حضرات نقشبندیہ ہے۔ اب اس یادداشت کے ساتھ جہاں مالک حقیقی کی ہونی ضرور ہے کہ جیسا ہم اپنے
کسی بڑے مری منعم ذی جاہ کے سامنے کوئی سبک حرکتی خلافِ رضا نہیں کر سکتے ایسا ہی معاملہ خلوت
میں اپنے اُس صاحبِ نظر مولیٰ سے ہونا چاہیے تاکہ حضور مسمیٰ کا مصداق پورا ہو جاوے کہ اپنی ہر ہر
حرکت کو پیش نظر اُس مالک تعالیٰ شانہ، جان کر بمیزان شرع کہ قانونِ رضا ہے ناپ تول کر دیکھنا
رہے، اب یہ مراقبہ دائمی کرنا چاہیے۔

لے دھواں۔ سہ بال کی جڑ۔ سہ دو گنا بڑے احسانات کے تحت رہن ہوتا ہے ایک خود نعمت ایک قصید شکر کی توفیق
سہ ادائے شکر سے عاجز ہونے کو۔ سہ انعامات کرنے والے بے نیاز۔ سہ اپنے فعل سے بالکل بے خیال ہو کر احسان کی
خجالت سے پانی پانی ہو جائے سہ انعام عظیم اور اپنی کوتاہی سے۔ سہ شریعت کی ترازو سے کیونکہ وہی رضاء حق کا
قانون ہے۔ (جمیل احمد)

احسان کی حقیقت | الغرض ہر کام کو بحضور ذات تصور کرنا اور اس کا مرضی وغیر مرضی دریافت کر کے ترک و عمل کرنا چاہئے اور اس کا ہی نام احسان ہے و فقہا اللہ۔ اور

اس عاجز کو بھی بدعا بخیر یاد لانا کہ مجھ کو بھی یہ امر نصیب ہو۔ یہاں سے عمر خرابی میں گزری اور اصل مقصود میسر نہ آیا، ہاں احباب کا حسن ظن اگر کارگر ہو جائے تو ان کا عند ظن عبدی بی کا البتہ امیدوار ہوں درباب نکاح کیا مشورہ دوں۔ اپنے دل کی غم تو یہ ہے کہ تجرد کی برابر کسی شے میں راحت نہیں مگر حوائج ضروریہ میں نکاح بھی ہے۔ ایک حاجت کے واسطے صد ہا خدشات اٹھانے پڑتے ہیں اگر اس حاجت کا تقاضا نہ ہو تو تجرد سے بہتر نابل کو نہیں جانتا ہوں مگر ہاں اگر اہل نیت تکثیر امت کا خیال کر کے کہ تو دوسری بات ہے لہذا اس امر میں صاف قطعی بات کچھ نہیں لکھ سکتا ہوں تم اپنے حال سے مجھ سے زیادہ واقف ہو۔ قیام گنگوہ کے باب میں جو آپ کی خوشی مجھ کو کیا عذر ہے زیادہ کیا کہوں، اس میں مجھ کو کوئی حرج نہیں آپ کے زعم میں اگر آپ کا فائدہ ہے تو بہتر ہے جواب والدین میں بھی اگر مناسب ہو تو رمضان توقف لکھ دو اور اپنے حال کو خوب غور سے دریافت کر لو۔ فقط

تصوف کی بنیاد | (۴) حامداً و مصلیاً۔ از بندہ رشید احمد عفی عنہ۔ برادر مملووی خلیل احمد صاحب دیر شد کہ فرصت نہ داشتم معاف فرمایند۔ درباب شغل نگارش فرمودہ اند۔ مگر با اصل ذکر یادداشت

سہ عبادت کو عمدہ کرنا۔ سہ ہم سب کو اللہ تعالیٰ توفیق دیں۔ سہ میں اپنے بندہ کے گمان کے پاس ہوں جو میرے ساتھ رکھے حدیث قدسی۔ سہ دوسرے نکاح کے بارہ میں۔ سہ خالی رہنا بلا نکاح کے سہ اہل یعنی بیوی والا ہونا کہ سنت ادا ہونے کی اور ضرورت نہیں۔ سہ بیوی۔

سہ مطالعہ فرمائیں کہ خط بلند قدر پہنچا اس کے جواب میں دیر ہو گئی کیونکہ فرصت نہ پائی معاف کریں شغل کے بارے میں تحریر فرمایا ہے تو میرے کرم اصل ذکر تو یادداشت کہتے ہیں کہ بدون حرف و آواز کے کسی چیز کی یاد دل کے لئے لازمی چیز بن جائے، جیسے دوست دوست کو دور ہونے کی حالت میں یاد رکھتا ہے۔ اور ابتدائے تخلیق میں حق تعالیٰ شانہ کے تواصل محبوب ہیں اسی ذکر کو انسان کے دل میں رکھ دیا ہے۔ مگر انسان اس جہان میں زید و عمر میں شغول ہو گیا اور اس محبوب کو بھول گیا۔ مشائخ نے اسی ذکر کے اعادہ کے لئے چند تدبیریں تجویز کی ہیں لہذا یہ جواب دل میں ذکر زبانی کی تلقین یا الطائف سے کسی ذکر کی حرکت پیدا کرتے ہیں اس سے مقصود ہی یادداشت ہے مگر یہ اس کا ذریعہ بن جائے،

اس کے بعد میں اصل بات لکھتا ہوں کہ آں عزیز کو اول میں نے تین ذکر بتائے تھے ایک اسم ذات کا پاس انفاں (کہ سانس لینے میں ذرا سی حرکت پیدا کرے لفظ آلفہ اور واپس کرنے میں ہا پیدا کریں) دوسرا اسم ذات کا ذکر کے وقت دل کو حرکت میں لانا۔ تیسرا ایک حزب والا اسم ذات زبان سے اس تصور کے ساتھ کہ اسم ذات کے ساتھ ایک نور مجھ سے نکل کر تمام بدن کا احاطہ میں لیتا ہے تو اب ذکر پاس انفاں میں اتنا تصور زیادہ کر لیں کہ اسم ذات کے ساتھ سانس کے اندر جانے کے وقت ہو الباطن (باطن میں ہے) تصور فرمائیں اور سانس باہر نکلنے کے وقت ہو الباطن (باطن میں ہے) لائیں (زبانی پڑھاؤ)

گویند کہ بدون حرف و صوت یا د چیزے ملازم قلب گردد چنانچہ دوست دوست را در حال غیبتہ
یاد می آرد، و در اصل فطرۃ ہمیں ذکر مالک حقیقی تعالیٰ شانہ کہ اصل محبوب است بدل آدمی نہادہ اند۔
مگر بشر دین عالم برید و عمر و مشغول شد و آن محبوب را فراموش ساخت۔ مشائخ برائے اعادہ آن ذکر
سیلہا انگبختہ اند پس انچہ اولاً ذکر زبانی تلقین می فرمایند یا بطائف حرکت ذکرے پیدای نمایند مقصود
از آن ہموں یادداشت است کہ این وسیلہ آں گردد۔

بعد ازین اصل مطلب می نویسیم که آن عزیز را سه ذکر اول گفته بودیم یکے پاس انفاس اسم ذات،
دویم تحریک قلب بذکر اسم ذات، سیوم یکضربی اسم ذات زبانی بملاحظه اینکه نورے با اسم ذات از
دهن برآوردہ محیط بدن می شود۔ پس در ذکر پاس انفاس این قدر ملاحظه افرایند کہ بوقت دخول نفس
باسم ذات هو الباطن تصور فرایند و بوقت خروج نفس با هو الظاهر ملاحظه آزند۔ گویا این نصوص
بازکر پیدا آید کہ ذات پاک موجود حقیقی تعالیٰ شانہ در ظاہر و باطن ذا کر موجود بالذات است، اگر چه

دقیقہ از صفحہ گزشتہ) گویا ذکر کے ساتھ ساتھ یہ تصور پیدا ہو کہ موجود حقیقی تعالیٰ شانہ کی ذات پاک ذکر کرنے والے کے باطن میں خود موجود ہے۔ اگرچہ یہ تصور اول اول خلوت میں قائم ہوگا مگر بار بار کہنے سے انشاء اللہ تعالیٰ بے تکلف جاری ہو جائے گا۔ اور ذکر کے ہر وقت اتنا زیادہ کر لیں کہ بجائے اس تصور کے کہ بجائے نور کے احاطہ کرنے کے خود ذات پاک صاحب ذکر کی ذکر کرنے والے کا احاطہ کئے ہوئے ہے صاحب ذکر خود موجود ہیں۔

اور لطائف کا ذکر اگر نرک فرمایا ہے تو کچھ حاجت بھی نہیں اور اگر اس کا خیال باقی ہو تو اس تصور کے قائم ہوجانے کے بعد دیکھ لیا جائے گا اب تو اس کے وقت میں فوراً اس قدر خیال فرمایا کریں کہ صاحب ذکر تعالیٰ کی ذات دل میں موجود ہے قطعاً۔ خوب سمجھ کر غور فرما کر مشغول ہوں اور سب کو صاحب ذکر کی حقیقی ذات پر بھروسہ کر کے اور انہی کی ذات پاک کی پناہ لے کر عاجزی و نیاز مندی سے بجا لائیں اور ذکر کی توفیق کو اگر چہ ایک لمحہ کی ہی پائیں محض ذات صاحب ذکر تعالیٰ خانہ کی غایت و فضل جائیں۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے اوپر احسان قرار دے کر بہت بہت شکر ادا فرمائیں۔ کیونکہ ذکر توان کی ولایت کا پروانہ ہے جس کو اپنے ذکر کی توفیق عطا فرماتے ہیں اپنی ولایت کا پروانہ اس کے سپرد فرماتے ہیں۔ ذکر کرنے والے کو توفیق تعالیٰ کا محض اس قدر رطف جو فا ذکر کی اذکر کہہ دو تم سمجھ کو یاد کرو میں تم کو یاد کروں گا ہے انعام فرمایا ہے اپنے فخر کے لئے بہت سی زیادہ ہے کہ پیگوشت کا ناپاک لوتھر اس پاک بارگاہ کی یاد کی ہوئی چیز بن گیا۔ ذکر کرنے والا در کیا ہوتا ہے اور کون فرما اس سے بڑھ کر ہو سکتا ہے ہاں ذکر نذنی ملا (حدیث) کہ جب بندہ میرا ذکر جمع میں کرتا ہے تو میں اس کا جمع میں ذکر کرتا ہوں) میں اور ذکر نذنی نفسی (جب بندہ دل میں دے مجھے یاد کرتا ہے میں دل میں یاد کرتا ہوں) میں بہت ہی بڑا فرق ہے کہ جہاں تک ممکن ہو دل کی یاد کی ترقی میں دگر لگائے اور اس ترقی میں اسی لئے عورتی سے مدد طلب کرے کہ فرمایا ہے فخر والی اللہ (اللہ کی طرف دوڑ لگاؤ) اور حضور نے فرمایا لا ملجأ من اللہ الا اللہ (اور اللہ تعالیٰ ہے پناہ دینے کی کوئی جگہ نہیں سوائے انہی کی ذات کے) اس سے زیادہ کھنے کی طاقت نہیں رکھتا اور اس قدر کو بھی اپنے تنگ و صلے سے بعد شمار کرتا ہوں کہ یہ سب قلم سے رکھتا ہوں۔ نہ کہ دل سے اللہ تعالیٰ سمجھ کو اور تم کو یہ اپنے فضل عطا فرمائیں۔ اور ان چند فقرہ کو قصوب و حقیقت کی بنا پر تصور فرمائیں۔

اِس تصور اول بخلوت قائم گشت مگر بعد مزاولت بے تکلف جاری خواہد شد انشاء اللہ تعالیٰ۔ و بوقت ذکر یہاں قدر افزائید کہ بجائے نور محیط خود ذات پاک مذکور محیط ذاکر است و مذکور موجود است۔

و ذکر لطائف اگر ترک فرمودہ اند حاجت ندارد و اگر خیال آں باقی است بعد قیام اِس تصور دیدخواہد شد۔ اکنون فقط بوقت آں اگر اِس قدر خیال فرمایند کہ مذکور مسمی بدل موجود است فقط۔ خوب فہمید و غور فرمودہ مشغول شوند و ہمہ را بر مذکور حقیقی اعتماد فرمودہ و التجاہات پاک او آورده بجز و نیاز بجای آرند و توفیق ذکر اگر چہ یک لحظہ یا بند محض عنایت و فضل مذکور تعالیٰ شانه پنداشتند منت آں تعالیٰ بر خود نہادہ شکر فرمایند کہ ذکر نشور ولایت است۔ ہر کرا توفیق ذکر خود می دہند نامہ ولایت خود بدومی سپارند ذاکر را محض اِس قدر لطیف حق تعالیٰ کہ فا ذکر و فی اذ کہ کہ افادہ فرمود بفرخ خویش بس است کہ اِس مضعہ ناپاک مذکور آں پاک جناب گردید دیگر چہ می خواہد و کدائے ثمرہ از اِس فایق باشد۔ آری در ذکر تہ فی ملء و ذکر تہ فی نفسی فرقتی است بس بعید کہ تا امکان در ترقی ذکر تہ فی نفسی پوید۔ و در اِس ترقی استغاثہ از ہمون مولائے خویش جوید کہ فقر والی اللہ و لا ملجأ من اللہ الا الی اللہ فرمودہ اند زیادہ از تاب تحریر بنام و اِس قدر را ہم از حوصلہ تنگ خود بعید می شمارم کہ اِس جملہ از قلم دارم نہ بدل رزقنی اللہ تعالیٰ و یا کہ بمنہ و اِس چند فقرہ را اُس تصوف و طریقہ تصور فرایند۔ والسلام۔

تفرقہ و خطرہ کافرق (۵) مولوی خلیل احمد صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کا خط آیا حال معلوم ہوا۔ یہاں سب طرح خیریت و شکر ہے۔ تفرقہ یہ ہے کہ آدمی جس کام میں مشغول

ہوئے کوئی شے اگر اُس شغل سے غافل کر دیوے دوسری شے میں مشغول بنا دیوے، جیسا ابتدا میں ایسا ہوتا ہے کہ جب ذکر شروع ہوتا ہے گاہ حضور ذکر ہے گاہ حضور خلاف ذکر۔ اور خطرہ یہ کہ دوسری شے کا خیال اگر آوے تو اصل شغل کی طرف سے غفلت نہ ہوئے، جیسا مثلاً آدمی اپنے وجود کو جانتا ہے اور باوجود اس علم کے علوم و خطرات دیگر انشاء کہ بھی دل میں اور نظر میں آتے ہیں مگر اصل علم خود زائل نہیں ہوتا۔

اس سے صاف روشن ہو جاتا ہے کہ نفس کو آں واحد میں التفات اشیاء متعددہ کی طرف ہو سکتا ہے تو غرض حضور کے ساتھ خطرہ ہو سکتا ہے۔ مثال اس کی یہ ہے کہ آپ رواں پر خس و خاشاک بھی ہوتے ہیں مگر روانگی آب کو مانع نہیں۔ اور تفرقہ حضور کے ساتھ نہیں ہو سکتا کہ حضور میں جب تفرقہ آیا حضور بند ہو کر غیبوتہ ہو گئی گویا کہ آب رواں کو کسی عاجز نے روک دیا۔

لہ ذکر و شغل کے تفرقہ یعنی غفل اور خطرہ یعنی وسوسہ کی تعریف فرق اور اثرات۔ سہ دل میں ذکر ہی ذکر کا قائم ہونا۔ سہ ایک جزو وقت میں کئی چیزوں کی طرف توجہ۔ سہ روکنے والی چیز۔ (جبل احمد)

یہ سب بندہ عاجز کی باتیں زبانی جمع خرچ ہے، مضامین علمی ہیں، عمل کے پہرہ ہوں، حق تعالیٰ نے آپ کو اپنے فضل و کرم سے یہ حضور عطا فرمایا ہے، ہلم یتنبی سے اس کا منتظر ہوں کہ الدال علی الخیر کے اعلیٰ فرمایا ہے۔ باشد کہ اہل خیر کی برکات سے کچھ حصہ مل جاوے ورنہ آئم کہ دائم۔ تمہارے ایسے حسن سے اندیشہ ندامت عقی بھی ہوتا ہے اور اتنا عند ظن عبدی بی سے توقع بھی بندھ جاتی ہے فقط۔

تجدید بیعت کا شوق | ایک مرتبہ آپ کو بخار شدید ہوا اور اس تکلیف میں حضور کے اندر ترقی کے ساتھ صوتِ انخدر محسوس ہوئی جس کو آپ نے گنگوہہ تحریر کیا اور جواب نہ آیا تو ادب کے ساتھ یاد دہانی کی اور اسی کے ساتھ دوبارہ توبہ و تجدید بیعت کا شوق ظاہر کیا۔ پھر جواب نہ آیا تو پریشانی و حزن ظاہر فرمایا اور آخر حضرت امام ربانی کا یہ جواب آیا۔

اطلاقِ حضور کا مفہوم | مولوی خلیل احمد صاحب۔ السلام علیکم۔ تین خط آپ کے پیچھے۔ اول خط جو بخار کا حال لکھا تھا اور اس میں ترقی حضور اور حصول صورتِ انخدر کا ذکر تھا۔ ترقی حضور البتہ موجب سرور ہے اور صوتِ انخدر کوئی ضروری بات نہیں۔ اگر حضور کو مفید ہووے تو مضائقہ نہیں ورنہ حاجت نہیں۔ آج تک نہ مجھ کو نجات بخار سے ہوئی نہ مسعود محمود اور ان کی والدہ کو مگر ہاں اس قدر شدت نہیں اور سب کا حال ایسا ہی ہے کہ بخار سے بالکل فراغت نہیں ہوئی۔ اطلاقِ حضور کے یہ معنی ہیں کہ نفس حضور خالی از لحاظ معیت یا احاطہ یا اور کسی صفت سے ہووے کہ اس کے ساتھ کوئی ملاحظہ نہ رہے۔ مگر اطلاقِ حضور کی حاجت نہیں بلکہ لحاظ صمدیت اس کے ساتھ کہا تھا کہ کرنا تلمو جب مزید محبت یا رگاہ پاک ہووے۔ آپ تجدید بیعت کو لکھتے ہیں۔ بیعت کے لفظ سے نادم ہوتا ہوں۔ میں قابلِ بیعت نہیں آپ کو خود سے بہتر جانتا ہوں۔ ہر صورت میں بیعتِ حسن عقیدت مرید ہوتی ہے المرء مع من احب مگر خیر آپ کے خیال کا چارہ نہیں آپ کی درخواست بعد ندامت قبول کرنا ہوں۔

لے غیب سے دل میں ڈالنے والی ذات حق تعالیٰ سے۔ لے نیکی کا رستہ بتانے والا بھی کرنے والے کی طرح ہے برابر ثواب ملتا ہے۔ لے ہو سکتا ہے۔ لے میں وہ ہوں کہ خود جانتا ہوں۔ لے آخرت کی خوشمندی کا اندیشہ کہ آپ ایسا سمجھیں اور وہاں کچھ نہ بگھڑے۔ لے حدیث قدسی۔ میں اپنے بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں جو مجھ سے رکھے کہ آپ ان کے بندہ ہیں ممکن ہے آپ کے گمان کے موافق بنادیں۔ لے سلطانِ الازکار کی ایک قسم ہے عام لوگوں کے کام کی بات نہیں۔ لے حضور کا یعنی حق تعالیٰ کے تصور کا مطلق ہونا جس کے ساتھ کسی خاص کیفیت کا لحاظ نہ ہو۔ لے مطلق ہونا حاصل ہونے کو خط میں حضرت امام ربانی سے دریافت کیا ہوگا۔ لے یہ نازی کسب ان کے محتاج ہیں وہ کسی کے محتاج نہیں۔ لے اصل بیعت مرید کی عقیدت کا حسن خوبی ہوتا ہے وہ آپ کو حاصل ہے۔ لے انسان اس کے ساتھ ہے جس سے محبت کرے یعنی قیامت ہو۔ لے خط سے بھی بیعت درست ہو کہ معاہدہ و محبت کا یہ بھی ذریعہ (جمل احمد)

شجرہ

بندہ نے وہ شجرہ بھی دیکھا ہے جو امام ربانی نے بعد از بیعت حضرت کو مرحمت فرمایا کہ بسم اللہ کے بعد سبحانک اللہم وبحمدک اسئلک باسمک اللہ الاعظم و بجاہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ علی ہذا تمام اسماء اولیاء خاندانِ چشتیہ مبارکیہ کے آخر حضرت نے قلمی تحریر فرمایا و بجاہ سیدنا و مرشدنا و ہادینا الحافظ الحاج امیر الدار الشرفیؒ۔ ارحمہم العبد الضعیف رشید احمد چشتی گنگوہی و اخو العزیز مولوی فلیل احمد انہٹوی۔ پھر دعائیہ رباعی کے بعد یہ مطبوعہ عبارت ہے:

وَارْزُقْهَا مَحَبَّتَكَ وَمَعْرِفَتَكَ وَحِظًا وَافْرًا مِنْ بَرَكَاتِكَ وَكَمَالِ أَهْمُكَ وَزِدْهَا ذَوْقًا وَشَوْقًا إِلَى لِقَائِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ وَصَلَّى اللہُ تَعَالَى عَلَی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ عَلَی آلِهِ وَ أَصْحَابِهِ وَ بَارَكَ وَ سَلَّمَ۔

شاہ زکرم بر من درویش نگر
بر حال من خستہ و دل ریش نگر
ہر چند نیم لایق بختایش تو
بر من منگر بر کرم خویش نگر

یہ ان شجرات میں سے تھا جو اعلیٰ حضرت نے مکہ مکرمہ سے گنگوہہ بھیجے تھے کہ امام ربانی اپنے توسلین کو نام لکھ کر عطا فرمائیں۔ چنانچہ حضرت قدس سرہ نے اس کو تبرکاً اپنے پاس رکھ چھوڑا اور جب چوتھے حج کو تشریف لیجانے لگے تو مکاتیب متبرکہ کے ساتھ بندہ کو عطا فرمایا تھا کہ حفاظت سے رکھوں۔ مگر بندہ نے اپنے کو حق حفاظت سے عاجز پا کر واپسی کے بعد حضرت کے حوالہ کر دیئے تھے اور اب حضرت کے نواسہ داماد مولوی مسعود علی خاں کے پاس محفوظ ہیں۔

بچپن کی بیعت

حضرت کے والد ماجد شاہ مجید علی صاحب حضرت مولانا مظفر حسین کا ندھلوی سے بیعت تھے اور ایک مرتبہ طفولیت میں حضرت کو بھی اپنے والد کے ساتھ کا ندھلہ جا کر

لے پاک ہیں آپ اے اللہ اور پاک بیان کرتا ہوں میں آپ کی حمد کے ساتھ میں آپ سے آپ کے امّ اعظم لفظ اللہ کے واسطے سے اور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت واسطے سے سوال کرتا ہوں۔ اسی طرح تمام بزرگوں کے نام۔ ساتھ بندہ ضعیف رشید احمد چشتی گنگوہی پلاور میرے عزیز بھائی مولوی فلیل احمد انہٹوی پر رحم فرمائے۔ ساتھ اور ان دونوں کی بھائی محبت و معرفت اور ان سب بزرگوں کی کرامات و کمالات کا حصہ عطا فرمائے اور دونوں کو اپنی ملاقات کا ذوق و حقوق عطا فرمائے۔ ساتھ اے بادشاہ اپنے کرم سے مجھ دیوبند پر نظر فرمائیے مجھ خستہ و زخمی دل کے حال پر بھی نظر فرمائیے۔ ساتھ بیشک میں آپ کی بخشش کے لائق نہیں ہوں مگر مجھ کو نہ دیکھئے اپنے کرم پر نظر فرمائیے

تھے حضرت حاجی اندا اللہ صاحب۔ تھے حال مقیم ڈیرہ غازی خان۔ (جمل احمد)

عہ مولوی مسعود علی خاں کا دوسرا نام سلطان مسود ہے۔ حضرت کی زوجہ محترمہ منیر النساء کے حقیقی بھائی ہیں راجپور تحصیل دیوبند ان کا وطن ہے۔ مولوی مسود، مولوی نذیر اور احقر ابتدائی تعلیم کے زمانہ میں حضرت کے یہاں رہتے اور کھاتے پییتے تھے۔ دوپہر کو سرسہ قدیم کی شمالی جانب گیند ملا کھیل کرتے تھے حضرت اکثر دارالطلبہ سے آتے ہوئے ہمیں کھیلنا دیکھتے اور مکرانے ہوئے گنڈ جاتے مولوی مسعود کی شادی حضرت کی نواسی علیہ سے ہوئی اور مولوی نذیر کی شادی حضرت مولانا صدیق احمد صاحب کی صاحبزادی منیبہ سے ہوئی بچہ اللہ یہ سب بقید حیات ہیں۔ (اخلاق احمد)

حضرت مولانا کی زیارت اور محض برکت کے لئے بیعت کرنے کا اتفاق ہوا کہ اس وقت آپ بیعت کی حقیقت پر مقصود کو بھی نہ سمجھتے تھے۔ مگر اس برائے نام بیعت کی عظمت بھی آپ کے قلب میں اس قدر تھی کہ جب بھی آپ کا ندھلہ تشریف لے گئے تو حضرت مولانا کی صاحبزادی بی امّہ الرحمن کی خدمت میں ان کے مکان پر ضرور حاضر ہوئے اور دیر تک مستندانہ و معتقدانہ طریق پر بیٹھے۔

بی امّہ الرحمن جن کو امّی کے لقب سے پکارا جاتا تھا مولانا محمد یحییٰ صاحب و مولانا محمد الیاس صاحب کی حقیقی نانی ہوتی تھیں جن کا چند سال ہوئے حال ہی میں وصال ہوا ہے۔ مرحومہ نے شیدائے سنت باپ کی مجسم یادگار اور اپنے خدا کی اتنی عبادت گزار تھیں کہ ضروریات بشریہ کے وہ ہمہ وقت نوافل واذکار اور تلاوت قرآن و تبیغ و تہلیل میں گذرتا تھا۔ ان کے معمولات و وظائف معلوم کرنے کا تو اتفاق نہیں ہوا صرف اتنا ہی معلوم ہوا کہ ہر وقت اپنے مصلے پر بیٹھی ذکر و تلاوت میں مشغول رہتی تھیں کہ کسی سے بات کرنا بھی ان کو گراں گزرتا تھا۔ کھانا جب طیار ہو جاتا تھا تو ماکھانا برتن میں لا کر ان کے پاس رکھ جاتی تھی کہ جب فرصت پائیں کھالیں اور جب برتن خالی دیکھے تو اٹھا کر لے جاتے۔

شیخ الحدیث سہارنپوری دادی صاحب | مگر ہاں مولانا محمد یحییٰ صاحب نے ان کی بیٹی یعنی اپنی والدہ کے معمولات ایک مرتبہ بیان فرمائے جن کو سن کر میں تو حیران رہ گیا کہ عورت تو عورت ہی ہے اگر باہمت مرد بھی سال دو سال اس کا بناہ کر لے تو بڑی مردانگی ہے۔ پھر صاحب اولاد عورت اور امور خانگی کی سرپرست منتظمہ کا آخر عمر تک اس پر مواصلت کرنا تو استغناء وہ بڑا نمونہ ہے جس سے نہ دیکھنے والوں کو ان کے نانا مظفر حسین صاحب کی استقامت و عبادت و زہد و قناعت اور خوف و خشہ کا پتہ چلتا ہے۔ اور وہ معمولات روزمرہ کے یہ ہیں۔ درود شریف پانچ ہزار،

حضرت شیخ الحدیث صاحب سے جو نواسے کے بیٹے ہیں دریافت کیا تو لکھا کہ معمولات کی تفصیل تو معلوم نہیں البتہ اتنی حد تک دیکھی تھی اور بڑوں سے سنی تھی کہ ان کی نماز اتنی طویل ہوتی تھی کہ ابتدائے وقت سے انتہا تک پوری ہوتی تھی۔ اذان کے منقول الحضور پھر نماز کی نماز پھر ظہر کی سنتیں پھر فرض پھر بعد کی نماز اتنی طویل ہوتی تھی کہ عجم کا وقت قریب ہو جاتا تھا جو اس طرح اصغار (سورج زریں کے قریب) تک پہنچ جاتی تھی اور مغرب عثمانک اور عثمان نصف میل تک اور عجم کا سلسلہ قبیل (کچھ قبل طلوع صبح صادق تک۔ چچا جان (حضرت مولانا محمد الیاس صاحب) کا یہ قول مشہور ہے کہ حضرت گنگوہی کی نماز کی جھلک امی بی بی کی نماز میں آتی تھی۔ میر جس کو ٹھہری میں ان کا قیام تھا ان کے انتقال کے بعد عرصہ تک اس میں سے خوشبو آتی رہی۔

احقر جیل احمد تھا نووی کو بھی قربت کے سلسلہ سے ایک بار ان کی خدمت میں حاضری میسر ہوئی ہے۔ دعا کے لفظ دل کی برائی سے معلوم ہوئے۔ ان کی صحبت کی برکت سے ہماری اس نواح کی عزیز مستورات میں دین کا بڑا چچا، تہجد، صلوة التبیغ، وقت باہم میں تسبیح رہنا اور صواک کا معمول وہیں نظر آیا تھا۔

(جیل احمد)

سرمخات (عظم و فوگہ کیلئے اہلے جو دیکھا ایک دو جوان اپنے سر پر
 ڈوکر لٹھیاں جا رہا ہے اور بارش ہو رہی ہے ۹۶ اور غلامت کے قتلے اہلے جس پر
 ہنس رہے ہیں۔ خندہ (۱۵۱)

اسم ذات اللہ پانچ ہزار۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم انیس سو، یا مَعْنٰی گیارہ سو۔ لا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ
 گیارہ سو۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ گیارہ سو۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ بارہ سو۔ یا حَسْبِيَ اللّٰهُ اَتَقُوْمُ دُوَسُو۔ حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ
 پانچ سو۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ دُوَسُو۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ دُوَسُو۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دُوَسُو۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ دُوَسُو۔ اسْتَفْغَرُ بِاَرْبَعِ سُو۔
 اَفْوَضُ اَمْرِيْ اِلَى اللّٰهِ سُو۔ حَسْبَنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ سُو۔ رَبِّ اِنِّيْ مَعْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ سُو۔ رَبِّ
 اِنِّيْ مَسِيْنٌ الصِّرَاطُ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ سُو۔ اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ
 سو مرتبہ۔ اس کے علاوہ قرآن مجید کی ایک منزل روزانہ تلاوت کا معمول تھا کہ حافظہ قرآن تھیں اور مانع
 نسوانی حایل نہ ہوتا تو ہر ہفتہ پورا قرآن مجید ختم کر لیتی تھیں فرحی اللہ رحمۃ وسعۃ

مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی کے ساتھ حضرت کو محبت کا جو
 بے نظیر تعلق تھا وہ دیکھنے والوں پر مخفی نہیں کہ وطن چھوڑ کر حضرت

امام ربانی کی خدمت میں محبوب اور پیشکار بارگاہ بن کر بارہ سال رہے اور وصال کے بعد حضرت سے
 تجدید بیعت فرمائی کہ مجاز طہارت بنے اور ان کی وجہ سے ان کے بھائی مولوی محمد الیاس صاحب اور صاحبزادہ
 مولانا محمد زکریا صاحب بھی حضرت کے ایسے لاڈلے رہے کہ صلیبی اولاد کی ان کے مقابلے پر کوئی حقیقت نہ تھی
 نیز کاندھلہ کے مولانا محمد جلیل صاحب و حافظ ریاض الاسلام وغیرہ کو حضرت کے ساتھ مریدانہ و محبانہ
 خاص تعلق تھا اس لئے حضرت کو کاندھلہ تشریف لانے کا اکثر اتفاق ہوتا تھا۔ مگر کتنا ہی وقت کم کہوں
 نہ ہو میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ بی اُمّی کے پاس حاضر ہوئے بغیر کاندھلہ سے چلے گئے ہوں۔ آپ بڑے
 اہتمام سے جلتے اور پردہ ڈلا کر دیر تک مکان میں بیٹھتے اور فرمایا کرتے تھے کہ آج مولوی زکریا اور مولوی الیاس
 کہیں کہ ہماری وجہ سے کاندھلہ کے ساتھ تعلقات ہیں، میرا تعلق تو اس گھرانے کے ساتھ بچپن سے ہے
 کہ مجھے روکین میں اپنے والد مرحوم کے ساتھ حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کی زیارت اور بیعت ہوتی ہے۔

بی اُمّی کی عمر طویل ہوئی اور انھوں نے نو اسیوں کی اولاد کو بھی دیکھا۔ اخیر عمر میں بصارت اور چلنے
 پھرنے سے معذور ہو گئی تھیں اور مرض الموت میں تین سال کامل صاحب فراش رہیں مگر بے قلبی و لسانی
 ذکر اللہ میں فرق آیا اور نہ صبر و رضا برقصا میں کمی لاحق ہوئی جس مریض کو تین سال مرض اسہال میں اس
 طرح گذریں کہ کروٹ بدلنا بھی دشوار ہو اُس کے متعلق یہ خیال بے موقع نہ تھا کہ بستر کی بدبودھ بوی کے
 یہاں بھی نہ جائے گی۔ مگر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ غسل کے لئے چار پائی سے اُتارنے پر پوڑے نکالے گئے
 جو نیچے رکھ دیئے جاتے تھے تو ان میں بدبو کی جگہ خوشبو اور ایسی نرالی جہک بھوٹی تھی کہ ایک دوسرے کو

لے دو دنوں غیلہ بنے۔ یہ حق تعالیٰ کے ہر فیصلہ پر راضی رہنا چاہیے اس میں راحت معلوم ہو یا تکلیف۔ (جمیل احمد)

۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰

سنگھاتا اور ہر مرد و عورت تعجب کرتا تھا چنانچہ بغیر دھلوائے اُن کو تبرک بنا کر رکھ لیا گیا۔

ہر چند کہ عدم بلوغ کی معیت محض حصول برکت کے لئے ہوتی ہے مگر جس درجہ کی بھی ہو چونکہ حضرت کو اس سلسلہ سے روحانی وابستگی ہوئی اس لئے مولانا مظفر حسین صاحب کے مختصر حالات جو مرحوم کے پر نواسہ مولوی احتشام الحسن سلمہ نے قلمبند کر کے بھیجے ہیں، مجسمہ درج کرتا ہوں۔

مولانا مظفر حسین صاحب | حضرت مولانا مولوی مظفر حسین صاحب مولانا محمود بخش صاحب کے صاحبزادے اور حضرت مفتی الہی بخش صاحب کے بھتیجے تھے، آپ کا

سلسلہ نسب اس طرح ہے مولوی مظفر حسین صاحب بن مولوی محمود بخش بن مولوی حکیم شیخ الاسلام بن حکیم قطب الدین بن شیخ عبدالقادر بن شیخ محمد شریف بن مولوی محمد اشرف بن جمال محمد شاہ بن بابا بن بہاء الدین بن شیخ محمد بن شیخ محمد فاضل بن شیخ قطب شاہ۔

ابتدائی تعلیم حضرت مفتی صاحب سے حاصل کی لیکن تعلیم پوری نہ فرمانے پائے تھے کہ حضرت مفتی صاحب نے اس دار فانی سے دار البقا کی جانب رحلت فرمائی اس لئے بقیہ تعلیم ظاہری و باطنی دہلی میں حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب سے پوری فرمائی جو کہ شاہ عبدالعزیز کے نواسہ اور شاگرد درویش تھے۔

مولانا مظفر حسین کا کمال زہد | حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب ہاجر کی سے بھی شدید

تدریس نہ تھا، ایک سیدھی سادی زندگی بسر کرتے تھے۔ کبھی کبھی مسجد میں اور کبھی کبھی مستورات میں غطف فرمایا کرتے تھے۔ ایک گاڑھے کا کرتہ پا جامہ نیلی لٹکی یہ آپ کا لباس تھا۔ میری دادی صاحبہ یعنی صاحبزادی صاحبہ حضرت مولانا صاحب فرماتی تھیں کہ ایک بار میں نے موٹی ملل کا کرتہ حضرت کے لئے رسیا، اول تو زیب تن فرمانے سے انکار کیا بعد میں میری خوشنودی کو پہنا مگر جمعہ کی نماز پڑھ کر فوراً اتار دیا اور فرمایا کہ میرے گاڑھے کا کرتہ دیدو اس میں عجب پیدا ہوتا ہے۔ سواری پر کبھی سوار نہ ہوتے پیدل سفر کرتے تھے۔ اور سامان سفر لوٹا، لٹکی، لکڑی، مشینہ ہوتا تھا۔ جہاں شام ہو جاتی تھی وہیں شب بسر فرمایا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ شام ایک ایسے گاؤں میں ہوئی جہاں سب ہندو تھے | ایک ہندو کا قبول اسلام کوئی مسلمان نہ تھا، وہاں والوں سے کہا کہ رات کو رہنے کے لئے

لے یعنی تہ بند۔ لے اس میں بھی عجب یعنی خود پندی محسوس فرمائی ہوگی، بہت لطیف احسان تھا اور فکر آخرت شدید تھا۔ جیل

کوئی جگہ بتا دو تو ایک شخص نے گاؤں کے باہر کوٹھو پر بتا دیا۔ آپ کے پاس روٹی تھی اس کو نوش فرمایا
 اتفاقاً وہی شخص رات کو کسی کام کے لئے جنگل میں آیا تو حضرت کو قرآن پڑھتے سنا۔ تمام شب بیتابی سے
 گزاری اور صبح کو حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ رات جو تو پڑھ رہا تھا وہ جلدی سے مجھے بھی پڑھا دے
 اس کے بعد آپ کو گھر لے گیا اور وہاں اس کے بچے بیوی وغیرہ سب مسلمان ہو گئے۔

ایک مرتبہ آپ کا جلال آباد یا شالی گدڑ ہوا ایک مسجد دیران پڑی
 ایک خاں صاحب کا نائب ہوتا تھی وہاں نماز کے لئے تشریف لا کر پانی کھینچا وضو کیا مسجد میں

جھاڑودی بعد میں ایک شخص سے پوچھا کہ یہاں کوئی نمازی نہیں؟ اس نے کہا کہ جی سامنے خاں صاحب
 کا مکان ہے جو شرابی اور رنڈی باز ہیں اگر وہ نماز پڑھتے لگیں تو یہاں اور بھی دو چار نمازی ہوں جائیں،
 آپ اُن خاں صاحب کے پاس تشریف لے گئے تو رنڈی پاس بیٹھی ہوئی تھی اور نشہ میں مست تھے، آپ نے
 خاں صاحب سے فرمایا کہ بھائی خاں صاحب اگر تم نماز پڑھ لیا کرو تو دو چار آدمی اور جمع ہو جایا کریں اور
 مسجد آباد ہو جائے گی۔ خاں صاحب نے کہا کہ میرے سے وضو نہیں ہوتی اور نہ یہ دُوبری عادت چھوڑتی ہیں
 آپ نے فرمایا کہ بے وضو ہی پڑھ لیا کرو اور شراب بھی پی لیا کرو۔ اس پر اُس نے عہد کیا کہ میں بغیر وضو نماز
 پڑھ لیا کروں گا۔ آپ وہاں سے تشریف لے گئے اور کچھ فاصلہ پر نماز پڑھی اور سجدہ میں خوب روئے۔

ایک شخص نے دریافت کیا کہ حضرت آپ سے دو ایسی بات سرنہ ہوئیں جو کبھی نہیں ہوئیں۔ اول
 یہ کہ آپ نے شراب اور زنا کی اجازت دیدی۔ دوسرے یہ کہ آپ سجدہ میں بہت روئے۔ فرمایا کہ ”سجدہ میں
 میں نے جناب باری سے التجا کی تھی کہ اے رب العزت کھڑا تو میں نے کر دیا اب دل تیرے ہاتھ میں ہے۔“

ان خاں صاحب کا یہ حال ہوا کہ جب رنڈیاں پاس سے چلی گئیں تو ظہر کا وقت تھا اپنا عہد یاد آیا
 پھر خیال آیا کہ آج پہلا روز ہے لاؤ غسل کر لیں کل سے بغیر وضو پڑھ لیا کریں گے غسل کیا پاک کپڑے پہنے
 اور نماز پڑھی بعد نماز باغ کو چلے گئے عصر اور مغرب بارغ میں اسی وضو سے پڑھی۔ بعد مغرب گھر پہنچے تو
 طوائف موجود تھیں۔ اول کھانا کھانے گھر میں گئے بیوی پر جو نظر پڑی تو فریفتہ ہو گئے، ان کی شادی کو
 سات سال ہو گئے تھے اور آج تک نہ کبھی بیوی کے پاس گئے اور نہ اس کی صورت دیکھی تھی فوراً باہر آئے

لے جن صاحب تصرف بزرگ کو یہ بھروسہ ہوتا ہے کہ یہ شخص بے قاعدہ نہیں رہ سکتا قاعدہ میں اگر رہے گا ان کو ایسی شرط منظور
 کر لینا کوئی مضائقہ نہیں رکھتا کیونکہ واقع میں وہ شرط ہوتی ہی نہیں اس سے ضد ٹوٹ جاتی ہے اور آگے ان کا تصرف مجبور
 کر دیتا ہے کہ قاعدہ میں سب کام کرے جیسے کہ یہاں ایسا ہی ہوا اس لئے یہ حرام کو حلال کرنا نہیں ہوتا مگر دوسروں کو اس کی
 نقل درست نہیں ہوگی۔ لے دوسری بات کی وجہ نہیں بتائی کہ تصرف کا اظہار پسند نہ تھا اس کے نتیجے سامنے آگئے۔

نڈی سے کہا کہ آئندہ میرے مکان پر نہ آنا اور خادم سے کہا کہ بسترہ گھر میں بھی دو، سنا ہے کہ ان خاں صاحب
کی پچیس سال تک کبھی تہجد کی نماز قضا نہیں ہوئی۔

ایسے ہی ایک مرتبہ گڑھی پختہ تشریف لے گئے، ایک خاں صاحب سے نماز
ایک اور خاں صاحب کے لئے کہا تو انھوں نے جواب دیا کہ مجھے دارھی چڑھانے کی عادت ہے اور
وضو سے یہ اتر جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بغیر وضو پڑھ لیا کرو۔ خاں صاحب نے کچھ روز بغیر وضو نماز
پڑھی پھر خیال آیا کہ ایک مولوی کے کہنے سے تو نے بغیر وضو نماز پڑھنی شروع کر دی اور اندر رسول کے
حکم سے با وضو نماز نہیں پڑھی جاتی۔ اس کے بعد ہمیشہ با وضو نماز پڑھنے لگے۔

سات جج پیدل اور ایک عجیب واقعہ
آپ نے سات جج کے اور پیدل۔ ایک مرتبہ جج سے واپس
تشریف لارہے تھے پانی پت سے چل کر شب کو کسی گاؤں

میں سرائے کی مسجد میں قیام فرمایا اور اخیر شب میں وہاں سے روانہ ہوئے۔ اتفاق سے رات کو سرائے
کی مسجد میں چوری ہو گئی۔ بھٹیاری نے کہا کہ ایک شخص مسجد میں ٹھہرا تھا اور صبح ہی چلا گیا ضرور وہی
چور ہے۔ لوگ تعاقب کے لئے آئے اور جھجھانہ کے قریب آکر پکڑ لیا اور کہا کہ تھانہ چلو۔ آپ نے فرمایا کہ
جھجھانہ کے تھانہ میں نہ لے چلو اور کہیں چلو۔ اس پر ان لوگوں کو اور بھی شبہ ہوا اور وہ جھجھانہ ہی کے تھانہ
میں لے گئے اور ایک سپاہی کے حوالہ کر دیا جس نے حوالات میں آپ کو بند کر دیا۔ تھوڑی دیر میں قصبہ
کے لوگوں نے دیکھا اور تمام قصبہ میں شور ہو گیا۔ عوام بہت مشتعل ہوئے اور یہ سمجھ کر کہ تھانہ دار کی
بد معاشی ہے اس کی جان کے درپے ہو گئے، تھانہ کو لوٹنا چاہتے تھے۔

تھانہ دار خواجہ احمد حسن تھے جو میرے دادا مرحوم کے دوست تھے اور مولوی صاحب سے خوب
واقف تھے۔ بہت مشکل سے جان بچا کر تھانہ آئے اور مولوی صاحب کو حوالات سے نکالا اور واقعہ کی
تحقیق کی۔ پھر لوگ اس پانی پت والے آدمی کی جان کے درپے ہو گئے جو آپ کو پکڑ کر لایا تھا۔ آپ نے
خواجہ احمد حسن سے فرمایا کہ اس کی جان کے تم ذمہ دار ہو، اس کے ساتھ دو تین آدمی کر دو جو اس کو بخیریت
پانی پت پہنچا دیں۔

ایک مرتبہ کانڈھلہ تشریف لارہے تھے ایک شخص مل گیا اس
ایک مسافر کا سامان اپنے سر پر اٹھانا سے دریافت فرمایا کہ کہاں جاؤ گے؟ اس نے جواب دیا کہ کانڈھلہ

مولوی مظفر حسین کے پاس۔ اس کے پاس سامان تھا اور آپ خالی ہاتھ تھے آپ نے اس سے سامان
لے کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ کانڈھلہ آکر جب اُسے معلوم ہوا کہ یہی مولوی صاحب ہیں تو بہت پشیمان ہوا۔ آپ نے

فرمایا کہ اس میں حرج کیا تھا میں خالی ہاتھ تھا اور تم بوجھ لئے ہوئے آ رہے تھے۔

مشتبہ مال سے طبعی تنفر | آپ محتاط بہت زیادہ تھے کبھی مشتبہ مال نہ کھاتے تھے اگر کھولے سے یا غلطی سے کھا لیتے تو فوراً قے ہو جاتی تھی۔

زمانہ طالب علمی کا قصہ ہے کہ آپ نے کئی سال روٹی سالن سے نہیں کھائی۔ دریافت کرنے پر فرمایا کہ دہلی کے اکثر سالنوں میں کھائی پڑتی ہے اور آموں کی بیع ناجائز طریق پر ہوتی ہے اس لئے میں سالن نہیں کھانا۔ آپ بجز اپنے گھر کے اور کسی کے یہاں دعوت وغیرہ میں تشریف نہ لیجاتے تھے۔ ابتداءً قاضی جی اور متولی جی کے یہاں کھانا تناول فرمایا کرتے تھے۔ قاضی جی اور متولی جی کے والد کے انتقال کے بعد ان کے یہاں بھی کھانا کھانا چھوڑ دیا۔ کچھ عرصہ بعد پھر شروع کر دیا اور بغیر بلائے خود تشریف لے گئے دریافت کرنے پر فرمایا کہ پہلے تم نابالغ تھے اس لئے میں تمہارے مال سے پرہیز کرتا تھا۔ اب تم بالغ ہو گئے اس لئے مجھے کوئی عذر نہیں ہے۔

فیرتی کھانے سے قے ہو گئی | ایک مرتبہ مولوی نور الحسن صاحب کے پاس تشریف لے گئے انھوں نے کچھ دام اپنے صاحبزادہ مولوی محمد ابراہیم کو دیئے کہ خود جا کر ان کا سامان کھانے کے لئے لاویں تاکہ کچھ گر بنے ہو، کھانا طیار ہوا اس میں فیرنی بھی تھی جس کے کھاتے ہی قے ہو گئی۔ مولوی نور الحسن صاحب بہت پریشان ہوئے تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ جو دودھ مولوی محمد ابراہیم صاحب لائے تھے وہ گر گیا تھا پھر دودھ باورچی حلوئی کے یہاں سے دارین لے آیا تھا۔

انکساری اور خدمتِ خلق | بہت زائد منکر المزاج تھے، ہر ایک کام خود کیا کرتے تھے بلکہ دوسروں کا کام بھی کیا کرتے تھے۔ عادت شریفہ تھی کہ اشراق کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلا کرتے تھے اور جو جو گھر اپنے اقارب کے تھے ان میں تشریف لے جاتے۔ اگر کسی کو بازار سے کچھ منگنا ہوتا تو پوچھ کر وہ لا دیتے، پس اس زمانے میں کم تھا جو شے آتی تھی وہ غلہ کی آتی تھی، آپ غلہ کبھی کرتے کے پلہ میں لے جاتے اور کبھی لنگی میں۔

لے جس کے حلال ہونے میں شبہ بھی ہو، اور حرام تو درکار۔ سہ پھل کے قابل استعمال ہونے سے پہلے بلوغ کی بہار فروخت کرنا جائز نہیں مگر لوگ عام طور سے پہلے فروخت کر دیتے ہیں یہ حیرت کی احتیاط تھی ورنہ جب پھل کے متعلق معلوم ہو جائے تو اس کا استعمال گناہ ہے۔ معلوم ہو تو گناہ نہیں اور ہر پھل کی تحقیق بھی واجب نہیں اسی طرح تمام چیزوں کا حال ہے کھانے کی ہوں یا استعمال کی چنانچہ آجکل ہر چیز کی بیع میں ناجائز طریقے سئے جاتے ہیں مگر اس قاعدہ پر عمل فروری ہے۔ سہ شبہ کی چیزوں سے بچنے کے لئے۔ سہ نابالغ کا مال مفت دینا لینا جائز نہیں، ولی کو بھی اس کا اختیار نہیں۔ صدق خیرات کرنا جائز ہے۔ سہ رعیت کے حق میں بغیر بیبیوں کے۔ سہ تہ بند جوا لگ ہمراہ ہوتا تھا۔ (جیل احمد)

ایک دفعہ رامپور تشریف لے گئے۔ ایک عورت حاضر خدمت ہوئی اور عرض کیا کہ میرا خاوند مجھے خرچ نہیں بھیجتا۔ آپ نے اس کا پتہ دریافت فرمایا اور وہاں سے فیروز پور تشریف لے گئے اور اس کے خاوند کو تلاش کر کے ہدایت کی کہ آئندہ خرچ ہمیشہ بھیجا کرو۔

نکاح بیوگان کیلئے عملی مثال | بیوہ کے نکاح کو سخت معیوب سمجھا جاتا تھا۔ آپ کو فکر ہوئی کہ اس رسم کو توڑنا چاہئے۔ اسی فکر میں تھے کہ مولوی ابوالقاسم صاحب

صاحبزادہ حضرت مفتی صاحب کا انتقال ہو گیا۔ آپ نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور ان کو اولاً ترجمہ قرآن شریف پڑھنے کی ترغیب دی۔ انھوں نے ترجمہ شروع کیا پھر ایک موقع پر انھیں نکاح ثانی کی ترغیب دی۔ اس پر انھوں نے کہا کہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ تم شہید ہو گئی اُس پر انھوں نے کہا کہ اگر تم نکاح کرو تو میں تیار ہوں مگر میں اور تم دونوں مارے جائیں گے۔ آپ نے تھوڑی دیر سکوت فرمایا اور پھر اقرار فرمایا اور ایک موقع پر دو چار آدمیوں کے سامنے مخفی طور سے نکاح ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد محل ٹھیر گیا، کسی کو نکاح کی خبر نہ تھی ہر جگہ زنا کا شور مچ گیا بھانہ بھون والے چڑھ آئے۔ لڑکی والے کی طرف سے اعلان تھا کہ جو کوئی شخص مولوی مظفر حسین صاحب کا سوتا کر لاوے گا اس کو ایک ہزار روپیہ ملے گا۔ آپ کا ندھلہ سے دہلی تشریف لے گئے۔

اتفاق کی بات کہ ان کی والدہ سخت علیل ہو گئیں قاضی صاحب یعنی ان کے والد بہت پریشان ہوئے ہر قسم کا علاج کیا کوئی فائدہ نہ ہوا جب بالکل مایوس ہو گئے تو ایک فقیر ملا اور کہا کہ حافظ صاحب صاحب سے کہلا دو کہ اچھی ہو جا پھر اچھے ہونے کا میں ذمہ دار ہوں۔ سب لوگ حافظ صاحب کے سر ہو گئے۔ قضیاتی حافظ صاحب کی بہن تھیں، بہت اصرار پر آپ نے فرمایا کہ کا ندھلہ سے اپنی لڑکی بی حمت کو بلاو تب کہوں گا۔ اول تو بہت پس و پیش ہوئی بعد میں مجبوراً بلانا پڑا۔ ان کے پہنچنے ہی خود بخود صحت شروع ہو گئی۔ اب مولوی مظفر حسین صاحب بھی دہلی سے تھانہ بھون تشریف لے گئے۔

کیرانہ میں ایک رافضی عورت تھی۔ آپ نے انھیں اہل سنت والجماعت ہونے کی ترغیب دی۔ انھوں نے کہا اگر نکاح کریں تو بہ کر لوں گی۔ آپ نے منظور فرمایا، یہ بھی بیوہ تھیں۔ انھوں نے کہا کہ جب موقع ہو گا میں خط لکھوں گی تم آکر لے جانا۔ محرم کے موقع پر جب سب عورتیں قصبہ سے باہر تفریئے دیکھنے گئیں تو ان کا پرچہ مولوی صاحب کے پاس آیا جس میں یہ نشان تھا x آپ نے میرے دادا

سے قاضی صاحب کی اہلیہ ان بیوہ کی والدہ۔ ۲۷ شاید مولانا کی کرامت ہو کہ مخالفت سے بیماری ہوئی موافقت سے صحت۔
(جیل احمد)

مولوی محمد صادق صاحب اور چند آدمیوں کو ڈولی لے کر کیرانہ بھیجا اور یہ رات کو گیارہ بجے کیرانہ جا کر ان کو لے آئے جب کیرانہ والوں کو معلوم ہوا تو انھوں نے تعاقب کیا، یہاں سے بھی ان کی اعانت کو لوگ گئے مگر مولوی محمد صادق ان کے ہاتھ آئے اور بخیر کا مدصلہ پہنچ گئے۔ ان محترمہ نے حضرت کو بہت تکالیف پہنچائیں مگر آپ سب سہتے تھے، اکثر رات کو دروازہ بند کر لیا کرتی تھیں اور حضرت دروازہ کے باہر لٹکی بچھا کر نمازیں وہ وقت گزارا کرتے تھے۔ ایک رات کے تین بجے فرمایا کرتے تھے اول حصہ میں دوسری بیوی کو جو بیوہ تھیں ترجمہ قرآن شریف پڑھایا کرتے تھے، دوسرے میں صاحبزادیوں کو ترجمہ پڑھایا کرتے تھے تیسرا حصہ کیرانہ والی بیوی کا تھا جس میں ان کے یہاں جا کر نجد پڑھا کرتے تھے۔

چھٹا حج اور دینہ طیبہ میں وفات آپ نے چھ حج پیدل کئے جس میں ایک مولوی محمد یعقوب صاحب کے ساتھ اور ایک ہمراہ اہل و عیال۔ بعد میں مولوی محمد یعقوب صاحب کا خط آیا کہ تم یہاں چلے آؤ۔ اس خط کو مولوی نور الحسن صاحب نے چھپایا جب آپ کو معلوم ہوا تو فوراً روانہ بیت اللہ ہو گئے۔ یہ روانگی ۲۳ جمادی الثانیہ روز شنبہ ۱۲۸۲ھ میں ہوئی۔ ابھی مکہ مکرمہ نہ پہنچے تھے کہ اسہال کا مرض لاحق ہو گیا۔ مکہ مکرمہ میں ایک مرتبہ حاجی امداد اللہ صاحب سے فرمایا کہ میرا حج چاہتا تھا کہ مدینہ منورہ موت آوے مگر بظاہر اب میری موت کا وقت قریب آگیا آپ مراقبہ کیجئے۔ انھوں نے مراقبہ کے بعد فرمایا کہ نہیں آپ مدینہ منورہ پہنچ جائیں گے۔ کچھ روز کے بعد آپ اچھے ہو گئے اور اگلے ہی روز مدینہ منورہ کو روانہ ہو گئے مدینہ منورہ پہنچے میں ایک منزل باقی تھی کہ آپ پھر بیمار ہو گئے اور ۱۲ محرم ۱۲۸۳ھ مطابق ۲۵ مئی یوم جمعہ ۱۲۸۲ھ کو انتقال فرمایا اور نزدیک قبر حضرت عثمان مدفون ہوئے۔ کرتہ، پاجامہ، لنگی، لوٹہ مشکیزہ آپ نے چھوڑا۔ حسب وصیت لوٹہ اور مشکیزہ بیت المال میں داخل کر دیا گیا، لنگی مریدین میں تقسیم کر دی گئی اور کرتہ پاجامہ صاحبزادیوں کے پاس بھیج دیا جس میں پاجامہ معتقدین میں تقسیم کر دیا گیا اور کرتہ مبارک موجود ہے فقط

محبت شیخ محبت ایک مخفی چیز ہے جس کی اطلاع دوسروں کو صرف اس کے اثرات و ثمرات سے ہو سکتی ہے کہ محبوب کی اتنی عظمت قلب میں ہو کہ حاضر و غائب ہر حال اس کا لحاظ مساوی رہے۔ پس حضرت کے قلب میں اپنے شیخ امام ربانی کی جو محبت تھی اس کی حقیقت بحر اللہ عالم الغیب کے کسی کو معلوم نہیں ہاں اس کے اثرات جو کبھی کبھی کسی واقعہ پر ظاہر ہوتے تھے ان پر حیرت ہوا کرتی اور وہ متوسلین کو علی سبقت

۱۔ یہ صاحب حضرت مولانا صاحب کے داماد اور امی کے شوہر تھے۔ اور صاف بھی دس میل تھی۔ ۲۔ سب کی رضامندی سے۔ ۳۔ مولانا ابوالقاسم کی بیوہ۔ ۴۔ مولانا مظفر حسین صاحب کے شیخ ہاجر جی۔ ۵۔ یہ حضرت مفتی صاحب کے پوتے اور مولانا مظفر حسین صاحب کے بھتیجے تھے ہذا دونوں بچا بھتیجے تھے ان کو خطرہ ہوا کہ شیخ کا خط دیکھتے ہی روانہ ہو جائیں گے۔ (شیخ الحدیث)

پڑھایا کرتے تھے کہ روحانی برکات حاصل کرنا ہوں تو اللہ سے دعا کرو کہ ایسا تعلق مع الشیخ نصیب ہو جائے۔

شیخ کی حلت پر حضرت کی کیفیت

حضرت امام ربانیؒ کے وصال پر بندہ بھی حضرت کے پاس لگنہ حاضر تھا۔ ہر چند کہ اس ساتھ عظمیٰ پر آپ صبر و رضا کی مجسم تصویر تھے مگر ایسے مبہوت کہ گویا آپ کا بال بال چشم گریاں بنا ہوا ہے۔ حضرت کا جنازہ سہ دری میں تھا اور آپ خانقاہ میں ایک سکوت طویل کے ساتھ ایک طرف بیٹھے ہوئے چپکے چپکے تلاوتِ قرآن میں مشغول تھے اور غلبہٴ حزن میں جب کوئی آنسو آنکھ سہار نہ سکتی تو کنارہٴ چادر سے آپ پونچھ لیتے تھے۔ وصال کے بعد حضرت کے متوسلین جب آپ کی طرف بالطبع رجوع ہوئے تو آپ کی عجیب کیفیت تھی نہ ان کو چھوڑے بن پڑتا تھا کہ چھوٹے بھائی تھے اور شفقت کے مخرج اور نہ ان کی یہ درخواست آپ کو شیخ کی یاد تازہ کر کے ملائے اور بے چین کئے بغیر رہتی تھی۔ مولوی عبدالعلیم خان بھونگامی نے جب اس قسم کی درخواست حاشہ کے قریب ہی آپ کی خدمت میں بھیجی تو دیر کے بعد حضرت کا یہ جواب آیا۔

کتوب گرامی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عرصہ دو ماہ کا ہوا کہ گرامی نامہ صادر ہوا تھا۔ سخت ندامت ہے کہ اس کے جواب میں تاخیر ہوئی۔ زبانہ سفر قریب تھا اور طبع مضطرب تھی، پھر کچھ علیل رہا۔ بالکلہ سبب وجوہات جواب نہ لکھ سکا جس تعلق سے آپ نے خط لکھا اسی تعلق کے واسطے سے میں مستدعی ہوں کہ معاف فرماویں گے۔ آپ نے ذکر کے بارے میں مشورہ فرمایا میں کس قابل ہوں کہ مشورہ دوں۔ خدام حضرت میں مجھ رو سیاہ سے زیادہ کوئی بھی نالائق نہ ہوگا تیس سال کا عرصہ حضور کی خدمت و حیات کا گذر اور کچھ نہ کیا، کیا خبر تھی کہ یہ روز سیاہ دیکھنا پڑے گا۔ کیا معلوم تھا کہ حضرت عالمِ قدس کو رخصت ہو جائیں گے اور میں تبہ کا رآپ کے بعد دنیا میں بیٹھا رہوں گا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ و صبحِ جمیل۔

بالکلہ حیران ہوں کہ کیا عرض کروں پھر اگر عرض نہ کروں تو کیوں کر عرض نہ کروں، تعلقات سے کیوں کر قطع نظر کروں۔ ذکر کے بارے میں جہاں تک اس وقت میرے خیال میں ہے کہ ذکرِ حرام آپ کو زیادہ نافع ہے گو اس قدر نہ ہو کہ موجبِ تکلیف ہو۔ علاوہ اس کے ذکرِ حرامی کرنا بھی مضائقہ نہیں، اس وقت معذوریوں تعین نہیں کر سکتا بوقت ملاقات مفصل عرض کروں گا۔ والسلام

خلیل احمد عفی عنہ از سہارنپور سہ شنبہ ۲۲ جولائی ۱۹۰۶ء

لے روٹی آنکھ۔ ۵۰ حضرت شاہ عبدالقدوس کی خانقاہ جو قریب بھی تھی۔ ۵۰ ذکرِ جہنمی بلند آواز سے کرنا اس شرط سے جائز ہے کہ کسی کی نیند اور نازیں ضل نہ ہو اور شقت تک نہ پہنچے مولانا عبدالحی کمٹوی کا عربی رسالہ اس کی تحقیق میں ہے نام سباحۃ الفکر ہے۔ (جمیل احمد)

دوسرے خط میں یہ حزن و غم بے اختیار بزبانِ قلم ان لفظوں میں ظاہر ہوا۔

مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ غایت نامہ مع استغنا پنچا جواب ارسال خدمت مکتوب ہے۔ باقی امور کا کیا جواب دوں بجز اس کے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت نے کمر توڑ دی

میں تو دل سے کہتا ہوں۔

مئے کون ہائے مہلے دل لے کس سے آہ شفا ئے دل وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے
فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ ہم خدامِ کارہ ہیں یا ناکارہ آپ اور تمام خدام حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خادم ہیں انشاء اللہ کسی کام سے عذر نہیں فقط۔ خلیل احمد غنی عنہ

شیخ کے متعلقین سے محبت حضرت کے متوسلین کو جس طرح آپ نے یتیم اور چھوٹا بھائی سمجھ کر آغوش شفقت میں لیا اور چھاتی سے لگایا اسی طرح حضرت کی وفات کے بعد

حضرت کے متعلقین اور رشتہ داروں کو اپنے خون شریک عزیزوں سے زیادہ پیارا اور محبوب سمجھا۔ صاحبزادہ حضرت مولانا حکیم مسعود احمد صاحب مدظلہم کسی مریض کا علاج کرنے سہارنپور تشریف لاتے تو حضرت خادمانہ طور پر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ ایک مرتبہ مودبانہ درخواست کی کہ ہماری قبول فرما دیں اور مدرسہ کو قیام سے نوازیں۔ صاحبزادہ صاحب نے منظور فرمایا تو حضرت کو اتنی خوشی ہوئی کہ عرصہ تک اپنے مخلصین سے بے اختیار فرمایا کرتے کہ صاحبزادہ صاحب نے بندہ کی درخواست قبول فرما کر شرفِ میزبانی بخشا۔

حضرت گنگوہی کی صاحبزادی کا احترام صاحبزادی صاحبہ سے حضرت کو خصوصی تعلق تھا کہ ماشار اللہ ہر قسم کے کمالات روحانیہ سے مالا مال ہونے کے باوجود وہ حضرت کو

پیر کی جگہ سمجھتی تھیں اور حضرت ان کو اپنی بڑی بہن سمجھا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کچھ مستورات نے حضرت سے بیعت کی تو مخدومہ صاحبزادی صاحبہ نے بھی رومال تھام لیا اور بیعت ہو گئیں کہ اس وقت حضرت کو علم بھی نہیں ہوا مگر باوجود اس کے حضرت ان کی اس درجہ عزت فرمایا کرتے تھے کہ ماں زندہ ہوتیں تو بس اس سے زیادہ نہ کر سکتے، وہ سہارنپور تشریف لائیں تو حضرت مدرسہ سے فارغ ہوتے ہی باہتمام مکان پر جلتے اور جب تک مخدومہ کا قیام رہتا حضرت پر مسرت کا وہ عالم طاری رہتا گویا حضرت امام ربانی تشریف لے آئے مگر بار سب ان پر چھوڑ کر مطمئن ہو جاتے اور کوئی بات اہل کی طرف سے دریافت بھی کی جاتی تو بے ساختہ فرماتے ”ہن تشریف رکھتی ہیں ان سے پوچھو اور جو وہ فرمائیں وہ کرو کہ ان کے ہوتے ہوئے مجھ سے کسی بات کے

دریافت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ حضرت مخدومہ سفر حج کو تشریف لے گئیں تو دہلی تک حضرت نے مشابعت فرمائی اور پھر اتفاق سے حضرت بھی شریک حج ہو گئے تو مکہ مکرمہ پہنچ کر مخدومہ کی تمامی ضروریات

یہ ذمہ رکھ کر فی سفر میں خادمیت کا وہ حق ادا کیا کہ خود شغرف اٹھا کر اونٹ پر لاد دے اور پیڑھی پکڑ کر محذورہ کو سوار کر دے اور جب تنگ وہ آثار مہ سوار نہ ہو جاتیں حضرت اپنے اونٹ پر سوار نہ ہوتے تھے۔

شیخ کے ہمیشہ زادے کی دیکھوئی | حضرت امام ربانی کے ہمیشہ زادہ مولوی محمد براہیم صاحب ایک بار اپنے لڑکے کو مدرسہ میں داخل کرنے کے لئے سہارنپور لائے جو ابتدائی کتب میں پڑھتے تھے اور قواعد مدرسہ کی رُو سے ان کے وظیفہ کا مدرسہ متحمل نہ ہو سکتا تھا۔ وہ تشریف لائے تو حضرت نے منگیر ہو کر رعایت احترام کے ساتھ ان کو بٹھایا اور لڑکے کو ہتھم صاحب کے پاس بھیج دیا کہ داخل مدرسہ کر لیا جائے ہتھم صاحب نے درخواست پر جواب لکھ دیا کہ قواعد مدرسہ کے خلاف ہے اور وظیفہ مدرسہ سے نہیں دیا جاسکتا حضرت چپ تھے کہ مدرسہ کا قاعدہ کسی کی رعایت میں توڑا جاسکے اور نہ ہمیشہ زادہ شیخ کی صعوبت سفر اور خواہش سے چشم پوشی کی جاسکے۔ مولوی محمد براہیم صاحب کو ہتھم صاحب کا یہ روکھا جواب ناگوار گذرا اور یہ دیکھ کر کہ پھر حضرت نے بھی اس کی تردید نہ کی زیادہ غصہ آیا کہ واپسی پر زیادہ ہو گئے اور حضرت سے کہا کہ مجھے اجازت دیجئے میں پنجاب جانے والی اسی گاڑی سے جاؤں گا۔ حضرت خود ہی پریشانی و فکر میں تھے۔ شیخ کے بھانجہ کا سبب و غصہ دیکھ کر اور پریشان ہوئے۔ آخر یہ فرما کر کہ مولانا ابھی گاڑی میں دیر ہے نہ مجھے اجازت دیجئے کہ مکان پر نہ ہواؤں۔ غرض مکان پر جا کر کھانا طیار ہونے کا اتفاق اکیلا اور پھر خدا جانے کہاں تشریف لے گئے۔ کچھ دیر بعد خوشی خوشی مدرسہ میں آئے اور اسی درخواست کی پشت پر یہ لکھ کر کہ صدر مدرسہ بیٹی حج کر کے میری ذمہ داری پر طالب علم مذکور کو مدرسہ میں داخل کر لیجئے۔ درخواست اور روپیہ لڑکے ہی کے ہاتھ ہتھم صاحب کے بھیج دیا

حاشیہ صفحہ گزشتہ ایک واقعہ آخر کا چشم دید ہے کہ مغرب کی اذان ہو چکی تھی جماعت تیار تھی کہ کسی نے آگلا اطلاع دی کہ حضرت صاحبزادی جناب تشریف لائی ہیں اور ان کی گاڑی کا بھائیانی میں گر گیا حضرت فوراً ننگے پاؤں دوڑ پڑے سب لوگ بھی دوڑے تو حضرت خود گاڑی کو اٹھا رہے تھے حالانکہ غیر مبارک ہے۔ مگر درمیان میں گر جانوں کی طرح لگ رہے تھے جب اور لوگ بھی پہنچ گئے گاڑی کل آئی تب رہنے اگر جماعت کی مسجد کے قریب ہی کا تھ تھا وقت نماز کا شروع ہی ہوا اتفاقاً وہ سرایمی کی حالت بھی عجیب ظاہر ہو رہی تھی۔ (عجل احمد)

حاشیہ صفحہ گزشتہ (۱) بلکہ ہتھم صاحب کی دیانت اور ناظم مدرسہ کی بھی رعایت شکرنا قابل قدر ہے۔ شہ پانچ روپے۔ (عجل احمد)

عہ یہ ہتھم حضرت مولانا رعایت الہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ حضرت مہارنپوری کے ہمدرد مولانا محمد مظہر رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ تھے۔ علم فرائض کے ماہر اور تقویٰ، دیانت اور سادگی میں ہوا یہ کام کا نمونہ تھے۔ مدرسہ کے کاغذ کا ذرا سا ٹکڑا تنگ ضائع نہ ہونے دیتے تھے۔ ساری عمر مدرسہ کی خدمت میں نہایت خلیل تنخواہ پر گزار دی۔ چھوٹا قد، دبلا جسم، سافلا رنگ، سر پر کپڑے کی ٹوپی یا سادہ عمامہ، ہاتھ میں چھتری لئے قاضی کے محلہ کی طرف سے کوٹ قلعہ (جہاں مظاہر علوم واقع ہے) گرمی، سردی، برسات میں دن میں دو دفعہ کی آمد و رفت کا معمول تھا۔ عصر کی نماز بالعموم ہتھم صاحب ہی پڑھ لیا کرتے تھے۔ مگر اگر دھیمی آواز میں بات کرتے کبھی غصہ کرتے ہوئے نہیں دیکھے گئے۔

اور مولوی ابراہیم صاحب سے فرمایا کہ حضرت آپ تو میرے آقا کے ہمیشہ زادہ ہیں اس کو چہ کا تو لگتا بھی اگر آئے تو اس کے لئے آنکھوں کا فرش کر دوں میں تو پریشان تھا کہ آپ کو راضی کرنے کی کیا صورت کروں سو خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے انتظام فرمادیا۔ اطمینان رکھئے عزیز کا خرچ خوراک ہر مہینہ مدرسہ میں داخل ہوتا رہے گا اور اب عرض ہے کہ کھانا طیار ہے دل چاہے کچھ قیام فرماؤں در نہ کھانا کھا کر اسٹیشن تشریف لے جاؤں۔ مولوی ابراہیم صاحب لکھتے ہیں کہ اس وقت میں سمجھا کہ شیخ کی محبت و عظمت کیا چیز ہوئی اور آپ کو قدرت نے اس کا حظ وافر کتنا عطا فرمایا ہے۔

الحاصل اردکین کی برائے نام بیعت کا جب یہ احترام تھا کہ آپ حضرت امی مرحومہ کی آستانہ بوسی کو فخر سمجھتے اور ان کے نواسوں مولانا محمد یحییٰ صاحب و مولانا محمد الیاس صاحب کو اپنی اولاد سے زیادہ پیارا سمجھتے رہے تو آستانہ گنگوہیہ کی عظمت کا کیا پوچھنا کہ جو کچھ بھی آپ کو سلاوہ اسی دربارِ دربار سے ملا۔ آپ کا رُواں رُواں اپنے محسن و مربی شیخ کا ممنون احسان اور گویا بزبانِ حال اس شعر کا درد رکھتا تھا۔

باغبانِ خانہ ات آباد ثنا خوانِ توام چوں صبا باد فروش گلِ ریحان توام

میں نے حضرت امام ربانی کے خطوط جو بھاؤلیو ربریلی وغیرہ حضرت کے نام گئے دیکھے ہیں کہ سب بیزنگ ہیں اور کسی پر بھی ٹکٹ نہیں، یہ صرف اس لئے کہ گو محصل دو چند دینا پڑے مگر شیخ کی تخریر جو گویا سونے کا پترہ ہے دوسرے کے ہاتھ نہ پڑے اور بحفاظت آپ ہی کو پہنچے، اور جب آپ سہارنپور چلے آئے کہ گنگوہ کا دروازہ تھا تب تو گنگوہ جانے والا کوئی شخص بھی ایسا نہ چھوڑا جس کے ہاتھ عریضہ اور ربانی سلام غلامانہ نہ پہنچایا ہو۔

گنگوہ اس وقت میں مرجع خلائق بنا ہوا تھا اور آپ کا دل چاہتا تھا کہ آستانہ شیخ پر حاضر ہونے والے آتے اور جاتے آپ ہی کے پاس ٹھہریں۔ ادھر اعلیٰ حضرت کو آپ کے ساتھ محبت زیادہ تھی کہ جو جہان براہ سہارنپور آتا اس سے پوچھا کرتے کہ خلیل احمد اچھی طرح ہیں اور ان سے مل کر بھی آئے یا نہیں؟ اس لئے پرچند کہ مدرسہ شہر کے ایک گوشہ میں تھا مگر حضرت کے خاص متوسلین اہتمام کر کے مدرسہ آتے اور حضرت ہی کے پاس قیام کرتے تھے مدرسہ سے اس وقت حضرت کو لکھنؤ ماہوار ملتے تھے اور فتوحات و تذروہ دیا کا سلسلہ بھی نہ تھا۔ اکثر حضرت بسلسلہ ہمانداری مقروض رہتے اور تنگی کے ساتھ گذر کیا کرتے مگر برادرانِ طریقت کی مدارات سے آپ کے قلب کو جو فرحت پہنچتی تھی وہ ہر فکر و غم کو داب لیتی تھی۔

سہ بنک مدرسہ کے قانون کو مدائنات و دیانت پر رکھنا اور شیخ کی محبت و عظمت بھی کامل طور پر رکھنا کس طرح ہوتا ہے۔ سہ موتی برسلنے والا۔ سہ لے باغبان تیرا گھر آباد رہے میں تو تیری تعریف کرنے والا ہوں صبا ہوا کی طرح تیری پھلوا ریوں کی خوشبو دوسروں تک پہنچانے والا ہوں۔ سہ تنگی و سنگدستی۔ (جیل احمد)

گنگوہ سہارنپور سے بائیس میل تھا اس لئے دن کو یا رات کو گنگوہ سے آنے والے مدرسے میں اکثر بغیر اطلاع اور ناوقت آتے تھے۔ اکثر ایسا ہوا کہ آپ

ن کے لئے کھانا لینے گھر میں گئے تو معلوم ہوا کہ بی بی بچوں سے زائد نہیں ہے اور نہ گھر میں آنا دل ہے کہ پکایا جائے مگر گھر والے بھی آخر آپ ہی کے گھر والے تھے اس لئے سارا کھانا باہر مہمانوں کے لئے آجاتا اور بی بی اور دونوں لڑکیاں صرف پانی پی کر سو جایا کرتی تھیں اور حضرت فرمایا کرتے تھے کہ میں دلداری کے لئے مہمانوں کے ساتھ بیٹھ تو جانا تھا مگر پھر خیال آتا کہ بچوں نے کچھ کھایا نہیں اس لئے میں بھی بھوکا اٹھ جاتا تھا! ایسے گنگوہی مہمانوں سے دل تنگی کا تو کیا ذکر آپ کے اصرار اور مخلصانہ محبت کی وجہ سے مہمانوں کا آنا دن بدن بڑھتا ہی رہا۔ اگر کوئی بالابالا چلا جاتا تو آپ کو رنج ہوتا اور شکوہ فرمایا کرتے کہ مجھ سے مل کر کیوں نہ گئے۔ پھر کھانا ہی نہیں بلکہ مہمانوں کی ہر ضرورت کا پورا کرنا آپ اپنا فرض سمجھتے حتیٰ کہ ان کی رٹائی ناوقت ہوتی تو لاٹھی لیکر ان کے ساتھ چلتے کہ راستہ میں کتابی پریشان نہ کرے۔

ایک مرتبہ بندہ کو صبح کی نماز کے وقت جانے والی ریل پر سوار ہونا تھا تو حضرت قبیل فخر لاٹھی لیکر تشریف لے آئے اور ہر چند بندہ نے اصرار کیا کہ حضرت تکلیف نہ فرمائیں مگر حضرت نے نہ مانا اور یہ فرما کر کہ باتیں کرتا چلوں گا بذرا دل بہلا رہے گا اور دونوں کی نماز بھی باجماعت ہو جائے گی ساتھ ہوئے۔ سپاہیانہ انداز پر لاٹھی ہلاتے ہوئے اسٹیشن پر آئے وہاں دونوں نے جماعت کر کے نماز پڑھی اور جب میں ریل میں بیٹھا تب حضرت پیدل ہی مدرسے واپس ہوئے۔

پائے در زنجیر پیش دوستاں بہ کہ بایگانگاں در بوستاں

نکاح اور اولاد

حضرت قدس سرہ کا رشتہ مصاہرت قصبہ گنگوہ کے انصاری خاندان سے وابستہ ہے کہ شاہ حسن عسکری شہید کی جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے دو صاحبزادیاں تھیں، ایک حضرت کے عم بزرگوار شاہ حبیب محمد صاحب کو منسوب ہوئیں جو کہ مولانا صدیق احمد صاحب کی والدہ تھیں، اور دوسری صاحبزادی جن کا نام الہی بیگم تھا گنگوہ میں شاہ عبدالرحمن بن مولانا شاہ حبیب اللہ گنگوہی سے بیاہی گئیں۔ شاہ عبدالرحمن صاحب کی تین صاحبزادیاں ہوئیں جن میں ایک حضرت مولانا حکیم اسماعیل صاحب گنگوہی کے نکاح میں آئیں اور

لے دوستوں کے سامنے بیروں کا زنجیر میں ہونا بھی اس سے بہتر ہے کہ بیگانوں کے ساتھ باغوں میں ہوں۔ (نکاح کے تعلق کا۔ جمیل احمد)

ان کے بطن سے فخر خاندان مولانا مولوی حکیم سعید احمد صاحب تولد ہوئے جو آج اپنے باپ کے ہر امر میں سچے جانشین اور بمبئی کے مشہور طبیب ہیں۔ دوسری صاحبزادی کا شاہ محمد صادق صاحب سجادہ نشین انہما سے رشتہ ہوا اور تیسری صاحبزادی جن کا نام انبیاء حکیم تھا حضرت قدس سرہ کے نکاح میں آئیں۔ ان بہنوں کے دو بھائی تھے، شاہ مظہر حسین اور مولانا حکیم فخر الحسن صاحب کثانی الذکر کی یادگار حضرت مولانا حافظ فیض الحسن صاحب مدظلہ ہیں جن کا شمار حضرت قدس سرہ کے خلفائیں ہے اور اپنے موقع پر تذکرہ ہوگا۔

۱۲۸۹ھ میں جبکہ حضرت قدس سرہ کی عمر کا اکیسواں سال شروع تھا اور گنگوہ میں عقد نکاح آپ تعلیم سے فارغ ہو کر لازم ہو چکے تھے۔ لڑکی وانوں کا آپ کے والدین پر تقاضا ہوا کہ عقد نکاح سے فارغ پاؤ چنانچہ تاریخ مقرر ہو گئی اور بارہ چودہ اعزاکے بہت مختصر و سادہ برات چار پانچ ہل میں سوار ہو کر انہما سے گنگوہ روانہ ہوئی حضرت امام ربانی قدس سرہ نے خطبہ نکاح پڑھ کر ڈھائی ہزار روپیہ مہر قرار دے کر اپنے روحانی بیٹے کا عقد کیا۔

۱۲۹۰ھ میں حق تعالیٰ نے آپ کو فرزند عطا فرمایا جن کا نام محمد ابراہیم رکھا گیا اور دو نام تاریخی تجویز ہوئے ظفر علی اور ناظر الحق۔ ڈھائی سال بعد شروع ۱۲۹۳ھ میں لڑکی پیدا ہوئی جن کا نام منیر النساء رکھا گیا۔

اور ان کے ڈھائی سال بعد زلیقہ ۱۲۹۵ھ میں دوسری لڑکی پیدا ہوئی مگر حکم فضا و قدر یہ ولادت ماں اور بیٹی دونوں کے لئے عالم آخرت کا بلاوا تھی کہ صرف تین دن زندہ رہ کر اول مہصومہ نے دنیا کو الوداع کہا اور اسی روز والدہ محترمہ بسوئے عالم آخرت روانہ ہو گئیں؛ فان الله وانا اليه راجعون۔

۱۲۹۵ھ انتقال ہو چکا ہے ایک بیٹی بی بی میں امجد کو رچی میں مطلب کر رہے ہیں۔ سب وفات پا چکے ہیں کا پورے قیام رہا۔ اصول الشاشی حامی مسلم الثبوت پر حاشیے ہیں جو ان کی بیوا گئیں۔ سب جوانی میں وفات پائی۔ سب عمر طبعی پوفات ہوئی اور ان کی صرف ایک صاحبزادی ہیں البیہ مولانا سلطان مسعود قاری ڈیرہ غازی خان میں قیام ہے۔ (جیل احمد)

عہ جب حضرت کی دوسری شادی حاجی نظام الدین کی دختر منیر النساء سے ہوئی تو نام میں اس طرح فرق ہوا کہ حضرت کی بیٹی منیر النساء بنتی کے نام سے پکاری جاتی تھیں اور زوجہ محترمہ منیر اکملاتی تھیں۔ پھر بھی بنتی میرے والد صاحب مرحوم کی ماموں زاد بہن تھیں ان کو اپنی پھوپھی اور ان کی اولاد سے سجد محبت تھی اپنے بھائی حافظ محمد ابراہیم صاحب کی وفات کے بعد جب ڈیرہ غازی خان سے سہارنپور آئیں تو نہایت بے قرار تھیں ان کے ایصال ثواب کے لئے تقریباً ایک ہیئے تک یہ انتظام کیا کہ روزانہ دودھ چلبی میرے ہاتھ ملگوائیں اور میرے ہی ذریعے سے کسی طالب علم کے پاس سمجھا دیتی تھیں۔ اس کا علم میرے سوا کسی کو نہیں تھا۔ (افلاک احمد)

معصیت کاران دنیا عجیب گھر ہے کہ غمی اور خوشی تو اُم اور انقلاب احوال اس کے لئے لازم ہے۔ قدرت کے ہی تصرفات جو حوادث و واقعات کہلاتے ہیں انسان کے ضبط و استقلال کی کوئی اور مسلمان کے تعلق مع اللہ اور ایمان بالغیب کا امتحان بنتے ہیں کہ انسان کی انہماج جس کے ساتھ محبت بھی فطری بات ہے اور کوئی اس کی تبدیلی میں کوشش بھی کرے تو شریعت اس کو ممنوع و حرام قرار دیکر مجبور کرتی ہے کہ قدرت کا مقابلہ کر کے فرعون نہ بنو۔ یا ایں ہمہ شریعت چاہتی ہے کہ ان تمامی تعلقات کی ختمیت و انقطاع کو ہر لمحہ یاد رکھو تاکہ حقیقہ و قیوم خدا کے ساتھ اس و محبت کے تعلق کا مقابلہ نہ کر سکیں اور صبر و رضا کی مضبوط رسی ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔ یہی حوادث اور محبوب چیزوں کا فراق قلب میں وہ شکستگی پیدا کرتا ہے جو نفس امارہ کی شوکت کو مضحل اور عالم آخرت سے غفلت و نسیان کو زائل کرتا ہے۔ اس لئے یوں بھی حق تعالیٰ کی ایک نعمت عظمیٰ ہے کہ جو کیفیت مسخہ ہزاراں ہزار برس کے مجاہدہ سے بھی حاصل نہیں ہو سکتی وہ حوادث پر صبر اور تصرفات الہیہ پر رضا و تسلیم کے صلہ میں ایک لمحہ کے اندر نصیب ہو جاتی ہے۔

صوفی نہ شود صافی تا در نکش جائے بسیار سفر باید تا پختہ شود خاے
اس لئے حضرت کے لئے جس طرح اتباعاً للسنہ حق تعالیٰ نے یہ مقدر فرمایا تھا کہ نبی کے ساتھ کمال انس و محبت ہو کہ عفت و پاک نظری کے لئے لازماً بشریت ہے اسی طرح یہ بھی آپ کی پیدائش کے قبل طے فرمایا تھا کہ اس کی دنیوی مفارقت و موت کا صدمہ بھی آپ کو پیش آئے اور ابتداء سلوک میں مجاہدہ عظمیٰ کے قائم مقام بن کر آپ کی لطیف کو درجہ علیا پر پہنچائے۔ لہذا جو پیش آنا تھا وہ پیش آیا کہ پانچ سال کے اندر وصال و فراق اور لقاء و جدائی کے دونوں منظر آپ کی نظر کے سامنے گزر گئے۔ نکاح بھی ہو گیا اور رکا و لڑکی بھی پیدا ہوئے اور وہ عفت مآب حاتون جس کا وجود آپ کے لئے طبعی سکون و انس کا سبب تھا انہماج کی زمین میں مستور بھی ہو گئی۔

حال دنیا را بہ پُرسیدم من از فرزانه گفت یا خواجہ است یا باد است یا افسانہ
باز گفتم حال آنکس گو کہ دل درے بہ بست گفت یا غولے است یا دیوے است یا دیوانہ
بی بی، بچے، والدین، برادران اور اقارب و احباب کے تمامی تعلقات کی نوعیت جدا اور ہر ایک کی مفارقت

لے ساتھ ساتھ دراصل وہ دیکھے جو ایک محل سے پیدا ہوئے۔ سہ صوفی صاف دل نہیں ہو سکتا جب تک (محبت الہی کا جام نہ پی لے، بہت سفر کی ضرورت ہے تاکہ کچا کچا بن جائے۔ یعنی حالات و ہر پہلو کو مقامات بن جائیں۔ سہ سنت نبوی کی پیروی کے لئے۔
سہ میں نے ایک عقل مند سے دنیا کا حال پوچھا تو اس نے کہا کہ وہ یا ایک خواب ہے یا ایک ہوا کا جھونک ہے یا ایک افسانہ ہے سہ پھر میں نے اس شخص کا حال پوچھا جس نے اس میں دل لگایا تو اس نے کہا یا ایک بھوت ہے یا دیو یا ایک دیوانہ ہے۔ (مجلد احمد)

موت کا صدمہ ایک نرالا طریق رکھتا ہے جس کی بنا پر رحم و رحیم خدا نے ہر ایک پر صبر کا ثمرہ بھی جدا اور اجر و ثواب کی نوعیت بھی علیحدہ مرتب فرمائی ہے پس آپ کی شانِ غلت جس نے بلا قصد و ارادہ آپ کے کنبہ کو ظہور آتارہے پہلے آپ کا نام خلیل احمد رکھنے پر مجبور کیا تھا اس کو مقصی تھی کہ ایک وقت میں مونہ و غمگساری بی اور نیز نور نظر و محبت جگر بچہ کی مفارقت پر آپ کی تسلیم و رضا کا امتحان لیا جائے۔

اس لئے تین ہی دن میں دونوں سانچے پیش آئے اور حق تعالیٰ کے اس فضل و کرم نے جو ہمیشہ اپنے مقبول بندوں کا حامی و پشت پناہ بن کر خود ہی امتحان لیتا اور خود ہی ان کو سنبھالتا، تعلیم دیتا، رہبری فرماتا اور کامیاب بناتا ہے، آپ کو بھی سنبھالا کہ رضا برقصا میں فرق نہ آنے پایا۔

ذوقے چناں ندارد بے دوست زندگانی بے دوست زندگانی ذوقے چناں ندارد
ادھر نوزائیدہ شیر خوار بچہ کی موت طبعاً موجب حزن ضرور ہوئی کہ ثمرۃ القواد خست ہوا مگر قلباً سبب طمانیت ہوئی کہ وسیلۃ مغفرت اور ذخیرۃ آخرت بنی۔ ادھر مجسم صلاح و اطاعت بی بی کا فراق جس کے ساتھ محبت نے ایک خاص شغف و غلبہ لے لیا تھا دوسرے نوع کے صدمہ و حزن کا سبب بنا، مگر ساتھ ہی یہ مسرت ملی ہوئی تھی کہ مرض احتباس میں مرنا شہادت ہے اور وہ نفوس جن کو آج یا کل آخر ایک دن دنیا کا چھوڑنا ضروری ہے رہے نصیب کہ آخرت کی کھن منزل کو سہولت طے کر جائیں اور ایسے زمانہ میں کہ شہادتِ کبریٰ کا حصول دشوار ہے شہادتِ صغریٰ حاصل کر کے اپنے رب سے جا ملیں، متواتر و ملحق دو قسم کے انتہائی دو صدمہ پر آپ نہایت محزون و غمگین ہوئے اور کیوں نہ ہوتے کہ آخر بشر تھے اور بشر بھی متبع سنت رقیق القلب۔ چنانچہ آپ کی قلبی بیاض میں آپ کے ہاتھ کی لکھی ایک تحریر اور قطعہ تاریخ وفات اہلبیہ | بی بی کی تاریخ وفات میں آپ کے تصنیف کئے ہوئے دو شعر لے جو آپ کے اس رنج و غم اور ساتھ ہی صبر و استرجاع مسنون کا پتہ دیتے ہیں جس کو کوئی دیکھنے والا دیکھ نہ سکا تھا اور وہ یہ ہے:-

لے خلیل یعنی خدا کے دوست ہونے کی شان۔ لے کچھ ایسا ذوق نہیں رکھ سکتی ہے بغیر دوست کے زندگی، بے دوست کے زندگی کوئی ایسا ذوق نہیں رکھ سکتی۔ لے غم کا سبب۔ لے دل کا پھل۔ لے کیونکہ حدیث میں ہے جس کا بچہ مر جائے وہ جنت میں لے جائے گا۔ لے بچہ کے بعد کے خون کا بند ہو جانا، علی شہادت میں سے ہے۔ لے جہاد میں شہید ہونا لے علی شہادت جو حدیثوں میں ہے۔ لے انا بشر پرہنا۔

تاریخ پنجم ذیقعدہ ۱۲۹۵ء والدہ بر خوردار ابراہیم مہر برض احتباس نفاس بخوار رحمت حق پیوست۔
انا للہ وانا الیہ راجعون

اجل کردہ جانانہ را متفصل شدم از وفور الم مضجیل
خلیل از غمش گشت غمگین و گفت بتاریخ او "داغ بر جان دل"

ہر چند کہ آپ شاعر نہ تھے اور ان دو اشعار کے سوا کبھی آپ کی تصنیف کا کوئی شعر دیکھنے یا سننے میں آیا مگر کسی حادثہ کا طبی تاثر یا اوقات قوت وغلبہ پاکر وہ کام لے لیتا ہے جس کا دوسرے وقت میں شکل ہوتا ہے اس لئے آپ کی ذہین و ذکی طبیعت نے بی بی کی وفات پر یہ اشعار موزوں کرادیئے جس کا مادہ تاریخ تعمیر و تخریج کے بغیر بلا کی و بیشی یک حرف داغ بر جان دل شاعرانہ مذاق سے ہی ایک خاص مرتبہ رکھتا ہے۔

عنا اور غم کی شرعی صورت | چونکہ صبر و رضا کی حقیقت یہ ہے کہ صدمہ کا اثر ضرور ہو کہ انسان ہے پتھر یا دیوار نہیں مگر حکم الہی سے غفلت اور حد شریعت سے تجاوز کسی امر میں بھی ہوئے۔ اس لئے آپ اگر بی بی کی مفارقت پر محزون تھے جس کے صدمہ کو اس کی دیویداد گاریں ہر وقت یاد دلاتی ہیں جن میں ایک کی نمبر پانچ سال کی تھی اور دوسری کی عمر ڈھائی سال کی۔ تو اس کے ساتھ ہی آپ ان کی روش کے لئے ہر اس صورت کے لئے طیار تھے جو غیب سے ظاہر ہو۔

۱۲۹۶ء میں نکاح ثانی | چنانچہ مرحومہ کی وفات کو ایک سال نہ گزرا تھا کہ آپ کے والدین نے جن کا سایہ عاطفت آپ کے سر پر اس وقت تک قائم تھا آپ کے عقد ثانی کی تجویز کی

وہ آپ اس پر بھی اسی طرح راضی ہوئے جس طرح عقد اول پر راضی ہوئے تھے کہ
بدر و صاف ترا حکم نیست دم در کش کہ انچہ سانی مار یخت عین الطاف است

۱۲۹۷ء میں آپ کا دوسرا نکاح ابہتہ میں حاجی نظام الدین صاحب کی لڑکی مسماۃ منیر النساء کے ساتھ
۱۲۹۸ء ہر پرمشغول ہوا جس کو انھوں نے چند ہی روز بعد معاف فرما دیا تھا۔ ممدوحہ کا پہلا نکاح شیخ سراج الدین مرحوم سے ہوا تھا اور قلیل عرصہ میں یہ وہ ہو گئی تھیں۔ حق تعالیٰ نے ان کو شیخ وقت کی زوجیت کا احترام نصیب فرمایا

بچہ کے بعد کے خون کے رک جانے کی بیماری میں حق تعالیٰ کی رحمت کے پلہ میں جا لیں۔ ۱۲۹۸ء موت نے محبوبہ کو جدا کر دیا تو میں غم کی زیادتی کو
۱۲۹۹ء خلیل اس کے غم سے غمگین ہوا اور اس کی تاریخ میں یہ کہا کہ دل کی روح پر داغ لگ گیا۔ ۱۳۰۰ء اگر تاریخ نکالنے میں ایک دو
۱۳۰۱ء وہ جائیں تو کسی لطیف اشارہ سے اس کو شامل کرنا تیرہ ہے اور زیادہ کو نکالنا تیرہ ہے وہ تاریخ عمر ہے جس میں کی پیشی نہ کرنی پڑے اور پھر
۱۳۰۲ء تلچٹ اور صاف کام کو اختیار نہیں پس بی جا کہ ہمارے ساتھی نے جیسی بھی انٹیل ہیڈی کردہ لطف ہی لطف ہو (مجلہ ہمدرد)

اور طرفین سے اس اتباع سنت کا ظہور ہوا جس میں موجودہ اور آئندہ بہت کچھ مجاہدے پیش آئے اور ہر قدم پر اثبات و استقلال کے کارنامے ترقیات مراتب کا سبب بنے۔ مروجہ محمدیہ مدرسہ منورہ میں بقید حیات مقیم ہیں اور دعا ہے کہ تادیر بعافیت جسمانیہ و روحانیہ قائم رہیں کہ بڑی خوبیوں والی خاتون ہیں یہ نکاح حضرت گنگوہی کے مشورہ سے ہوا کہ حضرت کے والد نے کہنے کی پانچ لڑکیوں کے نام لکھ کر حضرت کی خدمت میں گنگوہی بھیج دیئے کہ ان میں جس کو انتخاب فرماویں وہاں سلسلہ جنائی کی جاوے۔

پہلی اولاد کی تربیت | مرحومہ کے انتقال پر دونوں بے ماں کے بچے اپنی مادی کی تربیت میں آئے مگر ان کے لئے یہ سایہ بھی تادیر قائم رہنا مقدر نہ تھا اس لئے کچھ عرصہ بعد ان کا بھی انتقال ہو گیا تو لڑکے کو آپ کے چچا زاد بھائی مولوی انوار احمد اپنے ساتھ تھانہ بھون لے گئے اور قرآن شریف شروع کرادیا۔ لڑکی جو اپنے بھائی سے ڈھائی سال چھوٹی تھیں زیادہ تر اپنی نانی کے پاس گنگوہی رہیں اور کچھ مدت اپنی پھوپھی کے پاس اور کبھی انہیں اگر اپنی مائیں کے پاس رہتی تھیں، مگر جہاں بھی رہیں حضرت ان کی خور و نوش کا اہتمام فرماتے اور ضروریات کے قابل خرچ اپنی استطاعت کے موافق پہنچاتے رہتے تھے حتیٰ کہ ان کی عمر پندرہ سال کی ہوئی۔

صاحبزادی کا نکاح | اور حضرت نے اپنے چچا زاد بھائی محمد نعیمی بن محمد علی کے صاحبزادے مولوی محمد ایوب صاحب کے ساتھ اکتوبر ۱۸۹۱ء مطابق ربیع الاول ۱۳۱۰ھ میں نہایت سادہ طریق پر ان کا عقد کر دیا کہ رسومات مروجہ میں کوئی رسم عمل میں نہ آئی۔

مولوی محمد ایوب صاحب | مولوی محمد ایوب صاحب حضرت کے ہمدرد تھے اور مکان سے دیوار بہ دیوار اول ابتدائی کتابوں سے فارغ ہو کر عربی شروع کی اور ڈھائی سال مدرسہ اسلامیہ میرٹھ میں تعلیم پاتے رہے۔ اکتوبر ۱۳۸۶ھ میں بھاوپور چلے گئے اور آخر ۱۳۸۷ھ میں کولامور کے اونٹیل کالج میں داخل ہو کر علوم مشرقیہ کے امتحانات کی سند حاصل کرنے میں لگ گئے ۱۳۹۰ھ میں کولامور کے امتحانات کی دگریاں حاصل کر کے مختار کاری کا امتحان دیدیا اور اب ڈیڑھ غازیخاں میں وکالت کر رہے ہیں۔ صاحبزادی

سے تصنیف کے وقت حیات تھیں بہت تھوڑے عرصہ بعد مدرسہ منورہ میں وفات ہو گئی تھی ان سے تین لڑکیاں ہوئی تھیں جو بلا اولاد جوانی میں وفات پا گئیں۔ ۱۔ مولانا اس وقت فاتحہ امرا دیہ میں مدرس تھے۔ (جیل احمد) ۲۔ مولانا اس وقت جامعہ قنوجی سے ناک کے بال لے رہا تھا اتفاق سے قنوجی رُک سے ناک کے اندر زخم ہو گیا جو آٹا بڑھا کہ اسی کی کھل سے صورت نے انتقال فرمایا۔ ۳۔ بھلاپور میں حضرت کے پاس زیر تعلیم رہے اور لاہور میں علوم مشرقیہ اور قانون کے امتحانات دینے میں مولوی ایوب اور حضرت کے چھوٹے بھائی مولوی رشید احمد ساتھ ساتھ رہے تھے مولوی ایوب صاحب ڈیڑھ غازی خاں میں اور ان کی زوجہ محترمہ پھر پوری انہیں انتقال کر چکی ہیں۔ (اخلاق احمد)

صاحب کی اولاد ہوئی مگر آٹھ مہینے سے زیادہ کوئی بچہ زندہ نہ رہا۔

البتہ ۴ اگست ۱۸۹۷ء کو چوڑی پیدا ہوئی اور عطیہ نام رکھا گیا وہ بھلا اللہ زندہ اور حضرت کی نواسی عطیہ

مولوی مسعود علی راجو پوری سلمہ کے نکاح میں آکر اس وقت دو بچوں کی ماں ہے، حق تعالیٰ حضرت صاحبزادی صاحبہ کی عمر و صلاح میں برکت بخشے کہ اس وقت حضرت کا سلسلہ الانساب انھیں سے چل رہا ہے ورنہ حضرت کی باقی تمام اولاد حضرت کی حیات میں دنیا سے رخصت ہو چکی اور لا ولد یا صاحب اولاد ہو کر مت اپنی اولاد کے سب کے بعد دیگرے عالم آخرت کو سدا ہمار چکے۔

والدہ عطیہ چونکہ زیادہ تر نانی کے پاس رہیں اور بے ماں ہونے کی وجہ سے صاحبزادہ حافظ محمد ابراہیم مرحوم

لاڈ پیار ہوا اس لئے قرآن شریف پڑھنے کی نوبت نہیں آئی مگر صاحبزادہ ہونے کے بعد اس طرف توجہ کی اور قرآن شریف پڑھا۔ البتہ محمد ابراہیم چونکہ مرطہ تربیت میں تھے اس لئے اول قرآن شریف حفظ کیا اور اس کے بعد ان کو حضرت نے اپنے ساتھ لے لیا کہ بریکی دیوبند کے قیام میں وہ حضرت کے ساتھ رہے اور عربی شروع کرادی۔ ہر چند کہ حضرت نے بہت کوشش کی کہ تکمیل ہو جائے مگر مقرر کا مقابلہ کون کر سکتا ہے حافظ ابراہیم کا دل پڑھنے سے اچٹ گیا اور مشکوٰۃ شریف و شرح وقایہ سے آگے نہ بڑھ سکے۔

آخر حاجی محمد اعلیٰ انہوئی نے جن کے قلب میں مسلمان بچوں کی بے علمی و بے ہنری کا انہہ میں انجینئرنگ کالج ایک خاص درد تھا پشش لینے کے بعد جب وطن میں نقشہ نویسی کا مدرسہ کھولا

تو حافظ ابراہیم بھی اس میں داخل ہو گئے اور فارغ ہو کر فاضل کا میں اپنے بہنوئی مولوی محمد ایوب صاحب کی سعی سے عنٹ شاہ روہر محکمہ نہریں ملازم ہو گئے اور چند روز بعد داروغہ تہر ہو کر للغہ ماہوار پر فیروز پور چلے گئے۔ ان کی پہلی شادی مئی ۱۸۹۷ء مطابق ذی الحجہ ۱۳۱۵ء میں حضرت کے چچا زاد بھائی مولانا صدیق احمد صاحب کی صاحبزادی صفیہ خاتون سے ہوئی مگر کوئی اولاد نہیں ہوئی تب دوسرا نکاح ۱۳۲۹ء میں منشی محمد شفیع صاحب

سے پھر پنج لڑکیاں اور ایک لڑکا اولاد ہی جواب میں ہے تین لڑکیاں امراض کا صاحب اولاد ہو چکے ہیں۔ ۲۷ ممکن ہے حق تعالیٰ کو اس سنت کا اتباع بخشا ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کا سلسلہ بھی سب سے پہلی پوری کی بیٹی سے چلا ہے اور باقی سے نہ چل سکا۔ (جمل احمد)

۳۷ انہہ میں دو محمد اعلیٰ انہوئی تھے ایک حاجی محمد اعلیٰ دوسرے منشی محمد اعلیٰ۔ منشی محمد اعلیٰ نے ہی نقشہ نویسی کا مدرسہ کھولا تھا اسی مدرسہ سے بہت سے مسلمان نوجوانوں نے فائدہ اٹھا یا اس مدرسہ کی سنگ و غنٹ میں تسلیم کی جاتی تھی۔ حافظ محمد ابراہیم صاحب اور میرے والد اشفاق احمد صاحب نے اسی مدرسہ میں فن نقشہ نویسی سیکھا تھا اور سب اور سرور در سری کے عہدوں پر سرکار رہے تھے منشی صاحب رحمۃ نے طول عمر پائی آخر عمر میں زیادہ تر تریا دی ہی میں مصروف رہتے تھے۔ عیسٰی صفیہ خاتون کی زندگی میں حافظ کا دوسرا عقد ہوا تھا مگر رخصتی نہیں ہوئی اس عقد کے چھ ماہ بعد صفیہ سے انتقال کر گئیں اور ڈیڑھ سال بعد رخصتی ہوئی۔ ۳۸ منشی محمد شفیع مرحوم شاہ زاہد حسین رئیس بہت کے یہاں ملازم تھے جب منشی صاحب ضعیف ہو گئے تو شاہ صاحب نے ان کی پشش مقرر کر دی تھی۔

(اخلاق احمد)

نانوئی کی دختر سے ہوا۔ مگر اس عقد کے کچھ ہی مدت بعد صفیہ خاتون کا انتقال ہو گیا اور پھر چند ماہ بعد ۳۳۳ھ میں بعمر ۴۰ سال خود حافظ ابراہیم مرحوم نے دنیا کو الوداع کہہ دیا اور اس طرح پر حضرت کی تربیت اولاد کا بالکل خاتمہ ہو گیا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

اولاد پر شفقت حضرت کو اپنی اولاد سے خاص شفقت تھی خصوصاً لڑکی سے کہ ان کی ذرا ذرات کا خیال رکھتے تھے۔ وہ خود فرماتی ہیں کہ بچپن میں ایک مرتبہ میرے سر میں کیڑے پڑ گئے تھے اور میں کسی کو ہاتھ بھی نہ لگانے دیتی تھی حضرت پیار چمکا کر مجھے اپنی گود میں لٹالیا کرتے اور سر منڈواتے اور کیڑے نکالا کرتے تھے۔ کوئی دوسرا میرے سر کو ہاتھ لگانا تو میں بے چین ہو جایا کرتی مگر حضرت جب اپنے ہاتھ سے نکالتے تو مجھے تکلیف نہ ہوتی بلکہ آرام ملا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ معلوم کیا وجہ ہوئی کہ میرے کپڑے نہیں بنے، میں تنہا کوٹھے کے اندر جا کر پلنگ پر لیٹ رہی اور کہنے لگی (گیاں آگئیں پائے سب پھٹ گئے) گرمیاں آگئیں اور پاجامے سب پھٹ گئے۔ حضرت نے ہمیں یہ لفظ سن پائے اور اسی وقت بازار جا کر کپڑا خریدایا اور میرے کپڑے بنوائے۔

مرحومہ کے اعزہ سے تعلق حضرت کو اپنی مرحومہ اہل کے انتقال کے بعد ان کے اعزہ کی دلہری کا بہت زیادہ خیال رہتا اور آپ جب گنگوہ حاضر ہوتے تو اپنی خوشدامن کی خدمت میں بھی ضرور جایا کرتے تھے۔ مولوی فاروق احمد صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت کی خوشدامن میرے والد مولانا صدیق احمد صاحب کی حقیقی خالہ تھیں مگر مجھے معلوم نہ تھا کہ کیونکہ حضرت کی اہل کے انتقال پر میں پیدا بھی نہ ہوا تھا۔ ایک مرتبہ لڑکپن میں مجھے حضرت کے ساتھ گنگوہ جانے کا اتفاق ہوا تو حضرت اپنی خوشدامن کے پاس تشریف لے گئے۔ واپسی میں مجھ سے دریافت فرمایا میں فاروق تمہاری دادی صاحبہ نے مجھ سے پردہ کیوں نہیں کیا؟ میں چپ ہو رہا تب حضرت نے فرمایا کہ ابراہیم کی والدہ ان کی بیٹی تھیں۔

اہلیہ ثانیہ سے اولاد موجودہ اہل سے حضرت کی تین لڑکیاں ہوئیں جن میں چھوٹی لڑکی جس کا نام زمیہ رکھا گیا تھا چارہی سال کی عمر میں بتلائے میضہ ہو کر دنیا سے رخصت ہوئی، ہاں دوا لڑکیاں ام ہانی اور سلمیٰ جوان اور صاحب اولاد ہوئیں۔

اُمّ ہانی کا انتقال ام ہانی کا میاں محمد بایں سے عقد ہوا مگر کچھ ایسا انسانی مرض لاحق ہوا کہ جو کچھ پیدا ہوتا وہ مردہ چوہے کی طرح ایسا پیدا ہوتا تھا گویا رحم مادر میں کسی نے شگج میں کس دیا

۱۔ بچوں سے محبت اور شفقت سنت ہے اور میرے امانت الہیہ ہیں جو تمہیں بت کے واسطے دی گئی ہیں کوتاہی پر باز پرس ہوگی اولاد مملوک نہیں ہوتی خلائی امانت ہے۔ ۲۔ یہی اتباع سنت تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ کے عزیزوں و رشتہ والوں کا بہت خیال رکھا کرتے۔ ۳۔ سابق بیچ الحریث جامعہ عجائب مہادلیور۔ (جمیل احمد)

چند سال بعد شوہر دفعۃً مجنوں ہو گیا اور اس صابرہ عقیقہ لڑکی کو طرح طرح کی جسمانی و روحانی تکالیف برداشت کرنا پڑیں۔ آخر اندر ہی اندر حزن و غم سے گھٹ کر دق ہو گئی اور ۲۶ شعبان ۱۲۹۸ھ مطابق ۲۱ اگست ۱۸۸۱ء کو انہیں میں انتقال ہو گیا۔

سلمیٰ کا انتقال ^{۱۰}
دوسری لڑکی سلمیٰ کا عقد مولانا حافظ عبد اللطیف صاحب سے ہوا جو اس وقت حضرت کے قائم مقام ناظم مدرسہ مظاہر علوم ہیں مگر وہ بھی طرح طرح کے امراض کا شکار رہی اور آخر گے میں انجیر نکلے جن کا یکے بعد دیگرے دو مرتبہ لڑھکانے لجا کر آپریشن کرایا گیا مگر آخر اس کو بھی دق لاحق ہوئی اور چند ماہ کی ایک کچی خدیجہ نام چھوڑ کر وہ بڑی بہن سے پہلے ہی ربیع الثانی ۱۲۸۸ھ مطابق ۱۰ جون ۱۸۸۱ء میں دنیا سے رخصت ہو گئی۔ نین چھینے بعد ۷ رجب ۱۲۸۸ھ کو معصومہ خدیجہ نے بھی ماں کا ساتھ دیا۔

اور اس طرح پرتین سال میں جو ان اولاد کے متواتر تین صدے حضرت کو لاحق ہوئے کہ سب سے پہلے سلمیٰ نے بغیر یا ئیس سال انتقال کیا اور اگلے سال ام ہانی رخصت ہو کر انہیں میں مدفون ہوئی اور تیسرے سال سب سے بڑے اور اکھوتے لڑکے حافظ ابراہیم مرحوم نے سہارنپور کے گورستان کو اپنا مدفن بنایا۔ فان الله وانا اليه راجعون۔

روحانی اولاد
اس صلہ میں کہ آپ کی بنی اولاد دنیا سے اٹھی حق تعالیٰ نے آپ کی روحانی اولاد کو بیش از بیش بنادیا کہ آپ کا روحانی علمی و عملی فیضان اور شریعت و طریقت کے مستفیدین تلامذہ و مریدین ہزار ہا کی تعداد میں مشرقاً و غرباً پھیلے جو آپ کے مبارک نام اور آپ کی پاکیزہ مرشدانہ سوانح کو قیامت تک یاد رکھیں گے۔

رہتا سخن سے نام قیامت تلک ہے ذوق
اولاد سے تو یہ ہی کہ دو پشت چار پشت

^{۱۱} مولانا حافظ عبد اللطیف صاحب مولانا جمعیت علی صاحب پروفیسر مجاہد پور کراچ کے فرزند اور مولانا بابت علی صاحب مدرسہ مظاہر علوم کے مہتمم تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو حسن صورت اور حسن سیرت سے بہرہ وافر عطا فرمایا تھا۔ حضرت نے دامادی سے نوازا، ہمیشہ مدرسہ کی علمی اور انتظامی خدمات میں حضرت کے دست راست رہے۔ اپنے دور نظامت میں حافظ صاحب مدرسہ کو نمایاں ترقی دی۔ نور قاضی ضلع مظفرنگر آپ کا وطن تھا۔ میں وفات پائی۔

(اخلاق احمد)

سفر حج و زیارتِ بلدۃ الرسول

۱۲۹۳ھ میں حضرت قدس سرہ باجارتِ امام ربانی مدرس ہو کر بھوپال تشریف لائے جس کی صورت غالباً یہ ہوئی کہ مولانا جمال الدین مدار المہام شوہر والیہ ریاست سکندر جہاں بیگم حضرت مولانا مملوک علی صاحب کے شاگرد تھے اور چاہتے تھے کہ استاد زادہ مولانا محمد یعقوب صاحب کو تین سو روپیہ ماہوار پر ریاست میں بلا کر حقِ خادمیت ادا کریں۔ مگر مولانا مرحوم اس وقت اکابر ملت کی تجویز سے دارالعلوم دیوبند میں منتقل ہو کر مدرسہ اول ہو چکے اور جمہور کی یکصد روپیہ ماہوار کی ملازمت اور بریلی کی انسپکٹری مدارس کو خیر باد کہہ کر اس فقیرانہ مخلصانہ درسگاہ کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف فرما چکے تھے اس لئے آپ نے بھوپال جانے سے انکار کر دیا اور مولوی جمال الدین صاحب کو لکھا الا حاجتی نفس یعقوب الا قضاہا۔ یعقوب کی دلی حاجت جو کچھ تھی وہ پوری ہو چکی کہ بقدر ضرورت معاش کے ساتھ اہل اللہ کا قرب اور علمیہ دینیہ خدمت نصیب ہو گئی لہذا اب کہیں آنے جانے کا خیال نہیں۔

مدار المہام جب آنحضرت کی طرف سے یاوس ہوئے تو اسی پر اکتفا کیا کہ اپنی تجویز سے کسی ہونہار عالم کو بھیج دیں۔ مولانا انوار احمد صاحب کا بیان ہے کہ غالباً حضرت کے بھوپال جانے کی یہی تقریب ہوئی کہ مولانا محمد یعقوب صاحب نے اپنے بھائی کا انتخاب فرمایا اور حضرت قدس سرہ نے اپنے مرشد و مرنی روحانی حضرت امام ربانی سے اجازت لے کر ضئے ماہوار پر بھوپال کا سفر اختیار کیا۔

ہر چند کہ آپ کا قیام اور خور و نوش کا انتظام مدار المہام کی کوٹھی میں تھا جس کا نام موتی محل تھا مگر آپ کو ان اضلاع کا چھوڑنا جن میں انوار و تجلیات کی موسلا دھار بارش برتی ہوئی آنکھوں سے دیکھتے تھے بہت ہی شاق ہوا اور اس کے ساتھ ہی وہاں کی آب و ہوائ نے ناموافقت کی کی صحت درست نہ رہی اس لئے آپ گھبرائے اور حضرت سے اجازت چاہی کہ مستعفی ہو کر وطن آجاویں۔ ادھر حضرت امام ربانی کو بھی دل سے پسند نہ تھا کہ اپنے خواص کو اپنے سے اتنا دور رکھیں کہ ایک بار آنے میں چار دن کا وقت اور چالیس روپیہ کا خرچ ہو اس لئے فوراً یہ جواب لکھا۔

لے یہ آیت نہیں ہے آیت کی طرف بعض لفظوں سے اشارہ ہے آیت یوں ہے الا حاجتی نفس یعقوب قضاہا کہ بیٹوں کا متفرق دروازوں سے داخل ہونا اللہ سے کچھ درجہ میں بھی بے پروا نہیں کر سکتا تھا سوائے ایک حاجت کے جو یعقوب علیہ السلام کے دل میں تھی اسے پورا کر دیا۔ (جیل احمد)

مکتوب حضرت گنگوہی رحمہ اللہ | برادرم مولوی خلیل احمد صاحب مد فیوضہم۔ بعد سلام مسنون مطالعہ فرمایند۔
 آج خط آیا حال معلوم ہوا۔ در صورتیکہ ہوا وہاں کی آپ کو موافق نہیں تو
 ترک وہاں کا ضروری ہے کہ اس جگہ کا کہ ہوا ناموافق ہو ترک کرنا حکیم حدیث ثابت ہے۔ مگر چونکہ معاش کا
 قصہ نازک ہے لہذا جب تک دوسری جگہ سامان نہ ہو جائے ترک مناسب نہیں۔ اس واسطے چندے قیام
 وہاں کا مناسب ہے۔ مراد آباد میں آپ کی طلب بہت ہی۔ اب وہاں مولوی عبدالحی پوری آگئے ہیں
 مگر جیسا چاہئے ویسا کام ان سے نہیں ہوتا۔ اگر مناسب ہوا وہاں یا دوسری جگہ کہ تدریس اس کی کرتا ہوں
 تجویز ہو کر مطلع کروں گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ فقط ۱۸ ربیع الاول ۱۲۹۳ھ روز جمعہ۔

پہلا سفر حج ۱۲۹۳ھ | اس حکم کی تعمیل میں حضرت قدس سرہ بھوپال میں ٹھہرے رہے حتیٰ کہ موسم حج آیا
 اور بہاء شوال آپ کو اپنے نواح وطن سے کچھ لوگوں کے ارادہ سفر حج کی اطلاع
 ملی۔ ہر چند کہ آپ غیر مستطیع تھے اور آپ پر حج فرض نہ تھا لیکن صفائش دل میں زیارت بیت اللہ و
 بیت الرسول کا فطری طور پر شوق رکھتے تھے اور مشتاقان سفر عرب کی خبر سن کر اس میں ہیجان پیدا ہو گیا تھا
 اس لئے آپ کے قلب میں اس کا داعیہ ہوا کہ کاش اس سال مجھے بھی حج نصیب ہوا اور کسی طرح میں بھی حرمین
 شریفین کی حاضری سے بہرہ یاب ہو جاؤں۔ چنانچہ آپ نے اول اپنے آقائے روحانی کو لکھا اور پھر دنیوی
 آقا کی خدمت میں درخواست دی کہ دارالاقبال ریاست بھوپال کا طریق عمل یہ ہے کہ جو ملازم حج کو جائے
 اس کو رخصت بلا وضع اور ان چند ماہ سفر کی تنخواہ پیشگی دیدی جاتی ہے لہذا آپ بھی عنایت فرمادیں
 تاکہ میں حج کراؤں۔

چونکہ آپ کی ملازمت سرکاری ملازمت نہ تھی اس لئے رئیس نے قانون ریاست کا تحمل تو نہ کیا مگر
 کچھ تنخواہ پیشگی دے کر رخصت منظور کر لی۔ آپ ناکافی روپیہ لیکر وطن آئے مگر حصول رخصت میں دیر ہوئی
 تو اگر دیکھا کہ جانے والے حجاج جا چکے اور اب آپ تنہا ہیں کہ سفر کرنا چاہیں تو اکیلے جائیں۔ تنہائی و
 نا تجربہ کاری اور طوالت سفر آپ کو پریشان ضرور کرتی تھی مگر آپ کا شوق اور آپ کا توکل آپ کے قدم کو
 آگے بڑھا رہا تھا اس لئے آپ نے ہمت نہ ہاری اور آپ اپنے مرشد اور والدین سے اجازت لے کر دو سالہ
 لڑکے اور ماہہ بچی کو اللہ کے سپرد کر کے وطن سے تنہا روانہ ہو گئے۔

بہشتی پہنچ کر آپ کو معلوم ہوا کہ تمامی اجاب پہلے ہجاز میں سوار ہو چکے اور اب بحری سفر بھی تنہا
 کرنا پڑے گا۔ اس پر بھی آپ ہر اسان نہ ہوئے اور جانے والے جہاز کا ٹکٹ خرید کر سوار ہو گئے۔

بحری جہاز کا سفر

اپنے اس سفر کا ایک بار آپ نے خود تذکرہ فرمایا کہ جہاز بندر سے چلا تو مجھے دورانِ سر شروع ہوا اور پورے تین دن چکر اور قے میں گزر گئے کہ کھانے کی خواہش بھی نہ ہوئی مگر چوتھے دن جب دریا طبیعت کو سکون ہوا تو بھوک معلوم ہوئی اور میں نے ایک دیگی میں مونگ کی کھڑی نکال کر پکنے کے لئے چو لھے پر رکھی۔ پکانے کا کبھی اتفاق نہ ہوا تھا، دیکھا تو پانی اوپر آگیا اور دال گل گئی مگر چاول جوں کے توں، نمک اس قدر تیز کہ منہ تک نہ لی جانی جاسکے، خاموش ہو کر اپنی جگہ آ بیٹھا اور دیگی کو ایک طرف رکھ دیا۔

بھوپال کے قریب کے ایک نواب صاحب بھی اسی جہاز میں حج کو جا رہے تھے جن کا نام آپ نے لیا مگر مجھے یاد نہیں رہا) میری عمر کا اس وقت چوبیسواں سال اور شباب کا زمانہ تھا اتفاق سے ان کا اس طرف گزیر ہوا اور مجھ پر نظر پڑی تو پوچھنے لگے صاحبزادے تمہارے ساتھ کون ہے؟ میں نے برجستہ جواب دیا کہ اللہ۔ یہ سن کر وہ خاموش چلے گئے اور اپنی جگہ پہنچ کر مجھے بلایا۔ میں گیا تو انھوں نے میری دعوت کی اور فرمایا کہ صاحبزادے تم کھانا ہمارے ہی ساتھ کھایا کرو۔ میں نے کہا کہ یوں تو کھاتے ہوئے شرم آتی ہے ہاں کوئی خدمت مجھ سے لیجئے تو انکار نہیں۔ وہ در اسوچے اور پھر مجھ سے پوچھا کہ تم کو لکھنا آتا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں آتا ہے اور لکھ کر ان کے سامنے پیش کیا میرا خط دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے اور کسی کتاب کا مسودہ ان کے ساتھ تھا اس کو خوشخط نقل کرنے کے لئے میرے حوالہ کر دیا میں نے روزانہ کی کارگزاری صفحات کی تعداد میں مقرر کر لی اور کھانا ان کے ساتھ کھانے لگا۔ خالی بیٹھے کا مشغلہ بھی مجھے ہاتھ آگیا اور پکانے کی مصیبت سے بھی نجات مل گئی۔

چند روز بعد جدہ کا بندر نظر آیا اور میں نے نواب صاحب سے کہا کہ یہاں کشتیوں کے ملاح اسباب کی چمپین جھپٹ میں بہت پریشان کرتے ہیں اور اسباب ضائع ہو جاتا ہے لہذا یہاں کا انتظام میرے سپرد کر دیجئے۔ چنانچہ اول میں نے سارے اسباب کو یکجا کرایا اور ملازمین کو اس کے چار طرف کھڑا کر دیا کہ کسی کو ہاتھ نہ لگانے دیں میں نے اپنا مختصر سامان بھی اسی میں شامل کر دیا اور چونکہ مجھے عربی آتی تھی اس لئے ملاحوں کے جہاز پر حملہ کرتے وقت میں نے علیحدہ جاکر ایک ملاح سے عربی میں باتیں کر کے پوری کشتی کا کرایہ طے کر لیا اور اس کو اسباب دکھا کر ملازمین سے جو اسباب کا احاطہ کئے کھڑے تھے کہہ دیا کہ عدد شمار کر کے اس کو دیدو اور اس کے علاوہ کسی کو پاس نہ آنے دو۔ چنانچہ اول سارا اسباب بحفاظت تمام کشتی میں پہنچ گیا اور پھر ہم سب اطمینان سے جہاز سے اتر کر اسی کشتی میں آ بیٹھے۔

لے کہ جب تک وقت یا کام مقرر نہ ہو معاملہ جمع نہیں ہوتا۔ (جیل احمد)

نواب صاحب میرے حسن انتظام پر بہت مسرور اور ممنون ہوئے کیونکہ دوسرے حجاج کی پریشانیوں اور نقصان دیکھ رہے تھے کہ چار طرف گمشدگی اسباب کا شور مچ رہا تھا ماسفر بلبلارہے ہیں۔ جیدہ شہر میں داخل ہو کر میں نے اہل مسودہ اور اس کی خوشحفاظ نقل نواب صاحب کو پیش کر کے اجازت چاہی کہ مجھے آزاد فرمادیں۔ ہر چند نواب صاحب نے اصرار کیا کہ میں تم کو تا واپسی وطن علیحدہ نہیں کر سکتا مگر میں نے کہا کہ یہاں میں نوکری کے لئے نہیں آیا، اللہ کے گھر حاضر ہو کر بھی بندگان خدا کا غلام بن رہا تو حاضری کا لطف ہی کیا ملا۔ چونکہ دروازہ پہنچ گیا ہوں اس لئے اب تو کوئی صورت ہی نہیں کہ تعمیل ارشاد کر سکوں۔

غرض نواب صاحب سے رخصت ہو کر اونٹ پر تنہا سوار ہو کر چل دیا اور مکہ مکرمہ میں تو گیا میرا گھر تھا کہ علیحضرت حاجی صاحب تشریف رکھتے تھے اس لئے سیدھا حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور دونوں وقت کی پکائی کھانے لگا۔ سارا وقت حرم شریف میں علیحضرت کے پاس گزارا اور اطمینان کے ساتھ طواف و نمازیں مشغول رہتا۔

مدینۃ الرسول کی کشش | حج سے فارغ ہو کر قافلہ کے مدینہ منورہ چلے کا وقت آیا اور چار طرف یہ افواہ پھیلی کہ راستہ ماعون نہیں اور جان و مال ہر قسم کا خطرہ ہے تو علیحضرت حاجی صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ ”مولوی خلیل احمد کہو کیا ارادہ ہے، سنتا ہوں کہ مدینہ منورہ کے راستہ میں امن نہیں ہے اور اس لئے حجاج بکثرت واپس وطن جا رہے ہیں۔“ میں نے عرض کیا کہ حضرت میرا قصد تو مدینہ طیبہ کا ہی ہے کہ موت کے لئے جو وقت مقرر و مقدر ہو چکا وہ کہیں بھی نہیں مل سکتا اور اس راستے میں آجائے تو زہرے نصیب کہ مسلمان کو اور چاہے کیا۔ اللہ کا فضل ہے کہ اس نے یہاں تک پہنچا دیا۔ اب اگر موت کے ڈر سے مدینہ طیبہ کا سفر چھوڑوں تو مجھ سے زیادہ بدنصیب کون۔“

یہ سن کر علیحضرت کا چہرہ خوشی کے مارے دھلنے لگا اور فرمایا بس بہ، تمہارے لئے یہی رائے ہے کہ ضرور جاؤ اور انشاء اللہ تعالیٰ پہنچو گے۔ چنانچہ میں حضرت سے رخصت ہو کر مدینہ منورہ روانہ ہوا اور جس طمانیت و راحت کے ساتھ پہنچا وہ میرا دل خوب جانتا ہے۔ تقریباً دو ہفتہ حاضر آستانہ رہا اور پھر بخیریت تمام وطن پہنچ کر حضرت امام ربانی کا قدمبوس ہوا۔

مدرسہ اسلامیہ سکندر آباد میں تقرر | سفر حج سے واپس آ کر حضرت نے مجھ کو پال کا ارادہ نہیں کیا کہ وہاں کی آب و ہوا ناموافق تھی اور مرشد سے بعد جسمانی بھی زیادہ تھا۔ لہذا چند روز وطن میں رو کر آپ ماہِ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۵ھ سکندر آباد ضلع بلند شہر کے مدرسہ اسلامیہ واقع جامع مسجد میں مدرس ہو کر چلے گئے مگر وہاں بعض مبتدعین مخالف اور برسرِ پاش ہو گئے جس کی اطلاع آپ نے حضرت

امام ربانی کو دی اور تزکیہ تعلق کا قصد کیا مگر حضرت نے آپ کو روکا اور یہ خط بھیجا۔

مکتوب حضرت گنگوہی رحمہ اللہ مولوی خلیل احمد صاحب مدنی رحمہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ: آپ کے نامہ نے درود کیا حال معلوم ہوا۔ قصہ جدید سے کچھ آپ وحشت نہ کریں۔ عالم

میں مخالف و موافق دونوں ہوتے ہیں آپ اپنا کام کئے جاویں۔ اگر خیال برسر پر قاش میں موافق برسر نگہداشت ہیں، جب تک ہوا اپنی طرف سے ترک مت کرو۔ ہدیہ اطفال کا اور ہدیہ ورثہ اطفال کا لینا جائز ہے کچھ اندیشہ نہیں۔ پہلے خط میں لکھا سہوا ہوا تھا فقط۔ مگر اس شکایت کی رفع اور تکذیب میرا قدر علی سے اگر مناسب ہو کسی کی زبانی کر اؤ کچھ گونا فاع نہ ہو۔ اپنی طرف سے سب کو راضی رکھنا بہتر ہے شاید کچھ نافع ہو جائے: قال اللہ تعالیٰ فَمَا رَحِمْتُمْ مِّنَ اللَّهِ لَئِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ فِرْقَةٌ كَارِضِي هُوَ مَا تَتَوَقَّعُ نَهْنِیْ حُصُوصًا جب واعظان کے ترغیب دینے والے دورہ کرتے ہوں فقط والسلام۔ روز جمعہ ۱۶ جمادی الثانیہ ۹۴۲ھ (۲۹ جون ۱۸۷۵ء)

آپ نے تعیل حکم شیخ میں ارادہ واپسی فسخ کیا اور رفق و نرمی کا برتاؤ فرما کر تدریس میں مشغول رہے مگر اہل سکندر آباد کے لئے آپ کے فیوض سے مستفید ہونا مقدر نہ تھا اس لئے ایسی صورتیں پیش آئیں کہ آپ وہاں نہ رہ سکے اور آخر باجائز امام ربانی آپ وہاں سے مستغنی ہو کر وطن چلے آئے۔

جماعت اہل اللہ کا سفر حج ۱۲۹۳ھ بمابہ شوال بزرگان ہندوستان کے اس قافلہ نے بیت اللہ کا قصد کیا جس کی نظیر گذشتہ زمانہ میں نظر آئی نہ آئندہ نظر

آنے کی توقع کہ فلک ہدایت کے نیرین حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور قاسم العلوم و انجرات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہما سالار قافلہ ہوئے اور صد ہا مسلمان جنہوں نے بھی اس مقدس قافلہ کی اطلاع پائی ساتھ ہو گئے حضرت کے استاد مولانا محمد ظہر صاحب اور آپ کے ماموں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب مدرس اول و مولانا رفیع الدین صاحب مہتمم مدرسہ دیوبند مولانا محمود حسن صاحب بھی ہمراہ ہوئے اور گویا ہندوستان اہل اللہ سے خالی ہو گیا۔ ہر چند کہ حضرت بھی تڑپے کہ حزب اللہ کی ہمرکابی نصیب ہو مگر آپ کو سفر حج سے واپس ہوئے چند ہی ہیمے ہوئے تھے اور زادراہ کا انتظام نہ ہو سکے کی وجہ سے حضرت امام ربانی نے آپ کو اجازت نہ دی تھی۔ اس لئے آپ راضی برضا ہو کر بیٹھ رہے اور یہ سال آپ کا بحالت حزن مفارقت شیوخ و وطن ہی میں گذرا کہ آپ کہیں ملازمت پر نہ جاسکے۔

لے حق تعالیٰ۔ سہ کہ وہ بھی والدین کا ہی ہوتا ہے واسطہ نیچے جاتے ہیں۔ سہ تو اللہ ہی کی رحمت کی وجہ سے تم ان کیلئے نرم ہو گئے ہو۔ سہ ان کی رضامندی مقصود نہیں طریقہ صحیح مقصود ہے۔ سہ حق تعالیٰ کی مرضی پر راضی ہو کر کہ ان کی مرضی ہو تو تسامح کیا ہو جائے نہیں ہوا تو مرضی بھی نہیں ہوئی۔ (جیل احمد)

ربیع الاول ۱۲۹۵ء میں یہ حضرات واپس ہندوستان آئے اور وہ انوار و تجلیات جن کے سمندر پار جانے سے ہندوستان میں اندھیرا چھا گیا تھا دوبارہ نظر آئیں اور ضلع سہارنپور گویا از سر نو آباد ہوا۔

دوبارہ ملازمت بھاوپلپور مولوی شمس الدین صاحب چیف جج بھاوپلپور نے دیوبند حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کی خدمت میں ایک قابل مدرس کی طلب کے متعلق درخواست بھیجی جس میں بہت کچھ اوصاف کی قید تھی کہ نوجوان ہو، نہایت ذکی ہو، ہر فن میں شہر اور وجہ ہو، خلیق و تنظیم ہو کہ طالبہ کا اتالیق بن سکے اپنے علم پر عامل اور مجسم صلاح ہو کہ صورت سے نیک روی کا سبق لیا جاسکے وغیرہ وغیرہ مگر چونکہ حضرت مخدوم سفر جج میں تشریف لے گئے تھے اس لئے جب ۱۲۹۵ء میں واپس تشریف لا کر مدرسہ کا کام سنبھالا تو اس درخواست کو بھی دیکھا اور حضرت کو تجویز فرمایا کہ بھاوپلپور تشریف لے جاویں۔

حضرت فرمایا کرتے تھے کہ میں نے عند بھی کیا کہ جن شرائط کا مدرس ان کو درکار ہے مجھ میں مطلقاً نہیں پائی جاتیں۔ مگر حضرت مولانا نے فرمایا میاں رہے بھی دو لکھنے والے یوں ہی لکھا کرتے ہیں اور اہل علم اپنے کو یوں ہی سمجھا کرتے ہیں۔ تم کو اپنی ناقابلیتی یہیں نظر آتی ہے کہ سر پر بڑے موجود ہیں۔ باہر جا کر دیکھو گے تو اتنا بھی کسی کو نہ پاؤ گے۔ اس وحشت کو دور کرو اور اللہ کا نام لیکر چلے جاؤ۔ بالآخر حضرت مولانا اور حضرت امام ربانی کی رائے متفق ہو گئی اور میں ۱۲۹۵ء میں واپس بھاوپلپور چلا گیا۔

حضرت کا دوسرا حج ۱۲۹۷ء اخیر سال ۱۲۹۵ء کو آپ کی اہلیہ کا مرض احتباس انتقال ہوا اور آپ بھاوپلپور سے وطن آئے مگر چند روز قیام فرما کر بچوں کی تربیت کا انتظام کر کے واپس تشریف لے گئے۔ اسی قیام بھاوپلپور میں آپ کو دوسرے حج کا اتفاق ہوا جس کی صورت غالباً یہ ہوئی کہ مولوی شمس الدین صاحب نے حج کا ارادہ فرمایا اور اپنے ساتھ آپ کو بھی لے جانا چاہا کہ ان کے بچوں کی تعلیم آپ کے متعلق تھی اور آپ کا قیام بھی انھیں کے مکان پر تھا جس کی وجہ سے ان کو آپ کے ساتھ ایک خاص نسبت تھی اور آپ سے بہتر رفیق جو باقاعدہ ادب و ماسک کراوے دوسرا مل بھی نہیں سکتا تھا۔

ادھر آپ کے کانوں میں یہ خبر پہنچی کہ حضرت گنگوہی قدس سرہ اور مولانا محمد یعقوب صاحب اس سال پھر حج کا ارادہ فرما رہے ہیں چونکہ پہلے سفر میں حرمین ہر کابی کا قلعہ آپ کے دل پر تھا اس لئے آپ کو مولوی شمس الدین صاحب کی یہ درخواست نعمت الہیہ معلوم ہوئی اور آپ نے اپنا شوق اور مفصل حال امام ربانی کو لکھ کر حکم قطعی طلب کیا جس کے جواب میں حضرت کا بمابہ شعبان ۱۲۹۷ء یہ خط پہنچا۔

مکتوب حضرت گنگوہیؒ

عنایت فرایم مولوی خلیل احمد صاحب دام فیوضہم۔ بعد سلام مسنون
مطالعہ فرمایند۔ آپ کا خط آیا حال معلوم ہوا۔ سر میں چونکہ ضعف بہت ہو گیا
ہے لہذا وہ کیفیت بھی کم پس کی پذیر ہے کہ اب دس بجے سے بارہ بجے تک رہتی ہے۔ بہر حال اب مرض قریب
ازالہ کے ہے مطمئن رہیں۔ مولوی شمس الدین کے حال و مزاج پر جو آپ کو طمانیت ہے اور نظر غالب وہ
ایسے ہی ہیں تو ان کے ساتھ جانے میں کیا اندیشہ ہے۔ بندہ کی رائے ہے کہ آپ قصد فرمادیں۔ مگر تاہم کچھ مقدار
خرج اپنے پاس رہنا چاہیے کہ اگر خدا خواستہ کوئی صورت دیگر پیش آجاوے تو احتیاج نہ پڑے۔ بارہا ایسا
ہوا ہے کہ کھیل حجاج فوت ہو گیا یا مزاج کی مخالفت پیش آئی جس سے افتراق ہوا تو ایسی صورت میں بہت
پریشانی ہوتی ہے اور یہ سب تدبیر ظاہر ہے کہ جس کا استعمال ممنوع نہیں ورنہ ہوتا وہی ہے جو رضا
تعالیٰ شانہ ہے۔ اب بندہ کا حال سنو کہ فرض نہیں کہ خواہ مخواہ بے کلی ہووے۔ ہاں بھلے کام کی دل میں
خواہش ہے لیکن ضعف جسم سے ضعف ہمت بھی ہے اس واسطے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اگر اس وقت پر ہمت ہو جاوے
اور سامان بھی مقدار ہووے تو کیا عجب ہے ورنہ کچھ صورت نہیں۔ لہذا اس وقت تک غم نہیں۔ غلط افواہ
مشہور ہے۔ مولوی محمد یعقوب صاحب کا غم مجھ کو معلوم نہیں۔ ہاں تنہاری والدہ و ہمیشہ اور اہلیہ مولوی
صاحب مرحوم سنا ہے کہ جزباً عازم ہیں۔ نقصان مالی معلوم ہوا۔ حق تعالیٰ آپ کو اور بہت کچھ دیوے گا اگر
سارق کو بُرا نہ کہا جاوے تو بہتر ہے کہ پورا اجر ملے۔

مکتوب حضرت گنگوہیؒ بنام نذیر احمد

مولوی نذیر احمد صاحب۔ السلام علیکم۔ جو کلمات کہ انداز سے
بڑھ جاویں اس کا کہنا اور لکھنا گو تنہاری عقیدت سے ہو مگر مجھ کو
موجب ندامت کا ہوتا ہے۔ مولوی خلیل احمد کو بھی القاب اعلیٰ لکھنے سے چند بار منع کیا ہے بہتر کلمات وہ
ہیں جو اپنی قدر کے موافق ہوویں۔ مشہور یہاں یہ ہے کہ مولوی نذیر احمد اپنی والدہ کے ساتھ حج کو جاویں گے
مولوی محمد یعقوب صاحب کا ذکر کسی نے نہیں کیا۔ یکم شعبان یہاں بھی بروز شنبہ ہی قرار پائی۔ یہاں بارش
بکثرت ہے۔ فقط رشید احمد

۱۔ کیت و مقدار۔ ۲۔ نہ توکل کے خلاف ہے کہ ذرائع کے بعد توکل رہتا ہے اور محض احتیاط ہے بدگمانی نہیں
کہ منع ہو۔ ۳۔ حج اب فرض نہیں پہلے ادا ہو چکا۔ (جیل احمد)
۴۔ مولوی نذیر احمد حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بھٹے بھائی تھے میں نے اپنی دادی مرحومہ سے سنا ہے کہ وہ بہت حسین اور خوش خلق کے
ماہر تھے میں نے اپنی بڑی ہمیشہ سے سنا ہے کہ موصوف بہ نیت ہجرت مکہ معظمہ چلے گئے اور وہیں انتقال فرمایا اس کے بعد ان کی
بیوی دادی امۃ الرحمہ وطن واپس آگئیں۔ مولوی نذیر احمد صاحب کی صرف ایک بیٹی تھیں جن کا نام فاطمہ تھا۔ تقسیم کے بعد
کراچی میں اپنی چھوٹی لڑکی حمیدہ اور دادی عزیزاچی کے پاس رہتی تھیں یہیں انتقال فرمایا۔ (اخلاق احمد)

اس والا نامہ سے آپ کو امید بندھی کہ والدہ و ہمشیرہ اور ان کے ساتھ محرم بن کر آپ کے بھائی مولوی
ذریا احمد ضرور جائیں گے اور امام ربانی کی تشریف بری بھی متوقع ہے اور غیب سے سامان ہوا کہ مولوی
شمس الدین تمام اخراجات کے کفیل ہو رہے ہیں لہذا آپ نے سفر بیت اللہ کا قصد کر لیا اور اپنی جگہ امام ربانی
کے بھانجہ مولوی الطاف الرحمن صاحب کو تجویز کر کے ان کو بھی بلا لیا اور اس تمنا و شوق کے پے در پے
غرض بھیجے لگے کہ کاش حضرت کا غم بختہ ہو جائے اور ہم کابی نصیب ہو مگر افسوس کہ آپ کے لئے رُج
مقرر تھا لیکن شیخ کی معیت سفر اب بھی مقرر نہ تھی کہ حضرت نے اپنے فسخ غم کی عین اس وقت جبکہ
مارا سامان سفر درست ہو گیا اس طرح اطلاع دی۔

مکتوب حضرت گنگوہی | مولوی خلیل احمد صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کے خطوط شری پہنچے اور آخر
خط سے مع انحر پنچا عزیزم مولوی الطاف الرحمن کا بھی معلوم ہوا۔ یہاں
ہر طرح خیریت ہے اور اپنا حال بھی بدستور ہے۔

اگرچہ پہلے غم سفر میں تردد شک کے درجہ کا تھا مگر اب اپنی کیفیت غالبہ پر غلبہ عدم سفر کا معلوم ہونا
بے تجربہ یوں معلوم ہوا کہ اگر دو پہر کو قیلو نہ نہ ہووے تو کلفت رہتی ہے۔ اگر غذائے ناموافق کا اتفاق ہوتا ہے تو
گئے روز تک اس کا اثر رہتا ہے اور جو شب کو جاگنا ہو جاتا ہے تو دوسرے روز لگتا ہے۔ ایسا ہی تھوڑے سے تغیر میں
مع تغیر و سکندر ہو جاتی ہے۔ سو ایسی حالت میں صعوبت سفر کا تحمل بظاہر دشوار معلوم ہوتا ہے۔ لہذا اب غالب
عدم حضور خدمت حضرت مرشدنا فہم میں آ رہا ہے۔ ادھر سب دوست خیر خواہ مشورہ اقامت دے رہے ہیں
شیخ عبدالعزیز خاں ہنوز مریض ہیں ان میں بھی ہمت سفر نہ رہی تو ہر حال اب اپنا فسخ غم ظاہر کر کے اس قدر
کہتا ہوں کہ بدعا خیر مجھ کو بھی یاد کرنا مواقع اجابت میں اگر یاد آ جاؤں اور حضرت مرشدنا سے جو کیفیات
مشہور و مسموع تم کو ہوئیں بیان کر کے عذر حاضر نہ ہونے کا کر دینا۔ اگر زندگی رہی تو سال آئندہ دیکھے کیا پیش
آوے، مقدس سے سب مجبور ہیں، تدبیر کی کیا پیش رفت ہوتی ہے۔ فقط والسلام۔ مولوی الطاف الرحمن کو
سلام و تحیات پہنچے۔ مولوی شمس الدین صاحب کو بھی سلام علیک فرماویں۔

خصت کی منظوری | چنانچہ یکم اکتوبر ۱۲۵۵ مطابق ۲۵ شوال ۱۳۷۴ سے آپ کی رخصت سفر حج محبت
ہوئی اور مولوی الطاف الرحمن صاحب نے آپ کی جگہ کام کیا مگر مولوی الطاف الرحمن
صاحب کو حضرت امام ربانی کے ساتھ اتنی محبت تھی کہ وہ اس مفارقت بعیدہ کو گوارہ نہ کر سکے اور ایک مہینہ
بشکل نباہ کر گنگوہ چلے آئے۔ اس وقت امام ربانی نے مولانا انوار احمد صاحب ایتھوی کو ان کی جگہ بھا واپور

بھجودیا۔ حتیٰ کہ پانچ ماہ بعد مارچ ۱۸۸۷ء میں حضرت عرب سے واپس بھاو پور اپنی جگہ تشریف لائے اور مولوی انوار احمد صاحب کو وطن رخصت کیا۔

مبارک سفر | یہی وہ مبارک سفر ہے جس میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا خلافت نامہ آپ کو ملا اور غائبہ ملہ فرق اقدس پر رکھا گیا کہ ہر دو عطیہ آپ نے اپنے مرشد مطلق کے سامنے رکھ دیئے اور پھر جب وہ حضرت کی طرف سے عطا قرار پائے تو ان کو سر آنکھوں پر رکھ لیا۔

قیام بھاو پور اور مناظرہ

مولوی شمس الدین صاحب جیٹ جج بھاو پور ایک علم دوست اور دینیات سے مناسبت رکھنے والا شخص تھے جو اپنے بچوں کو علوم دینیہ کی تعلیم دلانا چاہتے تھے۔ چونکہ وسیع النظر اور سمجھدار شخص تھے اس لئے قابل معلم کی طلب میں دارالعلوم دیوبند کی طرف رجوع کیا کیونکہ سمجھتے تھے کہ دعویٰ کرنے والے ہر جگہ مل سکے ہیں مگر کام کرنے والا عالم و معلم بجز ضلع سہارنپور کے اور کہیں ملنا دشوار ہے چنانچہ حضرت قدس سرہ ۱۸۹۹ء میں بھاو پور روانہ ہوئے اور جج صاحب کے مکان پر پہنچ کر ابھی اسباب بھی ٹھکانے سے نہ رکھا تھا کہ جج صاحب سے ملاقات کی اور انھوں نے اپنی قابلیت کا سکہ جلنے اور آپ کی ذکاوت جانچنے کے لئے علمی سوالات شروع کر دیئے۔

حضرت نے ایک بار خود فرمایا کہ سوالات تفسیر اور قرآن کے متعلق تھے چنانچہ میں جواب دیتا رہا مگر جب میں نے دیکھا کہ سوالات سے کسی طرح پیچھا ہی نہیں چھوڑتا تو میں نے بھی دو آیتیں قرآن مجید کی پیش کیں کہ ان کا باہمی تعارض رفع ہونے کی کیا صورت ہے؟ بس میرا سوال کرنا تھا کہ جج صاحب نے پہلو بدلا اور علمی سوالات چھوڑ کر میرے حالات دریافت کرنے لگے اور اس کے بعد مجھے قیام کی جگہ بتا کر ساری ضروریات انتظام کر دیا۔ میں ان کے بچوں کو پڑھاتا رہا مگر ریاست کے ایسے ہی قصبے ہوتے ہیں کچھ دنوں بعد مولوی شمس الدین صاحب برافست ہوئے اور میری تنخواہ غائب کر دی۔ پردیس میں اتنی قلیل تنخواہ پر رہنا بھی مشکل تھا مگر مروت تقاضا بھی نہ کرتی تھی کہ زیادہ کا مطالبہ کر دوں یا کسی پر چھوڑ کر چلا آؤں۔

نواب بھاولپور کی والدہ کا انتقال اور مدرسہ عربیہ کا قیام

اتفاق سے فرمانروائے بھاولپور نواب صادق محمد خاں صاحب
عباسی چہارم کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا اور ان کے
ایصالِ ثواب کی غرض سے چند مدارس دینیہ ریاست کی

حرف سے جاری کئے گئے جن میں ایک مدرسہ خاص بھاولپور میں کھولا گیا اور باقی مدارس ذیرہ اور چاچران
حشتیان اور احمد پور وغیرہ میں۔ بھاولپور کے مدرسہ کے لئے کوئی عمارت مقرر نہ تھی اس لئے مولوی محمد حسن
صاحب وزیر دیانت نے اس مدرسہ کے لئے مولوی شمس الدین صاحب کا مکان ہی تجویز کر کے میر انقر عظمیٰ
مشاہرہ پر کر دیا کہ مدرسہ کے ساتھ نج صاحب کے بچوں کی تعلیم کا سلسلہ بھی چلتا رہے اور ان کے عہد ملا کر
میری تنخواہ کے متنبہ پورے ہو جائیں مگر حیدرآباد بعد نج صاحب عظمیٰ ماہوار بھی تدے سکے اور اس وقت
وزیر صاحب نے کہ مجھ پر خاص نظر رکھتے تھے میری تنخواہ مدرسہ سے متنبہ کر دی۔

۱۸۶۹ء سے بھاولپور میں ملازمت کا آغاز
آخر ۱۸۶۹ء میں نواب صادق محمد خاں صاحب کو اختیارات
حکمرانی عطا ہوئے اور اس موقع پر دوبارہ سند نشینی کی

دو گار میں لاٹ صاحب کے نام پر جنھوں نے بھاولپور اگر فرمانروا کے اختیارات کا اعلان کیا صادق ایجنٹ سکول
کھولا گیا اور اس سکول کے متعلق شعبہ دینیات قائم رہا کہ یہ مدارس ایصالِ ثواب بھی اسی کے ماتحت بنادیتے
گئے اور اس طرح پران مدارس کا زبام نظم ریاست کے سرشتہ تعلیم کے ہاتھ میں چلا گیا چنانچہ اس وقت سے
حضرت کا تعلق ملازمت باقاعدہ ریاست سے منعلق ہوا۔

افسردار اس کے عہدہ تک ترقی اور
بعد جون ۱۸۷۰ء میں ترقی ہوئی اور ضلع ماہوار پر افسر مدارس
دینیات مقرر ہو گئے پھر اسی کے فرائض انجام دیتے رہے حتیٰ کہ

۱۸۷۰ء میں پورے ہونے پر جولائی ۱۸۷۰ء مطابق ذیقعدہ ۱۲۹۰ء میں آپ نے بھاولپور چھوڑ دیا اور حضرت
ام ربانی کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ کے بعد مولوی نور الدین مرحوم کا اس جگہ سرالکوبر ۱۸۷۰ء کو تقرر ہوا۔
یہی مدرسہ دینیات ہے جس میں اس وقت آپ کے جیسے مولانا فاروق احمد صاحب سلمہ قلف مولانا صدیق احمد صاحب

سلمہ جن کا نام بعد میں جامعہ عباسیہ ہو گیا۔ (رجل احمد)

مولانا فاروق احمد صاحب مدظلہ میرے والد کے، مرن زاد بھائی ہیں میں ۱۸۷۰ء میں بھاولپور پہنچا تو مولانا نے مجھے مدرسہ دینیات میں
مخل فرمایا اور غور و نوش و رہائش کا انتظام پورے دن تک کیا اس وقت پورے دن تک میں دس طالب علم رکھے جاتے تھے مولوی عبدالقیم صاحب
پورے دن کے نگران تھے بعد نماز فجر جامع مسجد میں درس ترجمہ قرآن بھی دیتے تھے۔ مولانا کے علاوہ مولوی سید احمد صاحب اور مولوی
حمزہ الدین بھی مدرسہ تھے اور ریاضی پڑھانے کے لئے آئندہ مدرسہ صاحب مقرر تھے۔ (اصطلاح احمد)

بہارہ شیخ الحدیث فائز ہیں حضرت کے قیام بھاو پور کے متعلق حضرت کے ایک مخلص شاگرد رشید مولانا عزیز الرحمن صاحب عزیز بھاو پوری نے مختصر حالات قلبند فرما کر بھیجے ہیں جن کو بحسنہ درج کرنا مناسب معلوم ہوا۔

قیام بھاو پور کے اجمالی حالات

رقم زندہ ذلہ ربائے خواں خلیل خاکسار محمد عزیز الرحمن عزیز بھاو پوری
حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں جس طرح منطق و کلام کے علوم عقلیہ کی تعلیم ہوتی تھی اسی طرح فقہ اور حدیث اور تفسیر کا درس مکمل ہوتا تھا۔ نصاب تعلیم دینی وہی نظامی نصاب تھا جو ان دنوں تمام ہندوستان کے اعلیٰ مدارس میں رائج تھا۔ حضرت جس شفقت اور محبت کے ساتھ طلبہ کی تعلیم میں مصروف ہوئے تھے اس کا اندازہ کچھ وہی خوش نصیب کر سکتے ہیں جن کو اس درس میں شمولیت کا شرف حاصل رہ چکا ہو۔

راقم کو بھی یہ عزت حاصل ہوئی ہے میں دیکھتا تھا کہ پروانوں کی طرح طلبہ حضرت کے شیدا تھے بعض طلبہ تو تمام وقت تعلیم تک درس میں موجود رہتے اور جو سبق بھی پڑھایا جاتا وہ اس میں شامل ہو جاتا ان کا مشا صرف آپ کے فیض صحبت اور تربیت عام حاصل کرنے کا ہوتا تھا۔

زیاہ تر حضرت کا وقت درس حدیث میں صرف ہوتا تھا اور حضرت کو ہزاروں درس حدیث حدیثیں اور بالعموم صحاح کے احادیث کی سنات تک بر زبان یاد تھیں اور کسی مسئلہ کے متعلق حضرت اپنے حافظہ سے تمام علمی اور دینی معلومات کو یکجا بیان فرما دیتے تھے اور یہ ایک خاص ملکہ تھا جو حضرت علیہ الرحمۃ کو قدرت نے عطا فرمایا تھا۔

عوام پر بزرگی و تقدس کا اثر
عوام پر حضرت کے تقدس کا اس قدر اثر ہوتا تھا کہ بے ساختہ تعظیم سے گزرنے کا اتفاق ہوا تھا۔ مسلمانوں کا کیا ذکر ہے ہندو دکاندار بھی حضرت کی تعظیم کے لئے سر و قد کھڑے ہو کر سلام کرتے تھے جس محلہ میں حضرت کا قیام رہتا اس محلہ کے پیر و برتا چھوٹے بڑے سب پابند صوم و صلوة ہو جاتے۔ اور چھوٹے چھوٹے روزمرہ کے عبادات اور معاملات کے مسائل محلہ کے ناخواندہ لوگ بھی صحت کے ساتھ بتلا سکتے تھے۔

محلہ کی جس مسجد شریف میں نماز ادا فرماتے تھے اس میں محلہ کے بوڑھے بوڑھے آدمی بھی تلاوت قرآن کرتے ہوئے نظر آتے تھے۔ مجھے حاجی لدھا صاحب مرحوم کی مسجد میں ایک ستر سالہ نیلگرمیاں ٹی محمد صاحب مرحوم

علہ خلیل کے خوان کے ریزے چنے والا بیڑائی کی ابتدا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے ہوئی۔ میرزا بی بی خوان اور ریزے ہوتے ہیں

اس مناسبت پر یہ لفظ لایا گیا ہے۔ سہ اپنے سبق کے علاوہ دوسرے سبقوں میں بھی شریک رہتے تھے۔ (جمل احمد)

اپنی توتلی زبان سے سورہ عَبَسَ وَتَوَلَّى کا تلاوت کرنا اس وقت بھی دل آویز تصویریں آ رہا ہے۔
 میاں اللہ دسیا صاحب ٹھٹھار اس وقت بھی قریب نوے سال کی عمر میں موجود ہیں جنہوں نے اذان
 صحت الفاظ کا ایسا سچا سبق حضرت علیہ الرحمۃ سے سیکھا تھا کہ اس وقت تک وہ ان کے الطاف و مکالم
 سے تکرے سے رطب اللسان ہیں۔

بھاولپور کی علمی استفادے سے محرومی | حضرت رحمۃ اللہ علیہ بھاولپور میں اگرچہ اشاعتِ علم دین
 میں ہمہ تن مصروف رہے لیکن اہل بھاولپور کی کم فہمی اور
 غشی کے جذبات کو ہمیشہ لاعلاج مرض ظاہر فرماتے رہے اور اس لحاظ سے حضرت کی طبیعت کبھی
 صحت نہ ہوئی۔ بالعموم یہ فرمایا کرتے کہ اہل بھاولپور کو میری علمی خدمات سے فائدہ اٹھانے کی رغبت نہیں ہے
 بعض اوقات تو بہر ردی کے رنگ میں مایوسی کا اظہار اس طرح بھی فرمایا کرتے تھے کہ بھاولپور میں علم دین کا
 ہر توناسی شخص کی قیمت میں نہیں معلوم ہوتا۔

دس دور کے تلامذہ | حضرت کے دس سالہ قیام بھاولپور میں اگرچہ بہت لوگوں نے درس کا استفادہ
 کیا لیکن آج تک آپ کے کسی شاگرد نے مشعلِ علم کو روشن رکھنے میں کامیابی حاصل
 کی اور کوئی دینی مدرسہ کامیاب نہیں ہوا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی حضرت کی پیشین گوئی کا نتیجہ ہے۔
 بکے شاگردوں کی فہرست میں مولوی احمد دین، قاضی غوث بخش، مولوی محمد محسن، سید عبداللہ شاہ،
 مولوی فیض احمد، مولوی سراج احمد علوی، مولوی سراج الدین احمد پوری، مولوی شمس الدین احمد پوری،
 سید فتح شاہ مکنہ ڈیرہ غازی خان، اخوند گل محمد افغان، مولوی کریم بخش، سید زمان شاہ خیر پوری،
 مولوی خیر محمد جلد ساز، سید عالم شاہ اور مولوی احمد بخش پنشنر سپرنٹنڈنٹ نوشہ خانہ وغیرہم کے نام لئے
 جاسکتے ہیں مگر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان تھریزنگوں میں سے کسی ایک نے بھی درس کا شغل اختیار فرمایا ہو۔

اس مختصر فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کی شہرت علمی اور کشش روحانی کے سلسلے میں افغانستان و
 ڈیرہ غازی خان تک کے لوگ بھی بھاولپور میں جمع ہو گئے تھے۔ مولوی احمد دین، سید زمان شاہ، سید عالم شاہ
 اور مولوی احمد بخش اس وقت بھی زندہ موجود ہیں۔

اخلاق و عادات | اخلاق و عادات کے متعلق مجھے اس سے زیادہ کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں کہ
 حضرت کا تمام زندگی کا مقصد اشاعت و تعلیم اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تھا
 کسی شخص کو کسی فعل یا ترک فعل کے متعلق کوئی حدیث یاد نہ ہو تو وہ حضرت کے عمل کو دیکھ کر حدیث کا
 مفہوم حاصل کر سکتا تھا۔

بھاو پور کے بوڑھے بوڑھے نیک دل اہل بصیرت مسلمان اس وقت تک یہ کلمات دہراتے ہیں کہ حضرت کے عہد مبارک میں دینداری اور اسلام کے صحیح مسلک پر چلنے کا پورا موقع اور اسوہ حسنہ موجود تھا اس کے بعد پھر وہ نظارہ کبھی نہیں دیکھا گیا۔ ایجنٹ سکول ترقی کرتے کرتے کالج بن گیا اور مدرسہ دینیات کو بھی ترقی کے منظر نصیب ہوئے۔ کوشش کی گئی کہ حضرت تعلیم کے وقت کرسی پر تشریف رکھا کریں، اور طلبہ بچوں پر بیٹھ کر پڑھیں مگر حضرت نے اس امر کو گوارا نہ فرمایا اور وہی مؤدبانہ طریق برابر جاری رکھا جو علماء سلف کا رائج تھا۔

ایک دفعہ بھاو پور کے ایک افسر انہار نے حضرت کی مع خدام افطاری کے لئے دعوت کی اور اس موقع پر صاحب دعوت نے تمام اعیان دار اکین ریاست کو بھی مدعو کیا۔ چار اور نو اکہ جمع کئے اور کرسیوں پر نشست کا انتظام تھا، کھانے پینے کا تمام سامان میزوں پر سجایا ہوا تھا۔ اکثر مدعو شدہ اصحاب اور دار اکین آچکے تھے اور اپنے اپنے موقع پر کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت تشریف لائے۔ انتظام نشست کو دیکھ کر ایک طرف دبی پر بیٹھ گئے جو زمین پر بھیجی ہوئی تھی اور فرمایا کہ اسلام میں کھانے پینے کا طریق یہی ہے کہ فرش پر بیٹھ کر کھایا جائے، میز و کرسی کی ضرورت نہیں۔ پھر کرسی کی ہمت تھی کہ کرسی پر بیٹھا رہے۔ لہذا تمام صاحبان حضرت کے گرد بیٹھے اور ایک خلاف سنت فعل سے حضرت کے عمل نے سب کو محفوظ کر لیا۔

حضرت کو اپنے شاگردوں اور اراکین مند عزیزوں کا ہر جگہ خیال رہتا تھا۔ آخری عیام میں جبکہ حضرت مدرسہ طیبہ میں تھے تو وہاں سے بھی اس ناچیز غلام اور دامن گرفتہ کو خاص محبت ناموں سے یاد فرمایا اور ارشاد ات روحانی سے ممتاز فرماتے رہتے تھے۔ فقط۔

(از مولانا فاروق احمد صاحب انبہٹوی)۔ مولوی

فقہ بھاو پور کا استفسار اور مولانا کا جواب

نظام الدین صاحب ایک عالم فقہ بھاو پور میں مشہور تھے۔ حضرت کی علمیت و ذکاوت کا شہرہ سن کر ایک مرتبہ شرح وقایہ لے کر آئے اور کہا کہ مجھے استفادہ کے طور پر کچھ دریافت کرنا ہے اور شرح وقایہ کھول کر ایک جگہ ترکیب دریافت کی اور دوسری جگہ شبہۃ بالفعل اور شبہۃ المحل کے متعلق دریافت کیا کہ اول الذکر کا کیوں نہ اعتبار کیا اور ثانی الذکر کو معتبر کیوں مانا؟

حضرت فرماتے تھے کہ اس سے قبل نہیں نے دونوں کا فرق معلوم کرنے کی طرف توجہ کی تھی اور

۱۔ پہل۔ ۲۔ اس عبارت کو بھاو پور کے واقعات سے کوئی نقل نہیں کرتا کی غلطی ہوگی بکسی اور جگہ کی عبارت یہاں لکھی۔ حضرت مولانا مصنف کتاب کی عادت تھی کہ ہر جگہ پر لکھ لکھ کر مصنفین کتاب کو دیتے اور فرماتے کہ اس کو فلاں جگہ لکھا غائب اس نے غلطی سے یہاں لکھ دیا مگر بات تو فائدہ سے خالی نہیں گو ترتیب نہ ہو اور گو مولانا عزیز الرحمن صاحب کی تحریر کا جز نہ ہو۔ (جیل احمد)

نہ فخر و قیام پڑھائی تھی۔ اس لئے ذرا نالی کیا اور پھر ان کو جواب دیا کہ فعل حدوث پر دلالت کرتا ہے اور محل استقرار پر۔ لہذا شبہ محل کا اعتبار ہوا اور شبہ فعل کا اعتبار نہیں ہوا۔ اس کے بعد مجھے فکر ہوئی کہ نہ معلوم جواب درست ہے یا غلط، اس لئے مولوی شمس الدین صاحب کے کتب خانہ میں کہ ان کو ہر فن کی کتب جمع رکھنے کا شوق تھا شرح و قیام کے متعدد حواشی تلاش کئے اور ایک حاشیہ میں بعینہ ہی جواب نکل آیا جو میں نے دیا تھا۔

موصوف کے متعلق مولوی نظام الدین کا تجزیہ | مولوی نظام الدین صاحب سے آپ کی علمی استعداد کے متعلق کسی نے دریافت کیا تو فرمانے لگے علم تو بہت زیادہ نہیں کہ ابھی نو عمر ہیں مگر تیز اور سمجھدار البتہ بہت ہیں۔

حضرت اپنے طرز اسلاف اور وضع داری میں نہایت پختہ تھے کہ کوئی بڑی سے بڑی ہستی آپ کو روک نہ سکتی تھی چنانچہ ۱۸۸۷ء میں جب شعبہ دینیات کا تعلق ایجنٹ کالج سے ہوا تو تعلیم کے لئے کالجوں کے دستور کے موافق تمیزیں اور کرسیاں بچھانی گئیں مگر حضرت نے اس کو قبول نہ کیا اور صاف انکار کر دیا کہ شعبہ دینیات پرنسپل کی ماتحتی میں ہو اس سے مجھے بحث نہیں۔ مگر پڑھانے کے لئے مجھے کرسی پر اور پڑھنے کے لئے طلبہ کو بچوں پر بیٹھنے کے لئے کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ اسی وقت آپ کے لئے درس گاہ میں درسی کا فرش اور اس پر قالین بچھایا گیا اور آپ بطریق اسلاف اس پر بیٹھ کر درس دیتے رہے۔

لارڈ ڈفرن کی آمد اور مولانا سے سوال | ایک مرتبہ لارڈ ڈفرن کالج دیکھنے آئے اور ان کو معلوم ہوا کہ یہاں عربی مدرسہ بھی ہے۔ چونکہ اس کو عربی سے دلچسپی تھی اس لئے حضرت کے کمرہ کی طرف بھی آیا۔ وہاں درسی کا فرش تھا اور کسی نے کہہ دیا تھا کہ یہاں مذہبی تعلیم ہوتی ہے اس لئے جو تے پہن کر اندر جانا منع ہے۔ لہذا دروازہ پر کھڑا ہو گیا۔ حضرت دروازہ تک تشریف لائے اور باتیں ہونے لگیں۔ اخیر میں اس نے پوچھا کہ آپ نے کہاں تعلیم پائی ہے؟ یہ سوال کچھ انوکھے طرز پر تھا جو حضرت کو

ملے تاکہ یہاں کا اکرلم بھی ہو سکے اور اس کی مجبوری یا وقت کی رعایت بھی ہو سکے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کافر ہماروں کے ساتھ مدارات برتی ہے اور وہ غالباً بند جوتوں کی وجہ سے اندر نہ جانا ہو گا۔ ۱۸۸۷ء میں اسامی عام طور سے کیے جاتا ہے مگر یہ ناموزوں کہ اس وقت تو دیکھا موجودہ قابلیت کا ہے نہ کہ کسی مدرسہ کی فراغت کا اگر مشہور مدرسہ سے فراغت کے بعد ہی استعداد نہ ہو تو بیکار اور معمولی مدرسہ سے فراغت پر کثرت مطالعہ سے استعداد زیادہ ہو تو کارآمد ہے مگر بہت لوگوں کی عقل ڈگری سے آگے نہیں بڑھتی۔ دوسری بات ایک چال تھی کہ انگریزوں نے ہندوستان میں سے مسلمانوں میں سے اسلامیت کے فائدے کا جو منصوبہ جدید تعلیم کے نام سے بنایا تھا اس کو صرف دارالعلوم دیوبند اور اس کے بچمال مدرسوں نے محسوس کر کے اس کی مخالفت شروع کی تھی تو مقصد اس انگریز کا یہ معلوم کرنا ہو گا کہ ہمارے منصوبہ کے مخالف سے فراغت حاصل کی ہے یا موافق سے اور اس طرح گویا دیوبندی ایک تحقیر کی تھی یہ بات ناگوار ہونے کی تھی اب حکومت کے رعب سے جواب ہی نہ دینا تھا یا گول مول دینا تھا مگر یہاں رعب کہاں تھا اس کی بات کی تہ کو سمجھ کر جرات و ہمت سے صاف

ناگوار گذرا۔ اور مدرسہ دیوبند اس وقت گورنمنٹ کی نظروں میں ایک خاص رنگ رکھتا تھا اس لئے غصہ کی وجہ سے آپ کی آواز بھرا گئی اور آپ نے جوش کے ساتھ فرمایا کہ "میرا سلسلہ تلمذ دیوبند کے ساتھ وابستہ ہے۔" مولوی احمد الدین صاحب حضرت کے پرائے شاگرد ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں اس وقت ضلع ڈیرہ غازیخان میں پڑھا کرتا تھا کہ حضرت کے تبحر علمی کی شہرت سنی اور اس لئے میں حدیث شریف حضرت سے پڑھنے کیلئے بھاؤ پور آیا۔ اس وقت آپ کے متعلقہ اساتذہ جلالین شریف ترمذی شریف اور توضیح تلوح تھے۔ چنانچہ حاضر خدمت ہوا اور شرف تلمذ سے بہرہ یاب ہوا۔ انہی کا بیان ہے ایک بار حدیث کا سبق ہو رہا تھا کہ آپ پر غنودگی طاری ہوئی جو دیر تک رہی۔ طلبہ کی خاصی تعداد موجود تھی سب کو نا وقت نیند کا تعجب بھی ہوا مگر تھوڑی دیر بعد حضرت بیدار ہوئے اور فرمایا الحمد للہ اس وقت دربار نبوی میں حاضر تھا اور دیر تک باتیں ہوئیں مسائل حدیث شریف پیش تھے۔

ایک شیعہ کی مذہبی چھڑ چھاڑ | مدرسہ دینیات جس کے آپ صدر مدرس تھے جب ریاست مرثیہ تعلیم کی ماتحتی میں آگیا تو اتفاق سے ایک شیعہ مذہب سید چراغ شاہ

آپ کے افسر ہوئے اور چونکہ اپنے آپ کو مذہبی امور کا واقف و متبحر سمجھے ہوئے تھے اس لئے جب حضرت مدرسہ کے کسی کام کی خاطر ان کے پاس تشریف لے جاتے تو وہ مذہبی قصہ چھڑ کے اہل سنت پر اعتراضات شروع کر دیتے اور حضرت ان کو جواب دیتے رہتے تھے۔ جب حضرت نے دیکھا کہ ان کی عادت ہی یہ ہو گئی تو بعض لوگوں کی معرفت آپ نے ان سے کہلایا کہ میرا آپ کا معاملہ ہے افسری اور ماتحتی کا اور میں دینی معاملہ میں آپ کی رعایت نہ کروں گا اس لئے بہتر ہے کہ آپ اس معاملہ میں گفتگو نہ فرمایا کریں۔ لیکن انھوں نے اس طرف توجہ نہ کی اور آخر آپ نے میرا برائیم علی صاحب وزیر اعظم کی خدمت میں اپنا استعفیٰ پیش کر دیا۔ وزیر صاحب نے وجہ دریافت کی تو آپ نے صاف کہہ دیا کہ سید چراغ شاہ صاحب مذہبی چھڑ چھاڑ سے باز نہیں آتے اور مجھے ان کی افسری کے سبب ضروریات مدرسہ کے لئے ان کے پاس جانا ضرور پس جواب دوں تو ان کی طرف سے مضرت دینا کا اندیشہ اور جواب نہ دوں تو دینی نقصان اور منصب کے خلاف۔ اس لئے یہی مناسب معلوم ہوا کہ عزت آبرو کے ساتھ علیحدگی اختیار کروں۔

وزیر صاحب نے آپ کو چراغ شاہ کی ماتحتی سے نکال لیا اور استعفیٰ نامہ منظور کر کے آپ کو اپنے کام پر بحال رکھا۔ اس طرح آپ تعلیم کے مشغلہ میں مطمئن و دل بہاد ہو گئے۔ مگر چراغ شاہ کو آپ سے دشمنی بڑھ گئی اور وہ آپ کو نقصان پہنچانے کی فکر میں رہنے لگے۔

ہدایات الرشیدی وجہ تالیف

ادھر چونکہ مذہبی چھپر چھاڑے آپ کی تیز طبیعت اس طرف منوجہ ہو چکی تھی لہذا آپ نے خارج وقت میں کتب شیعہ کا مطالعہ شروع کر دیا اور پھر بدشعوب میں ایک ضخیم کتاب لکھی جس کا نام ”ہدایات الرشید“ رکھ کر طبع اور شائع کر دیا کہ چراغ شاہ بھی اس کو دیکھ کر چراغ پا ہو گئے۔ یہ بے نظیر کتاب اس بحث میں حضرت کی بہترین یادگار اور اس کی چٹکیاں لینے والی دھچپ عبارت آپ کی نوجوان طبیعت کا مجسمہ ہے جو اس وقت نمایاب ہے اور قیامت اس کا کوئی نسخہ بھی دستیاب نہیں ہو سکتا۔

شرعی حکم کے اظہار میں رُوعایت سے انکار

اسی اثناء میں ایک اور واقعہ پیش آیا کہ ڈاکٹر کٹر سرشتہ تعلیم کے پیر صاحب نے اپنے مرید کی بیوی کو گھر میں رکھ لیا اور اس کا مقدمہ انھیں ڈاکٹر کٹر کی عدالت میں گیا کہ وہ چیف جج بھی تھے۔ مسئلہ برائے تحقیقات و حکم شرعی مدرسہ دنیات میں حضرت کے پاس بھیج دی گئی اور وہ پیر صاحب اس زعم میں کہ مجوز انکار مرید اور حضرت کا افسر ہے خود حضرت کے پاس آئے اور دوسروں کو سفارشی بھی لائے کہ ان کے جاہ کا لحاظ بھی رکھا جائے۔ مگر حضرت نے اس معاملہ میں گفتگو ہی کرتے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ تحقیق کے بعد جو حکم شرعی ذہن میں آوے گا اس کو ظاہر کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ شرعی ذمہ داری ہے اور اس میں کسی کی رعایت و جنبہ داری حرام ہے۔ اس پر پیر صاحب بہت ناراض ہوئے اور جج صاحب سے طرح طرح کی شکایات کر کے ان کو بھڑکایا۔

بدعتیوں کے رد میں حضرت کی

ایک تالیف براہین قاطعہ

ابھی یہ شورش فرو نہ ہوئی تھی کیا ایک اور فتنہ کھڑا ہوا کہ حضرت تعطیل رمضان میں وطن گئے ہوئے تھے آپ کے پیچھے برلین قاطعہ یہاں پہنچی اور گھاس میں چنگاری کا کام دے گئی۔ دشمنوں کو آپ کے خلاف شور مچانے کا موقع ملا اور عوام و خواص میں طرح طرح کی بدگوئی و عناد کا پھیلاؤ ہونے لگا۔ بالآخر فرمانروائے بھادپور کی خدمت میں بھی یہ عرضداشت پیش کر کے کہ مولوی خلیل احمد بدین اور کافر ہے اور براہین میں حق تعالیٰ کو نعوذ باللہ کاذب کہتا ہے اس پر آمادہ کیا کہ ان مسائل میں مولوی خلیل احمد صاحب سے مناظرہ کرایا جائے چنانچہ حضرت کو ریاست کی طرف سے ایام تعطیل ہی میں دعوت مناظرہ دی گئی اور بذریعہ رستری شدہ خط آپ کو جلد بھادپور بلا یا گیا۔

لے شیخ کے نام پر کتاب کا نام ہے اور کتاب بہت ہی بے مثال ہے کاش کوئی اس کو طبع کرے۔ مہ جن کو فیصلہ کے لئے تجویز کیا گیا ہے۔
تہ یہ کتاب ایک بدعتی عالم مولوی عبدالمسیح کی کتاب انوار ملاحظہ کا جواب پر اور ان کی تمام غلط دلیلوں کا ہر سلیس نہایت کافی ثانی بلا جواب

گنگوہر جو علمائے اُن کے نام | مشورہ کے لئے حضرت گنگوہر حاضر ہوئے اور آخر یہ طے پایا کہ یہاں سے مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی، مولانا صدیق احمد صاحب انہسوی،

مولانا عبدالحق صاحب پوری اور مولوی محمد ارماد صاحب وغیرہ کو ساتھ لیکر بھاڑپور جانا اور مناظرہ ضرور کرنا چاہئے کہ انشاء اللہ فتح اہل حق کی ہے۔ چنانچہ آپ ان حضرات کو ساتھ لیکر روانہ ہوئے اور جس وقت ملتان پہنچے کہ اس وقت بھاڑپور کا یہی راستہ تھا تو بعض لوگ بھاڑپور کے ملے اور انھوں نے ڈرایا کہ نواب بھاڑپور با اختیار فرما کر وہاں اور ان کو ایسا اشتعال ہے کہ انھوں نے طے کر لیا ہے کہ ان ہندوستانی مولویوں کو توپ سے اڑا دیا جائے۔ یہ سن کر اول تو باقتضای بشریت کچھ اضطراب ہوا مگر آخر یہی قرار پایا کہ شہید ہونا اس سے بہتر ہے کہ اظہار حق سے فرار کرنے والے کہلائیں۔ لہذا حسبنا اللہ ونعم الوکیل کہہ کر آگے روانہ ہو گئے اور بھاڑپور پہنچ کر نواب صاحب کو اطلاع دیدی کہ ہم مناظرہ کے لئے آگئے ہیں اور ہر طرح مستعد و طیار ہیں۔

چنانچہ ۶ جون ۱۸۸۹ء مطابق ۶ شوال ۱۳۰۸ھ کو نواب صاحب کی کوٹھی میں اول تحریری اور پھر تقریری مناظرہ چار دن ہوا اور نواب صاحب کے سر غلام فرید صاحب حکم قرار پائے۔ مناظرہ کی مفصل روداد ایک مستقل کتاب ہو جائے گی اور یہاں سوانح حضرت میں صرف کلی درجہ میں وہ دلیرانہ طرز ظاہر کرنا ہے جس کی وجہ سے آپ میزان المناظرین کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اس لئے اخبار نظام الملک مراد آباد مطبوعہ ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۰۸ھ کی وہ تحریر شائع کرتا ہوں جو ایک مصنف شریک مناظرہ نے مولوی غلام دستگیر قصوری کی اس تحریر کے جواب میں شائع کی جس کی سرخی یہ تھی۔

خلیل احمد خذرا گفت کاذب دلیل آورد از خلف المواعید

اور بجائے اس کے کہ حکم کی طرف سے باقاعدہ فیصلہ جو تحریر و تقریر یقین سے منع ہوا شائع ہوتا یا ادھر کے تحریری و تقریری دلائل کا جواب بجا و کتب معتبرہ دیا جاتا۔ ساری تحریر کا خلاصہ یہ تھا کہ مولوی اسماعیل دہلوی بھی جو کہ مشہور و معروف و پاباں اور رئیس غیر مقلدین ہے یہی کہتا ہے اور مولوی خلیل احمد اس کا چیلہ ہے لہذا کافر

لے ہم کو اللہ تعالیٰ کافی ہیں اور وہ بہت اچھے عمدہ دار ہیں۔ سہ خلیل احمد نے خدا کو جھوٹا کہا اور دلیل لایا وعدوں کے خلاف کرنے مگر یہ سب جھوٹ اور دھوکہ تھا۔ مسئلہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو کذب پر قدرت ہے یا نہیں حضرت اور تمام علماء دیوبند قارہ مانتے ہیں مگر اس کے غیب ہونے کی وجہ سے اس کا صادر ہونا محال قرار دیتے ہیں۔ بدیع الگو خدائے تعالیٰ کو اس پر قادر نہیں باتے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ کون ایسا مسلمان ہو سکتا ہے جو خدائے تعالیٰ کی قدرت کو محدود قرار دے اور اس کا تعلق صدق یا کذب سے بے قرار دیکر اس بارہ میں معطل قرار دے مگر آج کل لوگ ناعاقبت اندیشی سے کام لیتے اور قادر مطلق کو غیر قادر بنائے جاتے ہیں۔

سہ حالانکہ حضرت شاہ اسماعیل شہید بالکل حقیقی تھے البتہ رفع یدین کے ثبوت پر ایک رسالہ لکھ دینے سے بہت سے الحمد للہ اور بہت سے بدعتیوں کو یہ غلط گمان ہو گیا ہے۔ اصل بات یہ تھی کہ بعض خفیوں نے اہل حدیث یعنی غیر مقلدین زمانہ کو ذاتی برصغیر

دوہائی ہے۔ اس تحریر طلبہ کے اور نام کے مولویوں اور مساجد کے اماموں اور واعظوں کے دستخط کرا دیئے تھے جس سے عوام سمجھیں کہ ریاست کے سارے مولوی تکفیر متفق ہیں۔

اس تحریر ذیل سے فہم شخص مسائل مختلف فیہا کی اجاث فریقین کو بالا جمال سمجھ سکتا ہے کہ مباحثہ مسائل خلف وعید بشریت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، وسعت علم ملک الموت وشیطان۔ مجلس میلاد مروجہ اور رسم فاتحہ مروجہ کے متعلق محتاج کی تفصیل برائین قاطعہ میں مذکور ہوئی ہے۔

تحریری مناظرہ مولانا صدیق احمد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جب تحریری مناظرہ کے لئے سوالات ہمارے پاس آتے تو ہم نے ایک ایک سوال بانٹ لیا اور اعلیت کا مسئلہ میرے حصہ میں آیا جس وقت ہمارے جوابات گئے اور فریق ثانی کے علماء نے دیکھے تو ہم نے وہیں کے معتز آدمیوں سے سنا کہ کہتے تھے جوابات بہت زور کے اور کافی ثانی ہیں لہذا مناظرہ کا رخ بدلنا اور تحریری کو تقریری بنانا چاہئے کہ رعب حکومت منع نکلم ہو اور تقریری میں بھی صرف امکان کذب کو لیا جائے کہ اس میں گنجائش ہے اور عوام کے بھڑکنے کا بھی اچھا موقع ہے۔

تقریری مناظرہ چنانچہ ۱۸ جون سہ شنبہ کو اسی کوٹھی پر اراکین سلطنت اور خواص ملک جمع ہوئے اور غلام دستگیر نے اپنی بلا بیچارے سلطان محمود کے سر ڈال دی کہ صبح سے ۱۲ بجے دیر تک مولانا خلیل احمد صاحب کی وہ شیرانہ گفتگو ہوئی جس کو سن کر سارے حکام اور دیل و بیروں سر بھی دنگ ہو گئے چنانچہ تحریر ذیل میں سب بالا جمال مذکور ہے۔

رویداد مناظرہ (ضمیمہ اخبار نظام الملک مراد آباد مطبوعہ ۲۵ اگست ۱۸۹۹ء) از: م، ن، شریک جلیس) غلام دستگیر کا فرم خواند چراغ کذب را بنود فروغ مسلمان گفتش اندر مکافات دروغ را چرا یا شذر دروغ

(بقیہ صفحہ گذشتہ) رفع یدین پر کافر کا شروع کر دیا تھا اور سخت ترین غلطی تھی مگر ایسی تھی کہ جب حدیثوں میں حضور کا یہ فعل موجود ہے گو ہماری تحقیق میں مشوخ ہے اس پر عمل کرنے والوں کو کافر کہنا کیسے حلال ہو سکتا ہے۔ امام شافعی امام احمد امام مالک اور ان کے تمام پیروں کو کافر کہنا معمولی بات تھی، ائمہ مجتہدین میں کسی سبک استدلال قرآن و حدیث سے اپنی تحقیق میں قوی طریقہ سے ہے اختلاف بلوغ و رجوع کا ہے اگر خفی بھی رفع یدین کرنے کا کوئی اس کی نماز کو فاسد نہیں کہہ سکتا اگر شافعی ترک دفعے نماز ادا کرے گا تو کوئی شافعی اس کو فاسد نہیں کہہ سکتا یہ اختلاف فقہی و دایط کا اختلاف نہیں بلکہ ترجیح کا اختلاف ہے اس لئے اصلاح کامل کیلئے شاہ صاحب علی طور سے تو رفع یدین پر رسالہ لکھا اور علی طور سے گاہ گاہ رفع یدین بھی کیا۔ پروفیسر ڈاؤن کو ایک غلط راستہ مل گیا۔ ان کو وہابی کہنا ایک نہایت عظیم ہے۔ وہابی عبد الوہاب نجدی کے پیروکار تھے خواہنے سوائے کسی مسلمان نہیں کہتے تھے۔ اب کوئی وہابی ہے ہی نہیں نجدی بھی وہابی نہیں ہیں مگر پروفیسر ڈاؤن نے لفظ وہابی کو ایم بی ایم بنالیا ہے۔

حاشیہ صفحہ ۱۷۱ لے اختلافی مسائل۔ ۱۔ سب زیادہ عالم ہونا کہ حضور سب زیادہ عالم ہیں مگر عالم الغیب نہیں۔ ۲۔ بات کرنے میں روک تھام دستگیر نے مجھے کافر کہا تو جھوٹ کے چراغ کو فروغ نہیں دینا۔ ۳۔ میں نے اس کے بدل میں اس کو مسلمان ہی کہا کہ جھوٹ کا بدلہ جھوٹ ہی مناسب۔ (جیل احمد)

حامدؑ او مصلیاً ان حضرات کی خدمات میں جن کو فہم و انصاف خدا داد سے حصہ ملا ہے
عرض ہے کہ فتویٰ مندرجہ صادق الاخبار بھاولپور و مریضہ جولائی ۱۸۸۹ء جس کے سوال و جواب
کی تالیف مولوی غلام دستگیر قصوری کے فہم و قلم سے ہوئی ہے آپ صاحبوں نے بھی ملاحظہ فرمایا ہوگا اور
اس کی صحت و غلطی پر اطلاع پائی ہوگی لیکن چونکہ میں مولانا مولوی خلیل احمد صاحب کا ہم عقیدہ اور
بھاولپور کے مناظرہ میں شریک تھا اس لئے مختصر امیری بھی گزارش سن لیجئے۔

خلاصہ مضمون فتویٰ یہ ہے: "خلیل احمد اور اس کے ہم عقیدہ اہل سنت سے نہیں فرق دیا۔ یہ
اسمعیلیہ سخت بے ادبوں سے ہیں جن سے ہندوستان وغیرہ میں غیر مقلد اور بخیری شافعی نکلی ہیں اہل اسلام
اہل سنت و جماعت کو ان سے اجتناب واجب ہے۔"

بھمدا اللہ تعالیٰ جب ہم عقائد اہل اسلام اہل سنت پر ثابت القدم راسخ الحان ہیں اور نہایت
وثوق اور ان پختہ دلائل سے ثابت کرتے ہیں جن کی مخالفین میں سے کوئی تردید نہیں کر سکتا کہ ہمارے
اعتقادات سراسر مطابق اعتقادات اہل سنت ہیں تو ہم کو اس کی کچھ شکایت نہیں کہ مولوی غلام دستگیر
اور ان کے ابتداء ہم کمال سنت سے خارج بتلائیں یا کافر فرمائیں۔ کیونکہ اول تو یہ سنت قدیمہ ہے کہ اہل حق
اور اہل اللہ کے اس قسم کے لوگ دشمن ہو ہی کرتے ہیں اور حق کہنے والوں کو برا کہا ہی کرتے ہیں، یہ کوئی نیا
طریقہ نہیں ہے علماء ربانین کی فہرست ہاتھ میں لیکر اول سے آخر تک دیکھ جاؤ کوئی ایسا نہ نکلتے گا جو ان
کی زبان طعن اور سہام لعن سے بچا ہو۔ حضرت ابو بکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم بلکہ جملہ صحابہ و
اہلبیت و ازواج مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو خیال کر لیجئے اور دیکھئے کہ ان میں سے کوئی
بھی ایسے لوگوں کی طعن و ملامت اور لعن و مذمت سے محفوظ رہا ہے؟

ائمہ مجتہدین کے ساتھ ان لوگوں کی زبان نے کیا کیا کچھ سلوک کئے۔ خصوصاً امام الائمہ امام اعظم
رحمۃ اللہ علیہ کو کیا کچھ سب و شتم کیا۔ اولیاء امت کی کہاں تک نوبت پہنچائی، جس نے زبان سے کچھ حق
نکالا جھٹ اس کی تکفیر کی۔ شیخ محی الدین ابن عربی اور امام غزالی اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اور
ابو دین مغربی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا حال دیکھئے کہ ان کی کہاں تک توہین و تکفیر کی۔ محدثین
امت کو دیکھ لیجئے ان کے ساتھ انھوں نے کیا مہربانیاں فرمائیں۔ امام بخاری کے ساتھ کیا کیا، نسائی
کے ساتھ کیا سلوک ہوا۔

ان سب کو رہنے دو! انبیاء و اولاد اللہ علیہم کے حالات کو دیکھ لو کہ ان کے ساتھ انھوں نے کیا کیا؟

لے دل جمعی۔ سہ پیروکار۔ سہ لغت کے تیروں سے۔ (جیل احمد)

نہ کیوں جاتے ہو حضرت فخر عالم سید ولد آدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی حال احادیث میں ٹول کر
 دیکھ لو اور نہیں تو قرآن شریف میں ہی تلاوت فرماؤ۔ حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتا ہے: وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا
 لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْوَرْدِ وَأَنزَلْنَا
 لَكَ وَشَاءَ رَبِّكَ مَا فَعَلُوهُ فَلَا تَدْرِيهِمْ وَمَا يَفْعَلُونَ مَا اور تو اور خدا تعالیٰ سے بھی تو نہ جو کہ۔

پھر اگر ہماری حق گوئی اور اتباع سنت نبویؐ پر انھوں نے ہم کو بھی کچھ فرمایا تو ہم کو ہرگز کچھ شکایت نہیں
 بلکہ ہمارا خیر ہے کہ محمد اللہ تعالیٰ ہم کو ہمارے آباہ معنوی کی میراث ملی اور ہمارے مخالفوں نے اپنے آباہ
 روحانی کی ارث کو اختیار کیا۔ میراث پر درخواستی علم پیر آموز۔

الحمد لله ثم الحمد لله رضى الله عنه اقسمة العجايب فينا۔ دوسرے یہ کہ حکم احادیث صحیحہ ثابت ہے کہ پیکر
 وہ کلمہ ہے جو قابل کی طرف ہی عود کیا کرتا ہے جبکہ وہ شخص جس کے حق میں کہا گیا ہو اس کا مستحق نہ ہو چنانچہ ارشاد
 ہے فَقَدْ بَاءَ بِهِ أَحَدُهُمَا۔ اور محمد اللہ تعالیٰ نہ جماعت اہل سنت و جماعت سے ہم جدا ہیں نہ دائرہ اسلام
 خارج۔ اور نہ ہمارا کوئی عقیدہ عقائد اہل سنت کے خلاف۔ توبہ سب سب و شتم اور تفصیل و تکفیر مولوی
 غلام دستگیر کی طرف ہی لوثی ہے اور بموجب حدیث صحیح کے وہی اس تمام طعن و لعن کا مورد قرار پاتا ہے نہ ہم۔
 تیسرے یہ کہ اس تکفیر و تفصیل میں تمام متکلمین اور سب فقہاء و محدثین جو عموم قدرت باری تعالیٰ کے
 قائل ہیں شامل ہوئے۔ پس جب ہم ان کو اپنا پیشوا سمجھتے ہیں تو اگر وہ بھی گمراہی میں پڑے ہیں تو ہم بھی سہی،
 مرگ انبوہ جتنے دارد“ تو جب غلام دستگیر نے سب اکابر اہل سنت کو اہل سنت سے خارج کر دیا تو اس اہلسنت

لے اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بنائے ہیں انسانی شیطان اور جتنی شیطان بعض بعض کے دل میں طمع کاری کے قول اور
 صو کے ڈالتے رہتے ہیں اور اگر آپ کے رب چاہتے تو وہ ایسا نہ کر سکتے تو تم چھوڑ دو ان کو ان کے جھوٹ تہمتیں باندھنے کو۔ یعنی
 اس میں بھی حکمت ہے کہ مخالف اور دشمن ہو اگر میں ورنہ ان کا کمال کیسے چکے۔ لے اگر باپ کی میراث چلےتے ہو تو باپ
 کا علم سیکھو۔ لے اللہ تعالیٰ کی اس تقسیم پر جو ہم میں فرمائی ہے ہم بالکل راضی ہیں کہ ہم کو ہمارے بزرگان کی پیری
 ملی ان کو ان کے بڑوں کی پیروی ملی۔ لے کافر کس کسی کو حدیث میں ہے کہ جب کسی کو کوئی کافر کہتا ہے تو دونوں میں سے
 ایک کفر کے ساتھ لوٹتا ہے اگر وہ واقعی کافر تھا تو وہ ورنہ کہنے والا اس لفظ کے ساتھ لوٹتا ہے۔

لے لوٹے گا اس کے ساتھ ان دونوں میں سے ایک۔ لے بڑا کہنا گالیاں دینا اور گمراہ یا کافر قرار دینا۔

لے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عام ہونا۔ ہر چیز پر ان کو قدرت حاصل ہے جھوٹی ہویا بڑی اچھی ہویا بڑی مگر بڑی کا
 صدور نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ نقص ہے اور اللہ تعالیٰ ہر نقص و عیب سے پاک ہیں، تو سچ پر قدرت ہے اور جھوٹ پر بھی
 مگر جھوٹ صادر نہ ہوگا کہ یہ عیب و بعض ہے حق تعالیٰ ان سے پاک ہیں۔

لے ایک گروہ کے گروہ کا مرنا بھی ایک جشن رکھتا ہے۔

ہونے سے جس کو غلام دستگیر تسنن کہتا ہے ہم بھی تخاصی کرتے ہیں۔

مگر افسوس یہ ہے کہ مفتی کون؟ غلام دستگیر اور مسئلہ کونسا؟ عموم قدرت باری تعالیٰ سبحانہ ہاشد یہ منہ اور مسور کی دال۔ خدا کی قدرت کہ مسئلہ قدرت میں اور غلام دستگیر ہماری تکفیر کرے۔ قیامت آئے جب وہ موٹے موٹے اور ظاہر ظاہر مسائل سمجھنے سے عاجز ہے تو ایسے باریک مسائل میں اس کی فہم نارسا کیونکر رسانی پاسکتی ہے۔

یہ غلام دستگیر وہی غلام دستگیر ہے جو چند روز ہوئے ریاست بھاو پور کی میونسپل کمیٹی میں محضر تھا، آج آپ علامۃ الدھر بن بیٹھے، اس کی ہمیشہ کی عادت ہے کہ ایسی ہی چالاکیاں سے کارروائی کیا کرتا ہے جو علماء کی شان کے علاوہ عوام اراذل سے بھی نہایت بعید ہیں۔

مناظرہ بھاو پور کا صحیح صحیح قصہ جو ایک بڑے مجمع کثیر اور جم غفیر میں ہوا اول ان معتبر لوگوں سے سن لیجئے جو اس میں شریک تھے اور دیکھئے کہ اس میں ان حضرت کی کیسی گت ہوئی پھر اس فتوے کو جو صادق الاجار میں درج کرایا ہے اس کے مطابق کیجئے، آپ کی ایمانداری واضح ہو جائے گی۔

مناظرہ بھاو پور کا حال اس وقت مجھلاً اور مختصر عرض کرتا ہوں: مولانا خلیل احمد صاحب وسط رمضان سخت موسم گرمی میں نہایت عجلت اور نقصان کے ساتھ متحرک غلام دستگیر مناظرہ کے لئے بھاو پور بذریعہ تدریقی و خطر جہڑی طلب ہوئے۔ ۲۱ رمضان کو مع رفقا وہاں پہنچے، وہاں پہنچے پر جوش مناظرہ تو فرو ہوا لیکن غلام دستگیر اور اس کے رفقا کی آتش عناد نے دوسری طرح اشتعال پایا جب ان مکرور حیلوں میں ناکامیابی رہی تو ۳۰ شوال کو پہلا جلسہ مناظرہ جناب میاں صاحب میاں غلام فرید صاحب مرشد حضور سرکار عالی دام اقبالہ و ملکہ کی کوٹھی میں منعقد ہوا۔

شرائط مناظرہ تمام اراکین ریاست جمع ہوئے فریقین بالمقابل بیٹھے۔ ہماری طرف سے شرائط مناظرہ پیش ہوئیں، کل تیرہ شرطیں تھیں۔ منجملہ ان کے ایک شرط یہ بھی تھی کہ فریقین کی تقریریں قلمبند ہوں جو مجلس میں بالاتفاق منظور ہوئی، اور ایک یہ بھی شرط تھی کہ جو مصنف اور حکم مقرر ہو وہ علوم عقلیہ و نقلیہ فرعیہ و اصلیہ میں، مزاوت نامہ رکھتا ہو اور اس پر فرض ہوگا کہ فریقین کے دلائل پر بدلائل شرعی فیصلہ لکھے جس فریق کے دعوے یا دلائل کو تصحیح کرے بدلائل کرے اور جس کی تغلیط کرے بدلائل تغلیط کرے۔ بدلائل اس کا قول ہرگز قبول نہ ہوگا۔

۱۔ اہل سنت ہوتا۔ ۲۔ ملامت کرتے ہیں: خدا کی شان تو دیکھو کچھ لکھی۔ حضور بلبل شیدا کرے نواسنجی: جو لوگ بے اصل بے ثبوت باتوں کے پیروکار ہیں ان کو کہا جاتا ہے اہل سنت، اور جن کا ہر قول و فعل سنت نبوی کے حواف و اہل سنت سے خارج کہلائیں، کیا بدعت کا نام سنت ہوتا ہے۔ جن کا نام خود رکھ لیا خود کا جنوں۔ ۳۔ غلام دستگیر کی۔ ۴۔ علمی اور عقیدوں کے علوم فقہ و کلام۔ ۵۔ لین دین میں، یعنی

غلام دستگیر کہتا تھا کہ جناب میاں صاحب منصف و حکم ہیں اس شرط کی کیا حاجت ہے، کیا تم پیر صاحب کے حکم ہونے سے منکر ہو؟ مولانا خلیل احمد صاحب کہتے تھے کہ ہم کو پیر صاحب کے ادنیٰ خادم کا منصف ہونا قبول ہے مگر بشرطیکہ فیصلہ بدلائل شرعی ہو۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ اس موقع میں تو پیر صاحب کی منصفی پر اس قدر زور دلاتے ہو اور ان مسائل میں جن میں تم خود میاں صاحب کے مخالف ہو ان میں جناب میاں صاحب منصفی کو منظور نہیں کرتے۔

بعد شرائط غلام دستگیر نے تحریری مناظرہ کو مناسب وقت سمجھ کر سات اعتراضات تحریری مناظرہ اور سات اعتراضات پیش کئے جو سارے آٹھ ورق پر لکھے ہوئے تھے اور چاہا کہ مجلس میں پڑھ کر سنائے۔

مولانا نے کہا کہ مجلس وعظ نہیں ہے مجلس مناظرہ ہے، مناظرہ تحریری ہو گا یا تقریری۔ اگر تحریری مناظرہ ہے تو اسی مجلس میں وقت مقرر پر تحریری سوال و جواب کیجئے، اور زبانی ہے تو زبانی سوال کیجئے زبانی جواب کیجئے۔ اس سے تو غلام دستگیر نے انکار کیا اور پڑھ کر سنائے پر ہصرار کیا۔ آخر مولانا نے کہا اچھا اگر آپ سنا لیں تو ہم کو اجازت ہو کہ ہم اعتراض کریں گے، اس کو بھی منظور کیا۔ مولانا نے کہا کہ اس صورت میں ہمارا بیٹھا فضول ہے، چنانچہ اراکین نے اس کو منظور فرمایا اور کہا کہ آپ جائیں بعد میں آپ کے پاس بھی بیٹھے جائیں گے۔ آپ چار غزین جواب لکھیں۔ مولانا نے یہ قبول کیا اور کہا کہ مجلس میں ہمارے جواب بھی اسی طرح سنائے جائیں گے، اس کو اراکین نے قبول فرمایا اور ہم چلے آئے۔

چار روز کے عرصہ میں اجمالی اور تفصیلی جوابات لکھے، مجموعہ کی تعداد تقریباً سارے پندرہ جز تھی۔ پانچویں جز دوسرا جلسہ منعقد ہوا۔ چونکہ تفصیلی جوابات زیادہ بسیط تھے اس لئے اراکین نے اجمالی جوابات کو سننا قبول کیا۔

لے کئی معقول شرط تھی کہ فیصلہ کرنے والا وہ ہو جو ان علمی باتوں کو سمجھ بھی سکے۔ اس پر کسی معین شخص کا اصرار اندرونی راز کو ظاہر کرتا ہے اور یہ عنوان تو پیر صاحب اور بادشاہ دونوں کو برا لگنے کے لئے تھا جو علمی کم مائیگی کی دلیل ہو کر رہا ہے۔
 ۳۔ منشا کھلا ہوا تھا کہ اس طرح اعتراضات فواب کے سامنے آجائیں پھر انتشار پھیل کر جوابات کسی کو نہ سننے دیں۔
 ۴۔ مناظرہ تو ہوتا ہی ہے کہ ایک کے پھر دوسرے جواب دے پھر سلا اس کا جواب دے پھر وہ جواب التجواب، اگر تحریری ہو تو تحریریں میں در تحریری ہو تو تقریریں میں یا زبانی۔ اس سے انکار کرنا تو مناظرہ سے گریز کرنا ہوا۔ اور نہ کہ پھر دوسرے ہم کرنا بھی مناظرہ کی اخواف ہے اور عاجز ہونے کا اعتراض۔ ۵۔ گویا یہ مطلب ہوا کہ وہ تقریری غلط سلسلہ جھوٹ بہتان بے دلیل جو ہمیں کہہ رہی اس پر کوئی دلیل کے اور گالیاں تک سنا کرے پھر جلسہ دہم برجم کے کے یکطرفہ بات وگوں کے سامنے رہنے دی جائے تو یہ مناظرہ سے گریز نہیں کیا ہے۔ ۶۔ تقریباً ۲۸ صفحے۔ ۷۔ لمبے اور تفصیلی تھے۔ ضروری بات تو یہ تھی کہ جیسے پہلی تقریری مفصل سی تھیں جوابات بھی تفصیلی سننے جاتے تاکہ حق ناحق معلوم ہو سکا ان کو اجمالی پیش کرنے کی اجازت دینا مناظرہ سے اخواف ادایک طرح کی جانبداری ہے گراہل حق نے اتہانک پہچانے کے لئے اس کو بھی مان لیا۔ (رجیل احمد)

لیکن غلام دستگیر مجلس میں نہیں آیا اور عذر کیا کہ جب انھوں نے ہمارے سوالات نہیں سنے تو ہم ان کے جوابات نہیں سنتے۔ مولانا نے کہا کہ ہم نے تو اس لئے نہیں سنے تھے کہ ہم کو اعتراض کرنے کی اجازت نہ تھی جب ہم آپ کو اعتراض کرنے کی اجازت دیتے ہیں تو ان کو اب کیا عذر ہے۔ اراکین نے بھی اس پر بہت زور دیا کہ غلام دستگیر مجلس میں شریک ہو مگر غلام دستگیر ایسے کا ہے کہ وہ تو مجلس میں نہ آئے پر نہ آئے۔ مگر مولانا نے اپنا اجالی جواب مجلس میں خوب دھڑلے کے ساتھ پڑھ کر سنایا اور بعد اختتام پکار کر کہہ دیا کہ جس کا دل چاہے اس پر اعتراض کرے ہم جواب دیں گے۔

علماء نواح بھادلو اور غلام دستگیر کے معاونین مولوی عبدالرشید، مولوی غلام نبی، مولوی سلطان محمود مولوی الہ بخش وغیرہم سب شریک جلسہ تھے مگر کوئی کچھ نہ بولا۔ بعض اراکین کی طرف سے اصرار ہوا کہ یہ جوابات میاں صاحب کے حوالہ کر دو۔ چونکہ وہ صرف مسودہ تھا اس لئے مولانا نے یہ کہا کہ تا وقتیکہ ہم اس کی نقل نہ کر لیں اس کو ہم نہیں دے سکتے۔ اور بڑی خیر ہوئی کہ وہ تحریر نہیں دی تھی ورنہ زبانی مناظرہ کے اور آفاق کی طرح اس سے بھی ہاتھ دھونے پڑتے اور بجز افسوس کے کچھ نہ ہاتھ آتا۔

غرض اس وقت مولانا اپنی تحریروں کو سنانے کے بعد واپس لیکر چلے آئے اور پانچ روز کی جہلت اراکین نے غایت کی کہ اس عرصہ میں نقل کر کے جوابات دیدو۔ چھٹے روز جواب نقل بھیج دیئے۔ اب غلام دستگیر نے سوچا کہ معاملہ دگرگوں ہو گیا۔ اس تحریر طویل الذیل کا سمجھنا اور جواب لکھنا تو درکنار اس کا اول سے آخر تک پڑھنا ہی دشوار ہے۔ آٹھ ورق پر سوال تو کتنے ایام کی جان کا ہی میں کیٹی کر کے لکھے تھے پھر اس تحریر کے جواب کے لئے تو مہینوں کا عرصہ درکار ہے اس لئے دوسری چال چلے اور زبانی مناظرہ ٹھہرایا۔ مولانا نے بلا اصرار قبول کیا۔

زبانی مناظرہ تیسرا جلسہ زبانی مناظرہ کے لئے منعقد ہوا۔ تمام اراکین جناب میاں صاحب کی کوٹھی میں جمع ہوئے، فریقین بالمقابل بٹھادئے گئے۔ فریقین کی تفسیریں لکھنے کے واسطے منظوری اراکین مولوی عبدالمالک صاحب مدرس کا کچ بھادلو پر مقرر ہوئے۔ مولانا نے مولوی غلام دستگیر سے کہا کہ سوال کیجئے، تو کہتے کیا ہیں کہ مجھ کو تو جو کچھ لکھنا تھا لکھ چکا۔ اب میں

لے جن کا ذکر آ رہا ہے۔ سہ اس میں اپنی نجات دیکھی کہ کوئی بات تحریر میں مضبوط نہ ہوگی جس سے چلبے انکار جس سے چلبے انکار کر سکیں گے اور لوگوں کو دھوکا دینے کا راستہ نکل آئے گا۔ جب زبانی اور ایک طرف بیانات سے اپنی شکست کو چھپانا بلکہ فتح کے نام سے پیش کرنا ممکن ہوگا اور ممکن ہے ایسا ہی کیا گیا بھی ہو جیسے کہ ان صاحبوں کا ہر جنگ ہی معمول ہوتا ہے۔

کچھ نہیں کہتا، ہاں مولوی سلطان محمود کچھ سوال کریں گے

معلوم ہوا کہ اب غلام دستگیر میدان مناظرہ سے بلطائف الحیل گریز کیا چاہتا ہے اس لئے مولانا نے کہا کہ اہل متخاصمین میں اور آپ ہیں۔ میں صرف آپ کے سوال کا جواب دوں گا دوسرے کسی کے سوال کا میں جواب نہیں دوں گا۔ اگر آپ کے معاونین میں سے کوئی سوال کرے گا تو میرے رفقا میں سے اس کا کوئی جواب دیگا۔ ہاں اگر مولوی غلام دستگیر اقرار کر لے کہ میں سوال کرنے سے عاجز ہوں تو پھر جس کا دل چاہے سوال کرے میں ہی جواب دوں گا اس پر بہت کچھ جھلائے تو ہسی، خیال بھی کیا کہ اب بھی شاید کچھ غیرت آجائے گی اور سوال کرے گا مگر توبہ توبہ سوال کے نام سے اس کا مرغِ روح ہوا ہوا جاتا تھا کبھی کہتا تھا کہ حضرت میاں صاحب کا ارشاد ہوا تو سوال کروں کبھی بدحواسی میں کہتا تھا کہ مولوی سلطان محمود صاحب ارشاد فرمائیں تو سوال کروں۔ اور اگر لیکن اس کے اس گریز و اغماض سے زنج بچ گئے۔

آخر جب تمام اہل حل و عقد نے اس کو مجبور کیا تو قہر و رویش بجان درویش سوال کے لئے ہتیبہ کرنے لگا۔ پہلے کچھ دیر تک دعا مانگا (شاید جان بچنے کیلئے ہوگی) حق کے غلبہ کی دعا پر تو ہم نے بھی آئیں ہی۔

مولوی عبداللہ ٹوٹکی اور مولانا پھر بستہ کھول کر کچھ کاغذات نکالے اور اس مناظرہ کی بابت اعتراض کیا جولاءِ ہور میں ۱۹ رمضان المبارک ۱۳۳۷ء کو مولوی عبداللہ ٹوٹکی مدرسِ یونیورسٹی کے ساتھ مولانا محمود حسن صاحب

محمود حسن صاحب کے مناظرہ کا تذکرہ

سہ اللہ تعالیٰ کا ہوا تھا جس کا صحیح خلاصہ یہ تھا کہ مسئلہ امکانِ کذب کی بابت مولوی عبداللہ سے تذکرہ ہوا انھوں نے کہا میرے نزدیک اس کا قائل دائرہ اہلِ منت سے خارج ہے۔ دلیل طلب کی گئی تو شرحِ موافق کا حوالہ دیا جو بحثِ صفتِ باری میں مذکور ہے اس پر کچھ استلزامِ بالذات اور بالغیر کی بابت ذکرِ چھپر تو اس پر

سہ یہ کیسی بوجھی ہے کہ خود ہی بجائے تحریری کے بیانی مناظرہ پر زور دیا اور جب اس کا وقت آیا تو تحریر پر حوالہ کر دیا اور کنارہ کش ہو گئے۔ اگر تحریری مناظرہ پسند تھا تو اس کو تبدیل کیوں کرایا یا دوا گروہ ناپسند تھا زبانی پسند تھا تو بجائے زبانی کے اس پر حوالہ کرنا کیسا۔ آفرانِ فلاں یوں میں راز کیلئے اس پر بھی تو غور کرنا چاہئے۔

سہ مناظرہ کرنے والے ایک ایک صاحبِ اہل تھے اور بیانی ان کے ساتھی تھے اہل کا مقابلہ اہل سے اور ساتھی کا ساتھی سے ہونا تھا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب اہل مناظر تھے تو دوسرے مولوی غلام دستگیر اہل تھے خود گریز کرنا اور ساتھیوں کو پھانسا انصاف کی بات نہ تھی ہر ایک کو تھا کہ میں اہل مناظر ہوں اہل سے ہی مناظرہ کروں گا کم مر جے والے سے مناظرہ اس کی شان کے خلاف ہوتا ہے ہاں اگر مناظرہ ہوا اہل ہونے سے استفادہ دے تو پھر بعد والا ساتھی اہل بن سکتا ہے طریقہ یوں ہے اس لئے دوسرے پر وہاں خود کے عاجز ہونے کا استفادہ کرنے کے موقوف ہوا۔ سہ مقابلہ اور جھگڑے والے۔

سہ جھوٹ کا کہہ سکتا ذاتِ باری سے ممکن ہے یا نہیں یعنی اس پر قدرت ہے یا نہیں۔

سہ خود بخود محال ہونا اور کسی دوسری بات کو کذب کے لازم آنے سے اس کا محال ہونا کہ کذب خود بخود محال ہے (بانی صغیر آئندہ)

مولوی عبداللہ نے کہا کہ مجھ کو مناظرہ منظور نہیں ہے۔ تب یہ کہا گیا کہ یہ محض تحقیق مسئلہ ہے اور مناظرہ نہیں اس سے آپ ناخوش نہ ہوں اور یہ کہا گیا کہ خود شارح مواقف امکان کذب کی تصریح کر دے تب بھی آپ قبول کریں گے؟ اس کو تسلیم کیا۔ چنانچہ شرح مواقف کی عبارت صفحہ ۷۹ء کی ان کو دکھائی گئی، اس کو دیر تک دیکھا کئے۔ دیکھ کر مطلق اس میں چون و چرا نہ کی اور اس کو قبول کر لیا۔ اور کوئی عبارت کسی کتاب مسلم الثبوت وغیرہ کی اس کے مقابلہ میں پیش نہیں کی بلکہ سوائے شرح مواقف کے ذکر کے اور نام تک بھی کسی کتاب کا نہیں آیا۔ اس کی بابت غلام دستگیر نے اپنے سوالات میں غالباً لکھا تھا کہ مولوی عبداللہ نے مسلم الثبوت کی عبارت پیش کر کے خلیل احمد وغیرہ کو ساکت کر دیا۔ اس پر مولانا نے تفصیلی جوابات میں لکھا تھا کہ یہ محض خلاف واقع اور جھوٹ ہے۔

مولوی غلام دستگیر کے
مولانا سہارنپوری پر رد و اعتراض

اس جلسہ میں غلام دستگیر نے مولوی عبداللہ کے دو خط نکالے اور دیر تک پڑھتے رہے اور کہا کہ دیکھو جناب مفتی عبداللہ صاحب خود تحریر فرماتے ہیں تو میری طرف جھوٹ کو نسبت کرنا خلیل احمد کا محض جھوٹ اور خیانت ہے حالانکہ یہ نہ سمجھے کہ اس صورت میں کذب ان کے مقتدا مولوی عبداللہ کی طرف منسوب ہوگا۔ دوسرا اعتراض یہ تھا کہ تفصیلی جوابات میں تحفۂ اشاعہ عشریہ کی عبارت کی نقل میں غلطی کاتب سے نسبت کی جگہ است لکھا گیا تھا تو اس پر تحفۂ اشاعہ عشریہ نکال کر دکھلایا کہ دیکھے خلیل احمد نے نقل میں خیانت کی۔ ان دونوں اعتراضوں کے بیان میں ایک بڑا وقت صرف کیا جس سے تمام اراکین اور سب حضار مجلس مکدر و منغص ہوئے اور چیخ و جج صاحب نے غلام دستگیر کو فرمایا بھی کہ اصل مسئلہ میں سوال کرنا تھا، کوئی حدیث کوئی ناسخ کوئی منسوخ بیان کرنا تھا۔ اس کے بعد مولوی غلام دستگیر صاحب کی زبان شریف سے مناظرہ کی بابت کچھ نہ نکلا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) تو قدرت میں نہ ہوا اور ہر شے پر خدا تعالیٰ کی قدرت نہ رہی اور اگر کسی لازم آنے والی بات کی وجہ سے محال ہے تو خود تو ممکن ہوا تحت القدرت ہوا۔ دوسری وجہ سے سلف و عقب کا محال لازم آتا ہے محال ہوا اسی کو امکان کذب کہتے ہیں کہ کذب ممکن تو ہے مگر ہوگا نہیں کہ عیب و نقص ہے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) یہ کیونکہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے یہ کہا تھا کہ خلاف واقع اور جھوٹ ہے جھوٹ کس کا ہے یہ نہیں فرمایا تھا۔ اگر غلام دستگیر صاحب اپنا نہیں تسلیم کرتے تو مولوی عبداللہ کا ہوگا۔ مقتدا یا استاد کے ادب کا تقاضا تو یہ تھا کہ اپنا ہی تسلیم کر لیتے ان کو جھوٹ سے بچا لیتے اور اگر دونوں کو بری کرنا تھا تو ثبوت اس کا لازم تھا کہ واقعی پیش کیا تھا یا اب پیش کر دیتے درنہ دونوں میں سے ایک کا جھوٹ تو ثابت ہوا۔

یہ لیکن آگے پیچھے کی عبارت سے تو مجمع لفظ معلوم ہو رہا ہے کاتب کی غلطی سے مصنف پر الزام درست نہیں۔

سہ تنگ دل۔

مولانا کی طرف سے عام چیلنج | جب مولانا نے دیکھا کہ تمام اراکین منغض ہوئے تو تھوڑا سا اور غلام دستگیر سے بابت سوال تقاضا کر کے اور تابدر وازہ پہنچا کر اور اس کا عجز و اشکاف کر کے کہا کہ خیر اب میں کہتا ہوں کہ جو شخص سوال کریگا میں اس کا جواب دوں گا۔ چنانچہ مولوی سلطان محمود ساکن تلہ پڑی مناظرہ کے لئے منتخب ہوئے اور مناظرہ کے لئے بالمقابل بیٹھے یہاں سے بانتظام جناب مرزا جندوہہ خاں صاحب شیرمال حال مولوی عبدالمالک نے تقریریں کھنی شروع کیں۔

سلطان محمود نے سوال کیا کہ خداوند تعالیٰ کی نسبت اتنا صاف امکان کذب ساتھ آپ کا کیا عقیدہ ہے؟ مولانا نے کہا کہ متمنع بالذات۔

سلطان محمود نے کہا یہ آپ کی تحریر کے مخالف ہے۔

مولانا نے کہا ہرگز نہیں ہے آپ نے ہماری تحریر کو سمجھا نہیں۔

سلطان محمود نے کہا تشریح کیجئے۔

مولانا نے کہا کہ صدق اور کذب صفت کلام ہے اور کلام باری تعالیٰ نفسی ہے اور لفظی۔ نفسی جو صفت قدیمہ ہے اس میں کذب متمنع بالذات ہے اور کلام لفظی میں ممکن بالذات اور متمنع بالغیر ہے۔ آپ کا کیا عقیدہ؟ کہا متمنع بالذات۔

طرفین سے دلیل کا مطالبہ ہوا۔ سلطان محمود تو اپنے اثبات مدعا کے لئے کیا دلیل بیان کرتے مولانا نے آیت ولو شئنا البعثنا فی کل قریۃ ذنیراً الخ پڑھی جس کی تفسیر میں امام رازی نے تفسیر کبیر میں خدا تعالیٰ

سے جھوٹ کے ممکن ہونے کے ساتھ صفت والا ہونا۔ سہ خود بخود محال بلا کسی دوسری برائی کا ذریعہ ہے۔

سہ کلام ہی صادق یا کاذب یعنی واقع کے موافق یا مخالف ہوتا ہے صاحب کلام کو جو صادق یا کاذب کہہ دیتے ہیں وہ مجازاً اس کے کلام کے واسطے کہہ دیتے ہیں ورنہ وہ واقع کے موافق و مخالف نہیں ہوتا واقع کی نقل نہیں ہوتا واقعہ کی نقل تو کلام ہی ہے۔ حکم انسان لفظوں کو لفظوں کا جامہ پہنانے سے پہلے دماغ میں بہت کچھ عبارت بنالیتا ہے وہ تو کلام نفسی ہے کیونکہ ابھی لفظ نہیں ہیں لفظ تو زبان سے نکلنے والی چیزیں ہیں اس دماغی عبارت کو لفظوں میں ملانا ہے یہ کلام لفظی ہے۔ حق تعالیٰ کے یہاں بھی لفظوں کے جامہ سے پہلے جو عبارت ہے وہ کلام نفسی ہے اور لفظوں میں کلام لفظی مگر انسان حادث اس کا علم حادث اس کا یہ دماغی کلام بھی حادث، بلکہ بعض دفعہ رفتہ رفتہ بنتا اور لفظوں میں ڈھلتا ہے دوسرے انسانی حصولی ہے کہ لفظوں کی صورتوں سے ذہن میں عبارت بنانا ہے حضوری یعنی بلا واسطہ لفظوں کی صورتوں کے نہیں جیسے انسان اپنے موجود ہونے کا علم بلا لفظوں کی صورتوں کے ہوتا ہے جو حضوری ہے وہاں اب نہیں اور جن کا علم سب حضوری ہے وہاں لفظوں کی صورتوں کا دخل نہیں ہے اور پھر ہمیشہ سی میث کے ہے اس لئے وہ ذات پاک کی ایک صفت ہے ہمیشہ سے ہمیشہ کے لئے ہے قدیم ہے وہ کلام نفسی ہے پھر لفظوں کو اس کے موافق ملایا جاتا ہے لفظ حادث ہیں کلام لفظی حادث ہے۔ اب کلام نفسی قدیم ہمیشہ سے ہمیشہ تک ہے (باقی برصغیر آئندہ)

کی قدرت مثل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لکھی ہے اور پھر لکھا ہے کہ خلافت معلوم اور خلافت اخبار مقدور ہے جو کہ مستلزم امکان کذب کو ہے۔

سلطان محمود نے کہا کہ تو فرض کے واسطے ہے اور فرض محالات کا بھی جائز ہے مولانا نے کہا کہ میرا استدلال تو سے نہیں ہے بلکہ مشیت سے ہے۔ سلطان محمود نے کہا قدرت اوصاف مشترکہ میں مراد ہے اور اوصاف خاصہ میں مثل پر قدرت نہیں ہے۔ مولانا نے کہا کہ آدم میں وصف اولیت خاص ہے اور شیطان میں بذریعہ ہونا وصف خاص ہے تو ان کے مثل پر بھی قدرت نہیں۔ اسی طرح ہر ایک فرد کی مثل پر قدرت نہیں؟ تو کہا ہاں۔

مفتی صدر الدین کے رسالہ کا حوالہ اور دوسرے امر کا معارضہ کبیر کی دوسری عبارت سے کیا جس کا حاصل یہ تھا کہ خلافت معلوم اور خلافت اخبار غیر مقدور ہے۔ اس کا جواب مولانا

نے پیشوائے غلام دستگیر مفتی صدر الدین مرحوم کے رسالہ اثبات امکان نظیر فیہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیش کیا جس کو بہت کتب کلامیہ سے نقل کیا تھا کہ خلافت معلوم اور خلافت اخبار مقدور ہے۔ اور یہ بھی غالباً اسی جلسہ میں کہا گیا کہ اگر خلافت علم مقدور نہ ہو تو لازم آوے کہ معاذ اللہ خدائے تعالیٰ کو کسی چیز پر قدرت نہ ہو کیونکہ موجودات اور معدومات ممکنہ کا وجود و عدم ایک وقت معلوم تک ہے اس سے پیشتر نہ موجود کا معدوم کرنا اور نہ معدوم کا موجود کرنا مقدور ہو۔ تعالیٰ عنہ ذالک

کتوبات شیخ یحییٰ منیریؒ کی حوالہ اور نیز عبارت مکتوبات شیخ یحییٰ منیریؒ کی کہ انبیاء کے دوزخ میں ڈالنے پر قدرت میں لکھی ہے پڑھ کر سنائی۔ شاید غلام دستگیر

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) تو اس کا واقعہ کے خلاف ہونا خود محال ہے کہ اس کا حکم ابہر و دیم اور صفت ہے اس کا خلاف واقع ہونا تو حکم نفسی ہو جاتا ہے یہ منقولہ محال ہے اور لفظوں کے ساتھ اس کا تعلق حادث ہے لفظوں کا جب تک کلام نفسی کا ان سے تعلق نہ ہو خلاف واقع ہونا ممکن ہے اور جب کلام نفسی کا ان سے تعلق ہو جائے گا وہ کلام لفظی بن جائیگا اب اس کا حکم ہو جائیگا تو کلام نفسی کا اس سے تعلق بخت قدرت ہے مگر ہو گا نہیں کیونکہ اس سے عیب لازم آتا ہے عیب کی وجہ سے محال ہو گا نہ کہ خود۔ شہ خود محال۔ شہ خود ممکن کسی دوسری بات کی وجہ سے محال۔ شہ اور اگر ہم چاہتے تو ہر آبادی میں ایک نبی بھیجتے۔

(حاشیہ صفحہ ۱۵) شہ حضور کا مثل یعنی ایسا ہی۔ شہ معلوم اور خبر کا خلاف بخت قدرت۔ شہ جو کذب کے تحت قدرت اور ممکن ہونے کو لازم بناتا ہے۔ شہ تسلیم کرنے کے لئے۔ شہ چاہے کہ حضور کا مثل چاہے کہ تحت تو ہوا ہی تحت قدرت ہے۔ شہ ان اوصاف مثل ہونے پر قدرت مراد ہے جو سب میں مشترک ہوں۔ شہ جو حضور کے خاص اوصاف میں ان پر نہیں ان کا مثل نہیں۔ شہ سب سے اول ہونا۔ شہ تو کیا ان خاص پر قدرت نہیں۔ شہ اس کی خاص خاص صفتوں کے ساتھ کیا قدرت نہیں جس کو کوئی نہیں کہہ سکتا۔ شہ معلوم و خبر کا خلاف قدرت رب سے باہر ہے۔ شہ حضور کی نظیر و مثل کے ممکن ہونے کو ثابت کرنا۔ شہ تحت قدرت۔ شہ اللہ تعالیٰ اس سے بلند بالائیں۔ شہ کہ یہ بھی قدرت میں مگر حسب وعدہ ایسا نہ کریں گے تو یہ بھی خود محال نہیں وعدہ کے خلاف ہونے سے نہ ہوگا۔

تیسرے روز پھر چوتھا جلسہ منعقد ہوا۔ چونکہ سلطان محمود پہلے مناظرہ کا ڈھنگ دیکھ چکا تھا اس لئے اس روز اس نے چاہا کہ بحث کو بے لگہر خلاف داب مناظرہ چلنے نہ دیا یا اور کو تیسرے جلسہ کے خاتمہ پر سلطان محمود پر جواب دی ہی باقی رہی تھی تو آج اس پر جواب دینا لازم تھا۔ مگر مولانا نے شرعاً اثبات مدعا کے لئے از سر نو دلائل پیش کئے اور وہ کل تین دلیلیں تھیں۔

پہلی دلیل یہ تھی کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ کلام نفسی میں کذب ممتنع بالذات ہے لیکن کلام لفظی میں ممکن بالذات ہے کیونکہ کلام لفظی وہ ہے جو مرکب الفاظ سے ہو اور جو مرکب الفاظ سے ہو وہ حادث ہے اور جو حادث ہے وہ ممکن ہے اور جو ممکن ہے وہ بحکم آیت اَنّ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ داخل تحت قدرت ہے، تو کلام لفظی باقسامہ داخل تحت قدرت ہے پھر ہر ایک مقدمہ کا ثبوت شرح عقائد نسفی سے کر دیا۔

اس دلیل کو سن کر جو کیفیت سلطان محمود اور اس کے رفقاء غلام دستگیر وغیرہ کی ہوئی تھی وہ بال دید تھی۔ بہر کیف اس کے جواب میں ساکت محض ہوئے اور اس دلیل کو کسی طرح نہیں توڑ سکے۔ مگر اگر یہ کہا کہ ہم شکل اول نہیں جانتے امکان کذب کو کسی کتاب سے ثابت کیجئے۔

مولانا نے چند بار پکار کر یہ بھی کہہ دیا کہ اگر آپ صاحبوں میں سے کوئی میری دلیل کے پھر چیلنج کسی مقدمہ کو باطل کر دیں گے تو میں اپنی دلیل سے دست بردار ہو جاؤں گا مگر کوئی کچھ نہ بولا۔

دوسری دلیل یہ تھی کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ لِمَنۡ يَشْرِكۡ بِہٖ فِرۡقَیۡنِ ثَانِیۡنِ کی بدحواسی اب ہم پوچھتے ہیں کہ حق تعالیٰ کو اس کے خلاف پر قدرت ہے کہ نہیں؟ وہ

مشرک کو بخش سکتا ہے یا نہیں؟ جناب میاں صاحب نے فرمایا ہاں بخش سکتا ہے تو مولانا نے کہا کہ یہی مکان کذب ہے۔ اس پر سلطان محمود اور غلام دستگیر با اتفاق بولے کہ خدا تعالیٰ مشرک کو نہیں بخش سکتا اور غلام دستگیر نے جلدی سے جلالین منگائی اور ادھر ادھر لوٹ پوٹ کر اپنا سامنہ لے کر رہ گئے اور کتاب

شروع ہی میں۔ سہ بیشک اللہ تعالیٰ ہر شے پر قدرت والے ہیں اور شے وہ ہے جس پر شیت وارد ہو وہ ہر شے ہے۔ سہ سب قوموں کے ساتھ صادق بھی کاذب بھی۔ سہ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں بخشیں گے اس کو کہ ان کے شے مشرک کیا جائے۔ شے کہ جو فرمایا ہے کہ نہ بخشیں گے اس کے خلاف یعنی کثرت دینا قدرت میں تو ہے مگر وعدہ وجہ سے نہ بخشیں گے تو بخشنا خود تو ممکن ہو ممکن بالذات اور وعدہ کی وجہ سے منع ہو۔

رکھ دی۔ مولانا نے کتبِ کلامیہ سے مشرک کی مغفرت کا مقدور ہونا ثابت کر دیا۔ آخر جب کچھ بن نہ پڑا تو گھبرا کر کہنے لگے کہ اس سے آپ نے فعل میں کذب ثابت کیا اور دعویٰ اثبات کذب فی القول تھا۔ مولانا نے کہا سبحان اللہ میں تو اس قول **اِنَّ اللہَ لَا یَغْفِرُ اَن یُّشْرَکَ بِهِ** میں جو کہ جملہ خبریہ ہے کہہ رہا ہوں۔ کہنے لگے نہیں صاحب آپ تو کذب فی الفعل ثابت کرتے ہیں۔

اہل علم سمجھ سکتے ہیں کہ ایسے جواب کس حالت میں آدھی سے صادر ہوتے ہیں۔ پھر یہ کہا کہ امکان کذب کتاب سے ثابت کیجئے۔

جب مولانا دوقوی دلیلوں سے اپنا مدعا ثابت کر چکے تھے تو اب ان پر لازم نہ تھا کہ موافق فرمائش کے بھی ثابت کرتے مگر شروعاتی خیال کہ آپ کے دل میں حسرت اعتراض باقی نہ رہ جائے اس لئے اس کو منظور کر کے تیسری دلیل شرح موافق سے پیش کی یعنی وہ عبارت جو ۹۰ مطبوعہ نول کشور پر مذکور ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ شارح معتزلہ و خوارج کی طرف سے اعتراض کرتا ہے کہ امکان کذب فی الخبر اور خلف فی الوعد لازم آتا ہے اور وہ محال ہے۔ پھر اس کا جواب دیتا ہے **قُلْنَا لَا نَسْلَمُ اِسْتِحَالَۃَ کَیْفَ و ہَا مِنْ اِمْکِنَاتِ التَّیَّیْسِ** لما قدرة الله تعالیٰ یعنی ہم اس کا استحالة تسلیم نہیں کرتے کیونکہ کذب فی الخبر اور خلف فی الوعد ان ممکنات سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی قدرت شامل ہے۔

اس کے جواب میں سلطان محمود نے دو کتابوں کی عبارتیں پیش کیں جن کو وہ شرح عقائد جلالی اور اس کا حاشیہ ابو الحسن شہید کہتے تھے۔ غالباً ان کا مضمون یہ تھا کہ کذب نقض ہے اور نقض خدا پر محال ہے تو قول سید شریف منوع ہے۔

مولانا نے کہا کہ اولاً یہ اعتراض سید شریف پر وارد نہیں ہوتا کیونکہ سید شریف بحث کلام میں تصریح کر چکے ہیں کہ **قبح فی الفعل** جس سے معتزلہ اس کے استدلال پر استدلال کرتے ہیں اور نقض فی الفعل میں کچھ فرق نہیں ہے تو نقض فی الفعل سے اہل سنت کا اس کے استدلال پر استدلال کرنا اصول اہل سنت کے خلاف ہے۔ دوسرے

۱۔ قدرت کے تحت ہونا۔ ۲۔ کرنے میں اور گفتگو ہے کہتے ہیں۔ ۳۔ کہتے ہیں اور اس کا خلاف کہتے ہیں تو خلاف ہونا۔ ۴۔ کیونکہ دلیل ہونی چاہیے کوئی ہونہ کہ فراموشی دلیل۔ ۵۔ شروع میں۔ ۶۔ معتزلہ وہ فرقہ جو عقل کو شرع سے مقدم کرتے اور خوارج وہ فرقہ جو حضرت علیؑ کی مخالفت کرتا تھا۔ ۷۔ کہ خبر میں کذب کا ممکن ہونا اور اطلاع عذاب میں خلاف کا ممکن ہونا لازم آتا ہے۔ ۸۔ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ یہ محال ہے کیسے محال ہو سکتا ہے حالانکہ دونوں باتیں ان ممکن باتوں میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی قدرت شامل ہے۔ ۹۔ محال ہونا۔ ۱۰۔ صدور کذب نہ کہ قدرت کذب بلکہ قدرت کا ہونا تو نقض ہے۔ انسان میں زنا کی قدرت ہونا نقض یا جرم نہیں اس کا صادر ہونا نقض و جرم ہے بلکہ قدرت نہ ہونا ہی نقض ہے۔ ۱۱۔ کام میں برائی ہو کہ معتزلہ برے کام کا خالق خدا کو نہیں سمجھتے حالانکہ ہر اس کا صدور ہے نہ کہ پیدا کرنا امتحان کے لئے پیدا کرنا حکمت ہے۔ ۱۲۔

۱۳۔ جب توجع و نقض یکساں ہیں تو نقض سے منع پر دلیل لینا معتزلہ کا کام اہل سنت کے اصول کے خلاف ہے۔

باہم مطابقت بھی ہو سکتی ہے کہ دو آئی کا قول کلام نفسی پر محمول ہے اور سید شریف کا قول کلام لفظی پر۔
جہاں تک میرا نقطہ شہادت دیتا ہے اس تقریر کا کوئی جواب ان کی طرف سے نہیں دیا گیا۔ یہاں تک
فریقین کی تقریریں قلمبند ہوتی رہیں۔ چونکہ بارہ بجے کا وقت آگیا تھا اراکین نے اٹھنا چاہا، اٹھتے اٹھتے
سلطان محمود نے اعتراض چارم کی تقریر کی لیکن وہ لکھی نہیں گئی کیونکہ وہ محض غل اور شور میں ہوئی تھی
چند منٹ ہو کر مجلس برخاست ہوئی اور پھر کوئی مناظرہ نہیں ہوا۔

یہ مجملہ بھاولپور کے مناظرہ کا قصہ ہے انشاء اللہ تعالیٰ ہم بعد میں جوابات اجمالی اور تفصیلی بھی
شائع کریں گے لیکن یہ بلفظ مناظرہ جس طرح تحریر ہوا تھا اس لئے ہم نہیں لکھ سکے کہ جو مناظرہ مولوی
عبدالمالک صاحب لکھتے تھے ہم نے اس کی نقل لینے کی درخواست بخد مت جناب میرا ایم علی صاحب
جناب سید غلام مرتضیٰ شاہ صاحب کی تھی اور انھوں نے ہم کو اس کی نقل کی اجازت دیدی تھی اور
وہ کاغذات سرکاری طور پر تہنوسط جناب مرزا جندوڈہ خاں صاحب جناب میاں صاحب کی خدمت
میں محفوظ رہتے تھے اور جناب سید غلام مرتضیٰ شاہ صاحب نے فرمایا تھا کہ کل صبح کو کسی کو بھیج دینا
نقل کر کے لے جائیگا۔

دوسرے روز مولانا خود مع چند طلبہ دولت خانہ پر بخد مت جناب شاہ صاحب گئے اور نقل کیلئے
کہا۔ جناب شاہ صاحب نے براہ مہربانی اسی وقت آدمی بھیج کر جناب میاں صاحب کے ایک خلیفہ کو
بلایا اور کاغذات مناظرہ کے لانے کے واسطے حکم کیا۔ چنانچہ وہ گیا اور واپس آکر یہ جواب لایا کہ جناب
میاں صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ ”ہمارے پاس کاغذات نہیں ہیں خلیل احمد کا آدمی لکھتا تھا اسی کے
پاس ہوں گے۔“ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ آیا واقعی یہ میان صاحب کا ہی جواب ہے بلکہ کچھ عجب نہیں یہ بیچ
میں حضرت غلام دستگیر کی کارروائی ہو۔ بہر کیف اس وقت سے مایوسی ہوئی کہ وہ تحریرات غائب
غلہ ہوئیں ہمارے ہاتھ نہ آئیں گی۔ تو اب ہم کو شکر کا بڑا موقع ہے کہ بدون نقل جوابات اجمالی اور تفصیلی
حوالہ نہیں کر دئے گئے تھے ورنہ وہ بھی اسی طرح غائب غلہ ہوتے لیکن یہ تو سب جلتے ہیں کہ مولوی
عبدالمالک نے سرکاری طور پر مناظرہ کو لکھا تھا جس کے منتظم جناب مرزا جندوڈہ خاں صاحب تھے۔ پھر
اگر وہ خود ہی اس کو شائع کر دیں تو بہتر ہے تاکہ تمام ہندوستان میں ہر ایک کو معلوم تو ہو جائے کہ حقیقت کس
کی جانب ہے اور مناظرہ میں غلبہ کس کو ہے؟ مگر جس میں ان کی مغلوبیت ثابت ہو اس کو تو وہ کیوں کر

۱۔ جلال الدین دوانی صاحب شرح عقائد جلالی کا محال کہنا۔ ۲۔ ممکن تحت قدرت ہونا لفظی پر ہو۔
۳۔ حالانکہ لکھنے والے عبدالمالک تھے جو تمام اراکین کی منظوری سے منتخب ہوئے تھے۔

شائع کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر بشر اہل عقل کے نزدیک اس کا چھپا لینا اور غائب کر دینا بہ نسبت اظہار کے زیادہ صریح و دلیل مغلوب ہونے کی ہے لو کا تو ایقلون یہی وجہ ہوئی کہ غلام دستگیر نے صادق الاخبار میں کیفیت مناظرہ کا نام تک نہ لیا اور نتیجہ مباحثہ کے نام سے فتویٰ شائع کرایا۔ چہ خوش۔ کجا مباحثہ، کجا یہ فتویٰ، کجا اس کا نتیجہ مباحثہ ہونا، کجا اظہار حق؟ عجب امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کی اہمیت یہ ہے کہ چہ خوش گفت است سعدی در زلیخا

اَلَا يَا اَيُّهَا السَّاقِي اِدْرِ كَأْسًا دَنَا وَلَهَا

یہ خیال کیا ہو گا کہ ان کے دلائل کا جواب جن کے مقابلہ میں سر مجلس جواب نہیں آیا تھا اس موقع پر بھی نہ بن پڑے گا تو اب مناظرہ کا ذکر کرنا اپنے مدعا میں کھنڈت ڈالنا ہے اسلئے اس کا نام ہی نہ لو۔ رہا یہ کہ اگر یہ فتویٰ جس پر جناب میاں صاحب کی تصدیق ہے اگر بالفرض ان کی طرف سے ہی سمجھا جائے اور خیال کیا جائے کہ یہ ان کی طرف سے فیصلہ ہے تو تا وقتیکہ یہ فیصلہ حسب شرائط بدلائل صحیحہ مدلل نہ ہو اور تمام دلائل کا مفصل جواب نہ ہو ہرگز قابل اعتبار کے فیصلہ نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ خود دلائل مرقومہ غلط ہوں۔ اس صورت میں میاں صاحب کی تصدیق کافی نہیں۔ کیونکہ صاف معلوم ہونا ہے کہ جناب میاں صاحب کو دھوکہ دیکر دستخط کرائے گئے۔ سوالات میں طرح طرح کی چالاکیاں کی ہیں، دلائل میں بہت کچھ خرافات بھری ہے پہلی دلیل جو تمام مسائل میں جاری کی یہ ہے کہ یہ مسئلہ موافق میان مولوی سمیع رحمۃ اللہ علیہ کے ہے یہ خود وہاں ہیات اور پوچھ ہے۔ ان کی موافقت و مخالفت کو بطلان و حقیقت میں کچھ دخل نہیں ہے وہ خدا کے بھی وعدہ لا شریک لہ ہونے کے قائل ہیں تو اس کا بھی انکار کیجئے۔ چوری و شراب خواری و جہل و ظلم سے معارضہ بھی کم فہمی سے ناشی ہے کیونکہ معلوم ہوتا ہے کہ غلام دستگیر کے نزدیک خدا کی قدرت کا بندہ کی قدرت سے زائد ہونا اور خدا کے مقدرات کا بندہ کے مقدرات سے زائد ہونا ضروری نہیں حالانکہ یہ کلمہ اہل کلام ہے جو مقدر و العبد ہے وہ مقدر و اللہ ہے۔ اگر اس کا انکار کرتے ہو تو خود اہل سنت سے خارج ہو۔ ہم تحقیقی جواب دیتے مگر خوف طوالت سے ترک کرتے ہیں اور صاحب معتقد المنتقد نے جو یہ خرافات کہی کہ قال کبیر ہم کہذبوا تصادفنا بھنا نہ بھنا نہ الثقیصۃ تیسرے ابدال ذات

لے اگر وہ سمجھتے ہوتے۔ سہ کیا اچھا کہا ہے سعدی نے زلیخا میں اکیلا آخر تک۔ خبر دار لے ساقی جام کا دور چلا اور دیر ہے۔ یہ مصرع حافظ شیرازی کا اور یوسف زلیخا کتاب مولانا جامی کی۔ اس میں کہنے والا بتایا شیخ سعدی کو۔ ایسی بے جوڑ باتیں بیان ہوئیں۔ سہ کہ جو کچھ وہ کہیں وہ صحیح ہی نہ ہو۔ سہ پیدا۔

سہ یہ کلی قاعدہ علم کلام کا تسلیم کیا ہوا ہے کہ جو کچھ بندہ کی قدرت میں ہے وہ اللہ تعالیٰ کی بھی قدرت میں ہے۔

سہ ابراہیم علیہ السلام کا یہ کہنا کہ ان تینوں کے بڑے نے کیا ہے کذب ہے یہ تو اللہ تعالیٰ نے کہا ہے اور اس نقص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا موصوف ہونا محال بالذات نہیں۔

محض اجتراء و کم فہمی ہے۔ ہرگز کوئی انصاف بالقصۃ کا قائل نہیں ہوا۔ من ادعیٰ فعلیہ البیان۔ شرح فقہ الکبریٰ عبارت و منها لا یوصف اللہ تعالیٰ بالقدرۃ علی الظلمۃ ثبوت مدعیان بے سمجھی پر دال ہے ظلم کا تحقق خدا تعالیٰ کے حق میں ممکن نہیں۔ تو عقلاً محال ہوا تو اس کا امکان بھی عقلاً ممتنع ہوا۔ لیکن کذب کا محال عقلی ہونا ممتنع ہے بلکہ وہ محال شرعی ہے اور محال شرعی کے امکان کو محال عقلی کہنا بجز غلام و سنگیر جیسے علامۃ الدہر کے کسی دوسرے عاقل کا تو کام نہیں ہے۔ لیجئے آپ کے دلائل کی تو ترکی تمام ہوئی اب کہئے اہل سنت سے تم خارج ہو یا ہم؟ انصاف کی آنکھیں اگر ہوں تو زائل کر دیکھو۔

غلام و سنگیر کے مقتدا مولوی مفتی صدر الدین اور امام رازی وغیرہ امکان نظیر فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل ہیں۔ کیوں صاحب پھر وہ بھی اہل سنت سے خارج ہیں۔ ممانت نفس بشریت کی تردید میں تفسیر کبیر کی عبارت سے استدلال سراسر خطا ہے۔ کبیر کی عبارت ہمارے ہرگز مخالف نہیں۔ ہم قبول کرتے ہیں کہ تواضعاً ارشاد فرمایا یا ایں ہمہ یہ بھی کہتے ہیں کہ نفس بشریت میں ممانت ہے، کیونکہ بالاتفاق انسان اور بشر کی متواضعی ہے اور جنسیات میں عوارض کا فرق یقیناً ہے۔ اینہا تو انبیاء ہیں عوام میں بھی باعتبار عوارض زمین و آسمان کا فرق ہے۔ کوئی عورت، کوئی مرد، کوئی صاحب خصال حمیدہ، کوئی صاحب اوصاف ذمیمہ، کوئی اندھا عین جان گونگا، کوئی مینا مرد شجاع بلیغ، کوئی ولی اللہ، کوئی کافر، لیکن یہ فرق عوارض نفس انسانیت میں برابر ہے کوئی بے وقوف سے بیوقوف بھی خلل انداز نہیں سمجھتا اور اس کو کلی مشکک نہیں کہتا۔ چنانچہ اگر ولی اللہ کافر کو کہے کہ میں تجھ جیسا ہوں یا مینا اندھے کو کہے یا جان شجاع کو کہے یا مرد عورت کو کہے تو باعتبار نفس بشریت کے واقعیت پر محمول ہوگا اور باعتبار عوارض کے تواضع پر پس آپ نے ہمارا مطلب نہیں سمجھا اور تفسیر کبیر کا ہی مطلب سمجھا۔

اسی طرح تیسرے جواب میں بھی تنقیص شان حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف نسبت کرنا

لہ تہمت۔ لہ نقص کے صفت ہونے۔ لہ خود غوی کرے اس کے ذمہ ثبوت ہے۔
 عہ انہی میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ظلم پر قدرت ہونے کے ساتھ موصوف نہیں کئے جاسکتے۔
 لہ وہ تو عقلی محال ہے اور کذب شرعی محال ہے، دونوں میں فرق ہے ایک کرنا درست نہیں اور جو شرعی محال ہوگا اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اس پر قدرت تو ہے مگر شرعی حکم اور عیب کی وجہ سے صادر نہیں ہو سکتا یہی ممتنع بالخیر ہوتا ہے۔
 لہ حضور کے شل کے ممکن ہونے کے۔ لہ مثل ہونا محض بشر ہونے میں ہے اس کی تردید کے لئے تفسیر کی عبارت۔
 لہ کہ حضور نے تواضع میں برابر فرمایا۔ لہ وہ لفظ جو بہت پر صادق آئے مگر صوب میں بلا افتادت ہی ہو۔
 لہ حقیقت سے باہر کی پیش آنے والی باتیں۔ لہ یہ پیش آنے والی مختلف باتیں انسان ہونے میں برابر رکھتی ہیں۔
 لہ اس فرق کو انسان ہونے میں خلل ڈالنے والا۔ لہ وہ لفظ جو بہت پر صادق آتا ہو مگر ایک میں کم ایک میں زائد ہو جیسے سفیدی پانی پر اور موتی پر۔ لہ بزدل۔

جہالت ہے۔ ہمارے کلام اور ہمارے اعتقاد میں افضلیت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم جمیع مخلوقات سے ثابت و متحقق ہے لیکن ہاں ہم حضرت کو حق تعالیٰ کی کسی صفت میں شریک نہیں کرتے اور بعلم محیط عالم الغیب نہیں جانتے۔ اگر اس لئے ہم اہل سنت سے خارج ہیں تو ایسا اہل سنت ہونا غلام دستگیر اور اس کے زفقار کو ہی نصیب رہے۔

کارِ شیطان میکند نامش دلی گرو لی اینست لعنت بروی
خود آنکھیں کھول کر نہیں دیکھتا کہ غیر کو خدا تعالیٰ کی صفت میں شریک کرتا ہے تو خدا تعالیٰ کی تنقیص شان نہ ہوئی؟ مگر مبتدعین زمانہ کے نزدیک خدا تعالیٰ کی تنقیص کچھ بری نہ ہو۔

علاوہ ازیں یہ غلام دستگیر اپنے سوالات میں امکانِ کذب کو مورد لعنت اللہ علی الکاذبین کا قرار دیتا ہے جس سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ معاذ اللہ تمام انبیاء تمام اولیاء تمام شہداء تمام اقطاب و ابداً بلکہ خود بھی مورد لعنت اللہ علی الکاذبین کے ہیں۔ تو کیا سب کو ملعون بتانا تنقیص اور توہین شانِ رفیع ان کی نہیں ہے۔

غلام دستگیر کے پیر و مرشد مولوی غلام محی الدین صاحب اپنے حلیہ میں فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک کو اک جانور کی گردن کے مماثل و مشابہ فرماتے ہیں ”بنوع گردن آہو مثال“ تو پھر تمہارا پیر نے بھی تو یہی تنقیص شان کی۔ ان کو بھی اہل سنت سے نکالو۔

چوتھے اور پانچویں اور چھٹے جوابات میں نہ ہمارا درعاصح نقل کیا نہ کوئی دلیل ذکر کی تو ان کا اس موقع پر ذکر کرنا خود لغو ہے۔ بلکہ اس قدر لکھنا ضرور ہے کہ عموماً مجلس میلاد مبارک کی حرمت کو ہماری طرف نسبت کرنا محض جھوٹ اور افتراء اور بہتان ہے۔ باقی جن امور محدثہ کو ہم نے ناجائز کہا ہے اگر کچھ حوصلہ ہے تو ان کا استحسان ثابت کرے۔

پھر کالم صفحہ ۴۲ میں لکھتا ہے (ماحق ان کی غیبت اور بہتان پر کمر باندھ لی) اسی صفحہ کے اسی کالم کی سطر ۲۳ و ۲۴ میں لکھتا ہے (اور ان کی غیبت اور بہتان بندی کریں) لفظ غیبت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ عیوب ان میں موجود ہیں، اور بہتان سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ عیوب ان میں موجود نہیں

لے ازل سے اب تک ہر بات کے لئے عالم الغیب ہیں کہ یہ صفت باری ہے۔ ۱۔ کہ خدا کی صفت غیر میں ثابت کرنے لگیں ۲۔ کہ کام تو شیطان کا کرتا ہے نام اس کا ہو دی اگر یہی دلی ہوتا ہے تو اس دلی پر لعنت۔ ۳۔ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کے وعدہ کرنے کا موقع۔ ۴۔ اگرچہ غلام دستگیر ہمارے بزرگوں کا نام بے ادبی سے لے مگر ہم اس کے جواب میں اس کے بزرگوں کو بے ادبی سے انشاء اللہ یاد کریں گے بشرطیکہ غلام دستگیر سے نہ بڑھا۔ ۵۔ ہر قسم کی۔ ۶۔ تہمت۔ ۷۔ نئے ایجاد کئے ہوئے۔ ۸۔ جیسے حدیث میں ہے کہ غیبت کے بیان پر ایک صحابی نے پوچھا اگر اس میں وہ بات ہو تو حضور نے فرمایا

جب ہی تو غیبت ہے نہ ہوتو تم نے بہتان باندھا۔

پس اگر ان عیوب کو ان میں جلتے ہو مگر غیبت سمجھ کر ان کا ذکر منع کہتے ہو تو نہارے تمام محدثین پر یہ اعتراض ہے ورنہ غیبت کہنا غلط ہے اور اگر بعض کی نسبت غیبت اور بعض اخیر کی نسبت بہتان کہنا مراد ہے تو ذرا تفصیل فرمائیے کہ کون سے عیوب کی نسبت غیبت ہے اور کون سے کی نسبت بہتان۔ پھر باہیں ہمہ روایات کا اعتراض قائم۔ اور یہ بھی خیال ہے کہ ما شاء اللہ بڑے عالم ہیں غیبت اور بہتان کو عجب نہیں ایک ہی سمجھے ہوں اور عطف تفسیری ہو۔

پھر اب ذرا ان لوگوں کا حال بھی سن لیں جن کو غلام دستگیر نے عوام کے قریب دینے بدعتی فتوے کے علماء کے لئے علماِ نظام کیا اور ان کے اس فتوے پر دستخط کرائے۔ اول جناب میاں صاحب کہ بچپن میں کچھ کتابیں صرف و نحو کی پڑھی تھیں پھر فقیری کی طرف متوجہ ہوئے اب محض خاندانی درویش ہیں مولوی عبدالرشید بسبب شہرتِ ضعف اور کثرتِ امراض کے ان کی فہم ہی سلیم نہیں پھر مسائلِ دقیقہ معقولہ و کلامیہ سے محض نا آشنا۔ میان نبی بخش اویسی کہ عربی عبارت تک نہیں پڑھ سکتے۔ میان احمد دین اویسی نے ابتدا میں ناقص طالب علمی کی تھی اب وہ ساہا سال سے نہ رہی۔ محمود اویسی، محمد دین، یہ دونوں چھوٹے بھائی میاں احمد دین کے ہیں۔ یہ بچے ارے طلبہ کی بھی شمار میں بشکل ہو سکتے ہیں غلام نبی یہ مولوی عبدالرشید سے بھی بدرجہا کم ہیں۔ حافظ غلام مصطفیٰ خان، غلام دستگیر کے پیر بھائی خضر صورت مگر نبیہ اور قدوری سے زیادہ نہیں جانتے اور معتز زریعہ سے سنا گیا تھا کہ اپنے صاحبزادہ کی رعایت میں جھوٹی شہادت دوانے تک پر آمادہ تھے۔ حکیم عبدالحق پیر فرزت بحر طابت کے علوم معقولہ و دینیہ سے اجنبی۔ قادر بخش واعظ، علوم عربیہ سے جاہل محض اور اس پر طماع و لالچی۔ غوث بخش سراج احمد سیدزماں شاہ، انھوں نے تجویف جبر و اکراہ دستخط کئے جب دیکھا کہ مولوی گل محمد اور سید علی اور شاہ عالم کالے گئے پھر تحقیقاتِ مسائلِ دقیقہ میں ان کی استعداد نا کافی۔ غلام احمد، عزیز الدین گھڑی ساز، محمد امین فارسی خواں کہ ان کی استعداد عربی ہرگز ایسی نہیں جو کتاب سے ایسے مسائل سمجھ سکیں۔ یہ حال ان لوگوں کا ہے جنھوں نے اس پر دستخط کئے ہیں اگر کسی کو شک ہو تو ان کا حال دیکھ لے۔

کیا ابھار پور میں علماء نہیں ہیں حیران ہوں کہ مولویوں کا تمام خاندان باقی تھا۔ نور احمد، سید اللہ فیض احمد، فضل احمد، سید اللہ، کریم اللہ۔ ادھر مفتیوں کا خاندان ادھر محمد امین کا خاندان، حکیم عبدالحق کا خاندان ان سب کے دستخط کیوں نہ کرائے اور زیادہ وثوق و اعتبار

لے ضعیف موضوع کا اور راویوں کے حالات کا نقص و عیب ظاہر کیلئے جیسے وہاں دین کو مستحکم کرنے کے لئے درست ہے یہاں بھی درست ہے کہ دین کو غلطیوں سے غلطیوں اور غلطی کرنے والوں کی نشاندہی کر کے پاک صاف کرنا ضروری ہے۔

بڑھتا۔ بلکہ جب دستخط کے واسطے علم شرط نہیں رہا تو دستخط کنندوں کی مستورات کے دستخط کیوں نہ کر لئے؟ یہ اس غلام دستگیر کی ہمیشہ کی چالاکی ہے کہ دھوکہ دہی کے واسطے ایسا کیا کرتا ہے۔ پھر اس میں تو ایک یہ بھی کاریگری کی ہے کہ بعض دستخطوں میں جعل اور تحریف بھی ہوئی ہے۔ مثلاً سنا ہے سراج احمد نے لکھا تھا کہ میں سبب کثرت مشاغل کتب متعلقہ مسائل متنازع فیہا کو نہیں دیکھ سکا۔ چونکہ معاملہ دین نازک ہے لہذا مجھ کو لکھتا ہوں کہ جس شخص کے عقائد مخالف عقائد اہل سنت کے ہیں وہ نزاع باطل پر ہے (العبد سراج احمد) پس یہ حال اس کے فتوے کا ہے اور یہ کیفیت اس کے تصدیق کنندوں کی ہے۔ پھر اس بے دینی کو حج بیت اللہ کی برابر بلکہ رائج کہتا ہے۔ ہاں اس وجہ سے تو بیشک حج بیت اللہ پر رائج ہے کہ سو روپے کی رقم ہاتھ لگ گئی۔ یہ نعمت نولاکھ حج مبرور سے بھی اس کے نزدیک بڑھ کر ہوگی اس پر وہ مثل صادق آئی رحمہ الدنیا وخر لاخرہ۔ سبحانک و محمدک اشھدان لا الہ الا انت استغفرک و اتوب الیک۔ اس تحریر میں ہم نے بہت سے مدارج کا محل بیان کیا ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ کسی وقت ہم اس کو تفصیل سے ظاہر کریں گے بلکہ عجب نہیں یہ مسئلہ پولیٹکل ہو جائے اور غلام دستگیر ہم کو مجبور کرے کہ ہم گورنمنٹ کو اس طرف متوجہ کریں۔ فقط۔

فن مناظرہ میں بدِ طوئی
فن مناظرہ بالخصوص ردِ روافض و ردِ بدعات میں حضرت کو بدِ طوئی تھا۔ آپ کی عادت نہ تھی کہ خود مناظرہ کی دعوت دیں یا چھیڑ چھاڑ کریں مگر جب دوسرے فریق کی طرف سے زور دیا جاتا تو اس وقت آپ شیریں کر سامنے آتے اور مخالف کو جھوٹوں بھی یہ کہنے کا موقع نہ دیتے کہ مناظرہ سے بھاگ گئے۔ فریقِ مخالف نے آپ کی ضروریات و قیام و تنگی و دشواری حالات ٹول ٹول کر اس کی تدبیر کی کہ اس وقت آپ مناظرہ نہ کر سکیں گے اور ہمیں فرار کا الزام لگا کر اپنے منقذین میں اپنی کامیابی کا شور مچانا نصیب ہو گا مگر آپ نے ہمیشہ اس چال کو سمجھا اور موقع ہی نہ دیا کہ آپ کی حقانیت پر کوئی دھبہ آئے۔

رانڈیر میں مبتدعین سے ہر شرط پر مناظرہ
اور مبتدعین کا گریز
ایک مرتبہ آپ سفرِ حج سے واپس آ رہے اور اہل رانڈیر کے اصرار پر ایک دن کے لئے رانڈیر پھیر گئے۔ چند مبتدعین نے جو کہ پہلے سے پھیرے ہوئے تھے اس شب میں جس کی صبح کو

لے جن میں جھگڑا ہے۔ ۳۰ یہ تو وہ ہو گا جو خدا تعالیٰ کی صفت کو غیر میں ثابت کر چکا۔ ۳۱ دینا کا نفع یا اور آخرت کا خسارہ۔ ۱۰۱ اللہ آپ پاک ہیں میں آپ کی پاکی حمد کے ساتھ بیان کرتا ہوں دل سے گواہی دیتا ہوں کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں میں آپ سے مغفرت مانگتا ہوں اور آپ کی طرف توبہ کرتا ہوں ۳۲ درج شدہ سائل کا۔

آپ چلنے والے تھے شور مچایا کہ مناظرہ کر لو۔ ہر چند کہ آپ چار مہینے سے سفر کا تعب اٹھا رہے تھے، اہل و عیال کا ساتھ تھا، وطن پہنچنے کی عجلت تھی، روانگی کی اطلاع آپ جگہ جگہ رے چکے تھے اور یہی فریق مخالف کی جیت تھی کہ مناظرہ کی دعوت پر لامحالہ جواب دیں گے کہ دوسرا وقت مقرر کرو۔ مگر آپ نے کسی ضرورت کی پروا نہ کی اور پہلی ہی تحریک پر کہلا بھیجا کہ وطن کی روانگی ملتوی کرنا ہوں اور منظوری شرائط میں دیر لگانا نہیں چاہتا جو شرط چاہو طے کرو اور میں کل صبح آٹھ بجے جائے موجود پڑھتا ہوں جاؤنگا۔ ادھر آپ نے اجاب کو رفع انتظار کے لئے خطوط بھیج دیئے چنانچہ بندہ کے نام بھی یہ خط آیا۔

مولانا کا مکتوب بنام مولانا عاشق الہی | مکرم مولانا مولوی عاشق الہی صاحب مدنیو ضکم السلام علیکم۔ آج ۲۰ ربیع الاول ۱۳۲۴ھ کو قصد

روانگی یہاں سے تھا مگر یہاں کے مبتدعین کی تحریک سے مولوی ظہور الحسن رامپوری نے دعوت مناظرہ دی لہذا تا بدروزہ پہنچانے کے لئے آج قیام کیا۔ چنانچہ مجدداً شہر متدعین ذیل ہوئے اب کل ۲۱ ربیع الاول ۱۳۲۴ھ یوم چار شنبہ بجے فجر کو یہاں سے سبخر میں روانگی ہوگی اطلاع عرض کیا گیا فقط والسلام۔ خلیل احمد غنی عنہ از اندیر۔

صبح حسب وعدہ جب آپ مقام مناظرہ پر پہنچے تو میدان خالی تھا اور دو گھنٹہ انتظار کے بعد معلوم ہوا کہ فریق مخالف کا تورات ہی سے پتہ نہیں چنانچہ آپ منبر پر آئے اور دینک مسائل اختلافیہ کی تقریر کی اور یہ بھی فرمایا کہ اسی وقت پر موقوف نہیں جس وقت بھی میری ضرورت ہو میں مستقل سفر کر کے حاضری کے لئے تیار ہوں۔

سفر حج کے نازک موقع پر دلدار علی | مولوی فاروق احمد صاحب انہٹوی کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ سفر حج کو جاتے ہوئے راستہ میں مولوی ذیاد علی اوری کی طرف سے دعوت مناظرہ

گئی جبکہ آپ جہاز میں سوار ہونے کو تیار تھے آپ کے رفقاء نے جواب دیدیا کہ اس وقت تو گنجائش نہیں کہ جہاز تیار اور آخری ہے البتہ واپسی پر مناظرہ ہوگا مگر آپ نے سنا تو بے ساختہ فرمایا کہ نہیں ہم تیار ہیں۔ کل کو ہم قیام کریں گے اور صبح مناظرہ ہوگا، مولوی صاحب سے کہنا کہ مقام اور مباحثہ مناظرہ آج طے کر لیں۔ اور رفقاء کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ مولوی صاحب مناظرہ کرتے ہیں تو ہمیں انکار نہ کرنا چاہئے، حج بشرط زندگی دوسرے سال کر لیں گے یہ بھی تو ایک دینی کام ہے۔ یہ جواب سن کر فریق ثانی پر اوس پڑ گئی اور کوئی میدان مناظرہ میں نہ آیا۔ حضرت چند روز قیام فرما کر بمبئی روانہ ہو گئے حالانکہ جہاز کی تاریخ روانگی گذر چکی تھی مگر اللہ کی شان کہ اس کو چار دن کسی

غیر معمولی عذر سے ٹھیکرنا پڑ گیا اور آپ اس میں سوار ہو کر عرب پہنچ گئے۔

روافض سے مناظرہ | تقریر اور تحریر دونوں قسم کے مناظرہ میں آپ کو ملکہ نامہ تھا مگر اخیر عمر میں ضعیف دماغ کی وجہ سے آپ طویل تقریر پر قادر نہ رہے تھے اس لئے

اپنے کسی خادم یا دوست کو مناظرہ بٹھا کر کھڑا کر دیتے اور خود پاس بیٹھ جایا کرتے تھے۔ چنانچہ اخیر نومبر ۱۹۲۲ء کو امر وہمہ میں جو مشہور مناظرہ روافض کے ساتھ ہوا اس میں مولانا عبدالشکور صاحب کو مناظرنا کر آپ نے کھڑا کیا اور خود جلسہ کے پورے وقت میں پاس بیٹھے رہے۔ حتیٰ کہ آثارِ تواریح مناظرہ میں ۳۰ نومبر مطابق ۱۸ ربیع الاول آپ کو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ کے ساتھ انتقال کی اطلاع ملی مگر آپ میدانِ مناظرہ کو صرف اس لئے چھوڑ سکے کہ فریقِ مخالف قرار پر محمول کر کے مخلوق پر اپنا رنگ جمائے گا۔ آخر جب فریقِ مقابل خائب و خاسر ریل میں سوار ہوا تب آپ امر سے چلے۔

قادیانیوں سے مناظرہ | اسی طرح اہلِ کوہ لٹھوڑ نے ایک مرتبہ آپ کو قادیانیوں سے مناظرہ کے لئے بلایا تو آپ فوراً روانہ ہوئے اور مولوی محمد یحییٰ سہسرامی کو کہ

مدرسہ کے مدرس تھے مناظرنا کر کھڑا کیا اور خود پاس بیٹھے رہے۔ ہاں تحریری مناظرہ میں چونکہ وسعت تھی اس لئے عشر کی وجہ سے خود لکھنا دشوار تھا کاتب کو پاس بٹھا کر جامع مانع تحریر لکھوا کر بھیج دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے مولانا عبدالشکور صاحب اڈیٹر النجم کو یہ تحریر بھیجی اور یاد خود کیا کہ آپ خصوصی طور پر مخاطب نہ تھے مگر احقاقِ حق کیلئے مضطرب ہو کر ان خود اپنے ہاتھ سے لکھ کر بھیجی کہ النجم میں شائع کر دیں۔

مکتوب گرامی بنام مولانا عبدالشکور مدیر النجم | حامداً و مصلياً۔ از بندہ خلیل احمد۔ بگرامی خدمت مکرم و محترم مولانا مولوی عبدالشکور صاحب دامت مکارم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ و بركاتہ۔ آپ کے اخبار میں ایک عرصہ سے جناب سید مصطفیٰ

حسین صاحب شینی کے سوالات اور ان کے جوابات شائع ہو رہے ہیں۔ ۷ صفحہ کا النجم دیکھ کر مجھ کو بھی یہ خیال پیدا ہوا کہ میں بھی اس بحث میں حصہ لوں شاید میری قسمت یاوری فرمائے اور مجھ کو باخبر کی گزارش حضرت سید صاحب کے لئے تشفی بخش ہو کر سید صاحب کے رجوع الی الحق کا سہرا میری ہی تحریر کے سر بندھے۔

مصطفیٰ حسین صاحب سے خطاب | لہذا بذریعہ النجم اول سید صاحب کی خدمت میں نہایت ادب کے ساتھ مستدعی ہوں کہ جناب نے تبدیل مذہب کے متعلق

اہل سنت کو خطاب کر کے فرمایا تھا کہ اگر مجھ کو تشفی بخش جواب ملے گا تو میں سنی ہو جاؤں گا اور اہل تشیع سے فرمایا تھا کہ میرے سوالات کا آپ کی طرف سے اگر تشفی بخش جواب نہ ملے گا تو میں سنی ہو جاؤں گا اگرچہ اہل سنت کا جواب بھی تشفی بخش نہ ہو۔

امراول کے متعلق التماس ہے کہ جس قدر جوابات لکھے گئے وہ تشفی بخش تھے یا نہیں؟ اگر تشفی بخش تھے تو حسب وعدہ تبدیل مذہب کا اعلان فرمائیے اور اگر تشفی بخش نہیں ہوئے اور آپ اپنے وعدہ تبدیل مذہب پر سچے دل سے ثابت قدم ہیں اور یہ وعدہ محض سببِ بلاغ نہیں ہے تو میں خدمتِ عالی میں سچی ہوں کہ اس دفعہ پھر کمر باندھ کر اپنا وعدہ تبدیل مذہب براہِ بندہ نوازی اس عنوان سے انجام میں شائع کرادیجئے۔ میں سید مصطفیٰ حسین شیعی کورٹ آف وارڈسِ خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر بلا توریہ نقیہ سچے دل سے اقرار کرتا ہوں کہ اگر اہل سنت میں سے کسی نے میرے سوالات کا جواب تشفی بخش دیا تو میں فوراً سنی ہو جاؤں گا۔ اور مردم کے متعلق یہ مضمون شائع فرمادیں کہ میں جو سوالات خدمت میں علماءِ تشیع کے اس سے پیش کرچکا ہوں اور عرض کرچکا ہوں کہ اگر تشفی بخش جواب نہ ہوا تو سنی ہو جاؤں گا۔ حضرات بھی تحریر جواب میں عجلت نہ فرمائیں تاوقتیکہ میں اس کے بعد دوسری دفعہ اپنے سوالات شائع نہ کروں۔

بندہ ناچیز اپنی تحریر کے آخر میں چند سوالات بھی بحثِ خلافت کے متعلق لکھے گا۔ بجائے اپنے ان سوالات کے وہ سوالات جو میں پیش کروں گا اپنے شیعہ بھائیوں کی خدمت میں بھیج کر جواب تشفی بخش مانگیں اور تحریر فرمائیں کہ اگر جوابات تشفی بخش نہ ہوئے تو میں بحلفِ شدید و غلیظ بلا نقیہ و توریہ وعدہ کرتا ہوں کہ میں سنی ہو جاؤں گا۔ اگر غیر تشفی بخش واقعی ہونے کی صورت میں میں اپنے وعدہ سے ذرا بھی انحراف کروں تو مجھ پر اس جھوٹ اور عہد شکنی کی پاداش میں خدا تعالیٰ قوی و عزیزی کی وہ لعنت ہو جو ابلیس و یزید اور تمام اشرقا پر ہو چکی ہے یا قیامت تک ہونے والی ہے۔

اگر حضور نے میری ناچیز استدعا کے موافق اعلان شائع کر دیا تو بحولِ اللہ و قوتہ میں پوری سعی کروں گا کہ آپ کے سوالات کا تشفی بخش جواب پیشکش کروں اور مجھ کو حسب وعدہ صادقہ امام علیہ السلام و اولائین ہے کہ مجھ کو میرے پروردگار کی طرف سے ضرورتِ حجتِ تلیقین ہوگی اور علماءِ فریقین انشاء اللہ تعالیٰ بے اختیار کہہ اٹھیں گے کہ یہ جواب تشفی بخش ہے۔ اور اگر آپ نے حسب استدعا نیازِ مذہبیہ اعلان شائع نہ فرمایا تو اس سے جو اس کا شرمناک نتیجہ پیدا ہوگا وہ آپ خود دیکھ لیں گے۔

جناب مولانا عبدالشکور صاحب براہِ بندہ نوازی سید صاحب کے اس اعلان کو خاص طور پر اہمیت کے ساتھ اپنے اخبار میں شائع فرمائیں اور دیگر اخبارات میں بھی درج کرنا کہ تمام دنیا کو اس معاملہ کی طرف متوجہ فرمائیں

اور اس عاجزانہ تحریر کو اپنے اخبار کے کسی گوشہ میں جگہ دیکر منہ کی عزت افزائی فرمائیں فقط۔

حضرت گنگوہیؒ کی دعا کا اثر | آپ فرمایا کرتے تھے کہ ابتدا میں تقریری مناظرہ سے میری طبیعت ڈرتی اور خصم کے سامنے بیٹھ کر مرعوب ہو جایا کرتی تھی۔ میں نے اپنے

حضرت مولانا گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ایک صحابی کا قصہ حدیث میں آتا ہے کہ وہ گھوڑ پر سوار نہ ہو سکتے تھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دے کر ان کو گھوڑے پر بٹھایا تو اس کے بعد وہ اعلیٰ درجہ کے شہسوار ہو گئے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل اللہ کے تصرفات امور طبعیہ پر بھی اثر کرتے ہیں لہذا حضرت دعا فرمائیں دعا فرمائیں کہ میرا ضعف قلب جاتا رہے اور میں مناظرہ کے وقت خصم سے مرعوب نہ ہوں۔ آپ فرماتے تھے کہ اس کے بعد وہ ضعیف قلب ایسا رفع ہوا کہ کیسا ہی بڑے سے بڑا مولوی کسی اہل باطل کا سامنے آگیا مگر مجھے اتنا بھی معلوم نہ ہوا جتنا ایک سمجھدار شاگرد سامنے بیٹھا ہوا معلوم ہوتا ہے اور مناظرہ کے لئے دل بہت ہی کھل گیا۔

الحاصل بھادلوپور کا مناظرہ اس شان سے ختم ہوا کہ حضرت بغیر ملکی بھرے مجمع میں ایسے زور سے تقریر فرما رہے تھے جیسے خیر ڈر وکتا ہے اور آخر فریق ثانی کے بیان کئے ہوئے مقدمہ کی آپ نے گرفت فرما کر باواز بلند کہا کہ یہ عین مذہب معتزلہ ہے۔ اللہ کی شان کہ آپ ہم کو معتزلہ بنا رہے تھے خود ہی معتزلہ بن گئے۔ لو آپ اپنے دام میں صیاد پھنس گیا۔ یہ سن کر سارا مجمع مہوت ہو گیا اور مناظر کو آدھ گھنٹہ ساکت بیٹھ گذر گیا۔ سید چرغ شاہ جو بارہوا لے کر وہیں ٹہل رہے تھے بار بار دانت پیستے اور دونوں پر ہاتھ مار رہے تھے کہ افسوس مقابلے کے لئے کوئی ہندوستانی نہ ہوا کہ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے۔

بھادلوپور سے ترک تعلق | یہ خفت و ندامت آپ کے ساتھ مزید عداوت کا سبب بن گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کو استعفا دینے پر مجبور کیا گیا۔ آپ خود ہی بھادلوپور سے سبزار

تھے، یہ تو صرف احقاق حق کا قصہ تھا کہ خود مختار ریاست میں دشمنوں کی قوت کا اندیشہ کئے بغیر آپ مناظرہ کے لئے چلے آئے تھے لہذا آپ نے استعفا دیدیا۔ مگر چند افسروں کی وہ دلی کدورت جو دینی معاملات میں آپ کی طرف سے پڑ گئی تھی آپ کو جسمانی تکالیف پہنچانے کی تحریک کر رہی اور اس سے ان کو غافل بنائے ہوئے تھے کہ رع دشمن اگر قوی است نگہیاں قوی تر است۔ آخر دنیا نے اس کو دیکھ لیا اور سن لیا کہ فرعون بادشاہ مصر ہو کر موسیٰ علیہ السلام کا بال بیکانہ کر سکا۔ چنانچہ تھانہ دار کے نام حکم آیا کہ آپ کو گرفتار کر لیا جائے مگر خود تھانہ دار ہی نے اس وقت جبکہ آپ مغرب کی نماز پڑھ رہے تھے آپ کو اس کی اطلاع دیدی۔ ادھر آپ کے ایک دوست مولوی احمد کتب فروش احمد پوری نے اس خیفہ کار رانی سے

مطلع ہو کر آپ کے پاس یہ آیت شریفہ لکھ کر بھیجی ان اللہ الیامرونہ بل یقتلواک فاخرج انی لاک من الناصحین۔ چنانچہ آپ شب میں روانہ ہو کر اسٹیشن پر آئے اور آخر شب میں جو گاڑی روانہ ہوتی تھی اس پر سوار ہو گئے۔ مولانا جمعیت علی صاحب وغیرہ اکثر اجاب آپ کو اسٹیشن پر پہنچانے کے لئے ساتھ آئے اور گو بعد میں حکام کو اطلاع ہونے پر ان سے باز پرس ہوئی مگر انھوں نے اس کی پروا نہ کی اور آپ کے بعد عرصہ تک وہ حضرات ریاست میں ملازم و عہدہ دار رہے۔

بریلی کا قیام

آپ کا بھادلو پور سے آنا تھا کہ جگہ جگہ سے آپ کی طلب شروع ہو گئی۔ اسی اثنا میں حافظ محمد جعفر خاں صاحب بریلوی جو نہایت ہی شیعہ سنت بزرگ تھے گنگوہہ حاضر ہوئے اور حضرت امام ربانی کی خدمت میں اپنے مدرسہ مصباح العلوم کے لئے مدرس اول تجویز کرنے کی درخواست کی۔

مدرسہ مصباح العلوم کی بنیاد کہ قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے بیعت مولانا یعقوب علی خاں صاحب بریلوی کے شاہ اسحاق صاحب کے شاگرد

تھے و مولانا محمد احسن صاحب ناٹووی کہ اس وقت عربی کالج بریلی کے پرنسپل تھے ۱۸۹۲ء میں حافظ جعفر خاں صاحب کی کوششی واقع بازار کلاں کے حصہ تیریں میں اس مدرسہ کا افتتاح فرمایا اور مصباح التہذیب عرف مصباح العلوم اس کا نام رکھ کر مولوی قادر علی صاحب دہلوی کو مدرس اول قرار دیا تھا۔ چند مدرسین کا تغیر تبدیل ہونے کے بعد ایک سال طلبہ کا زیادہ ہجوم ہوا و شیدائے سنت حافظ جعفر خاں صاحب نے خود گنگوہہ جانا ضروری سمجھا اور امام ربانی نے حضرت کو للغہ مشاہیر پیر میں اول بنا کر بریلی بھیج دیا۔

حافظ محمد جعفر خاں صاحب کپڑے اور گوٹ وغیرہ کی تجارت کرنے اور ناجرانہ متوکلاۃ خوشحالی کے ساتھ دینی نعمتوں سے بھی مالا مال تھے کہ حضرت

شاہ عبدالغنی صاحب مجددی مہاجر دینی قدس سرہ سے بیعت اور نسبت مجددیہ کے عاشق و شیدا ہونے کی وجہ سے تمامی بزرگان سلسلہ کے ساتھ عقیدت و محبت رکھتے تھے مصباح العلوم کا علمی صدقہ جاریہ آپ ہی کے نامہ اعمال میں درج ہے کہ بریلی کی زمین میں حق کی تخم ریزی کے لئے آپ نے اپنی جان و مال کا پٹھار کرنا فخر سمجھا۔

لے بیشک قوم آپ کے لئے مشوئے کر ہی ہو کہ آپ کو قتل کر دیں آپ یہاں سڑک جائے میں آپ کے خیر خواہوں میں ہوں۔ مولانا جمعیت علی

مصباح العلوم بریلی میں دو سال

حضرت کا قیام بھی اسی کوٹھی کے اوپر شر قرویہ کمرہ میں تھا جس کے نیچے مدرسہ اور بازار کے رخ اگلے حصہ میں دکانات

تھیں حضرت اپنے ساتھ صاحبزادہ حافظ محمد ابراہیم کو لے گئے تھے کہ ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام بغیر اس کے مشکل تھا حضرت رحمۃ اللہ علیہ حافظ جعفر خاں صاحب کا بہت ادب و احترام فرمایا کرتے کہ بڑوں کے دیکھنے والے تھے مگر اس کے ساتھ ہی حافظ صاحب مرحوم حضرت کا اتنا احترام فرمایا کرتے تھے گویا یہ ہیں اس لیے جب تک حضرت کا قیام بریلی میں یہاں دونوں وقت حضرت کا اور صاحبزادہ کا کھانا حافظ صاحب کے مکان سے آتا رہا۔ چنہ بھی قلیل تھا اس لیے حضرت کی تنخواہ کے کفیل بھی حافظ جعفر خاں صاحب ہی تھے حضرت کے بریلی تشریف لانے سے مدرسہ مصباح العلوم کے قن مردہ میں جان پڑ گئی اور طلبہ و اراکین مدرسہ سب ہی حضرت کے علم و فضل اور خلق و دیانت کے معقد ہو گئے مدرسہ کے آمد و خرچ کا حساب بھی حضرت کے حوالہ تھا مگر فراہمی چنہ اراکین مدرسہ اور حافظ صاحب کے بڑے صاحبزادہ حافظ علی احمد خاں مہتمم مدرسہ کا کام تھا۔

بریلی میں حضرت کے معمولات

ہر چند کہ حضرت کو مختلف علوم و فنون کی متوسط اور بڑی کتابیں پڑھاتے ہوئے پندرہ سال گزر گئے تھے مگر شب میں اس کتاب کا مطالعہ جس کا سبق صبح کو پڑھنا تھا گویا حضرت کی عادت ہو گئی تھی چنانچہ بریلی تشریف لا کر بھی مغرب سے عشاء تک حضرت کتاب دیکھتے اور بعد نماز عشاء کا تناول فرما کر تھوڑی دیر پھر مطالعہ میں مشغول رہتے اس کے بعد سو جاتے اور آخر شب میں اٹھ کر تہجد پڑھا کرتے۔ نماز فجر کے بعد تلاوت اور وظائف میں مشغول رہتے۔

اور اشراق کے بعد مدرسہ میں تشریف لے آتے تھے۔ گرمی میں دس بجے تک اور موسم سرما میں گیارہ بجے تک صبح کو دورۂ حدیث اور بعد دوپہر قطر سے عصر تک فقہ کا درس دیتے تھے۔ دوپہر میں کھانے سے فارغ ہو کر کچھ دیر قیلولہ فرمایا کرتے اور اسی درمیان میں جو وقت ملتا صاحبزادہ محمد ابراہیم کو پیار و شفقت کے ساتھ پڑھایا کرتے تھے۔

طرز تعلیم و تربیت

حضرت کا طرز تعلیم بہت ہی پیارا تھا کہ طلبہ کو نہ مارتے تھے نہ جھڑکتے تھے، نہ ان کی فہم سے بالاتر کر دیتے اور نہ نفس مطلب سے زیادہ غیر ضروری بات بیان فرماتے، خنہ روئی اور مسکراہٹ کے ساتھ پڑھاتے اور کوئی طالب علم وہی شہادت یا کجی کے سوالات لے کر دور۔ لے بیڑھ پن کے۔

توبہ رخی کے ساتھ ٹال دیتے اور نرمی کے ساتھ نصیحت فرمادیا کرتے تھے کہ اصل مطلب سمجھنے کی کوشش کرو اور زوائد کے پیچھے نہ پڑو کہ اس سے علم میں بے برکتی ہوتی ہے۔ مطالعہ دیکھنے کی طلبہ کو زیادہ تاکید فرماتے اور تجارت پڑھنے میں صرف ونحو کی رعایت پر بہت نظر رکھتے تھے غلط اعراب پر ٹوٹتے اور زور ڈولانے کی خود ہی طالب علم تصحیح کرے تاکہ قواعد صرف ونحو کا علمی اجراء ہوتا رہے۔ پڑھانے کے ساتھ طلبہ کی صورت وضع اور عملی حالات پر بھی نظر رکھتے اور خلاف شرع بات پر سختی سے ٹوٹے اور یوں فرمایا کرتے تھے کہ ابھی آزاد بنو گے تو پڑھ لکھ کر خود بھی ڈو لو گے اور دوسروں کو بھی ڈو لو گے، علم سے مقصود یہ عمل پس علم کے ساتھ ساتھ عمل کی پوری عادت ڈالو کہ پھر اس عادت میں لذت و حلاوت پیدا ہو۔ یہ خیال کہ عالم بن کر عمل کر لیں گے محض شیطانی خیال ہے۔ شریعت نے تو دس برس کے بچہ کو بارگاہِ نماز پڑھوانے کا حکم دیا ہے حالانکہ ابھی اس پر نماز فرض نہیں ہوئی۔ کیونکہ جب تک پہلے سے عادت نہ ہو بانگ ہونے ہی نماز کا پابند بن جانا دشوار ہے اور طالب علم تو بہر حال عمل کا مکلف بلکہ مقتدر بننے کا وقت قریب ہونے کے سبب عمل میں سخت ہونے کا زیادہ ضرور متمدد ہے۔ اس لئے جتنی کوشش علم کی ترقی اور پڑھ ہونے کے محفوظ رکھنے ہیں کی جائے اس سے زیادہ عمل کی رغبت اور پابندی شریعت کو بہر قدم پر ضروری سمجھیں کی جائے کہ مقتدر اینکر آزاد طبع کا یکدم مقید بننا بہت دشوار ہے اور ایسا کونخار و خراب ہی ہوتے دیکھا ہے جو طالب علمی کے اس زمانہ کی قدر نہیں کرتے جس میں خاص رحمت الہیہ کا ان پر نزول ہوتا اور فرشتے ان کے قدموں میں اپنے بانووں کا فرش بچھاتے ہیں۔

ایک وقت تھا کہ طلبہ کسی قابل ذی استعداد مدرس کے جو یاں تھے اور یہ وہ زمانہ آیا کہ مدرس کو ذکی و سمجھدار طلبہ کی طلب ہوئی اور جیسے محنتی طالب علم آپ چاہتے تھے جب وہ نل سکے تو آپ کو وحشت ہوئی کہ ایسے درس میں علمی ترقی نہیں ہو سکتی اور آپ نے گنگوہ لکھا کہ کسی ایسی جگہ بھیج دیجئے جہاں میری علمی ترقیات متوقع ہوں۔ نیز مدرسہ میں مدرس فارسی کی ضرورت تھی اس کی تجویز کے لئے بھی آپ نے حضرت کی خدمت میں لکھا چنانچہ یہ جواب آیا۔

حضرت گنگوہی کا مکتوب | از بندہ رشید احمد عفی عنہ۔ گرامی قدر مولوی خلیل احمد صاحب دیوبند
بعد سلام منون مطالعہ فرمایند۔ آپ کا پہلا خط آیا تو چونکہ کوئی

مدرس ذہن میں نہ تھا جواب میں تامل ہوا، یہ دوسرا خط آیا اور عزیز ابراہیم حسن بھی پہنچا تو وہ کہتا ہے کہ کتب فارسیہ کو محنت کر کے پڑھاؤ گا اور میڈل بھی اس نے کیا ہے وہ میری ہمیشہ زادہ کا پسر ہے۔ اکثر پنجاب میں رہا اور وہیں گھر بنا لیا اس واسطے آپ واقف نہیں اب وہ تقریب اپنے نکاح کے کہ

کیرانہ میں عقد ہوا ہے گنگوہ آیا تھا اگرچہ اس کی رائے تحصیل علم دین کی ہو رہی ہے مگر بسبب نکاح کے معاش کا فکر ہوا ہے لہذا اچھا ہے کہ بریلی میں رہے اور کچھ آپ سے خود بھی پڑھے، اگر وہ وہاں ہو گیا تو میری خوشی ہے مگر اس قدر خیال رہے کہ اس کی قلیل خلافت مرضی پر سرزنش نہ ہو اور زیادہ پر مختار ہو موقوف کر دینے میں رنج نہ کروں گا۔ فقط۔

طلبہ کی شکایت بجلے مگر اس زمانہ میں ایسے ہی طلبہ ہیں۔ زمانہ باتوں سازد تو بازمانہ ساز۔ صبر کر کے پڑھائے جاؤ اور نرک میں جلدی مت کرو۔ جب یاس تڑتی ہے ہو جائے اس وقت جو کچھ مقدر ہے ہو جائے گا۔ مولوی محمود حسن کی صحت سے سرور ہوا، سلام مسنون اُن کو اور حافظ احمد حسن اور حافظ محمد جعفر خاں اور شیخ محمد حسن وغیرہم کو فرمادیوں۔ سبق سوہویں سوال سے شروع ہو گئے ہر قسم کے طلبہ یہاں بھی ہیں۔ فقط ہر چیز کہ براہین قاطعہ کے متعلق یہاں بھی بہت کچھ شور مچا ہوا تھا مگر کسی کی اتنی ہمت نہ ہوئی کہ مدرسہ میں آکر آپ سے ان مسائل کی بابت سوال کرے یا مناظرہ کی دعوت دے بلکہ آپ کا دل چاہتا تھا کہ بھرے مجمع میں مناظرہ ہو جائے مگر اس کی نوبت ہی نہ آئی۔

حافظ جعفر خاں صاحب کے منجھلے صاحبزادہ حافظ حضور احمد خاں جو حضرت کی قیام گاہ کے کمرہ مقابل غریب روہ میں رہتے تھے تحریر فرماتے ہیں:-

مولانا یعقوب علی خاں صاحب نے جو کہ مولوی احمد رضا خاں کے والد مولوی نقی علی خاں کے استاد اور شاہ اسحاق صاحب دہلوی کے شاگرد خوش عقیدہ بزرگ تھے ایک مرتبہ حضرت سے فرمایا کہ مسئلہ امکان کذب جو عموم قدرت کا مراد ہے عوام تو عوام معمولی مولویوں کی سمجھ سے بھی باہر ہے عالم ذی و متبحر ہی سمجھ سکتا ہے۔ اس مسئلہ کو آڑ بنا کر بدعتی مولویوں نے عوام کو ظلم میں ڈال دیا اور اہل حق کی طرف سے بدگمان بنا کر بھڑکا دیا یہ مسئلہ آپ کو لکھنا چاہئے تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ حضرت آپ کیا فرمائیں گے شاہ اسماعیل صاحب شہید کے متعلق جنھوں نے شرک و بدعت کا کھول کھول کر بیان فرمایا جس کی بدعتیوں میں آج تک شورش برپا ہے؟ یہ سن کر مولانا مسکراتے اور خاموش ہو گئے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب | یہ ایک شبہ ہے جو اکثر بینراطبیعتوں میں پیدا ہو جاتا اور وہ مخالفین کی شورش سے محزون و مصدوم ہو کر مخلصانہ و مجاہدانہ درجہ میں کہہ دیا کرتے

لے زمانہ تم سے موافقت نہیں کرنا تو تم زمانہ سے موافقت کر لو یعنی برداشت کر لو۔
 سہ نامہ میری سہ اور خود مناظرہ کی تحریک پستہ نہ تھی۔

میں کہ آخر اس مسئلہ کی باوجود یکہ اس کے حق ہونے میں کلام نہیں مگر بیان کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی کہ فتنہ برپا ہو گیا۔ مگر بات یہ ہے کہ

اول تو کسی کو یہ علم نہیں کہ فلاں بات کا اظہار سبب فتنہ ہو جائے گا اور فلاں بات پر کوئی شورش نہ ہوگی کہ مغیبات کا علم حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔

دوم از خود ایک امر کی اشاعت میں اور کسی مستفی کے استفتاء پر جواب دینے میں بہت فرق ہے کہ امر دوم میں عالم پر اظہار حق ضروری ہے ورنہ صحابہؓ کی شان میں لایحاحون فی اللہ لومۃ کا ٹھ

ایک بے محل قول ہوگا۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ اہل حق سے ایسے امور کا صدور ضرور ہوگا جس پر مخالفوں کی طرف سے ملامت ہو اور ان کا ثبات قدم جانچا جائے گا کہ اس کی پروا نہ کریں پس کس کی طاقت ہے کہ لام کو ملامت سے روکے اور کون صاحب حق ہے جو اس ملامت سے خائف ہو کر کلمۃ الحق سے باز رہا۔

سوم عادت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ دنیا کی نظروں میں کسی ہی غیر ضروری بات ہو اس کا صدور ہو کر رہے ناکہ موافق و مخالف دودھ اور پانی بن کر جدا ہو جائے۔ پھر اس ابتلا سے جو ایک ہی وقت میں کسی عالم حقانی و شیخ ربانی کی خبر پرستی اور اس کے ساتھ ہی ساتھ عوام و متبعین کے اخلاص و شائبہ ہوائے نفس دونوں کا امتحان لینے کے لئے منصب ارشاد کا جزو لاینفک ہو کر تجویز کی گئی ہے کون بچ سکتا ہے یا مقدر کا مقابلہ کر کے کون اس سے روبراہ ہو سکتا ہے۔

چہارم جو قابل غور اور تحقیقی امر ہے وہ یہ ہے کہ شورش و مخالفت کا مدار عناد و کبر پر ہے نہ کہ کسی مسئلہ پر پس جن لوگوں کی طبیعت میں کسی کی طرف سے اپنی بڑائی کے زعم میں عناد و حسد ہو گا وہ اس بات پر بھی شور مچائے گا جو کسی طرح بھی شور کے قابل نہ تھی۔ اور جس کو عقیدت ہوگی وہ بڑی سے بڑی بات پر بھی خلاف یا انکار نہ کرے گا۔ بلکہ گرائی تک نہ لائے گا۔ چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سچے اور کھلے دعوے پر کہ کوئی معبود نہیں بجز اللہ کے، سرزمین عرب میں فتنہ و فساد کی وہ آگ مشتعل ہو گئی جس نے بارہ برس تک عالم کو حیرت ناک منظر دکھایا اور سیدنا ابو بکر صدیقؓ کو یہ سُنکر بھی حیرت نہ ہوئی کہ آپ ایک لمحہ کے اندر یا جس جسد مکہ سے بیت المقدس تشریف لے گئے اور پھر ساتوں آسمان اور جنت و دوزخ کی سیر اور تمامی عالم بالا کی سیاحت سے فارغ ہو کر اپنے بستر پر تشریف لے آئے کہ اس قصہ معراج پر دوسرے ہستے مذاق اڑاتے، اور طرح طرح کی چیمگوئیاں کرتے تھے مگر حضرت صدیقؓ کو تعجب اور شک بھی نہ تھا۔

۱۔ اللہ کے حب میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ ۲۔ ثابت قدم رہنا۔ ۳۔ ملامت کرنے والے کو۔ ۴۔ اللہ دین کی حفاظت کے غیرے متاثر نہ ہونا۔ ۵۔ کافرینہ یا اور خلاف میں مزاحمت کا خطرہ ہے اگر جان کا خطرہ نہ ہو۔ ۶۔ جدا نہ ہونے والا جز۔ ۷۔ دل کا کینہ و غرور۔

کہ یہ سیر و سیاحت طویلہ قلیل زمانہ میں خواب تھی یا حقیقت؟

پس اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت صدیق فرض کرنے کے یا رسول اللہ بات تو بالکل حق ہے مگر اس کا اظہار مناسب نہ تھا کہ ذاتی کمال کے متعلق ایک امر ہے جس کے اظہار سے خواہ مخواہ شورش ہوگی تو میرے خیال میں حضرت صدیق فرض اس مشورہ میں خیر خواہ نہیں بلکہ غامضی قرار پاتے اور صاف یہ جواب ہوتا کہ مخالف و معاند کے قلب سے عداوت کا کالنا میرے بس کی بات اور قبل از وقوع معلوم کرنا کہ اس کے یہ نتیجہ مرتب ہوگا اللہ عالم الغیب ہی کے لئے مخصوص ہے، اور میں اس کا مکلف بھی نہیں کہ معاندین کی رعایت ملحوظ رکھ کر اپنی ناموس کو محفوظ رکھنے کی فکر کروں کہ ایسی شورش سے تو مخالفین نے اللہ رب العالمین کو بھی نہیں چھوڑا، اور جو حصہ و عنکبوت کا قرآن مجید میں ذکر آیا تو کہہ اٹھے ان حقیر جانوروں کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ عز و جل کو شرم نہ آئی کہ ارفع و اعلیٰ ذات ہو کر ایسے خسیس و دنی کا ذکر شروع کر دیا؟ پس جب اللہ عالم الغیب نے مخالفین کی شورش کو جان بوجھ کر استغنا فرمایا بلکہ یہ مصلحت و خوبی مرتب فرمائی کہ اس تذکرہ سے خدا پرست و نفس پرست اور دوست و دشمن کا دنیا کو پتہ چل گیا تو میں کون کہ اللہ اپنے موافقین اور مخالفین کو یا مخلصین و منافقین کو متراز و متمیز کرنے کے لئے مجھے آلہ کار بنائے اور میں مصلحت بینی کا عذر پیش کروں۔ ہاں دوستوں کی رعایت کہ ان کے فہم سے زیادہ باران پرند ڈالاجائے اور وہ کسی فتنہ میں نہ پڑیں، اباحت کے تحت میں داخل ہے مگر بشرطیکہ اس کا علم ہوا ورنیت بھی بخیر ہو۔

پس اصل بحث کسی کلام کے حق یا باطل ہونے میں کرنا مضائقہ نہیں مگر جب اس کا حق ہونا واضح ہو جائے تو اب یہ الزام کہ اس کے اظہار کی ضرورت نہ تھی گویا اپنے کو مصلحت بین اور اہل حق کو دہاندیشی سے بے بہرہ سمجھنا ہے جو سوء ادب اور ضعف عقیدت سے خالی نہیں کہ یہ

احمد تو عاشقی بمشیت ترا چہ کار دیوانہ باش سلسلہ شد شد نشد نشد

آج سیدنا آدم سے لیکر اس وقت تک جتنے بھی ان گنت اللہ والوں کی فہرست مرتب ہوگی ان میں غالباً نانوے فی صد ہوں گے جن کو مخالفین کی شورش کا یہ فتنہ نہ پیش آیا پھر کس کس کو کہا جائے کہ فتنہ سے بچنا فرض تھا اور غیر ضروری بات کا اظہار کر کے عوام میں شور مچانا اور سب و شتم کروانے دونوں کا دل دکھوانا مناسب نہ تھا کہ یہ بھی محبوب کی ایک ادا ہے اور محب کا کام ہے کہ برضا اس کے

سہ عزت۔ سہ محب اور مکرری۔ سہ احمد تو عاشق ہو تم کو پیر بننے سے کیا کام بس ان کے دیوانے ہو جاؤ سلسلہ بیعت و اصلاح ہو ہو نہ ہو نہ ہو۔

سائے گردن جھکائے سے

صبر کن درکار خضر اے بے نفاق تا نگوید خضر و صفذافراق

عذہ سنتہ اللہ ولن تجد لسنة اللہ تبدیلا۔

حافظ امیر اللہ اور ایک شیعہ | حافظ امیر اللہ صاحب بریلوی ایک صاحب تھے جنہوں نے عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھی تھیں ایک شیعہ سے اختلافی مسائل میں ان کی کچھ گفتگو ہو گئی اور وہ پریشان ہو کر بریلی کے نامی علماء کے پاس آئے کہ ان سوالات کا جواب دیا جائے۔ حافظ سردار محمد بریلوی لکھتے ہیں کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب کی طرف سے ان کو جواب ملا کہ ہاں جواب تو ممکن ہے مگر ایک ہزار روپیہ ہونا چاہیے۔ حافظ صاحب نے فرمایا آخر جواب کے لئے اتنی کثیر رقم کی کیا ضرورت ہے؟ تو معلوم ہوا کہ ان کی مذہبی کتابیں خرید کر مطالعہ کی جائیں گی اس وقت جواب لکھا جائیگا بغیر اس کے جواب ممکن نہیں ہے۔ اختلاف عقائد کے سبب ان کو حضرت کے ساتھ مناسبت نہ تھی مگر مجبوراً بدلی ناخواستہ وہ مصلح العلوم میں آئے اور حضرت سے مسائل مسئلہ کا تذکرہ کیا، حضرت نے جواب فوراً لکھ دیئے۔

مطرقة الکرامہ کا سبب تالیف | اور یہ فرما کر کہ اس بحث ہی کا انشاء اللہ خاتمہ کر دوں گا مطرقة الکرامہ کی تالیف شروع کر دی جس کا حصہ اول طبع ہو کر شائع اور اب نایاب ہو چکا۔ حضرت اس تمنا و انتظار میں کہ کاش علماء شیعہ اس کا جواب دیں چالیس برس گزار کر عالم قدس کو سدھار لئے مگلاس کا برائے نام بھی اب تک جواب نہیں ہوا۔ حافظ امیر اللہ صاحب جو ابات دیکھ کر حیران رہ گئے اور جب تک زندہ رہے اس کا اعتراف کرتے رہے کہ حضرت اپنے وقت کے علامہ ہیں کم و بیش دو سال حضرت نے بریلی میں قیام فرمایا۔

دیوبند میں منصب تدریس پر تقرر | اور آخر حضرت امام ربانی نے آپ کے لئے دارالعلوم دیوبند کا قیام تجویز فرما کر آپ کو لکھ دیا کہ گو تنخواہ میں عٹے کا تنزل ہے مگر تمہاری علمی ترقی کا محاذ کر کے اس کو پسند کرتا ہوں، حضرت کو کمی بیشی کا خیال کیوں ہونے لگا تھا جبکہ آقائے روحانی کا مشورہ تھا، آپ کے لئے تو بڑی دولت مرشد کی رضا و خوشنودی تھی اور اس صورت میں توشیح کا قرب جسمانی اور مرکز علوم کی خدمت کا وہ روحانی احتفاظ بھی شامل تھا

سلانے خلوص والے حضرت خضر کے کام میں صبر کیا کرو تا کہ خضر یوں نہ کہیں جاوے جو جاتی ہے سٹہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی سنت کا طریقہ ہے اور تم ان کے طریقہ میں تبدیلی نہیں پاؤ گے۔ سٹہ دس روپے۔

جس کا شوق مدت سے آپ کے قلب میں جوش زن تھا اس لئے آپ روٹی دیوبند کے لئے تیار ہو گئے اور ظاہر کر دیا کہ میں دیوبند جا رہا ہوں یہاں کے لئے مدرسہ تجویز کر لو۔

اہل بریلی خصوصاً حافظ جعفر خاں صاحب کے رنج و ملال کا کیا پوچھا کہ اس قیام میں وہ لوگ حضرت کے عاشق و فریقہ ہو گئے تھے اور حضرت کو بھی ان صاحبوں کے ساتھ بالخصوص حافظ جعفر خاں صاحب کے بچہ بچہ کے ساتھ اتنا انس تھا کہ ان کے گھر کو اپنا گھر اور ان کے بچوں کو اپنے بچے سمجھتے تھے اس لئے حضرت کو بھی مفارقت کا رنج تھا مگر مصالح دینیہ اسی مفارقت کو مقضیٰ تھے لہذا حافظ جعفر خاں صاحب بھی حضرت امام ربانی کی تجویز کو پختہ سمجھ لینے کے بعد خاموش ہو گئے مگر یہ ضرور کہا کہ روانگی سے قبل آپ خود ہی اپنی جگہ کسی کو بٹھاتے جائیں کہ مدرسہ کا کام بند نہ ہو اور آپ کی تجویز آپ ہی کے قیام کا حکم لیکر ہمارے سروں کا تلجج بنی رہے مگر اب مدرسہ کی تنخواہ صحت سے ہو گئی کہ لنگہ حضرت ہی کے لئے مخصوص تھے۔ حسن اتفاق سے مولوی سید محمد عمر صاحب دلائی بہ تلاش روزگار آؤں گے بعض صاحبوں کی سفارش لے کر انہی دنوں میں حافظ جعفر خاں صاحب کے پاس آئے اور جناب جناب حافظ صاحب نے ان کو حضرت کے سامنے پیش کر دیا حضرت نے ان سے باتیں کیں اور پرکھ لیا کہ خوش عقیدہ ذی استعداد اور نیک طبیعت عالم ہیں اس لئے صحت ماہوار پران کو راضی و دل نہاد پاکر حافظ جعفر خاں صاحب سے فرمایا کہ مبارک ہو آپ کی خوش نصیبی ہے کہ گھر بیٹھے کام کا مولوی مل گیا۔ چراغ لے کر ڈھونڈتے تو وہ میں بھی ایسا شخص نہ ملتا۔ یہ غیبی سامان ہے اس کو نعمت الہیہ سمجھ کر قدر کرو چنانچہ آپ مولانا ممدوح کو اپنی جگہ بٹھا کر اخیر ۱۳۳۸ھ میں بریلی سے روانہ ہوئے اور دارالعلوم دیوبند میں مدرسہ بن کر تشریف لے آئے۔

ہر چند کہ آپ کا تعلق ملازمت مدرسہ سے قطع ہو گیا مگر آپ کے قلب کو مدرسہ اور اہل مدرسہ سے تازیت ایسا تعلق رہا کہ اس کی ترقی و آبادی سے خوش ہوتے اور جب اراکین و ممبران کے باہمی نزاع یا کسی امر میں مدرسہ کو نقصان پہنچانے والے اختلاف کو سننے تو رنجیدہ و غموم ہوا کرتے تھے۔ نیز اہل حق کے ساتھ انس و محبت اور اتباع کی طرف کشش اور رغبت کا جو تخم آپ نے بریلی کی زمین میں ڈالا اور دو برس اس کو سینچا اور نیو لایا تھا وہ ضائع ہونے والا نہ تھا اس لئے آپ کبھی کبھی کسی نہ کسی جیلہ سے بریلی آکر اپنی امید افزا کھیتی کو دیکھ جایا کرتے تھے اور دعا فرمایا کرتے تھے کہ بدعات کی ظلمت دور ہو اور سنت کا نور چمکے۔ چنانچہ آخر وہ بار آور ہو کر رہا، پھولا پھولا اور جھکا۔

لے یہ واقعہ ۱۳۴۰ھ کا ہے کسی غلطی سے ۱۳۳۸ھ بن گیا بعد میں تقریباً ۱۵ صفحہ کے بعد صحیح آ رہا ہے اور اس کے بھی اتنے ہی صفحہ بعد ہے۔

بے تجربہ کریم مدین دارمکافات با در کشاں ہرچہ در آویخت بر آویخت
حافظ محمد جعفر خاں اور ان کے خاندان کو جن کے مکان پر حضرت نے دو سال رہائش فرمائی تھی دینی نعمت
مالا مال ہونا مقدر تھا اس لئے وہ تخم محبت جو حضرت ان کی زمین قلب میں ڈال آئے تھے آخر پائ رنگ لایا
اور ان کے دو پوتے مولوی محمد فاروق و مولوی محمد اسحاق مرحوم سہارنپور دیوبندہ کو فارغ التحصیل اور
حضرت کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔

مولوی محمد اسحاق | مولوی محمد اسحاق مرحوم تو حضرت کے اتنے گرویدہ رہے کہ طالب علمی کا زمانہ ختم کر کے
بھی وطن کا رخ کرنا پسند نہ آیا اور سفر و حضر کے خادم بن کر حضرت کی خدمت میں
رہ پڑے بلکہ ان کو نو اپنا مرناسی حضرت کے قدموں ہی میں بھلا معلوم ہوا اور انھوں
نے اپنی قبر کے لئے سہارنپور سے بہتر کسی زمین کو نہ سمجھا۔ چنانچہ مرحوم کے بھائی حافظ سردار احمد لکھتے ہیں کہ
بھائی مرحوم تب کہتے ہیں مبتلا ہو کر والدہ محترمہ کے بلانے پر بریلی چلے آئے اور علاج ہونے لگا مگر مرض
میں کمی نہ ہوئی بلکہ دن دوئی رات چو گئی ترقی شروع ہو گئی۔ لیکن جوں جوں مرض بڑھتا تھا دوں دوں
مرحوم کو سہارنپور واپس جانے کا شوق بڑھتا تھا۔ آخر جب انھوں نے دیکھا کہ جس سے بھی کہتا ہوں وہ
جواب دیتا ہے کہ جب تک صحت نہ ہو جائے سہارنپور جانا مناسب نہیں تو وہ اپنے مرض کو چھپانے اور
فاقہ و مصیبت ظاہر کرنے لگے۔ آخر ایک دن مجھ سے فرمایا کہ بھائی مجھے ایک حصہ تو بیماری ہے اور دس
حصہ یہاں کی ظلمت بدعات اور لوگوں کا شیع سنت نہ ہونا روحانی گرفت ہے جس سے میں اندر
ہی اندر گھلا جاتا ہوں۔ اگر مجھے تم سہارنپور بھیج دو گے تو امید ہے کہ حضرت کے قدموں میں پہنچ کر آرام
ہو جائے گا اور آرام بھی نہ ہو تو خاتمہ بخیر ہو کر آخرت کا آرام تو ضرور ہی ملے گا۔

مختصر یہ کہ انھوں نے کسی کی نہ سنی اور آخر وہ سب عزیزوں کو آزدہ خاطر چھوڑ کر سہارنپور چلے
گئے، وہاں پہنچ کر اعزہ کی تسکین کے لئے اپنے افاقہ اور رُوبصحت ہونے کے خطوط لکھتے رہے حالانکہ
ان کی ہڈیوں تک پہنچ جانے والا بخار اندر ہی اندر گھاس میں چنگاری کا کام دے رہا تھا آخر بارہ تیر
دن بعد حضرت کا گرامی نامہ دادا صاحب کے نام آیا کہ اسحاق کی حالت ٹھیک نہیں ہے اور ان کے

لے اس بدلہ کے جہان میں ہم نے بہت تجربہ کیا ہے کہ تلچھٹ پینے والوں میں حب الہی کی شراب والوں میں جو الجھاہ گرا
وہاں جو مخالف رہے وہ گئے اور حق چمک اٹھا۔

سہ در سہ قدیم کی مسجد کے متصل جنوب میں ایک حجرہ اور اس کے سامنے سہ دری بنی ہوئی ہے ایک زمانہ میں اس حجرہ
میں مولوی شمس الحق، مولوی محمد حامد، مولوی بدر عالم میرٹھی نیز مولوی محمد فاروق اور مولوی محمد اسحق بریلوی رہتے تھے۔

پاس ہر وقت ایک آدمی رہنے کی ضرورت ہے لہذا بہتر معلوم ہوتا ہے کہ سرورِ احمد کو بھیج دو کہ اپنے ساتھ مولوی اسحاق کو بریلی لیجائیں۔ چنانچہ میں روانہ ہو کر سہا پور بدر رس میں اس وقت پہنچا جبکہ عصر کی نماز ہو چکی اور بھائی اسحاق سہ درہی کے ستون سے کمر لگائے باہر ہی بیٹھے تھے۔ مجھے دیکھ کر تعجب سے کہنے لگے کہ خیریت تو ہے تم کیوں آئے میں نے تو اپنی حالت کا کوئی خط لکھا نہیں تھا۔ میں نے کہا ہاں تم نے تو نہیں لکھا مگر حضرت کا گرامی نامہ پہنچا کہ میں آ کر تم کو بریلی لے جاؤں، یہ سن کر بالکل خاموش ہو گئے اور چہرہ پر حسرت برسنے لگی۔ میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت نے دادا صاحب کی خیریت دریافت فرما کر مجھ سے کہا کہ مولوی اسحاق سے مل لے؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں مل لیا۔ پھر فرمایا کس گاڑی سے روانگی کا قصد ہے؟ میں نے عرض کیا جو گاڑی حضرت کے نزدیک مناسب ہو۔ فرمایا کل دن کے دس بجے کی گاڑی سے چلے جاؤ۔

بعد مغرب بھائی مرحوم جواب تک اسی قلق و حسرت میں بھر رہے تھے مجھ سے فرمانے لگے بھائی کیا واقعی تم مجھے بریلی لیجاؤ گے؟ میں نے کہا ہاں حضرت کا یہی حکم ہے اور دس بجے دن کی گاڑی طے ہو گئی۔ فرمایا اچھا حضرت سے کل شام تک ٹھہرنے کی اجازت لے لو۔ میں نے کہا کہ حضرت سے مراجعت کرنے کی اپنے اندر ہمت نہیں پاتا۔ یہ سن کر عزیز نے قلق کے ساتھ اتنا کہا میری آرزو تو یہ تھی کہ میری مٹی یہیں عزیز ہوا اور حضرت میرے جنازہ کی نماز پڑھائیں۔ اور پھر خاموش ہو گئے۔

زندہ کنی عطلے تو رو ربکشی فدائے تو جاں شدہ بتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

مولوی اسحاق مرحوم کو درحقیقت حضرت کے ساتھ عشق تھا اور اسی نے ان کو اپنی جوان موت خوشگوار بنادی تھی کہ وہ مرنے کے متمنی تھے مگر شیخ کے قدموں کے نیچے اویہی ان کی آخری زندگی کا منہائے مراد تھا کہ

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے یہی دل کی حسرت ہی آرزو ہے

محب کو ایسی موت اگرچہ وہ جوان مرگ ہو پیاری معلوم ہوا کرتی اور وہ اس کو لقا، محبوب حقیقی کا واسطہ سمجھ کر اس کی آرزو کرتا اور کہا کرتا ہے

ختم آں روز کہ از منزل ویراں بروم راحت جان ظلم در پئے جانان بروم

لے زندہ رکھیں تو آپ کی غایت ہے اور ارڈالین تو آپ پر فدا ہوں جان آپ پر فریفتہ جو کچھ آپ کریں آپ کی مرضی۔
 سہ میں اس دن خوش ہوں گا کہ اس دیران گھر دنیا سے روانہ ہوں گا جان کی راحت طلب کروں گا اور محبوب کے لئے روانہ ہوں گا۔

نذر کردم کہ گر آید بسرایں غم روزے تا در میکدہ شادان و غزل خواں بروم
 مگر سچی محبت کا شرہ محبوب کی صرف اطاعت ہے لہذا مرحوم کی تنہا حسرت سے بدل گئی اور وہ پیچھے کہ
 کہ بہتر ہے آخر برائی بھی کچھ دور نہیں کبھی تو تشریف لانا ہو ہی جائے گا راضی برضا ہو گئے سہ
 کشے کہ عشق دار دنگذارت بدیں سال بجزازہ گرنہ آئی بمنار خواہی آمد
 بعد مغرب کہنے لگے دل چاہتا تھا کہ آج حضرت اپنا پس خوردہ کھلا دیتے کہ پھر خدا جانے نصیب ہو
 یا نہ ہو، مگر کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ خدایک شان کہ عشا سے قبل حضرت کے مکان سے پیالہ آیا اور آدمی
 نے کہا کہ یہ حضرت نے اپنا پی ہو اٹھا نامولوی اسحاق کے لئے بھیجا ہے کہ رغبت ہو تو کھالیں بیکرا سو وقت
 مرحوم پر غشی طاری تھی لہذا اس کو رکھ دیا گیا اور اسی حالت میں عشا کی نماز ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد
 ان کو افاتہ ہوا اور میں نے ان کو حاجت ضروری سے فارغ کرا کے دھنوکرایا اور انھوں نے اپنے حجرہ
 میں عفت کی نماز پڑھی اس کے بعد کھانا مانگا اور حضرت کا پس خوردہ رغبت کے ساتھ کھا کر ضروری
 اسباب سفر کے متعلق کہتے سنتے رہے۔

نکان کی وجہ سے مجھ پر نیند کا غلبہ تھا اس لئے ۱۲ بجے انہی کے پاس فرش پر لیٹ رہا مگر مریض
 کو پاس زیادہ تھی اس لئے ذرا ذرا دیر بعد اٹھ کر ان کو پانی یا عرق گاڑا دیا پلاٹا رہا اور پھر سو گیا تقریباً
 صبح کے چار بجے تھے کہ میری گھبرا کر آنکھ کھلی اور میں نے بھائی کو آواز دی، جواب نہ پایا تو میں پلنگ
 پر بیٹھا اور دیکھا کہ طلسم عالم ہستی کا عقدہ کھل رہا ہے اور عزیز بسوئے عالم قدس کو جگ کر رہا ہے۔
 میں نے باوا ز کلمہ طیبہ پڑھنا شروع کیا کہ ایک معمولی سی ہچکی آئی اور بجائے بریلی کے سفر آخرت شروع
 ہوا اور ختم بھی ہوا۔ خانا اللہ وانا الیہ راجعون۔ اس وقت مجھ پر جو کچھ گزری اس کو کیا بیان
 کروں کہ یہ واقعہ ہے سہ

موت پر کچھ بس اگر چلنا کسی کے بھریں میں تو کیا کوئی نہ ہوتا شرمسار زندگی
 صبح کو حضرت تشریف لائے اور تھوڑی دیر میں مبطون تہبید کو نہلا کر اور سفید پوش بنا کر دارالطلبہ میں لا رکھا
 گیا۔ حضرت نے نماز جنازہ پڑھائی کہ جاں نثار کی دلی آرزو ہوئی اور بجے سے قبل دفن سے فارغ ہوئے۔
 سر لوقت ذبح اپنا اس کے زیر پاٹے ہے کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

لے میں نے منت مان رکھی ہے کہ جس کی دن سر میں یہ غم آجائے گا یخا کے در تک خوش خوش غزل پڑھنا جاؤ گا۔ سہ موت کی خوشی
 پر خوش۔ سہ عشق کو کش رکھا ہے وہ آپ کو اسی طرح نہیں رہتے دے گا۔ اگر جنازہ پر نہیں آئیں گے تو مزار پر نہ آئیں گے۔ سہ کھانے
 سے بچا ہوا جسے لوگ جھوٹا کہتے ہیں مگر یہ خود جھوٹ ہے سہ کہ دود کی دینکے جادو کی گر کھل رہی ہے موت آ رہی ہے زندگی شرمندہ۔

پھر حافظ سردار احمد بھی جو کہ آزاد طبیعت رکھتے تھے بیعت کے خواہشمند ہوئے مگر حضرت نے انکار فرمادیا کہ تم تبع شریعت نہیں ہو۔ مگر جب انھوں نے وعدہ کیا کہ عمل کروں گا تو حضرت نے بیعت فرمایا اور بھائی کی جگہ دین کی دولت اور سنت محمدیہ کی محبت لیکر وہ تیسرے دن اپنے گھر واپس آ گئے۔ کچھ عرصہ بعد ان کے دیگر عزیزوں نے اور خود حافظ جعفر خاں صاحب اور ان کے بیٹوں حافظ ظہور احمد، حافظ عمر احمد، منشی جمیل احمد اور سنو رات کنہ نے بھی حضرت کا باقاعدہ دامن پکڑا اور بیعت ہو کر داخل سلسلہ ہوئے۔ اللہ کی شان ہے کہ بریلی کی زمین سے وہ لوگ پیدا ہوئے جن کو مقناطیسی کشش نے سہارنپور پہنچایا اور خود سہارنپور کی مٹی سے پیدا ہونے والے بعض نفوس اس دولت علیہ سینہ و محرم بلکہ مخالف معاشرے میں جس زبیرہ بلال از جنس صہیب از روم ز خاک مکہ ابو جہل میں پیدا ہوئے۔

پھر آپ کا یہ فیضانِ باطنی اسی خاندان تک محدود نہیں رہا بلکہ آگے بڑھا اور جس مرتبہ بھی آپ کو کسی ضرورت سے بریلی تشریف لے جانے کا اتفاق ہوا کچھ نہ کچھ اہل بریلی بدعات سے تائب اور آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوتے رہے۔

محمد یسین خاں ایک تعلیم یافتہ شخص محکمہ آبکاری کے انسپکٹر تھے وہ بریلی سے چل کر سہارنپور حاضر ہوئے اور کچھ پڑھنے کے لئے وظیفہ دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا بغیر بیعت کے فائدہ تام نہ ہوگا اور نفس و شیطان و اشغالِ دنیا اس نیک کام سے باز رکھا کرتے ہیں۔ یہ جامع الفاظ کچھ ایسے دل پر بیٹھے کہ فوراً درخواستِ بیعت کی مگر حضرت نے تامل فرمایا اور استخارہ کرنے کا حکم دیا۔ استخارہ کے بعد جب انھوں نے عرض کیا کہ الحمد للہ ارادہ میں پختگی اور بیعت کی ضرورت کو زیادہ محسوس پاتا ہوں تو آپ نے داخل سلسلہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ تمہاری نوکری ناجائز اور تنخواہ حرام ہے کہ شراب کے ساتھ کسی نوع کا تعلق بھی مسلمان کو جائز نہیں، اس سے بچنا ضروری ہے کہ رازق حق تعالیٰ ہے اور رزق کا وعدہ فرما چکا ہے جس میں تخلف نہ ہوگا حالانکہ حاضری کے وقت ان کو بیعت کا خیال بھی نہ تھا مگر تائب ہوئے اور ایسے تائب ہوئے کہ نوکری سے مستعفی ہو کر خود مع اہل و عیال کے خورد و نوش کی تکلیف مدت تک اٹھائی مگر جس کو حرام سمجھ لیا تھا اس کے پاس نہ گئے۔ اب بچوں کو پڑھانے کے مختصر معاوضہ پر قانع اور ذکر و شغل میں والہانہ طریق پر عامل ہیں۔ خود لکھتے ہیں کہ بیعت کے بعد رات ہی کو تہجد کے لئے اٹھا

سہ کہ جہاں بدعات کا زور شور ہے۔ سہ بصرہ سے حضرت حسن حبشہ سے حضرت بلالؓ، روم سے حضرت صہیب پیدا ہوئے اور کمرہ کی خاک سے ابو جہلؓ یہ سفد عجوب اور قدرت کا کرشمہ ہے۔ سہ پورا۔ کیونکہ بیعت سے سلسلہ میں داخل ہو جاتا ہے سب لوگوں کی برکتیں شامل حال ہو جاتی ہیں پابندی ہونے لگتی ہے فائدہ روز افزوں ہوتا رہتا ہے، ایسے ایک بات معلوم کرنے سے نفس و شیطان کا داؤ چلتا رہتا ہے۔ سہ عاشقانہ۔

وہ ہاتھوں میں ایک ایسا برقی اثر پاتا تھا جس سے ہاتھ ٹوٹے جاتے تھے اور تہجد پر بلا دامت کا یہ پہلا سبق تھا کہ اس اندرونی لذت کی کوئی نظیر نہ ملتی تھی۔

ایک خواب اور اس کی تعبیر | چند ماہ بعد ۹۲ء میں انھوں نے خواب دیکھا کہ کوئی شخص ان سے جدا ہو رہا ہے اور ان کی جدائی ان پر اس درجہ شاق ہے کہ روزے اور اتنی آہ و بکا کر رہے ہیں کہ کیچہ نکلا جا رہا ہے۔ صبح کو حضرت کی خدمت میں خواب لکھ کر بھیجا تو حضرت کا جواب آیا۔ عجب نہیں تعبیر یہ ہو کہ میرا ارادہ غفریب سفر حج کا ہے اور میں عربستان جا رہا ہوں۔ یہ معلوم کر کے کہ حضرت بیت اللہ کا غم فرمایا چکے حضرت کی ہمرکابی و معیت کا شوق ان پر غالب ہوا اور آخر قدرت نے سامان سفر ان کے لئے بآسانی جمیا کر دیا کہ وہاں صرف عزم اور سختی کی حاجت ہوتی ہے ورنہ خزانہ غیب میں کسی چیز کی کمی نہیں، چنانچہ حضرت کے ہمرکاب یہ بھی روانہ ہوئے اور اس دولت حج و زیارت سے جس کا کبھی دوسوہ بھی نہ گذرا تھا مالامال ہو کر ۱۳۳۹ھ میں وطن واپس آ گئے۔

مدرسہ مصلح العلوم میں نظم کی کچھ خرابیاں پیش آنے پر اصلاح کے لئے شروع ۱۳۳۲ھ میں حضرت کو بریلی تشریف لانا پڑا اور اس مرتبہ حضرت کا قیام پرانے شہر میں حافظ حلاج محمد خاں صاحب آگرہ جو بک کے مکان پر ہوا کہ حافظ جعفر خاں صاحب کے عزیز تھے اور ان کے مکان پر ہر قسم کی راحت کا سامان جمیا تھا۔

ایکے دوسرے خواب اور اس کی تعبیر | چند ہی روز قبل ان کی ہونے خواب دیکھا تھا کہ ایک براق آیا جس پر یہ سب لوگ سوار ہو گئے بجز خاں صاحب کی بڑی لڑکی کے کہ وہ سوار نہیں ہوئیں اور ان کے بھائی نے کہا کہ یہ پھر سوار ہو جائیں گی۔ اس خواب پر یہ خوش نصیب خاندان خود خود کسی مقبول خدا شیخ کے ہاتھ پر بیعت ہونے کا متقانی بن چکا تھا کہ حضرت کے بریلی پہنچ کر قدرتی طور پر انھیں کے مکان پر قیام کا سامان فراہم ہوا۔ صبح ڈاک سے اترے تو خاں صاحب کے صاحبزادے صدیق احمد خاں موٹر لے ہوئے موجود تھے کہ ان کو حافظ جعفر خاں صاحب نے بذریعہ تار اطلاع دیدی تھی چنانچہ حضرت نے نماز فجر باجماعت اسٹیشن پر پرٹھی اور موٹر میں سوار ہو کر خاں صاحب کے مکان پر تشریف لائے وہ دن مدرسہ کی اصلاحات و رفع زلزلے باہمی میں گذرا اور اگلے دن یہ تمام خاندان مردوزن حضرت سے بیعت ہوا بجز لڑکی کے کہ وہ اپنی سسرال تھی اور ہر چند اس نے کوشش کی کہ گھر لے کر نہ آسکی۔

اسی برکتیں ہر مزید دیکھتا تھا۔ ۱۳۴۰ھ انتظام۔

وایسی سہارنپور کے وقت خاں صاحب نے سو روپے کا نوٹ حضرت کی نذر کیا مگر حضرت نے قبول نہ فرمایا اور کہا کہ مجھے جو تنخواہ مدرسہ سے ملتی ہے وہ خرچ کو کافی ہو جاتی ہے لہذا اس کی حاجت نہیں۔ اگر ضرورت ہوگی تو پھر منگالوں کا اس وقت معاف کرو۔

بیعت کے وقت ہدیہ قبول کرنے سے گریز | اس نے اکثر دیکھا ہے کہ بیعت کرنے پر حضرت کی خدمت میں اگر نذر پیش کی گئی تو حضرت نے کبھی قبول نہیں فرمائی کہ صورت یہ تو بہ کرانے کا معاوضہ بن جاتا ہے اور اس رسم کے مشابہ ہے جو آجکل دنیا دار سپروں میں چل رہی ہے ہاں اس کے بعد انس و محبت کا تعلق پیدا ہو کر اگر کوئی قلیل سے قلیل ہدیہ بھی پیش کرتا تو مسنون طریق پر آپ اسے بخوشی قبول فرماتے۔ چنانچہ سہارنپور سے تو کیا طلب فرماتے حضرت نے اس بارہ میں حافظ جعفر خاں صاحب کی سفارش بھی قبول نہ فرمائی اور سفر حج کو روانہ ہو جانے پر جب خان صاحب مدوح نے بذریعہ نارتاریہ بیٹی روانہ کیا تو آپ نے قبول فرمایا کہ اس کا محرک تعلق محبت تھا جو کہ ہدیہ کی علت و لم ہے اور اس کا رد کرنا دل شکنی مسلم کی وجہ سے ممنوع و قبیح ہے۔ نیز جب حضرت کسی معاملہ میں تصفیہ کے لیے باقاعدہ حکم سن کر جاتے تو کسی نوع کی مالی اعانت سے آپ کو گرائی ہو کرتی تھی۔ چنانچہ مجھے خوب یاد ہے سہارنپور میں دو شخصوں نے کہ دونوں کو حضرت سے پرانا تعلق تھا آپ کو سونے بنایا تو آپ نے منظور فرما کر بعد مغرب کا وقت سماعت قضیہ کے لئے مقرر فرمادیا۔ ایک فریق نے کہ ان کو حضرت سے زیادہ بے تکلفی تھی عرض کیا کہ پھر کھانا بھی حضرت وہیں تناول فرماویں۔ آپ نے میا ختہ فرمایا آج کی حاضری دوسرے نوع کی ہے آج تو پانی پینا بھی تمہارے گھر کا گوارا نہیں، یوں بہتیری دفعہ کھانا؟ اور زندہ رہا تو کھاؤں گا۔

انتظامی ضبط پر خاص توجہ | مدرسہ مصلح العلوم اس وقت دیوبند کی سرپرستی میں تھا اور حضرت دیوبند نے اپنی سفر سے معذوری ظاہر کر کے خود بخود تجویز کیا تھا کہ سہارنپور سے حضرت کو لے جاؤ۔ باوجود اس کے حضرت نے ضابطہ کی اتنی پابندی فرمائی کہ حافظ جعفر خاں کو دیوبند واپس بھیجا کہ میرے نام استخلاف کی تحریر لے کر آؤ چنانچہ جب دیوبند سے یہ تحریر پہنچی کہ آپ ہماری طرف سے قائم مقام بن کر جائیں اور آپ کا فیصلہ بھی بعینہ ہمارا فیصلہ ہوگا۔ تب حضرت نے بریلی کا سفر منظور کیا اور اس وقت بھی وہی احتیاط فرمائی کہ مدرسہ کے کسی ممبر یا رکن کی دعوت منظور نہ کی۔ ان حضرات کی بیعت کا قصہ بھی اسی سفر میں پیش آیا اس لئے عجب نہیں ہدیہ سے انکار میں اس کمال تقویٰ کا لہ اپنا قائم مقام بنانے کی۔

اثر بھی شامل ہو جس کو حضرت دل میں رکھتے اور کسی سے اظہار نہ فرمایا کرتے تھے بہر حال انہی دو دن کے قیام میں بریلی و نولج بریلی کے اور لوگ بھی داخل سلسلہ ہوئے اور حضرت بعد نماز مغرب حافظ علی احمد خاں مرحوم کے گھر کہ انھوں نے حضرت کے ساتھ اہل مدرسہ کو بھی مدعو کیا تھا کھانا تناول فرما کر واپس سہاڑپور آگئے۔

اہل بریلی کی عقیدہ تندی | بریلی میں حضرت کے متوسلین سے مجھے زیادہ واقفیت نہیں مگر حافظ جعفر خاں اور حاج محمد خاں صاحب کے خاندان کو تو دیکھ لے کہ ماشاء اللہ کچھ بچے

قلب میں سنت کا وہ نور چمک رہا ہے جو بدن کے ہر حصہ سے ٹپک اور جھلک رہا ہے۔ بریلی جیسے شہر میں ان شیدایانِ سنت کا وجود جن کو طرح طرح کے ابتلا بھی پیش آئے ایک نعمتِ الہیہ ہے کہ وہی بریلی ہے جس سے حضرت پر صدرائے تکفیر بلند ہو رہی ہے اور اسی بریلی کے یہ باشندے ہیں جن کا دل باوجودیکہ چند گھنٹے حضرت آشنا ہوا ہے مگر آج حضرت کو رو رہا اور زبان بے ساختہ پکار رہی ہے۔

پس از سی سال ایں معنی محقق شد بخاقانی کہ یکدم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی
قلوب میں تصرف کرنے والے خدائے ذوالجلال کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ اہل حق کا کسی نے لئے وسیلہ رحمت اور کسی کے لئے آگے نعت و رحمت۔ یصل بہ کثیرا ویصل بہ کثیرا

| | |
|------------------------------|----------------------------|
| پیش قطبی خوں بوداں آب نیل | آب باشد پیش سبط جمیل |
| جادہ باشد بحر ز اسرائیلیاں | غرق گہ باشد ز فرعون عواں |
| باد بد بر عادیان گرز و تبر | لیک بد بر ہود و بر قوش ظفر |
| گلستاں باشد برابر ابرہیم نار | لیک بر نمرود باشد ز ہر مار |
| بر سمندر باشد آتش خانماں | لیک باشد بر درگمرغاں زیاں |
| نزد عاشق دبد و غم حلوا بود | لیک حلوا بر خان بلوا بود |

حضرت کے ہاتھ پر بیعت ہونے کا فوری ثمرہ یہ مرتب ہوا کہ حاج محمد خاں صاحب جن پر عرصہ دراز سے حج فرض تھا اور ارادہ بھی کرتے تھے مگر کامیاب ہوتے تھے

بیعت کی برکت

سہ تیس سال بعد خاقانی کو اس کی حقیقت کھلی کہ خدا کے ساتھ ایک منٹ کو ہونا بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت سے بہتر ہے۔
سہ عذاب و تکلیف کا آگے جیسے قرآن مجید کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس کے ذریعہ بہت لوگ گمراہ کر کے اور بہت کو ہدایت دیتے ہیں کہ منکر گمراہ ہدایت پاتا ہے۔ سہ قطبی یعنی فرعون کی قوم کے آدمی کے سامنے توئل کا پانی خون بن گیا کہ اسے ہلاک کر دیا اور سبطی یعنی بنی اسرائیل کے ہر قبیلہ کے آدمی کے آگے عمدہ پانی ہوا۔ سہ دریائے نیل بنی اسرائیل سے تو مرگ بن جانا اور طاف ز فرعون سے غرق کی جگہ۔
سہ قوم عاد پر ہوا ہوتا اور تلوار بھی لیکن قوم ہود پر فتح و ظفر۔ سہ حضرت ابراہیم پر تو آگ چن ہو گئی تھی لیکن نمرود پر سانپ کا زہر یعنی ہلاک۔ سہ آگ کے کپڑے پر تو آگ گھم کا سامان ہوتی ہے مگر دوسرے جانوروں پر نقصان و ہلاکت۔
سہ درد اور غم عاشق کے واسطے تو حلوا ہوتا ہے مگر بخیلوں پر حلوا بھی مصیبت ہے۔

آئندہ ہی رجب ۱۳۸۵ء میں عازم ہو گئے اور یکلیخت تمامی مشاغل و ضروریات کو پس پشت ڈال کر حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے، پچیس ہزار روپیہ خرچ کیا اور اس بشارت و فراخ دلی سے کہ جس دوست بلکہ امام مسجد بنگالی طالب علم نے بھی خواہش کی کہ مجھے بھی ساتھ لے چلے تو بجز اچھا کے کچھ جواب نہ دیا۔ چنانچہ گھر کے لوگ تو بیوی، بڑا لڑکا، لڑکی اور بہنو صرف چند ہی تھے باقی احباب دروازہ بین سب ملا کر بائیس نفر ہوئے جنھوں نے اس خوش نصیب بزرگ کی دریا دلی سے متفق ہو کر حج و زیارت کا وہ نفع اٹھا یا جس کے لئے ہزاروں مسلمان تڑپتے ہیں اور نصیب نہیں ہوتا۔

اسی سفر میں آپ کی لڑکی بھی ساتھ گئی اور جب سب لوگ مدینہ منورہ پہنچے حضرت کے قریب مکان کرایہ پر لیکر مقیم ہوئے کہ خدمت میں حاضری مستورات کی آسان ہونو لڑکی بھی بیعت ہوئیں جو اس وقت محروم رہی تھی، اور اس طرح پر اس خواب کی تعبیر پوری ہوئی جو دو سال ہوئے ان کی بھالاج نے دیکھا تھا حضرت کے اخیر و میں اس خاندان کے لئے آخری زیارت مقدر تھی کہ یہ سامان ہوا اور یہ لوگ کافی مدت حضرت کی خدمت میں قیام کر کے بعافیت جسمانی و ترقیات روحانی وطن واپس آئے۔ چند ہی ماہ بعد حضرت کے وصال کا آثار اُگیا اور وہ چیز سی نہ رہی جو مقناطیس بن کر آہن قلوب کو کھینچا کرتی تھی۔

حیف در حشرم زدن صحبت یار آخر شد روئے گل سیر ندیدم دیہار آخر شد
 یہ ہیں نے خاص طور پر دیکھا ہے کہ حضرت کو اپنے متوسلین کے متعلق حج کا خاص اہتمام رہتا اور جن پر حج فرض ہوتا ان کو تو

خاص تاکید کے ساتھ فرمایا ہی کرتے کہ فریضہ حج ادا کرنے میں غفلت و سستی نہ کرو کی اخیر ہرے موت کب اور کس وقت آجائے نفل حج کے لئے بھی کوئی خیال ظاہر کرتا تو حضرت اس کو سخت فرمادیتے اور اجازت ہی نہیں دیتے بلکہ روا لگی سے قبل اس سے ملنے جلنے کچھ نہ کچھ ہدیہ پیش فرماتے اکثر دہلی تک مشایعت کرتے اور رخصت کے وقت متحسرانہ ہجہ میں دعا کی اس طرح درخواست کیا کرتے تھے کہ مواقع اجابتہ میں مجھے بھی یاد رکھنا بالخصوص یہ دعا کہ حق تعالیٰ اس مٹی کو تیرب کی مٹی میں شامل فرماوے یہی تہنہ مرا ہے آج پچیس برس ہوئے کہ ۱۳۸۵ء میں جب پہلے سفر حج کو بندہ حجاز روانہ ہونے لگا تو حضرت باوجود اہم ربانی حیات تھے اور مجھے حضرت کے ساتھ اس وقت یہ نیاز مندہ خصوصی تعلق نہ تھا مگر حضرت رخصتی ملاقات کے لئے میرے تشریف لائے اور مکہ مکرمہ میں میرے پاس حضرت کا جو خط پہنچا اس کے یہ جگر سوز الفاظ مجھے اب تک یاد ہیں: عزیز من مجھے بھول نہ جانا، گوسیہ کا راس قابل نہیں مگر

سہ حاجی محمد خان کی۔ ۱۲ افسوس پاک چھپکے میں محبوب کی صحبت ختم ہو گئی پھول کے چہرہ کوئی بھر کے بھی دیکھا نہ تھا کہ ہاں ختم ہو گئی۔

ہو بس یہ ہے کہ مدینہ منورہ کی مٹی میں ملنا نصیب ہو بس اسی دعا کی ضرورت ہے کہ حق تعالیٰ اہلیت بخش کر جو ار رسول نصیب فرمائے۔

چو با حبیب نشینی و بارہ پیمائی بہ یاد آر حسان بادہ پیمارا

مجھے وہ مضمون ہمیشہ یاد رہا حتیٰ کہ آپ اپنی مراد کو پہنچے اور کانوں نے سن لیا کہ حضرت عالم قدس کو سدھار کر جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

باوجود آپ کے کوہ استقلال ہونے کے عشق رسول کی آگ آپ کی رگ رگ میں اتنا اتر کر گئی تھی کہ آپ نے بارہا عرب کا سفر صرف اسی شوق و آرزو میں کیا کہ ہر مرتبہ آپ کی ہجرت کا شور عوام کی زبانوں پر مچا، آخر جب وقت آیا تو وہ پورا ہو کر ہا اور وہ آتش فراق بلفارہ محبوب ٹھنڈی ہوئی جس نے آپ کو صرف ایک روانہ کا بنا رکھا تھا۔ مجھے خوب یاد ہے آپ مولانا تھانوی کا وعظ بڑے شوق سے سنتے اور کبھی کبھی فرمایا کرتے کہ مجھے تو مولانا کے وعظ میں اس شعر پر بڑا مزہ آتا ہے۔

ہمہ شہر پر زخوباں منم و خیال دما ہے چہ کنم کہ چشم بدخون کند بکس نگاہے
یہ بھی میں نے دیکھا ہے کہ آپ جب اس شعر کو سنتے تو چہرہ کا رنگ بدل جاتا اور وجد کی کیفیت آپ پر طاری ہوتی جس کو آپ ضبط فرما جایا کرتے تھے۔

اسی کا اثر تھا کہ آپ اپنے دوستوں کو حج و زیارت کی خاص طور پر ترغیب دیتے اور چاہتے تھے کہ سب اس آستانہ محب و محبوب کے والد و شہداء بنے ہوئے دنیا سے اٹھیں۔ اس اہتمام کے بیسیوں واقعات میری نظر سے گزرے جس میں ایک نمونہ حافظ ریاض الاسلام کا ندھلوی کا ہے کہ ان پر حج فرض تھا مگر اس کے ادا میں بہت ہی کچھ موانع ان کو پیش تھے مگر جب حضرت نے قطعی حکم فرمایا کہ تم کو ضرور جانا چاہئے کہ آج دم نکل گیا تو کوئی عذر بھی اللہ کے ہاں قابلِ سماعت نہ ہو گا تو یہ پختہ ہوئے اور پھر ایسے پختہ ہوئے کہ ہر چند زور دیا گیا کہ اس سال ملتوی کر دو مگر یہ نہ مانے اور سب قصوں کو پس پشت ڈال کر مع اہلیہ و خوشدا من کے کہ ان پر بھی حج فرض تھا مردانہ وار حج و زیارت کر کے واپس وطن آئے۔

حکیم عبدالغنی صاحب مقیم غازی آباد نے جو کہ اکثر حضرت کے معالج رہتے تھے آپ کی علالت سن کے آخری زمانہ میں مدینہ منورہ ایک نسخہ لکھ کر بھیجا تو آپ نے اسی کو حیلہ بنا کر حاضری حرمین شریفین کی ان کو اس طرح ترغیب دی کہ خط لکھا۔ السلام علیکم۔ علاج کی صورت یہ ہے کہ اس سال آپ حج کا ارادہ کریں

لے جب محبوب کے ساتھ بیٹھو اور دو شراب چلاؤ یعنی محبت کا جوش و خروش ہو تو ان دوستوں کو بھی یاد کر لیا جو دور چلائے تھے۔ سب سارا شہر حبیبنوں سے بھرے مگر میں ہوں اور ایک چاند کا خیال۔ میں کیا کروں کہ بری عادت والی آنکھ کسی پر نگاہ ہی نہیں کرتی۔

اور جب میں روانہ ہو کر پہلے مدینہ منورہ حاضر ہوں اور یہاں دو تین مہینے قیام کر کے میرا علاج کریں اور قریب حج مکہ مکرمہ جا کر حج کر کے وطن واپس ہو جائیں، یہ ترکیب علاج کی ممکن ہے ورنہ غیر ممکن۔ والسلام
مجھے جہاں تک علم ہے حضرت کے متوسلین میں ایک بھی ایسا نہ ہوگا جس پر حج فرض ہوا ہو اور وہ
ادائے کر آیا ہو، ہاں ایسے بکثرت ہوں گے جو دو تین بلکہ چار پانچ مرتبہ اس نعمت سے بالابال ہوا آئے کہ بیت اللہ
بیت الرسول کی مخلصانہ زیارت اور قلیل وقت کی بھی محبت حاضری نفع روحانی میں اولیاء اللہ کی اس
صحبت سے کم نہیں جس کے متعلق مولانا روم لکھتے ہیں۔

صحبتِ نیکان اگر یک ساعت است بہتر از صد سالہ زہد و طاعت است
یک زمانے صحبت با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت است

الحاصل یہی نہیں کہ بریلوی خاندان نے دخول سلسلہ کی صرف برکت پر اکتفا کیا ہو بلکہ حادیار خان
اور صدیق احمد خان نے اکتساب بھی شروع کیا اور مجد اللہ واردات اور انوار و تجلیات سے کام لیا ہو۔
دونوں کی پیدیاں اور ہمیشہ بھی اپنے معمولات پر مہم پر باوجود نسوانی ضعف و موانع اور طرح طرح کی
مشغولیت خانہ داری کے ایسی پابند ہوئیں کہ دوسروں کو ان سے سبق ملا۔ ایک مرتبہ حادیار خان نے
شکایت لکھی کہ ذکر میں وہ لذت نہیں آتی جو پہلے آتی تھی اور اسلئے موانعیت دشوار ہے تو حضرت نے فوراً جواب دیا۔
عنایت فرمایم حادیار خان صاحب ملہ۔ السلام علیکم، عنایت نامہ پہنچا۔
مکتوب گرامی بنام حادیار خان

بغور سنو، مقصود اصلی ذکر ہے خواہ طبیعت لگے یا نہ لگے، پر اگر نہ منتشر
یا دلجمعی اپنے معمولات کو بہر حال میں پورا کرنا چاہئے۔ یہ غلط راستہ ہے کہ ذوق شوق ہو تو وارد پورے کے
جاویں ورنہ پورے نہ کئے جاویں۔ ذوق شوق نہ مقصود ہے نا اختیار ہی امر ہے جو اپنا کام ہے وہ کئے جاویں
اور جو عطا حق ہے اس کو اسی کے سپرد رکھیں بدون دستگیری کے ذکر پر مداومت زیادہ مفید اور موجب اجر ہے

لے نیکوں کی صحبت اگر ذرا سی درجے لئے بھی ہو سو سال کے زہد و عبادت سے بہتر ہے یعنی بزرگوں کی ایک صحبت سے وہ کیف دل میں پیدا
ہو جاتا ہے جو تمام دین پر عمل کا داعی بن جاتا ہے اور سو سو سال کی جلالت سے بھی بعض دفعہ یہ داعیہ نہیں پیدا ہوتا اور بہت کوتاہیاں ہو جاتی ہیں
سہ اولیاء الہی کی ایک وقت کی صحبت تو کم سو سال کی بے ریا عبادت سے بہتر ہو جاتی ہے کہ اس دین کا داعیہ پیدا ہو کر پابند کر دیتا ہے
دونوں ضرور کا یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ عبادتیں بلائے طاق اور بس صحبت و خدمت اختیار کر لیں یہ سخت محرومی کی بات ہوگی۔

سہ فیض حاصل کرنا یعنی صرف بیعت ہونا جو سلسلہ میں داخل ہونا ہے کچھ نہ کچھ برکت اللہ دین کی طرف توجہ اور کچھ ہر صاحب کی توجہ
سبب تو ہے مگر اصل بات یہ ہے کہ ان کے ارشادات پر عمل کر کے برائیوں سے بچے اور بھلائیوں پر چمے اور اخلاص و یقین کی پختگی
کرنے سے فائدہ ہونے لگے انھوں نے یہ بھی کیا ہے۔ کہ گویہ فرض و واجب نہیں مگر فائدہ جو ہوگا وہ سخت پابندی سے ہوگا جسے
بھی ہو مگر ہو، یہ مطلب نہیں کہ فرض نماز قضا ہو یہ نقصانہ ہو بلکہ

صدق و شوق کے ساتھ ہر شخص کام کیا کرتا ہے مگر عبدیت اسی وقت معلوم ہوتی ہے کہ بلا ذوق شوق بھی ذکر و برادمت کی جائے۔ عزیزی صدیق احمد صاحب کو بعد سلام سنون فرما کر پرسی کریں، انشاء اللہ دو چار روز میں غنہ کی شکایت رفع ہو جاوے گی صحت کی بھی اطلاع فرماویں فقط السلام خلیل احمد از سہارنپور ۲ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ

انشراحین کو یہ مرحلہ پیش آتا ہے کہ شروع شروع قلب کو ایک خطا و التذاذ آتا ہے اور بعد میں خواہ عادت ہو جانے کے سبب یا غذا میں طبعی یا شرعی بے اعتدالی یا اختلاط باجنس کی وجہ سے یا اللہ پاک کی طرف سے غلامی و عبدیت کے جانچنے کے لئے وہ لذت یکدم معدوم ہو جاتی ہے جس کا اثر یہ ہونا چاہئے تھا کہ کام سے اپنے باز نہ آئے اور سبب کو تلاش کر کے اس کی تلافی کرے نہ یہ کہ ذکر کو بے نفع سمجھ کر چھوڑ دے۔ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ جیسے آقا اگر انعام دیتا رہا تو کام کیا اور کسی دن ہاتھ روک لیا تو نوکر نے بھی کار خدمت چھوڑ دیا۔ ایسے خود غرض مزدور کی آقا کے دل میں محبت کیسے ہو سکتی ہے۔

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزدور مکن کہ خواجہ خود روش بندہ پروری دانہ پیر یہ انعام کیا تھوڑا ہے کہ اپنے ذکر کی توفیق بخشی ورنہ کس کی مجال ہے کہ بغیر اس کی اجازت کے شاہی دربار میں حاضر ہو سکے لہذا اس کی توفیق کا ہر وقت طالب رہے۔

حافظ محمد حسین ابڑاڑوی نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ حضرت کیا کروں اخلاص نصیب نہیں ہوتا فرمایا بھائی یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ کی توفیق پر ہے بندہ کا اس میں کیا چارہ۔ بہر حال کام سے باز نہ آوے جتنا کچھ ہو جائے توفیق الہی سمجھ کر شکر ادا کرے ہمت بلند رکھے اور دروازہ سے چٹا رہے کہ بعد بھی دیکھے تو یا بس نہ ہو۔

اگرچہ در افتاد مابین امید و خوسندم کہ شاید دست من بار در جہان من گیرد ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت تہجد کو آنکھ نہیں کھلتی۔ فرمایا بھائی ہمت کرو کہ کوئی کام دنیا کا ہو یا دین کا بغیر ہمت کے نہیں چلتا، اور دیکھو کہ کسی معصیت کی سزا تو نہیں، ممکن ہے کھانے پینے سے بے احتیاطی ہوئی ہو یا قوی و فعلی کوئی گناہ صادر ہوا ہو۔ اگر ایسا ہے تو ضرورت ہے توبہ و استغفار کے اضافہ کی کہ ذکر پر زور دیا جائے نہ یہ کہ ذکر ہی چھوڑ دیا جائے کیونکہ

ہر چہ بر تو آید او ظلمات و غم آں ز بیباکی و گستاخی ست ہم

تم مزدوروں کی طرح مزدوری کی شرط پر بندگی نہ کیا کرو کیونکہ آقا خود بندگی کی پرورش کا طریقہ جانتے تھے۔ اللہ حضرت کے سینے سے تصبہ اجر اڑا نہ نفع میرٹھ کے باشندہ تھے۔ اللہ میں اگرچہ دور پڑا ہوں مگر اس امید پر خوش کہ شاید میرا محبوب دوبارہ میرا ہاتھ پکڑ لے۔ اللہ حرام ناجائز مال کھائی لیا ہو۔ اللہ جو کچھ تم پر تارکیاں اور غم آئے تو یہ بیباکی و گستاخی سے بچتی ہوئی ہیں۔

غم چو بینی زود استغفار کن غم بامر خالق آمد کار کن

ورنہ یہ تصرفات ہیں متصرف حقیقی کے جن سے اس کی کائنات کا کوئی ذرہ بھی خالی نہیں اور چونکہ اس کا کوئی فعل کیسا ہی نفس کو ناگوار کیوں نہ گزرے حکمت سے خالی نہیں لہذا یہ معالجہ ہے اور مریض کو کوئی حق نہیں کہ طبیب کی دوا بر تلخ سے منہ پھیرے

چونکہ قبض آید تو دروے بسط ہیں تازہ باش و چین می فگن برجیں

چونکہ قبض آید تارے راہ رو آں صلاح تست وایں دل مشو

بہر حال راہرو کا یہ کام ہے کہ اپنے کام کی دھن میں لگے اور مزہ و بدمزگی کو پس پشت پھینکے

کار کن کار بگذر از گفتار کاندہیں راہ کار آید کار

محب کی نگاہ طالب التذاذ نہیں ہوتی بلکہ اس کا مطرح نظر صرف رضا، محبوب ہے جس حال میں رکھے وہی نعمت اور اس میں لذت ہے

فراق و وصل چہ باشد رضا، دوست طلب کہ حیف باشد از وغیر او تمنائے

شریعت کو جو کہ رضا، خالق جل شانہ کا سانچہ و معیار ہے اتنا مضبوط تھا کہ جان قفس تن نہ کھل جائے

مگر یہ وصال محبوب کی رسی ہاتھ سے نہ چھوٹے، دم نکلے مگر محبوب کا نام لیتا ہوا نکلے ورنہ سلوک اور

اللہ کی طلب کا نام نہ لے کہ

سر برد گلہ اختصار می باید کرد یک کار ازیں دو کار می باید کرد

یا تن برضائے دوست می باید داد یا قطع نظر زیار می باید کرد

صدیق احمد خاں نے ایک مرثیہ بھیجی کہ پابندی نہ ہونے کا آپ سے شکوہ کیا تو آپ کا

مدینہ منورہ سے جواب آیا۔

۱۔ جب تم غم دیکھو جلد بخشش مانگو کیونکہ غم بھی خدا تعالیٰ کے حکم سے یہ کام کرتا ہے۔ ۲۔ وہ رد و بدل سے کڑوی

۳۔ جب تم کو گھٹن پیش آئے تو تم اس میں کشادگی دیکھا کرو، تازہ ہو پیشانی پر بل ڈالو۔ ۴۔ اے راہ خدا کے چلنے والے

جب تجھے کوئی گھٹن پیش آئے تو وہ تو تیری درستی ہے تیرا دل اس سے ناامید نہ ہو۔ ۵۔ کام کرو کام باتیں بنا چھوڑ دو

اس راہ میں تو کام ہی تمہارے کام آسکتا ہے۔ ۶۔ لذت اور مزہ کی۔ ۷۔ نظر پڑنے کی جگہ۔

۸۔ وصل اور ملاقات کیا چیز ہوتی ہے محبوب کی رضا طلب کرو کیونکہ اس سے اس کے بغیر کی تمنا افسوسناک ہے۔ ۹۔

۱۰۔ بدن کے پتھر سے روح

۱۱۔ اے سر برد شکوہ کو مختصر کرنا چاہئے ان دونوں کاموں میں ایک کر لیتا چاہئے۔

۱۲۔ اے محبوب کی رضامندی پر جاں نثار کرو دیا پھر محبوب سے قطع نظر کرو۔ چونکہ حق تعالیٰ سے قطع نظر ہو نہیں سکتا اس لئے

جاں نثار کرنا ہی ضروری ہے۔

کتوب گرامی بنام صدیق احمد خاں

غایت فرایم صدیق احمد خاں صاحب سلمہ السلام علیکم
ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا خط پہنچکر موجب مسرت ہوا۔ آپ کے

والدین اور متعلقین خیریت سے کل یہاں پہنچ گئے۔ اب انشاء اللہ تعالیٰ آٹھ دس روزیں یہاں سے واپسی
ہوگی اور انشاء اللہ بحیریت پہنچ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ تم کو بھی یہ دولت نصیب فرما دے۔ تم نے لکھا کہ
نماز ہیج نہیں ہوتی۔ میں دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ تم کو ہمت اور توفیق دے۔ بات یہ ہے کہ ہر کام ہمت سے
ہوتا ہے جب آدمی آرام طلبی میں پڑ جاتا ہے اور دنیاوی لذات کی طرف مائل ہو تو کوئی کام دینی اور دنیاوی
نہیں ہو سکتا۔ لہذا ہمت کر کے کام کرو اور اپنے گھر میں بھی میری طرف سے دعا کرو، اور نیز تم کو چاہئے کہ
اپنی اہلیہ کے ساتھ اخلاق کا معاملہ کیا کرو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: خیرکم خیرکم
لاہلہ وانا خیرکم لاہلی، فقط والسلام

اور دوسرے خط میں اس طرح تعلیم فرمایا کہ جب انسان کسی ایک کام میں مشغول ہوتا ہے تو دوسرے
کی طرف مشغولی کم ہو جاتی ہے خصوصاً دین اور دنیا باہم متضاد ہیں، دنیا میں اہناک شوق الی اللہ سے مانع
ہوتا ہے اور اس کے چھوٹنے کے لئے تو ایک بہانہ چاہئے۔ لہذا نہایت رغبت کے ساتھ اپنے وظائف و اواراد
میں مشغول ہو جاؤ حق تعالیٰ مدد فرما دیں گے۔ فقط والسلام

سید شمس الحسن ساکن گلاؤ بھی سب اور سیر ریاست ریوان نے جب عدم حصول واردات پر تناسف
کھا تو حضرت کا یہ والا نامہ گیا جس کے مختصر جامع الفاظ آپ زمر سے لکھنے کے قابل ہیں۔۔

کتوب گرامی بنام سید شمس الحسن | غایت فرایم سید شمس الحسن صاحب سلمہ السلام علیکم غایت نامہ پہنچا شدہ غایت
اطمینان بخش ہوا اور بحمد اللہ میں بھی مع متعلقین بحیریت ہوں۔ الحمد للہ کہ ذکر

برہ تسبیح آپ کا استقلال کے ساتھ جاری ہو مگر آپ کی حسرت اس پر کہ حالات و اذات سے طبیعت عاری ہو موجب
خوشی حق تعالیٰ شانسی نعمت کیا کچھ کم ہو کہ اس نے اپنے لطف و کرم سے آپ کو دراومت ذکر بارہ تسبیح کی عطا
فرمائی ہو۔ ذکر نشور و لایت ہو جس کو ذکر کی توفیق دی گئی گو یا فرماں لایت اس کو لایا حالات و اذات نہ مقصود ہیں اور
بہر ایک کو پیش آتے ہیں، یہ تو بچوں کا ایک کھیل ہے اور اس کی تمنا فصول ہے لہذا آپ اپنی حسنہ العادۃ پر حق تعالیٰ شانہ
تسبیح شکر ادا کریں اور اس نعمت عظمیٰ کو حقیر نہ سمجھیں کیونکہ شکر نعمت موجب مزید نعمت ہے اور ناشکری موجب
سلب نعمت ہے حق تعالیٰ شانہ ناشکری سے بچاؤں فقط والسلام خلیل احمد سہارنپوری کم شعبان ۱۳۴۲ھ

لے تم میں بہترین وہ ہے جو اپنے اہل کے ساتھ خوش معاملہ ہو۔ دین خود اپنی اہل کے ساتھ بہترین خوش معاملہ ہوں۔ سلمہ ایک دوسرے
کے مہربانی مخالف سلمہ دنیا میں بھلا چاہتا اللہ کے

دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور

دارالعلوم دیوبند ہندوستان بلکہ اس صدی میں دنیا کی وہ مشہور اسلامی درس گاہ ہے جس کی چار دانگ عالم میں خدا داد شہرت کسی تقریب و توصیف کی محتاج نہیں۔ گذشتہ صدی میں قطب العالم مولانا سید احمد صاحب بریلوی کا مع اپنے مجاہدین گروہ کے جب اس بستی پر گزر ہوا تو آپ نے خوش ہو کر یوں فرمایا تھا کہ یہاں علم کی بو محسوس ہوتی ہے۔ قدرت کے ہاتھوں اس ادارہ کا معنوی کا اس طرح ظہور ہوا کہ ۱۵ محرم ۱۳۱۷ھ کو اس مدرسہ کی بنیاد پڑی اور یہ درس گاہ جو آئندہ چل کر روس و چین اور تبت و بخارا تک کے طالبانِ علوم کا مرجع بننے والی تھی چھتہ کی مسجد میں مختصر مکتب کی صورت پر قائم ہوئی کہ ملا محمود صاحب ص ۷۷ مشاہرہ پر مدرس اول قرار پائے اور بستی کے ایکس طلبہ نے عربی پڑھنا شروع کیا۔ اخیر سال میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب مدرس اول ہو کر تشریف لائے کہ اول عنہ تنخواہ ہوئی اور کچھ عرصہ کے بعد منتہ ہو گئی۔ مولانا سید احمد صاحب دہلوی مدرس دوم و مولانا ملا محمود صاحب مدرس سوم بنائے گئے اور زبامِ اہتمام شاہ عبدالغنی صاحب کے خلیفہ راشد مولانا رفیع الدین صاحب کے ہاتھ میں دیا گیا۔ سرپرست امام ربانی حضرت مولانا گنگوہی تجویز ہوئے اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے اگرچہ ظاہری خدمت کا نام اپنے لئے پسند نہ فرمایا مگر مدرسہ کی اصل روح و رواں آپ ہی کا وجود باوجود تھا کہ علومِ دینیہ کا شیورع آپ کی منتہائے مراد اور مدرسہ کی ترقیات آپ کے تن کے لئے گویا حیات تھی۔

قدرت نے کچھ ایسے مقبولین مخلصین افراد کو ایک جگہ جمع فرمادیا تھا جس کی نظیر شاید دنیا نے کم دیکھی ہو اور انہیں تائین رسالت کی توجہات کا اثر تھا کہ ایسے نازک زمانے میں جبکہ مدرسہ جاری کرنے نام لینا بھی دشوار تھا سال ختم ہونے سے پہلے ہی بنارس و پنجاب اور کابل کے طلبہ جمع ہو گئے کہ امتحان کے وقت طلبہ کی تعداد اٹھتر تھی۔ پھر جب طلبہ کی کثرت ہوئی تو مسجد قاضی کے متصل مکان کرایہ پر لیا گیا اور ۱۲۹۱ھ میں مدرسہ کیلئے مکان کی تجویز ہو کر ۱۲۹۳ھ میں یہ بنیاد رکھی گئی جہاں اب مدرسہ ہے۔ اس کے بعد تو اس منبعِ علوم اسلامیہ کے وہ چشمے جاری ہوئے جس نے اطراف و اکنافِ عالم کے تشنگانِ کتاب اللہ و کتاب الرسول کو سیراب کر دیا اور دنیا کی کوئی سمت باقی نہ رہی جہاں اس کی نہر کا سلسلہ نہ پہنچ گیا ہو۔

انقلاب چونکہ ہر جزو عالم کے ساتھ ایسا لگا ہوا ہے جیسے روح کے ساتھ بدن اس لئے اس کو بھی حوادث اور زلازل پیش آئے کہ سہر جادی ۱۲۹۷ھ میں جبکہ مدرسہ کی عمر کا چودھواں سال تھا حضرت قاسم العلوم نے بمرض ضیق النفس دنیا کو الوداع کہا اور پانچ سال بعد ۱۳۰۷ھ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے بمرض ہیضہ اپنے وطن ناونہ ضلع سہارنپور میں درجہ شہادت حاصل کیا اور آخر میں حضرت مولانا رفیع الدین صاحب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ چلے گئے اور آخر وصال فرما کر اپنے شیخ کے متقل قہ عثمانی کے باہر مدفون ہوئے۔

شیخ الہند کا تعلیمی دور | شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ اس مدرسہ کے سابقین اولین طلبہ میں تھے کہ ۱۲۸۷ھ میں آپ نے کتہ الدقائق اور میبذی و مختصر معانی کا امتحان دیا اور ۱۲۸۵ھ میں ہدایہ و مشکوٰۃ اور مقامات وغیرہ کے امتحان میں شریک ہوئے پھر ۱۲۸۶ھ میں کتب صحیحہ ستہ اور بعض دیگر کتب اپنے فخریہ تلامذہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب سے پڑھیں جو اس وقت میرٹھ میں منشی ممتاز علی کے مطبع کی خدمت تصحیح قبول فرمائے ہوئے تھے۔

شیخ الہند کا تدریسی دور | آخر فارغ ہو کر ۱۲۸۷ھ میں اسی مدرسہ کے معین المدرس بنے اور ۱۲۹۱ھ میں ۱۲۹۰ھ کو آپ کی دستار بندی ہوئی اور ۱۲۹۱ھ میں آپ مدرسہ چہارم قرار دیدیئے گئے۔ مولانا محمد یعقوب صاحب کی وفات کے بعد مولانا سید احمد دہلوی بالخصوص فنون ریاضیہ میں امام وقت تھے للغہ مشاہیر پر مدرس اول قرار پائے اور ملا محمود صاحب مشہور مدرس دوم۔ اس وقت حضرت شیخ الہند مشاہیر نہ مدرس سوم ہوئے اور آپ کی جگہ مولوی عبدالعلی صاحب مدرس چہارم بنائے گئے۔ دو ہی سال گزرے تھے کہ ملا محمود صاحب نے داعی اجل کو لبیک کہا اور اس انقلاب میں حضرت مولانا مدرس دوم بنادیئے گئے مگر اسباق آپ کے متعلق صحیح ستہ اور بڑی کتابوں کے رہے ۱۲۹۵ھ میں جب مولانا سید احمد صاحب بعض مصالح سے بڑی تنخواہ پر بھوپال تشریف لے گئے تو باتفاق آراء آپ کو اسی للغہ مشاہیر پر مسند صدارت پر بٹھایا گیا اور مولوی عبدالعلی صاحب مدرس دوم بنائے گئے تین سال گزرے تھے کہ مولوی عبدالعلی صاحب بھی تشریف لے گئے۔

دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے چھ سال | اور اب حضرت امام ربانی کی دور بین نظر نے حضرت کا انتخاب فرما کر آپ کو بریلی سے بلا بھیجا اور آپ ۱۳۰۷ھ میں ۱۳۰۶ھ میں مشاہیر پر دارالعلوم دیوبند کے مدرس دوم قرار پائے۔ ربیع الاول ۱۳۰۷ھ سے آپ کی تنخواہ

۷۰۰ روپے اور چھلے ۷۰۰ روپے کا واقعہ کاتب کی غلطی ہوئی ہوگی۔ (شیخ الحدیث)

۱۳۲۵ء اور محرم ۱۳۲۶ء سے ۱۳۲۷ء کر دی گئی۔ آپ چھ سال وہاں رہ کر، رجاوی الثانیہ ۱۳۲۸ء کو روانہ ہوئے اور آپ کی جگہ مولوی عبدالعلی صاحب تشریف لائے جو مدرسہ مراد آباد میں مدرس اول تھے۔

حضرت شیخ الہند عمر بن حضرت سے ایک سال بڑے تھے کہ آپ کی ولادت ۱۲۶۸ء میں بمقام بریلی ہوئی جبکہ آپ کے والد مولانا ذوالفقار علی صاحب بلسلہ ملازمت مع اہل و عیال وہاں مقیم تھے، اس ہجری

کے ساتھ بچپن میں کچھ دنوں ہم سبق اوہم مکتب ہونے کا اتحاد ہوا اور پھر ایک شیخ کے دامن گرفتہ اور پیر بھائی ہونے کے تعلق نے تو اس یگانگت کو ایسا شیریں بنا دیا گویا ایک جان اور دو قالب بن گئے۔

ہر دو حضرات کے متعلق ایک ہم سبق کی رائے
سید شمس الحسن کامیان ہے کہ میرے والد سید احمد حسین مرحوم دیوبند میں ہر دو حضرات کے ہم سبق رہے اور حضرت شیخ الہند

کے مکان پر رہا کرتے تھے، وہ فرماتے تھے کہ مولانا کی والدہ کو میرے ساتھ اتنی شفقت تھی جب تک میں نہ آجانا مولانا کو کھانا نہیں دیتی تھیں، یہ بھی فرمایا کہ مولانا محمود حسن صاحب اس قدر ذہین تھے کہ طالب علمی میں کبھی مطالعہ بھی اہتمام سے نہ دیکھا مگر سبق میں کسی سے کم تیز نہ رہے، اور مولانا فیصل احمد جب انہیں سے آئے تو ان کے ابتدائی کتابوں کے سبق میرے سپرد ہوئے مگر وہ اتنے تیز نہ تھے کہ چند ہی روز میں ہمارے ہم سبق ہو گئے، مجھے ہر وقت کتاب کا کیرا بنا ہوا دیکھ کر ان صاحبوں نے میرا نام چرخر رکھ دیا تھا۔

وہ وقت نکل لیا مگر اب ملنے کا جب کبھی اتفاق ہوتا ہے تو جس بے تکلفی و محبت سے ملتے ہیں وہ بیان میں آنے کے قابل نہیں، پھر کیا پوچھا دونوں ذہین و ذکی روحانی بھائیوں کا جنھوں نے عمر کا اکثر حصہ قرب جسمانی کے ساتھ بھی گزارا اور طفولیت و شباب اور کہولت و شیخوخت ہر حصہ حیات میں ایک دوسرے کے فریفتہ

شیخ الہند کا پہلا وعظ
ہندوہوں میں چودھری لیاقت علی خاں کی کوٹھی پر ایک مرتبہ ان سب حضرات کا اجتماع ہوا اور لوگوں نے خواہش کی کہ کسی طرح حضرت شیخ الہند کا وعظ

سنئے۔ مولوی میر شاہ خاں بولے کہ اس میں کامیابی ہو سکتی ہے تو صرف مولانا فیصل احمد کو کہ وہی ایسی ہستی ہے جو مولانا سے بزور کہہ سکتی ہے اور مولانا ان کی بات کو بچا نہیں ڈال سکتے ورنہ سچ یہ ہے کہ ہم بھی اسی ارمان میں رہے اور اب تک حضرت کا وعظ نہیں سنا۔ چنانچہ سب لوگ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آج تو کسی طرح مولانا کا وعظ سنو اسی دیکھو حضرت نے فرمایا بہت بہتر اور اس کے بعد

۱۷ حضرت شیخ الہند کی۔ ۱۸ بچپن، جوانی، متوسط عمری، بڑھاپا۔

مولانا کے پاس آکر بے تکلف اہم میں فرمایا: دوستوں کی خواہش ہے کہ آج بعد ظہر کچھ میان فرمادیجئے۔ مولانا نے جو کما سنا بالکل ہو کر ادنیٰ طالب علم کو اپنے سے افضل سمجھتے تھے فرمایا مجھے تو وعظ کہنا ہی نہیں آتا۔ حضرت نے فرمایا یہ کون کہتا ہے کہ آپ کو وعظ کہنا آتا ہے اور آپ وعظ کہیں۔ درخواست یہ ہے کہ جس طرح مدرسہ میں بیٹھ کر حدیث کا ترجمہ فرماتے ہو یہاں مسجد میں بیٹھ کر کسی حدیث کا ترجمہ سنا دو۔ حضرت مولانا کی اس وقت عجیب حالت تھی کہ نہ اقرار کئے بن پڑتی تھی نہ انکار کئے۔ آخر جب دیکھا کہ مفر نہیں تو فرمایا اچھا مگر اس شرط پر کہ تم موجود نہ ہو۔ حضرت نے فرمایا بہت اچھا مجھ سے اتنی وحشت ہے تو میں بعد نماز چلا آؤں گا، میری وجہ سے یہ صدمہ لوگ کیوں محروم رہیں۔ حضرت مولانا مسکرا کر چپ ہو رہے اور حضرت نے لوگوں سے کہہ دیا کہ جائیے درخواست منظور ہے اور بعد ظہر مولانا کا بیان ہوگا۔

چنانچہ بعد ظہر حضرت مولانا کو منبر پر بیٹھے کا اصرار کیا گیا مگر آپ نے اٹھے اور جب دیکھ لیا کہ مولانا خلیل احمد صاحب سنیتس پڑھ کر روانہ ہوئے تو بیچ کے دریں بیٹھ کر بیان شروع فرمایا۔ میں بھی حاضر تھا کیا کہوں کہ اس سادہ ترجمہ ادبیت ہم کی مسلسل تقریر میں کیا شیرینی تھی جس کی حلاوت زبان قلب میں آج تک موجود ہے۔ حضرت نے جب دیکھا کہ وعظ شروع ہو گیا تو باہر باہر دوسرے راستہ آکر اندر دالان میں اس طرف بیٹھ گئے جدھر مولانا کی پشت تھی اور بیان ختم ہونے پر جلدی سے بلال بالا اسی رستہ اپنی قیام گاہ پر پہنچ گئے۔ دوسرے وقت جب اجتماع ہوا تو حضرت نے فرمایا تم نے تو ہتیر لجا ہا کہ سب وعظ سنیں مگر خلیل نے لیکن ہم نے سن ہی لیا۔ حضرت مولانا نے فرمایا کس طرح؟ فرمایا ہم بھی تمہارے پس پشت ایک گوشہ میں آ بیٹھے۔ مولانا نے فرمایا پشت پناہ بننے کے لئے تم آئے کدھر سے اور وعدہ کرنے کے بعد خلاف کیسے کیا؟ فرمایا میں نے تو یہی کہا تھا کہ نماز کے بعد چلا آؤں گا۔ یہ تو ہمیں کہا تھا کہ پھر مسجد ہی میں نہ جاؤں گا اور آخر اس کی کوئی وجہ بھی کہ عمر بھر میں ایک وعظ ہوا اور وہی ہمارے کانوں میں نہ پڑے۔ غرض دیر تک انبساط کے ساتھ مزاح ہوتا رہا اور حاضرین اس کا مزہ لیتے رہے۔

حضرت شیخ الہندؒ | حضرت شیخ الہندؒ کی مستقل سوانح حضرت مولانا سید امجد حسین صاحب مرتب اور شائع فرما چکے ہیں اور وہی اس خدمت جلیلہ کے اہل بھی تھے۔ مجھے بھی حضرت کی خدمت میں بارہا حاضری کا اتفاق ہوا اور اب نظریں ڈھونڈتی ہیں کہ اس بے نظیر ہستی کو جسے امام ربانی علم کا کھٹلا فرمایا کرتے تھے کہاں اور کس طرح دیکھوں۔ علم ظاہری کے لحاظ سے آپ کی شانِ محدثیت لے فرار کی یعنی بھاگنے یا بچنے کی جگہ۔ سچہ پیلے رنگ میں مٹی کا رسے سے چوبہلو ڈرام سا بنایا جاتا تھا اس کو گندم بھرنے کی کوٹھی کہتے تھے اور ذرا چھوٹا گول بنایا جاتا تو کھٹلا حضرت شیخ الہندؒ کا قدر مبارک ذرا چھوٹا تھا۔

دنیا پکھل گئی کہ کامل اڑتیس سال آپ نے علوم دینیہ کی اشاعت و تدریس میں صرف کئے اور کابل، قندھار، بلخ، بخارا، قاضان، چین، تبت، یمن اور مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ تک کے لوگ آپ کے شاگرد بنے بلکہ مالٹا میں ترکی و شامی بھی منتفع ہوئے کہ آپ سے مستفید ہو کر دوسروں کو فائدہ علیہ پہنچانے والوں کی تعداد اس وقت شمار سے بیرون ہے۔ مگر آپ کے علم باطنی کا پورا اور اک بڑی ہستیاں بھی نہ کر سکیں کہ اخلا و فائیت آپ میں حد سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی آپ ایک حال میں ہر وقت غرق رہتے تھے جس کا خلاصہ اللہ کا بول بالا ہونے کی تمنا و سعی میں مرٹا ہے۔ اور باوجودیکہ آپ قدوقامت میں مختصر اور جتن میں ضعیف و نحیف تھے مگر آپ کی ہمت اور باطنی قوت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ اٹل پہاڑ کو دھکیل دینا اپنی ہمت کے سامنے کچھ بھی دشوار نہ سمجھتے تھے۔

۳۳۲ھ میں آپ کا سفر حجاز آخر کا چھ سالہ مصر و مالٹا کی اسارت اور طرح طرح کی صعوبت و مشقت پر ختم ہوا جس وقت پیش آیا تو بندہ بھی حاضر تھا اور وقار و استقلال کا وہ حیرت بخش منظر دیکھ رہا تھا جواب دنیا میں دیکھنا نصیب نہ ہوگا چونکہ مرد و عورت یگانہ و بیگانہ ہر شخص کو خیال تھا کہ آپ ہجرت فرما کر ہندوستان چھوڑ رہے ہیں اس لئے جس کو ذرا سا بھی آپ کے ساتھ تعلق محبت تھا وہ اس رخصت کو آخری زیارت سمجھ کر رو رہا تھا۔ گھر آپ کے رشتہ داروں اور کنبہ کی عورتوں سے بھرا ہوا تھا مگر مردانہ ہی سے آپ کو ایک لمحہ کی فرصت نہ تھی کہ گھر میں جا کر صاحب فراش بی بی اور نازک دل لڑکیوں کو الوداع کہیں ریل پر سوار ہونے کا وقت قریب آگیا اور آپ کو اس مردانہ اندام سے ہلکتی نہ تلی جو کئی ہزار کی تعداد میں جمع اور اضطراب کے ساتھ آپ کی آخری وصیتوں کا خواہشمند تھا۔

آخر آپ کے چھوٹے بھائی مولانا محمد حسن صاحب آپ کا ہاتھ پکڑ کر یہ کہتے ہوئے آپ کو زبردستی گھر میں لائے کہ معصوم بچپن اور بیمار بوی کا بھی کوئی حق ہے جو صبح سے منہ دیکھنے کو تڑپ رہی ہیں۔ چنانچہ آپ نے اندر قدم رکھا تو صاحبزادیوں اور کنبہ کی محرم عورتوں نے آپ کو گھیر لیا۔ بندہ اس وقت دروازہ پر کھڑا تھا اور عزیزوں کی اس وقت جو حالت تھی کہ گویا جازہ گھر سے نکل رہا ہے اس پر میرا دل کھینچا جاتا تھا مگر اللہ سے استقلال حضرت کو یہ سکوت بنے ہوئے سب کی آہ و زاری سنتے رہے اور آخر بی بی اور بچیوں سے جو روتے روتے بیہوش ہوا چاہتی تھیں یہ کہہ کر کہ آخر شور و غل سے نتیجہ کیا؟ اب سوائے اس کے کہ میری کھال میں بھس بھر کر سمجھ جاؤ کہ اب زندہ بیٹھتا ہے اور مجھ میں کیا رہ گیا ہے۔ آخر کیا ہمیشہ یہیں بیٹھا رہوں گا اور مروں گا نہیں؟ پس صبر کرو اور اس ذات پر نظر رکھو جو تمام عالم کا حافظ و مربی ہے۔ اپنا دامن چھڑا کر آپ چل دیئے اور السلام علیکم کہہ کر مردانہ میں آگئے۔

زندگی میں موت کا منظر دیکھتے ہوئے آخری سفر کا یہ استقلال میرے لئے تو اتنا حیرت بخش ہوا کہ دیر تک بہوت بنا کھڑا رہا مگر آپ کے نزدیک ایک چلتی ہوئی معمولی سی بات تھی کہ باہر آتے ہی آپ نے میٹھک کا جس میں عمر گذری تھی قفل لگایا اور کچی بھائی کو دیکر رومال کمرے لیٹا اور ایسی تیز سپاہیانہ چال سے پیدل اسٹیشن کو روانہ ہوئے کہ قوی و تندرست چلنے والے تھکے جاتے تھے۔ مصافحہ کی تمنائیں حاضرین نے اسٹیشن تک درویش پر ابا نہ دیا تھا اس لئے آپ نے سواری پسند نہ کی اور جس وقت آپ پیدل پہنچے تو اتنی لا تعداد مخلوق جمع تھی جس کی گنتی نہیں ہو سکتی اس کے بعد جو کچھ طائف اور مصر و مالٹا میں گزرا وہ زبان حال یوں کہتا ہے کہ سہ قیس و فرہاد کا قصہ تو سنا ہنس ہنس کر اب جگر خنجام کے بیٹھو مری باری آئی مگر جب آپ واپس آئے تو اس مسکراہٹ و ثبات قدم کے ساتھ واپس آئے کہ ہر ادنیٰ سے ادنیٰ کو چھاتی سے لگاتے اور خوش ہو کر باتیں کرتے تھے۔ آپ حقائق کے مشاہدہ میں ہر وقت غرق رہتے اور مخلوق سے غایت درجہ انسا طبرتے مگر جب خالی بیٹھتے تو معلوم ہوتا کہ کسی فکر میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم کی برکات | ایک مرتبہ بندہ حاضر تھا آپ نے سراٹھایا اور فرمایا مولوی عاشق الہی ایک بات کہوں۔ ہم نے اپنے

سنائے کہ ہندوستان میں علم کی اتنی کمی تھی کہ دور کیوں جاؤ خود ہمارے اصلاہ میں بھی جنازہ کی نماز پڑھانے والا مشکل سے ملتا تھا اور آج علم کی کثرت کا یہ حال ہے کہ شہر تو شہر کوئی قصبہ بلکہ شاید کوئی کوئی گاؤں بھی ایسا نہ ہو جہاں کوئی مولوی نہ مل جائے۔

زینۃ عذر میں مسلمانوں کی ایمان کی پختگی | اس کے بعد ذیل دوسرا پہلو دیکھو کہ غدر کا زمانہ گذرے کچھ مدت نہیں ہوئی کہ ابھی اس کے دیکھنے والے بھی زندہ ہیں اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ پھانسی گڑی ہوئی تھی اور ان ناکردہ مظلوموں کا پرانہ دھاوا ہوا تھا جن کو پھانسی کا حکم دیا جا چکا تھا، وہ لوگ آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ ایک نقش کو اتارا جا رہا ہے اور دوسرے زندہ کو چڑھایا جا رہا ہے، اس طرح پر موت ان کی نظر کے سامنے تھی اور ان کو عین یقین تھا کہ چند منٹ بعد میرا شمار مردوں میں ہو جا رہا ہے۔ بااں ہمہ کوئی جھوٹوں بھی ان کے متعلق ضعف ایمان کا یہ الزام نہیں لگا سکتا کہ کسی بچہ نے بھی موت سے ڈر کر اسلام سے انحراف یا تبدیل مذہب کا خیال کیا ہو۔ باوجود قلت علم اور غلبہ جہالت کے ان کا ایمان اتنا پختہ تھا کہ مرنا قبول تھا مگر مذہب پر حرف آنا قبول نہ تھا اور آج

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی جس کا نام انگریزوں نے غدر رکھ دیا تھا اور مختصر اور حکومت کی وجہ سے وہی شائع ہو گیا حالانکہ پاکستان کا جیج اس وقت بویا گیا تھا جو نوے سال بعد پھل لے آیا۔ ۱۸۵۷ء یعنی عام آدمیوں میں۔

با این کثرت علم ضعف ایمان کا یہ حال ہے کہ ذرا ڈنڈے کے خوف یا دو پیسہ بلکہ دو حرف انگریزی کے عطیہ کی طمع دلا کر جو چاہے کھلا لو اور جو چاہے کرا لو۔

علامات قیامت کا ظہور عجیب بات ہے کہ قلتِ علم کے وقت ایمان میں اتنی قوت اور کثرتِ علم کے زمانہ میں ایمان کی اتنی کمزوری۔ اس کے بعد فرمایا سچ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک جگہ علامتِ قیامت بیان کیا علم کا کم ہونا اور دوسری جگہ فرمایا کہ قیامت کے قریب علم زیادہ ہو جائے گا۔ اہل باطن نے بغیر دیکھے نورِ فرامت سے تطبیق دی تھی مگر ہم بد نصیبوں نے اس وقت کو آنکھوں سے دیکھ لیا کہ صورتِ علم کثیر ہو گئی مگر حقیقتِ علم قلیل ہو گئی اور یہی خاص علامت ہے قریبِ قیامت کی۔

حلتِ حرمت کا اہتمام قلوب سے جاتا رہا ایک مرتبہ ایسے ہی فکر سے افاقہ پا کر فرمانے لگے مولوی عاشق الہی میں غور کیا کرتا ہوں ابھی چند سال ہوئے چندوں میں اتنی قلت تھی کہ دو دو چار چار پیسے بھی قدر

کے ساتھ لے جاتے تھے اور دریں طلبہ کو چھپرے کے سایہ میں بیٹھا بھی نعمت معلوم ہوتا تھا، بائینہ علماء ایسے تیار ہوتے تھے کہ باید و شاید آج انہی روکھی سوکھی کھا کر پڑھنے والوں کی بددلت دین کا مانتاب چمک رہا ہے اور اب چندوں کا یہ حال ہے کہ ریاستوں سے ہزار ہا روپیہ مقرر ہے اور امرا و متمول تاجروں سے کثیر کثیر رقمیں آتی ہیں، مگر نہ علم میں وہ برکت ہے نہ حال اور عمل میں وہ اخلاص۔ مدارس کو دیکھو تو تعمیرات زندہ ہیں ترقی اور عالی شان عمارتوں کی بھرمار۔ طلبہ کو دیکھو تو ہر طرح امر ایسے باورچی خانے اور اس پر بھی ان کو شکایت اور اعتراض، آہ زمانہ ہی پلٹ گیا۔ ظاہر داری ہر جگہ بڑھ گئی اور بطن اندر دن ہر چیز کا جانا رہا۔ آخر اس کی وجہ کیلے کہ پہلے جو بیجہ پیسوں میں نکلا وہ آج ہزاروں روپیہ میں بھی نہیں نکلتا۔ ذرا سکوت فرما کر خود ارشاد فرمایا کہ میرے خیال میں اس کی وجہ یہ آتی ہے کہ اس زمانے میں حلت

حرمت کا اہتمام مسلمانوں کے قلوب سے جاتا رہا اور جب مال نے چرلیا کہ روپیہ کمانے کی فکر میں حدودِ شرعیہ کا تذکرہ بھی لوگوں کو ناگوار گزرنے لگا ہے اس لئے پہلے جو کچھ مدرسوں میں آتا تھا اگرچہ مقدار میں قلیل ہوتا تھا مگر حلالِ خالص اور محنت و ریاضت کا کمایا ہوا بابرکت آتا تھا۔ لہذا اس کے ثمرات بھی شہریں اور بابرکت ہوتے تھے، اور آج گو مقدار میں کثیر آتا ہے مگر اس میں اکثر حصہ وہ ہوتا ہے جس میں شریعت کے جواز و عدم جواز کا لحاظ نہیں رکھا گیا لہذا وہ یہاں آکر بھی یا مٹی میں ملائے جانے کے قابل ہوتے

لے خطاب جیسے ڈاکٹر وغیرہ۔

و فضول تعمیرات میں خرچ ہو جائے یا زوائد امور میں صرف ہو جائے، چھٹ چھٹا کر جو حلال و حلال ہے
 یہ تعلیم میں صرف ہوتا ہے مگر وہ اقل قلیل ہے لہذا علم مورت عمل کا ثمرہ بھی اقل قلیل۔ صدق اللہ العلیٰ اعظم
 الخبیثات للخبیثین والخبیثون للخبیثات والطیبات للطیبین والطیبون للطیبات۔

حضرت پیران پیر فرماتے ہیں: اے لوگو میں تمہارے مصارف دیکھ کر بد اخل کا پتہ چلا لیتا ہوں کہ
 تمہارا پیسہ حرام جگہ صرف ہوا دیکھتا ہوں تو سمجھ لیتا ہوں کہ ضرور حرام طریق سے حاصل ہوا تھا لہذا
 مال حرام بود بجائے حرام رفت۔ اور مباح جگہ صرف ہوتا دیکھتا ہوں تو سمجھ لیتا ہوں کہ جائز صورت سے
 کمایا گیا تھا۔ اور اگر خاص اہل اللہ پر یا عین خوشنودی خدا کے مواقع پر خرچ ہوتا دیکھتا ہوں تو سمجھ لیتا
 ہوں کہ صرف اباحت ہی نہیں بلکہ طاعت و رضا حق کے ساتھ حاصل کیا ہوا تھا بس جیسا بچ دیا
 دخت اور صیاخ دم دیا اس کا پھل۔

عوام شکایت تو کرتے ہیں کہ اب علماء ایسے کیوں نہیں جیسے پہلے تھے مگر اس پر غور نہیں کرتے کہ ان کا
 کیا ہوا پیسہ جو مدرسوں میں آتا ہے ویسا خالص اور پاک نہیں ہے جیسا ان کے بزرگوں اور اسلاف کا تھا
 وہ اپنا کسب مال اللہ کی مرضی کے موافق کریں اور اس کو طلبہ کی خورد و نوش بنا دیں تو پھر علماء پہلے سے دیندار
 محتاد اور مخلص اللہ والے خاشع و خاضع تیار ہونے کا دستور ہیں۔

الحاصل خفائی علیہ السلام کا مرتبہ کثوف کو نیہ سے بدرجہا ارفع و اعلیٰ ہے ہر وقت آپ کے قلب پر
 وارد ہونے والا موقع اور موقع پر آپ اس کا اظہار بھی فرماتے رہتے تھے۔ قدرت نے آپ کو اس صدی میں ایک خاص
 خدمت علم و عمل کے لئے پیدا کیا تھا اس لئے اس وقت سے جبکہ آپ بچوں کے ساتھ کھیلا کرتے تھے آپ کو
 شجاعت اور اپنے آپ پر جاں نثاری کا مادہ آپ کے قلب میں موجود تھا۔ آپ کو بچوں سے شکار کا شوق تھا
 مگر اس لئے کہ طرح طرح کے گوشت کا مضرہ چکھیں بلکہ اس لئے کہ قوی سلمان کو ضعیف سلمان پر فوقیت ہو
 اور اسلام چاہتا ہے کہ جس صورت سے مسجد کے مٹا بنو کہ نماز کی صف میں دلق پوش میکین بنے کھڑے ہو اسی طرح
 سیرت و ہمت سے شہ سوار سپہ سالار بنو کہ امارت و قیادت کی لو اہانتہ میں دیدی جائے تو اس کی حرکت

سے درس کے لئے راحت کا مکان یا طلبہ کے قیام کی جگہ جس کا نام دارالطلبہ ہے علاوہ اس کے جہانان رسول کا احترام و اکرام اور راحت
 رسانی ہے علیٰ نگرانی پر قدرت اور تحقیر سے تحفظ کا سبب ہونے کے سبب اہل ضرورت میں داخل ہے۔

تھے کم سے بھی بہت کم۔ سہ عمل پیدا کرنے والے علم کا پھل ہی کم سے کم ہے۔ سہ بچ فرمایا اللہ علو و عظمت والے نے۔ سہ بری چیزیں
 یہ آدمیوں کے لئے ہیں اور برے آدمی بری چیزوں کے لئے درجہ چیزیں اچھے آدمیوں کے لئے ہیں اور اچھے آدمی اچھی چیزوں کے لئے۔
 تے خرچ۔ سہ آدمیاں۔ سہ حرام مال تھا حرام جہاں۔ سہ عاجزی و انکساری والے۔ سہ علمی حقیقتیں جن کا مرتبہ غیر اختیار
 باتوں کے کشف ہو جانے سے کئی درجہ بلند و بالا ہے۔ سہ یہ حدیث کا معصون ہے اور قوی جہاد کر سکتا ہے مگر در نہیں کر سکتا

دشمنوں کے دل ہلا دے۔ بغاوت تو بڑی چیز ہے اپنی سرکار کے خلاف کا کبھی وسوسہ بھی آپ کو نہیں گذرا مگر آپ کی اس جامعیت کے سبب بدظنوں کو طرح طرح کے خیالات قائم کرنے کا موقع ملا اور ہوا جو کچھ ہوا کہ آپ کے مراتب میں ترقیات ہوئیں اور دینی جاہ کے ساتھ آپ کا اخلاص آخر کو اس دنیوی جاہ و اقتدار کا بھی سبب ہوا جس نے آپ کے مخالفوں سے بھی آپ کی مدح کرا دی۔

شیخ الہند کا وصال اور مادہ تاریخ

۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ سہ شنبہ ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء کو آپ دنیا سے رخصت ہوئے مگر اس طرح کہ دنیا کے جم غفیر کو اپنا والد و شہید بنا کر اور علمی و عملی ایسی یادگار چھوڑ گئے جو عرصہ دراز تک قائم رہے گی۔ وفات کا مادہ تاریخ یہ ہے ع

عالم کی موت جان لو عالم کی موت ہے

وصال سے قبل کا حال

وصال سے دو دن قبل بندہ حاضر ہوا تو ضعف کی وجہ سے آپ کو کروٹ بدلتا دشوار تھا اور اکثر غشی طاری رہتی تھی مگر جب خادم نماز کا وقت ہو جانے کی اطلاع دیتا تو آپ ایسے مستعد ہو جاتے تھے گویا تندرست ہیں۔ میری موجودگی میں عصر کا وقت آیا اور خادم نے آپ کے کان کے قریب منہ لاکر کہا کہ نماز کا وقت ہو گیا تو آپ نے فوراً آنکھیں کھول دیں اور اشارہ کیا کہ نیچے اتار دو۔ چنانچہ دو آدمیوں نے آپ کو اٹھا کر بٹھایا اور تیمم کرایا اس کے بعد پلنگ سے نیچے مصلے پر آپ کو کھڑا کیا اور آپ نے اشارہ سے فرمایا کہ اب چھوڑ دو سہارے کی ضرورت نہیں۔ میں مجسم حیرت بنا ہوا دیکھ رہا تھا کہ ضعیف جتنے جس سے پہلو بدلتا دشوار تھا کس ہمت کے ساتھ ظاہری سہارے کے بغیر باجست کھڑا ہے گویا مضبوط سپاہی ہے جس کو پہرہ پر تعینات کیا گیا ہے چونکہ آپ دہلی میں بغرض علاج ٹھہرے ہوئے تھے اس لئے قصر نماز پڑھی اور دوسری رکعت پر جب سلام پھیرا تو بے اختیار گاوٹکیہ پر سر رکھ دیا اور دیر تک بات یا اشارہ بھی نہ فرمایا بس وقتی طاقت تھی جو صرف نماز کے دو فرض ادا کرنے کے لئے بجلی کی طرح بدن میں جاری ہوتی اور سلام پھیرنے ہی نکل جاتی تھی کہ پھر وہی ضعف دبا لیتا اور آپ کو فرش پر گرادیتا تھا۔

سہ زمانہ کی نزاکت کا محاذ کرتے ہوئے سرکار سے اللہ تعالیٰ کو مر لایا ہے جیسے حدیث میں ہے السیدنا اللہ کہ اللہ تعالیٰ ہی ہمارے سرور اور سرکار ہیں۔ سہ فریقہ۔ سہ گوار پائی کے اوپر نماز درست ہے مگر وہاں کھڑا ہونا مشکل تھا اور خود قدرت اترنے کی نہ ہونے کی وجہ سے نہ اترنا اور بیٹھ کر ہی پڑھ لینا جائز تھا مگر اماموں نے دوسروں کے ذریعے ہونے کو بھی قدرت فرمایا ہے اس لئے اس کو اختیار فرمایا کہ جو حکم اللہ تعالیٰ اپنی رخصت پر عمل کرنے کو بھی ایسا ہی پسند فرماتے ہیں۔ جب عزیمت (اولیٰ حکم) پر عمل کو اور گو بظاہر کھڑے ہونے کی طاقت نہیں معلوم ہوتی تھی اس لئے بیٹھ کر پڑھنا بھی پسندیدہ تھا مگر اپنی ہمت کو انسان خود دیکھ سکتا ہے باطنی قوت سے ہمت محسوس فرمائی تو قیام ترک نہیں کیا۔

تو دروگم شد وصال این است و بس گم شدن گم کن کمال این است و بس

خشک تار و خشک چوب و خشک پوست از کجای آید این آواز دو ست

شیخ الہند کی حضرت رخصتی ملاقات حضرت رحمت اللہ علیہ شریف حین کی شورش میں جب واپسی

ہندوستان کے قصد سے چلے تو حضرت شیخ الہند طائف میں تھے اور جب آپ مکہ معظمہ آئے تو معلوم ہوا کہ مولانا خلیل احمد صاحب چلے گئے مگر بانتظار جہاز جدہ میں ٹھہرے ہوئے ہیں تو آپ اونٹ پر سوار ہو کر جدہ آئے اور محض رخصتی ملاقات کے لئے سگستان عرب کا وہ راستہ قطع کیا جس کو حجاج مجاہدہ سمجھتے ہیں۔ آخر جذبے قیام فرما کر آپ ادھر روانہ ہوئے کہ اسیر الٹا بن کر بہت کچھ حاصل کرنا مقدر تھا اور حضرت ادھر آئے کہ شرب کی مٹی میں شامل ہونے سے قبل چند علمی و عملی صدقات جاریات کی تکمیل کرنا باقی رہ گئی تھی اور آخر چھ سال کے اندر عالم برزخ میں پھر دونوں حضرات ایک لڑکے کے بیچ محسوس ہونے کے لئے جمع ہو گئے کہ رنگ جبراً تھا مگر مقصود واحد

بہر رنگ کے خواہی جامہ می پوش من انداز قدرت رامی شناسم

کتب درسیہ جو دارالعلوم میں پڑھائیں دارالعلوم دیوبند کے مدرس دوم ہونے کی حیثیت سے مسلم شریف کا سبق حضرت کے پاس خاص التزام سے رہا اور

آپ اس کا اتنا اہتمام فرماتے تھے کہ دوپہر کو وقت معمول سے پہلے آپ خانقاہ بے مدرس میں تشریف لاتے اور نو درہ میں طلبہ کے ساتھ نماز باجماعت پڑھ کر سبق شروع فرمادیتے، بارش کے موسم میں پانی بچے چڑھا کر خانقاہ سے چلتے اور کبھی ایسا نہ ہوتا کہ معمولی غلہ پر بندہ تشریف نہ لادیں۔ توضیح تلویح اور ہدایہ اخیرین کے اسباق بھی آپ کے پاس رہتے اور ادب کی کتابیں بھی آپ ہی کے سپرد ہو کرتی تھیں۔

اس دور کے چند نامور تلامذہ اچھے سالہ مدت قیام میں جس قدر طلبہ نے دارالعلوم میں دورہ حدیث

پڑھا وہ سب آپ کے شاگرد ہیں جن میں مشہور یہ ہیں۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری، مولوی ولایت حسین صاحب دیوبند ضلع گیا، مولانا صدیق احمد صاحب ہاجرہ دینی برادر مولانا حسین احمد صاحب، مولانا محمد یسین صاحب شیرکوٹی، مولوی گل محمد خاں صاحب مدرس حال دیوبند اور مولوی انظار حسین صاحب سہنپوری۔

لے تم تو اس میں گم ہو جاؤ مسل ہی ہے اور گم ہونے کے خیال کو بھی گم کر دو تو ان کمال یہ ہے۔ شہ سوکھانا اور سوکھی بکری اور سوکھی کھال تو پھر دوست کی آواز کہاں سے آ رہی ہے۔ شہ حضرت سہانپوری صاحب سوانج۔ شہ ایک جھنڈے کے نیچے اکٹھے ہونے کے لئے۔ شہ اشک کے دین کی پابندی و حفاظت۔ شہ تم جس رنگ کا کپڑا چاہے پہن لو میں تو تہارے قدر کے انداز کو پہچان ہی لیتا ہوں۔ شہ ابوحدیث کے سرخیل۔

دارالعلوم دیوبند میں شورشِ وہ زبانی حاجی عابد حسین صاحب دیوبندی کے اہتمام کا تھا اور ممبران کے اضافہ کی آڑ میں کچھ ایسا فتنہ برپا ہوا جس نے اہل مدرسہ کو پریشان

کر دیا کہ کچھ اہل شہر بھی مخالفین میں شریک ہو گئے اور اتنا زور دیا گیا کہ یا ہماری خواہش کے موافق ہو ورنہ مدرسہ استبداد کی بدولت بند ہو جائے گا۔ شریعت و باشوں کی دھمکیاں جدا تھیں اور حکام رسی کے ناز پر سب کو مغلوب کرنے کا دعویٰ جدا تھا کہ ہمدردان مدرسہ کو بھی اندیشہ تھا مدرسہ آندھی کے جھونکوں سے منترزل ہو جائے گا۔ مثل مشہور ہے "ملا کی دوڑ مسجد" ان روحانی بھائیوں نے بھی آخر اپنی پریشانی و بیگنی کا اظہار بذریعہ تحریر اپنے باپ سے کیا کہ مدرسہ کے سرپرست بھی تھے تو یہ تسلی بخش جواب آیا جو استقامت کا مجسمہ اور شفقت کی تصویر ہے۔ اس خط کا فوٹو لیکر اعلیٰ کاغذ پر طبع بھی کر دیا گیا ہے کہ جن کو حضرت گنگوہی کی تحریر بخشنہ دیکھنے کا شوق ہو وہ زیارت کر سکیں اور یادگار بنا کر پاس رکھ سکیں کہ اب نہ وہ تحریر باقی ہے نہ تحریر کرنے والا قیمت ۲۰۰ ہے۔

مکتوب حضرت گنگوہیؒ از بندہ رشید احمد غنی عنہ۔ برادران مکران بندہ مولوی محمود حسن صاحب و مولوی خلیل احمد صاحب مد فیوضہما۔ بعد سلام منون مطالعہ فرمائند۔ ہر دو حضرات کے نام

آپ دونوں کے چند خطوط پہنچے جس سے وہاں کا حال معلوم ہوتا رہا۔ آج مولوی خلیل احمد صاحب کا خط آیا جس سے پریشانی مدین کی دریافت ہوئی یہ تحریر ضروری ہوئی۔ میرے پیارے دوستو! تم کو کیوں اضطراب و پریشانی ہے تم تو مومن بیتوکل علی اللہ فہو حسبہ پر قانع رہو اور مدرسہ سے آپ کو فقط اتنا تعلق ہے کہ درس دیئے جاؤ، اگر مدرسہ بند حق تعالیٰ کرا دے گا تم اپنے گھر بیٹھ رہنا اگر مفتوح بہا درس میں مشغول رہنا۔ جو تم سے درس اہل شہر کو منظور نہ ہو گا تو دوسرا باب مفتوح ہو جائیگا تم کس واسطے پریشان ہوتے ہو، خبر بھی منت رکھو کہ کیا ہو رہا ہے اپنا کام کئے جاؤ، تمہارے برابر تو کسی کے دست دیا نہیں چلتے، تم کیوں بے دست دیا اپنے آپ کو لکھتے ہو، جس کام کے تم ہو اس میں تکرار نہیں۔ اب فقط نزع یہ ہے کہ اہل شوریٰ کی زیادت ہو تمہارا کیا حرج ہے، تم اپنا کام کرو۔ حاجی صاحب مصلحت کا کام کرتے ہیں وہ اپنی تدبیر میں رہیں خواہ کچھ ہو ہماری تمہاری مرضی کہ جزا آئے ہو یا مخالفت۔ اور اہل شوریٰ خود سب اختیار حاجی صاحب کو دے کر مطمئن ہو گئے تو تم پر کیا بار ہے۔ پس تم جیسے لوگوں سے تردد کا ہونا بے موقع ہے، تم کسی امر میں لب کشامت ہو، کوئی پوچھے تو جواب دو کہ درس کے باب میں ہم سے پوچھو جو ہمارا کام ہے۔ انتظام وغیرہ کو نہ ہم جانیں نہ ہم دخل دیں، اور اندیشہ بد معاشاں بھی کیوں کرو۔ اس شعر

سہ روحانی باپ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی۔ سہ امواجہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہوں اللہ تعالیٰ اس کو کافی ہیں۔ سہ کھلا ہوا۔

حضرت شیخ المشائخ قدس سرہ کو مد نظر رکھو۔

قصہ ظالم بسوئے کشتن ما دل مظلوم ما بسوئے خدا
اودریں فکر تا بما چہ کند مادرین فکر تا خدا چہ کند

اے عزیزان! روز ازل مقدر ہو چکا ہے ذرہ ذرہ جو واقع ہو گا مدرسہ کے امور میں بھی بس وہی ہو گا اور ہو کر رہے گا خواہ کوئی دفع کرے یا واقع کرے۔ پھر تم کیوں سرگشتہ ہوتے ہو، ہرچہ از محبوب مدرسہ میں بود ہم کون ہیں؟ بے اختیار محض ہیں، اگرچہ بظاہر مختار ہیں۔ ہم پر جو گزیرے گا وہ عین لطف ہو گا اور جو عالم میں صادر ہو گا وہ عین مصلحت ہو گا۔ خواہ خرابی مدرسہ ہو یا بقا خواہ عزت و نصب ہمارا تمنا یا ہو خواہ ذلت و عزل۔ تم بسبب ذائقہ بازیگر کے سانگ سمجھ کر اپنی درس کے شغل میں بسر کرو، این و آن کو نید و عمر چھوڑو۔ ہر کشمکش خیال خویش خطبہ دارد۔ نہ کوئی مفید کچھ کر سکے نہ کوئی مصلح کر سکتا ہے سب ذائل مختار کرتا ہے و ما تشاؤن الا ان یشاء اللہ۔

من از بیگانگان ہرگز نہ نالم کہ بامن انچہ کرد آں آشنا کرد
و ہوا رحمت الرحمن بس تمام ہوا قصہ۔

وہاں کی خبر کا مشاق ہوں بشریوں اپنے دوستوں کا دعا کو خیر طلب ہوں۔ تم کو کوئی گزند نہیں ملے گا نہ مدرسہ کہیں جاوے۔ ہر شخص کو اپنے اپنے خیال پر نازاں جان کر کالائے بدیش خاوند کر دادم بخود ہو کر می نوش و می نوش و چیزے مخروش۔ فقط۔ سب عزیزوں کو بعد سلام منون یہی مضمون جان بخش بعد سلام منون فرمادیوں جو دوستان اہل تدبیر ہیں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں بعد سلام منون مضمون شکر و رضوان سے کہدیوں، اور جس کو چاہو سلام کہدینا یہ وقت وریہ مخروش اہل فساد عین مصلحت ہے اس کا جقدر غلغلہ ہو گا اسی قدر مفید ہو گا، انجام خیر ہی خیر و اصب و دائم رہے گا۔

ارشید احمد

لے ظالم کا ارادہ تو ہمارے مار ڈالنے کی طرف ہے اور ہمارا مظلوم دل خدا کی طرف ہے۔
سے وہ تو اس فکر میں ہے کہ آخر ہمارے ساتھ کیا کرے اور ہم اس فکر میں ہیں کہ آخر خدا تعالیٰ کیا کرتے ہیں۔
سے محبوب کی طرف ہے جو کچھ بھی پہنچے وہ شیری ہی ہے۔ سکہ ہر شخص اپنے اپنے خیال کے موافق بھٹکتا رکھتا ہے۔
سے اور تم تو کچھ چاہ بھی نہیں سکتے بغیر اس کے خود اللہ تعالیٰ ہی چاہیں۔ سکہ میں غیروں کی وجہ سے گریہ و زاری
میں کرتا ہوں کیونکہ میرے ساتھ تو جو کچھ کیا ہے اپنوں ہی نے کیا ہے۔ سکہ اور وہ تو سب رحم کرنے والوں کی زیادہ
رحم کرنے والے ہیں۔ سکہ بڑا سامان شوہر کی ڈاڑھی پر ایک محاورہ ہے۔ سکہ پی لو اور سن لو اور بالکل نہ بولو۔
سے پائیدار۔

مہتممین دارالعلوم

مدرسہ آخراشدہ کا کام تھا اور اشتر کی چیز تھی اس لئے آندھیاں خوب خوب چلیں مگر ادھر ہی اوپر زور دکھا کر فنا ہو گئیں۔ اور بگولے شور و غل مچاتے رہے مگر اپنے ہی چکر میں گھوم کر تمام ہو گئے کہ مدرسہ کا بال بھی بیکانہ ہوا بلکہ شعبان ۱۳۳۷ھ میں اہتمام منشی فضل حق صاحب کے نام تبدیل ہو کر شورش کا برہا برس کے لئے خانہ ہو گیا۔ اور آخر ۱۳۳۷ھ میں منشی صاحب مستعفی ہوئے تو مولانا محمد منیر صاحب مہتمم مقرر ہوئے۔

اور آخر کار ۱۳۳۷ھ میں زبام مدرسہ بانی مدرسہ کے جگر گوشہ حضرت مولانا حافظ محمد احمد حافظ محمد احمد صاحب کے ہاتھ میں آئی جو اس وقت مدرسہ کے مدرس سوم تھے اور اس کی تحریک حضرت نے فرمائی تھی

حافظ محمد احمد کی مہتممی کے محرکِ اول
میاں صاحب مولانا ناید اصغر حسین دیوبندی تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں بزبانہ اخیر حضرت نے مہتمم صاحب مرحوم کے متعلق اپنے اخلاص و محبت کے ذکر میں نہایت وثوق کے ساتھ فرمایا کہ حافظ احمد صاحب کے اہتمام کے متعلق حضرت مولانا گنگوہی کی خدمت میں سب سے اول میں نے تحریک کی تھی۔ اس وقت تک کئی خیال بھی نہ تھا اور فرمایا کہ تحریک ہی کر کے نہیں چھوڑ دی بلکہ حسب موقع یاد دہانی اور تائید بھی کرنا رہا۔

احقر نے عرض کیا کہ یہ حضرت کی بصیرت صادقہ تھی کہ اتنا عمدہ انتخاب فرمایا جس سے دارالعلوم اتنی ترقی ہوئی، نیز فرمایا کہ بعض لوگوں کی نسبت مجھے معلوم ہوا تھا کہ حضرت گنگوہی کی خدمت میں میری نسبت کچھ پہنچا کر حضرت کے اعتماد و تعلق کو کم کرنا چاہتے ہیں لیکن واقعی امر یہ ہے کہ یہ سب ایسی ہی معمولی سامعی باتیں تھیں یقین کے ساتھ کبھی نہیں معلوم ہوا کہ میری نسبت کسی نے ایسا ارادہ یا معاملہ کیا ہو اور اب الحمد للہ میرے دل میں کسی کی طرف سے کوئی خلش اور شکایت نہیں۔ اس کے بعد اپنے یہ آیت پڑھ جو میرے دل میں آئی اور میں پڑھنا چاہتا تھا و نزاعاً فی صدقہ من غل (یعنی اہل اللہ کے قلوب سے بخش باہمی نکل جانے کا مصداق اور وقوع بعض دفعہ دنیا ہی میں ہو جاتا ہے)۔

عہ منشی فضل حق مولانا سراج الحق دیوبندی مقیم مہوپال کے حقیقی بھائی تھے۔ مسئلہ کہ منشی صاحب پر مخالفین نے خیانت کا الزام لگایا تھا جس سے وہ اس قدر کبیرہ خاطر اور بلول ہوئے کہ انھوں نے نہ صرف استعفا دیا بلکہ دیوبندی چھوڑ دیا کبھی کبھی بیوی بچوں کے پاس خط آجاتا تھا مگر خود کبھی نہیں آتے۔ مولانا سراج الحق صاحب مرحوم مدرس مقابر علوم ان کے چھوٹے فرزند تھے۔ اور مشہور صحافی ابو سعید نریمانی مدیر مدینہ بخنور و احسان لاہور منشی صاحب کے حقیقی پوتے اور مولانا سراج الحق کے نواسے تھے ایک صحافی وفد کے ساتھ امریکہ گئے وہاں اچانک انتقال ہو گیا نعش بذریعہ ہوائی جہاز لاہور لاگو دفن کی گئی۔ (اخلاق غفرلہ) لے اور نکال دیا ہم نے جو ان کے سینوں میں تھا کینہ۔

حضرت صورت اور سیرت میں اپنے ملاموں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے بہت مشابہ تھے
 سی تحریک اہتمام کے زمانہ میں کسی نے حضرت سے کہا کہ آپ سعی تو کر رہے ہیں مگر حافظ احمد صاحب کے
 ہتھم ہو جانے کے بعد آپ مدرسہ میں نہیں رہ سکتے کہ وہ آپ کو اس نگاہ سے نہیں دیکھتے جس نگاہ سے ان کے
 اپنے آپ کے ملاموں کو دیکھا۔ مگر آپ سرکرا دیئے اور فرمایا کہ میں رہوں یا نہ رہوں مدرسہ ترقی و عروج
 کے زینہ پر چڑھنا رہے کہ میرے لئے دوسرا دروازہ مفتوح ہو جائے گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ اپنی تنخواہ کی خاطر
 مدرسہ کی ترقی کا خیال چھوڑ دوں۔ اس کے بعد کسی کو کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی اور آخر آپ نے اپنے کو
 سیاب دیکھ لیا کہ مدرسہ کا اہتمام حافظ صاحب کے ہاتھ سے نہ نکلا۔

یہاں تک کہ ۳ جمادی الاول ۱۳۳۵ھ میں خود حافظ صاحب نے دنیا کو چھوڑ دیا
 حافظ محمد احمد کا انتقال اور حیدر آباد سے واپسی ہیں کہ مدرسہ ہی کی ضرورت کے لئے سفر کیا تھا اسٹیشن
 تمام آبلو پر انتقال فرما کر حیدر آباد کے مقبرہ خطہ صاحبین میں دفن ہوئے۔

مولانا محمد مظہر نانوتوی کا انتقال ۱۳۰۲ھ قدرت کو منظور تھا کہ دونوں نجیف البختہ قوی القلب
 حضرات کے فیضان ظاہری و باطنی کا جہاد شروع ہوا اور
 ایک اپنے اپنے اساذ کے لگائے ہوئے بلوغ کا مستقل باغبان بنے اس لئے آپ کو دیوبند چھوڑنا پڑا۔
 جس کی صورت یہ ہوئی کہ آپ کے اساذ حضرت مولانا محمد مظہر صاحب کہ مدرسہ کی روح ورواں تھے اور
 آپ ہی کے نام پر مدرسہ کا نام مظاہر علوم رکھا گیا۔ ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ کی شب میں بمرض درد گردہ
 وصال فرما گئے تو آپ کی جگہ بٹھانے کے لئے مدرسہ اول کی تلاش ہوئی۔ ۳۰ سالہ میں مولوی عبدالحی
 صاحب کو کہ مدرسہ دوم تھے قائم مقام مدرسہ اول بنا دیا گیا مگر ۱۳۰۵ھ میں مولانا رخصت لیکر مراد آباد گئے
 وروہاں سے استعفا بھیج دیا تو مولوی احمد علی صاحب میرٹھی جو کہ مدرسہ دوم تھے اور مولانا احمد علی صاحب
 محدث سہارنپوری کے صاحبزادہ مولانا حبیب الرحمن صاحب جن کا جدید تقریر ہوا تھا ایک درجہ میں رہے
 کہ مدرسہ اول کسی کے نام پر نہ لکھا جاتا اور کیفیت میں اندراج نام کے لئے تقدیم و تاخر کی بھی رعایت ہوتی
 تھی ۱۳۰۵ھ میں مولوی احمد علی صاحب کو مدرسہ سے علیحدہ کر دیا گیا اور اب مولانا حبیب الرحمن کے نام پر
 مدرسہ اول لکھا جانے لگا۔

ربیع الاول ۱۳۰۵ھ میں مولوی حبیب الرحمن صاحب ایک ماہ کی رخصت
 لیکر حیدر آباد گئے اور وہیں معقول تنخواہ پر قیام فرما کر سہارنپور سے استعفا بھیج دیا
 حیدر آباد کن ریاست میں مفتی عدالت عالیہ ہو گئے تھے جس میں مدرسہ کی مصلحت منظور تھی۔

تب ممبران مدرسہ نے حضرت گنگوہی کی خدمت میں زور کے ساتھ درخواست کی کہ مولانا خلیل احمد صاحب دیوبند میں مدرسہ دوم ہیں یہاں ان کو مدرسہ اول بنا کر بھیج دیا جائے کہ دونوں مدرسے حضرت ہی کے زیر سرپرستی ہیں، چنانچہ حضرت نے منظور فرما کر مولانا کو لکھنؤ اور آپ ۸ جمادی الثانیہ ۱۳۱۵ھ کو خیردبرکات کے منظر ثانی بن کر مظاہر علوم میں تشریف لے آئے، اس وقت مدرسین کی تنخواہیں حسب ذیل تھیں جنہ
مولانا خلیل احمد صاحب مدرسہ اول للغہ مولانا غایت علی صاحب ہتھم و مدرسہ غنہ مولانا ثابت علی صاحب مدرسہ غنہ مولوی محمد احکم صاحب مدرسہ غ

مظاہر علوم میں موصوف کے درس کا آغاز ہر خندہ سال کے ختم ہونے میں صرف دو جیسے باقی تھے مگر اس میں بھی آپ کی تعلیمی کارگزاری کا کافی سے زائد ہوا کیونکہ کتابیں ناتمام رہ گئی تھیں ان کو ختم کرایا اور چند کتابیں از ابتدا تا آخر پڑھائیں۔ توضیح تلویح از مشائخ ۲ دیوان حاشیہ از صلا ۳ رشیدیہ ۳۲ ناختم بشرح دقایہ جلد دوم از م ۲۲ موطا امام مالک از اول تا کتاب الصوم موطا امام محمد امام، شرح نخبہ از ابتدا تا مشہ اور سراج از ابتدا تا م ۱۹۔

۱۳۱۵ھ حضرت کے درس کا نظام الاوقات دوسرا سال ۱۳۱۵ھ شروع ہوا تو دورۂ حدیث کی اکثر کتابیں ادب و منطق وغیرہ کے مختلف پڑھ اسباق آپ کے پیڑھوئے اور ختم سال پر آپ کے تعلیمی نقشے میں کتب ذیل کا اندراج ہوا۔ بخاری شریف تمام، ابوداؤد شریف تمام، ترمذی شریف تمام، مسلم شریف تمام، شرح نخبہ تمام، شرح عقاید خیالی تمام، حاشیہ ناظرۃ مقامات جریری ۲۵ مقامہ، ملاحلال تمام ایضاً دیارہ تمام، سلم العلوم تصورات ملاحسن تمام، میرزا بدر سالہ تمام، غلام محی تمام، حوالہ نامہ مطول نامہ اور تلخیص المفتاح نامہ قلبت تنخواہ کی وجہ سے آپ نے اہل و خیال کو دیوبند ہی میں اپنے پاس بلالیا تھا کہ علیحدہ رہنے میں گذر مشکل تھا چنانچہ سہارنپور تشریف لائے تو یہاں بھی متعلقین ساتھ آئے۔ دیکھنے کو تو سہارنپور میں پانچ روپے آپ کی ترقی ہوئی مگر خرچ اتنا بڑھ گیا کہ مہینہ ختم ہونے سے پہلے آپ کی تنخواہ ختم ہو جایا کرتی کہ وطن قریب تھا اور رشتہ داروں کی آمد و رفت بکثرت ہونے لگی، ادھر گنگوہ کا قریب ہوا اور آپ کو اپنے ہادی و مرشد کی زیارت کا شوق ہر جمعہ کو حاضری پر مجبور کرنے لگا پھر موت و سخاوت آپ کے خمیر میں ملی ہوئی تھی اس لئے اس مقدس سفر میں جتنے بھی رفقا آپ کے ساتھ ہوتے ان سب کا کرایہ آپ خود دینے کی کوشش کرتے۔

سہارنپور چونکہ ضلع تھا گنگوہہ و انہٹہ اور دیوبند کا اس لئے کوئی واقف یا عزیمت نہ تھی یا عدالتی ضرورت سے بھی آتا تو آپ گوارہ نہ فرماتے کہ سرانے میں ٹھہرے یا بازار سے کھائے۔ پھر شام سا کنبہ کثیر اور بلاری کا جھنڈا تھا اس لئے تقریبات غمی و شادی میں باپنی اور اہل و عیال کی شرکت کو بھی آپ حسن معاشرت اور صلہ رحمی کے درجہ میں ضروری سمجھتے تھے کہ یہ شیریں تعلقات انجام کار ہدایت و اصلاح کا سبب بنتے ہیں۔ ان تمام وجوہ سے آپ تنگ دست رہے مگر آپ کے استقلال اور توکل نے کسی پریشانی کا بھی اثر نہ کیا اور یہ فکر تو پاس بھی نہ چمکا کہ کہیں دوسری جگہ زیادہ تنخواہ پر جاویں یا کسی ریاست سے وظیفہ اعانت کے خواہشمند ہوں جب قرض کچھ بڑھا تو جدی ترکیب میں آپ کو جو کچھ ملا تھا اس کا کوئی جزو فروخت کر کے سبکدوشی فرمائی اور اپنے تعلیم کے کام میں اتنے مستند ہو کر مشغول رہے کہ مانتخت مدرسوں پر بھی اس کا اثر پڑا تھا وقت مقررہ سے حاضری میں ذرا بھی کسی کو دیر ہوتی تو وہ حضرت کو موجود اور پڑھانے میں مشغول دیکھ کر خود شرمایا کرتا تھا۔

وقت کا انضباط اور معمول سرپرست آپ کے لئے کچھ ایسی طبعی شے بن گئی تھی کہ آندھی ہو یا مینہ، صحت ہو یا مرض، عشر ہو یا یسر کچھ ہی کیوں نہ ہو جوارادہ آپ کرنے یا وعدہ فرمایا تے جب تک باطل ہی مجبور نہ ہو جاویں کسی بڑے سے بڑے مانع و مزاحم سے بھی مترزل نہ ہوتے تھے۔

ایک بار حضرت مولانا تھانوی مدرسہ میں تشریف لائے ہوئے تھے موضع شیخپورہ کے ایک مخلص نے حضرت کی مع خدام اور حضرت مولانا تھانوی کے سب کی دعوت کر دی جس کو حضرت نے قبول فرمایا کہ اخلاص اور فقر کی آپ بہت زیادہ رعایت اور قدر فرمایا کرتے تھے۔

دوسرے دن کے لئے ایک سہارنپوری تاجر نے تمام مجمع کو مدعو کیا اور حضرت نے وعدہ فرمایا کہ بہتر ہے صبح کو انشاء اللہ

حضرت تھانوی کے ساتھ دعوت

واپس آجائیں گے اور دوپہر کا کھانا تمہارے یہاں کھائیں گے۔ شام کو گاؤں گئے اور شب کو قیام فرمایا۔ صبح کو روانگی کا وقت آیا تو ایسے زور کی بارش کہ چند قدم چلنا مشکل مگر حضرت کے ارادہ میں ترزل نہ آیا اور ہر چند ہی اہل موضع کا اصرار ہوا کہ ایسی حالت میں حضرت سفر نہ فرمائیں مگر حضرت نے فرمایا نہیں بھئی آج دوپہر کی دعوت فلاں شخص کی قبول کر چکے اور وعدہ ہو چکا ہے کہ صبح کو آئیں گے۔ غرض جلدیئے اور خوب بھیگتے ہوئے ٹیری اسٹیشن پر آکر ریل میں سوار ہو گئے۔ اسٹیشن سہارنپور پر اتار کر گاڑی میں بیٹھ آ رہے تھے کہ راستہ میں وہ تاجر ملے اور حضرت نے گاڑی دبا ٹھہرا کر ان کو اطلاع دی کہ ہم لوگ اپنے وعدہ پر آ گئے ہیں، وہ پریشان ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت بارش اتنی زور کی تھی کہ مجھے آپ کے واپس تشریف

لانے کی بالکل امید نہ تھی اور اس لئے میں نے کچھ سامان نہیں کیا، اب کل صبح کی دعوت ہے۔
 مولانا تنہا نوی فرماتے ہیں کہ اس وقت حضرت کا حلم اور میرا غصہ دیکھنے کے قابل تھا مگر بوجہ
 ادب کے غصہ ظاہر نہ کر سکتا تھا اور مولانا نے یہ بھی منظور فرمایا حالانکہ حضرت خود ہمارے ساتھ واپس
 آ رہے تھے اور گھر والوں کو اطلاع تھی کہ آنے والے مجمع کی دعوت ہو چکی ہے، مگر اتنے ہی حضرت نے
 کھانے کا انتظام فرمایا اور سارا مجمع ناوقت حضرت کا ہمان ہوا، اگلا دن ہوا تو حضرت حسب وعدہ
 داعی کے گھر جانے کو تیار ہوئے مگر میں نے کل کے غصہ کی وجہ سے انکار کر دیا اور ظاہری عذر کیا کہ سویرے
 بھوک نہیں لگتی اور دیر ہو جانے سے ریل نہ ملے گی اور مجھے کل وطن جانا ضروری ہے حضرت مزاج
 شناس تھے اور بات کو سمجھ چکے تھے مگر ساتھ ہی صاحبِ تدبیر بھی تھے اور ہر دو مخالف پہلوؤں کو
 سنبھالا کرتے تھے اس لئے سفارش فرمائی کہ شریک تو ہو جاؤ اگر رغبت ہوئی تو کھالینا ورنہ اصرار
 نہ ہو گا چنانچہ مولانا شریک ہوئے اور تھوڑی دیر بعد اجازت لیکر بغیر کھائے روانہ ہو گئے مگر صاحبِ غم
 کو مکان سے باہر ساتھ لاکر خوب سرزنش کی اور کان کھولے کہ بزرگوں کے علم و تواضع سے مغرور ہو کر
 ایسی نامعقول حرکت پھر نہ کریں۔

وعدہ کا نباد | ایک مرتبہ حضرت نے میرٹھ تشریف لانے کے لئے وقت مقرر فرما کر خط کے ذریعہ مجھے
 اطلاع دیدی، اتفاق سے تمام رات اتنی شدید بارش رہی کہ گھر سے نکلنا مشکل تھا۔
 میں نے اسٹیشن پر حاضری کا قصد کیا تو دوستوں نے احمق بنایا کہ بار اتنا غلیظ و وسیع ہے کہ یہ موسمِ سلاطین
 بینچہ موسموں سے کم نہیں۔ ایسی حالت میں حضرت کا گھر سے چلنا وہم میں بھی نہیں آتا، بالخصوص جبکہ
 کوئی شدید ضرورت بھی محکم سفر نہیں ہے۔ ہر چند کہ دل میرا بھی مانتا تھا کہ اس حالت میں سفر ہرگز نہ ہوگا
 مگر بارہا حضرت کے وعدہ پر حجابِ اودھن کی تجربہ ہو چکا تھا اس لئے محض واہمہ پر چل نکلا اور شدت
 بارش کی وجہ سے کوئی سواری بھی نہ ملی تو سپیدل روانہ ہو گیا۔ اسٹیشن پہنچے ہی گاڑی آئی اور حضرت نظر
 آئے کہ کھڑکی سے منہ نکالے جھانک رہے ہیں۔ میں نے اپنی حاضری پر اس وقت حق تعالیٰ کا بہت بہت شکر ادا
 کیا اور حیران ہو گیا کہ تجھ کو جو ان ہو کر اسٹیشن تک آنا مشکل تھا اور حضرت بزبانہ پیری سہارنپور سے سفر کر رہے اور
 وقت موعود پر پہنچ رہے ہیں۔ وہم ہوا کہ شاید سہارنپور میں بارش کا یہ زور نہ ہو مگر حضرت نے گاڑی سے
 اترتے ہی سینے سے لگا کر فرمایا کہ تو نے کیوں تکلیف کی۔ بارش تو چلتے وقت وہاں اتنی تھی کہ دروازہ سے
 باہر آنا مشکل تھا مگر وعدہ کر چکا تھا خیال ہوا کہ دوستوں کو انتظار کی تکلیف ہوگی اس لئے بند گاڑی کرایہ
 کی منگا کر اسٹیشن پر آیا اور جوں توں کر کے سواری ہو گیا۔

وعدہ پر عمل حافظ فخر الدین صاحب نے اپنی لڑکی کے عقد میں حضرت کو مع اہل کے مدعو کیا اور حضرت نے باوجودیکہ اماجی ضعف پیری اور مرض کے سبب چند قدم چلنے سے

بھی معذور تھیں مگر حافظ صاحب کے ساتھ محبت پدرانہ ہونے کے سبب منظور فرمایا۔ اتفاق سے ایک دن قبل بذریعہ تار آپ کو اطلاع ملی کہ آپ کے چھوٹے بھائی مولوی رشید احمد دہلی میں زیر علاج تھے سخت بیمار ہیں اور آپ کا پہنچنا ضروری ہے۔ اس تار پر آپ فوراً تیار ہو گئے اور شرکت نکاح کے وعدہ کا فوراً انتظام فرمایا کہ اماجی اپنے بھائی حاج مقبول احمد کے ساتھ وقت معینہ پر غازی آباد روانہ ہو جاویں دہلی سے جو وقت گنجائش یاؤں گا وقت پر غازی آباد پہنچ لوں گا۔ گاڑی شام کو جانے والی تھی اس لئے آپ نے مدرسہ کے اساتذہ پڑھائے اور پھر اسٹیشن پر پہنچ کر ریل میں سوار ہوئے۔

بھائی رشید احمد کا انتقال آپ کی روانگی کے بعد دو سرتار آیا کہ بھائی رشید احمد کا انتقال ہو گیا اور وہ تار بھی آپ کو اسٹیشن پر پہنچا دیا گیا جبکہ آپ ریل میں بیٹھ چکے تھے بھائی کی وفات کا صدمہ اور اس پر یہ فکر مزید کہ بی بی بچے محض علاج کے لئے دہلی آئے ہوئے تھے کس قدر ریشہاں ہوں گے کہ دفن کفن کا انتظام بھی پر دیں میں بیوہ اور یتیموں کو مشکل ہو گا۔ بایں ہمہ آپ وعدہ نہ بھولے اور مزید تاکید فرمائی کہ مقبول احمد سے کہہ دینا کہ اپنی بہن کو لیکر وقت پر غازی آباد پہنچ جاویں ایسا نہ ہو کہ حافظ فخر الدین کو پریشانی ہو۔

حزن اور فکر و فکر کے ساتھ یہ حیرانی پیدا تھی کہ گاڑی ۱۲ بجے شب کو دہلی پہنچے گی اور مرحوم قیام کی جگہ بھی معلوم نہیں کہ کس مکان میں ٹھہرے ہوئے تھے موسم بھی سردی کا ہے کہ سب اپنے محافوں میں مکانات کے اندر پڑے سوتے ہوں گے کسی کو آواز دینا اور پتہ معلوم کرنے کے لئے جگانا بھی مشکل، مگر آپ کا استقلال ہر جگہ آپ کو تھا متا اور کہتا تھا کہ جیسا بھی کچھ پیش آئے گا دیکھا جائے گا۔ چنانچہ آپ دہلی پہنچے اور اس کو چہین قدم رکھا جس کا نام تار میں لکھا تھا مگر وہاں آدم نہ آدم زاد، رات نہ دھیری اور نہ کوئی دکان کھلی ہوئی نہ مکان جگہ جگہ گنٹ اور بکنر پڑا ہوا تھا اور آپ تنہا تھے۔ ایک جگہ ٹھوکر کھائی اور گھٹنے میں چوٹ بھی آئی مگر آپ اس خیال میں آگے بڑھتے رہے کہ کوئی نظر آوے تو کچھ اتہ پتہ معلوم ہو۔ دیر کے بعد آپ کو ایک واقف کا مکان نظر آیا اور آپ نے دروازہ پر دستک دے کر ان کو جگایا وہ باہر آئے تو حضرت کو کھڑا دیکھا اور کہا کہ بھائی رشید احمد کو تو دفن بھی کر چکے اور ان کی بی بی اور بچیاں علیگڑھ روانہ ہو گئیں۔

یہ سنتے ہی حضرت نے علیگڑھ جانے کا غم کر لیا اور ہر خیدا انھوں نے عرض کیا کہ حضرت آرام فرمائیے

مگر آپ نے فرمایا وقت بہت کم ہے کل شام کو مجھے ایک عقد میں غازی آباد شریک ہونا ہے اور اس سے قبل بیوہ اور یتیم بچوں کو دیکھ لینا اس لئے آپ فوراً واپس ہو گئے اور آخر شنب میں جانے والی گاڑی سے علیحدہ روانہ ہو گئے۔ اچھے مکان پر پہنچے اور یتیم بھتیجیوں کے سر پر ہاتھ رکھا بیوہ کو تسلی دی اور مرحوم بھائی کے مرض وفات اور انتظام دفن و کفن کے حالات پوچھتے رہے۔ دو گھنٹہ بعد گاڑی غازی آباد واپس آئی تھی اس لئے آپ نے جلتے ہی فرمادیا کہ وعدہ کر چکا ہوں بعد عصر ایک نکاح میں شرکت کا اس لئے اس وقت ٹھیر نہیں سکتا اور ہر چند بچوں کا اصرار ہوا کہ رات کو چلے جانا مگر آپ اپنے نظام اوقات کو نہ توڑ سکے۔

تمام ضروری انتظامات فرما کر دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے وقت سے قبل اسٹیشن پر پہنچ لئے، یہاں آکر معلوم ہوا کہ کوئی میلہ ہے اور سواریوں کی اتنی کثرت ہے کہ سکنڈ کلاس میں بھی جگہ نلنا ناممکن۔ اس پر بھی آپ نہ گھبرائے اور ارادہ میں تذبذب نہ لائے فوراً سکنڈ کلاس کا ٹکٹ خرید لیا۔ گاڑی آئی تو درحقیقت کٹ کٹشی کی یہ حالت کہ الامان الامان سکنڈ کلاس میں بھی گھسنے تک کی جگہ نہیں۔ آخر بدقت تمام آپ اندر پہنچے اور بیت الخلاء سے لگ کر کھڑے ہو گئے۔ گاڑی چل کر جب دوا اسٹیشن نکل لی تو آپ نے دیکھا مسافر زیادہ اتر لئے اور نماز پڑھ بھی پڑھنا ہے اس لئے گاڑی جب ٹھیری تو آپ اترے اور ڈیوڑھی درج میں کچھ جگہ پا کر اس میں آبیٹھ کہ سکنڈ کلاس میں تنگی کے ساتھ ناجنسوں کی معیت زیادہ کوفت کا سبب تھی۔ وہیں آپ نے وضو کر کے نماز پڑھی اور عصر سے کچھ بعد غازی آباد پہنچ لئے۔ بندہ بھی چونکہ شریک عقد تھا اور اکثر کو حضرت کی شرکت سے مایوس پارہا تھا مگر یقین کئے ہوئے تھا کہ کچھ ہی کیوں نہ ہو حضرت جب شرکت کا وعدہ فرما چکے تو اپنی انتہائی کوشش میں جیہ برابر کی نہ فرما دیں گے اور وقت پر ضرور پہنچ جائیں گے چنانچہ مغرب کی جماعت کھڑی ہو اچاہتی تھی کہ حضرت کا چہرہ مبارک نظر آیا اور بلیس اس گلاب پر قربان ہونے لگیں۔

دو چار دس بیس نہیں بلکہ صد ہا واقعات ایسے ملیں گے جن میں وعدہ کا پاس اور پابندی اوقات

ایفا پر وعدہ کا اہتمام آپ کی طبیعتِ ثانیہ بن گیا تھا اور کوئی صعوبت کیسی ہی دشواریوں نہ ہو آپ کی ہمت اور حوصلہ کو دبا نہیں سکتی تھی۔ پھر کیا پوچھنا حاضری در رسہ اور پابندی اسباق کا جو کہ آپ کا فرض منصب اور سارے کاموں میں اصل تھا کہ اس کی پابندی نے تو تمامی در رسہ کو وقت کا پابند بنا دیا تھا اور بغیر اس کے کہ کوئی نگرانی کرے ہر چھوٹا بڑا اپنے وقت پر در رسہ میں موجود اور خدمتِ مفوضہ میں مشغول نظر آتا تھا۔ آپ کا غایتِ مقصود یہ تھا کہ تمامی نصاب سال بھر کا

ہر مدرس کے پاس ایسے ماہواری اوسط سے پورا ہو کہ ختم سال پر نہ کوئی سبق بچے اور نہ آخر سال میں ختم کتاب کی خاطر زیادہ زیادہ سبق ہو کہ پڑھنے والوں کی سمجھ میں بھی نہ آئے۔

درس کی تقریر | آپ کی تقریر مختصر اور جامع ہوتی تھی، صاف اور عام فہم لفظوں میں عبارت کا ساٹھ طلبہ کے دائرہ تک باسانی پہنچتی تھی، مفہوم عبارت سمجھانے کے بعد آپ طلبہ کو شبہ اور اعتراض کا موقع دیتے اور پھر مسکرا کر اس کا جواب دیا کرتے تھے۔ بات کرنے میں آپ کے دہن سے پھول جھڑتے اور تقریر گو یا موتیوں کی لڑی ہوتی تھی۔ اخیر میں آپ کی آواز مرتعش ہو گئی تھی مگر تسلسل و جلالت وہی تھا جو جوانی کے زمانے میں تھا۔ بڑے درجہ کی پندرہ سولہ ضخیم کتابوں کا ختم سال سے قبل تمام کر دینا آپ کے لئے معمولی بات تھی اور کامل چھ سات گھنٹہ درس دینا اور دماغ و زبان سے کام لے جانا آپ کی عادت بن گیا تھا۔

فتاویٰ نویسی اور خطوط کی جواب دہی | درس سے فارغ ہو کر آپ فتاویٰ نویسی میں مشغول ہوتے اور اس کے لئے بھی جو وقت مقرر کر لیا تھا اس میں تخلف نہ ہوتا۔ پھر آئے ہوئے خطوط کے جوابات جلد تھے اور اس کا بھی اس قدر التزام و اہتمام تھا کہ جس خط کا جواب نہ آئے اس کا یقین ہو جاتا تھا کہ پہنچا نہیں۔ بالخصوص جن خطوط میں ٹکٹ رکھا ہوتا اس کا جواب تو جلد سے جلد لکھواتے تھے کہ بار امانت سے بکدوشی ہو۔ ضروری سے ضروری کام آپ مدرسہ کا وقت ہو جانے پر ملتوی کر دیتے تھے۔ بارہا ایسا ہوا کہ گھر میں انداج با آنا نہیں اور مدرسہ کا وقت آگیا تو آپ مدرسہ میں آجاتے اور منتظر رہتے کہ کوئی دروست آجائے تو اس سے آٹا منگوا کر گھر میں پہنچا دیا جائے۔ ایسا بھی ہوتا کہ کوئی نظر نہ آتا یا آپ مشغولیت میں بھول جاتے اور جب فارغ ہو کر کھانے کا وقت آتا تب آپ کو خیال ہوتا کہ آٹا تو تھا ہی نہیں روٹی کہاں پکی ہوگی۔

مظاہر علوم میں اکتیس سالہ تدریسی خدمات | سالہ سے اخیر تک آپ کا تعلق مظاہر علوم سر رہا اور کامل اکتیس برس آپ نے نیک جگہ سیٹھ کر علوم دینیہ کی خدمت تدریس میں صرف کئے کہ ۳۹۱ طلبہ فارغ التحصیل ہو کر مدرسہ سے سند لے کر رخصت ہوئے جو ہندوستان کے تمامی اطراف میں اور حجاز و یمن تک پھیلے کہ بحر خلیل کی انہار جاریہ بن کر ملکی خشک زمین کو سیراب کریں اور قیامت تک یہ سلسلہ کہ ایک ایک مستفید ہو سو کو عالم بنا کر آساری ارض یا بس کے

لے عشرہ والی کا پتی ہوئی۔ سہ شریحی۔ سہ اصلاح و تربیت کے۔

قابل بنائے اُس بے شمار اور گنت تعداد میں پہنچ گئے ہیں جس کا علم بس اللہ ہی کو ہو سکتا ہے اور وہ سب کا رکن ہے حضرت ہی کے نامہ اعمال میں درج ہوتے رہیں گے۔ والہا قیات الصالحات خیر عند ربک ثوابا وخیر املا۔

۱۲۸۹ھ سے ۱۳۱۲ھ تک منگھور، بمبھال، بھاو پور، سکندر آباد، بریلی اور دیوبند کی پچیس سال تک تدریس علم و نفع رسانی مطلق کو بھٹوری دیر کے لئے علیحدہ رکھا جائے تو صرف مدرسہ مظاہر علوم کے صدقات جاریات آپ کے اتنے کثیر و کثیر ہیں کہ ان کی نظیر اس صدی میں مشکل ملے گی اور ایک ایسے شخص کے لئے جو اس کا سچا طالب ہو کہ بندہ کو دنیا میں آکر کیا کرنا چاہئے آپ کی سوانح بتائیگی کہ بس اس تعلیم کی اشاعت میں مرثا چاہئے جو خالق جل شانہ کی طرف سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ہم تک پہنچی اور اسی کی خدمت میں یہ سانس گزار دینے چاہئیں جو لمحات جہلت بنا کر موی کریم کی طرف سے ہم کو عطا ہوئے ہیں کہ یہی بروقت کا شغل ناز اور فخر کے قابل ہے۔

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است اقم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است
ہر دم ہزار بوسہ ز نغم دست خویش را کو دامنت گرفته بسویم کشیدہ است
اور باوجود دینی خدمت میں شاہو جانے کے کبھی اس کا وسوسہ بھی نہ آیا کہ آخرت کا ذخیرہ کچھ جمع ہو گیا جب فرمایا چشم نم ہو کر یہی فرمایا کہ دوستوں کے حسنِ ظن پر چڑھا ہوں کہ شاید کسی کے طفیل مغفرت ہو جائے اور حق تعالیٰ اپنے صلحا کے حسنِ ظن کی لالچ رکھ لے۔

منت منہ کہ خدمتِ سلطان ہی کنم منت شناس از وہ کہ بخدمت گذاشتت
ایک مدرسہ کی تاریخ کا پہلا ورق تھا کہ مولانا سعادت علی صاحب نقیہ بہار نپوری کے قلب میں دینی مدرسہ جاری کرنے کا

خیال ہوا اور یکم رجب کو محلہ قاضی میں آپ نے اس کی بنیاد رکھی۔ مولوی سخاوت علی صاحب ابھٹوی کو عیسے ماہوار پر مدرس بنا کر بٹھادیا اور مولوی غیاث علی صاحب و حافظ قمر الدین صاحب کو کہ مولانا سعادت علی صاحب سے عربی پڑھا کرتے تھے مدرسہ کا ابتدائی طالب علم بتایا بن کو مولوی سخاوت علی صاحب نے نحو میر شروع کرائی اور خود مولانا نے بلا تخریج مدرسہ کی ہر خدمت کو تنہا انجام دیا۔ پھر مولانا احمد علی صاحب نے

لے اور باقی رہنے والے نیک اعمال آپ کے رتبے نزدیک بہترین ثواب اور بہترین امیدیں۔ سہ مجھے اپنی آنکھ پر ناز ہے کہ اس نے آپ کا حال دیکھا ہے اور میں اپنے پیروں کے پاؤں پڑتا ہوں کہ آپ کے کوچہ تک پہنچے ہیں۔ سہ ہر وقت اپنے ہاتھ کو ہر دلوں بوسہ دیتا ہوں کہ اس نے آپ کا نام پکڑ کر میری طرف پھیر لیا ہے۔ سہ یہ احسان مت رکھو کہ میں بادشاہ کی خدمت کو تباہوں تم توان کا احسان بچاؤ کہ انھوں نے تم کو خدمت میں رکھ لیا ہے۔ سہ مدرسہ مظاہر علوم

معاونت فرمائی اور تین ماہ بعد شوال ۱۲۳۳ھ میں مولانا محمد منظر صاحب صدر مدرس مقرر ہوئے تو مولوی سخاوت علی صاحب مدرس دوم ہو گئے۔

سفر حجاز کے لئے ڈیڑھ سال کی رخصت

اس ابتدائی سرنامہ کو دیکھتے اور ایک اس وقت کو جبکہ حضرت نے سفر حجاز کے لئے ڈیڑھ سال کی رخصت لی اور مدرسہ کو اپنے تلامذہ و خدام کے حوالہ فرما کر ۱۶ شوال ۱۲۳۳ھ کو عرب سرحدوں کے مالی اور علمی ترقیات میں اس عروج پر پہنچ چکا تھا جس نے ابتدائی زمانہ کو ایسا بنادیا تھا جیسے یوسف علیہ السلام کے شاہ مصر بن جانے کے زمانے میں آپ کے کنعان سے نکل کر بازار مصر میں آنے کا وقت، کہ پہلا زمانہ دیکھنے والا اگر اس حالت کو اچانک دیکھ لے تو برادرانِ یوسف کی طرح یہ بھی نہ سمجھے کہ ہم جس کا نظارہ کر رہے ہیں اس سے کچھ سابق تعارف ہے یا نہیں۔

اس درمیان میں مدرسہ کو مختلف حوادث و انقلابات پیش آئے جن کا پیش آنا دنیا میں آنے والی ہر چیز کے لئے ضروری ہے اور جن کے مفصل حالات مدرسہ کی سالانہ کیفیت میں درج ہیں جواب تک مدرسہ کی یادگار بنی ہوئی رکھی ہیں۔ مگر بھراشد وہ عروج جو حضرت کے ہاتھوں مدرسہ کے لئے روزِ ازل میں مقدر ہو چکا تھا کسی حال میں سبوتا پذیر نہ ہوا اور ایسی علمی اسلامی یادگار بن کر صفحہ ہستی پر موجود ہے جس کو بعض انتیاری خصوصیات کے لحاظ سے اس وقت دنیا میں بے نظیر کہنا بے موقع نہیں کہ علمی افادہ کے ساتھ اب تک طلبہ کے عملی حالات پر بھی اہتمام کے ساتھ نظر مرتبی ہے اور تمامی موجودہ مدرسین حضرت ہی کے تلامذہ و مریدین ہیں۔ اور ان کی مخلصانہ و متوکلانہ معیشت اس وقت نمونہ اسلاف ہے کہ قلیل خواہ پر اس اہتمام و شوق کے ساتھ خدماتِ مفوضہ انجام دیتے ہیں جو دوسری جگہ کثیر تنخواہیں والے بھی انجام نہیں دیتے کیونکہ دیکھ چکے ہیں کہ ان کے پیشوائے تنگی معاش کی مختلف صعوبتیں اٹھائیں مگر قرض لینا بھی گوارا نہ کیا۔ جو اثر پڑا وہ آپ کے بطن و جسد پر پڑا مگر مدرسہ سے ایک وقت غیر حاضر رہنا یا ایک سبق پر بھی فاقہ کے ضعف و اضمحلال کا اثر ڈالنا آپ کو پسند نہ آیا۔

بڑے بڑے زلزلوں میں بھی آپ مدرسہ سے نہ ہلے اور اپنے نفس یا اہل و عیال کی خوش عیشی کی خاطر آپ نے محلے سے بھی باہر قدم نہیں نکالا، ہاں مدرسہ کی خاطر آپ نے نہ گرمی دیکھی نہ سردی، نہ ضعف پیری کا خیال کیا نہ رمضان کی تعطیل اور روزوں کی دشواری کا، نہ ریل کے سفر سے گھبرائے نہ حجاز کے سفر سے، رات دن بستی، رنگون، بھاؤ پور اور دیرآول و جونا گڑھ جیسے مقامات بعیدہ مدرسہ کو نفع پہنچنے کی طبع پر آپ کیلئے اس بڑھاپے کے زمانے میں ایسے تھے جیسے سہارنپور سے انہٹہ یاد پونہ۔

لے بجز ایک مدرس ابتدائی متعصب کے کہ ان کو تلمیذِ بیعت حاصل نہیں گو محبت و عقیدت مثل تلامذہ ہے۔

تخواہ میں اضافہ

سنتہ تک کامل سولہ برس آپ کو گزرنے کے آپ کی تخواہ میں ایک روپیہ کی بھی ترقی نہیں ہوئی، ہاں جمادی الثانیہ سنتہ میں جب تمامی ملازمین کو ترقی دے دی گئیں تو آپ کی تخواہ میں بھی غلہ کا اضافہ کر دیا گیا جس کو آپ نے بادل ناخواستہ قبول کیا اور فرماتے رہے کہ للغہ ہی کے قابل کام کرنا مشکل ہے اب غلہ کے قابل کام کس طرح انجام دوں۔

سنتہ ۲۵ ہے چونکہ حضرت پر نظامت مدرسہ کا بار پڑ گیا اور مدرسہ جس کے ساتھ آپ کو گویا عشق تھا اپنی ضروریات کے لئے آپ کو اسفار پر مجبور کرنے لگا تھا اس لئے دو متضاد خدمتوں کا بیک وقت انجام دینا آپ کو دشوار ہوا ہر چند آپ نے کوشش کی کہ اسفار سے واپس آکر اسباق باقات کی تلافی کروں مگر قوت میں بڑھنے کی خاصیت نہیں ہے کہ بڑھانے سے بڑھ سکے اس لئے آپ قادریت ہوئے۔ جمادی الثانیہ میں آپ نے دیکھا کہ سالانہ امتحان کا صرف ایک ہیبتہ باقی ہے اور دورہ کی کتابیں سب ناتمام ہیں، ادھر اسفار کی وجہ سے آپ کی طبیعت بھی نامساں ہو گئی کہ ہمت بھی فرما دیں تو پورا نہیں کر سکتے اس لئے آپ نے گنگوہ سے مولوی محمد یحییٰ صاحب کو بلوایا کہ قائم مقام بن کر ناتمام کتابیں ختم کر دیں۔ چنانچہ جب سنتہ ۲۶ میں مولانا آئے اور ۱۸ دن میں کتابیں باحسن وجوہ ختم کر کے واپس تشریف لے گئے۔ سنتہ ۲۷ میں بھی یہی صورت پیش آئی اور مولانا مدد و رح نے کہ بارگاہ گنگوہ کے پیشکار ہونے کے وقت سے حضرت کے خاص محبوب اور لاڈ لے تھے

۱۷ اس سنتہ اور حالات میں کچھ سہو یا غلط روایت کا دخل معلوم ہوتا ہے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب نے اس کے متعلق جو کچھ لکھا ہے بلفظ الشریف درج ہے۔

۱۸ یہ غلط ہے نظامت سنتہ ۲۵ ہے اور میرے والد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کے ملانے کا واقعہ جو اس کے ساتھ جوڑ دیا گیا اس میں گڑبڑ ہو گئی۔ میرے والد صاحب کو کثرت اسفار کی وجہ سے سال کے ختم پر دورے کی نیکیں کے لئے بلایا جاتا تھا سنتہ ۲۶ میں زعفران آباد ایک ماہ کے لئے تشریف لائے اور سنتہ ۲۷ میں مستقل قیام کے لئے تشریف لے آئے تھے جیسا کہ خود تذکرہ التحلیل میں اس کی تصریح ہے اور نظامت کا تعلق سنتہ ۲۵ سے ہے جس کی وجہ یہ تھی کہ میرے والد صاحب کا انتقال ذیقعدہ ۱۳۳۷ میں ہو گیا تھا اور حضرت نور احمد قرہ اس وقت یعنی تالیل میں حضرت کی واپسی پر مجبور تھے۔ جب حضرت کی رہائی ہوئی اور مدرسہ تشریف لائے تو حضرت نے تخواہ لینے سے شرت سے یہ کہہ کر انکار فرما دیا تھا کہ میں اپنے صنعت کی وجہ سے مدرسہ کا کام نہیں نہیں کر سکتا اور اب تک چونکہ مولانا یحییٰ صاحب میری اعانت میں سبق پڑھاتے تھے اور میں اب ایک مدرسہ سے کہیں زیادہ کام کرتے تھے اس لئے میں نے تکلف تخواہ لیتا تھا۔ ہر چند سرپرستان نے اصرار کیا کہ حضرت کا ایک دو سبق پڑھانا سرپرستان کے نزدیک کافی ہے اس پر حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رانی پوری اور حضرت، تھانوی نور احمد قرہ کا تحریر کیا اور تعمیری اصرار مت ہوا مگر حضرت اقدس مومنہ قبول نہیں فرمایا۔ اس پر حضرت رانی پوری نور احمد قرہ نے نظامت کا مجددہ تجویز فرما کر یہ فرمایا کہ اب سبق صرف تبرع ہے چاہے ایک بھی نہ پڑھائیں اسلئے کہ حضرت کے وجود کی مدرسہ اور علم مدرسہ سے کام لینے کی بڑی شدید ضرورت ہے۔

اصل کتاب میں چند ورق بعد ان واقعات کا ذکر آ رہا ہے وہاں بھی نظامت سنتہ ۲۵ ہے ہونا اور حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کی وفات کے بعد ہونا بیان ہے اور حضرت شیخ الحدیث صاحب کے اس خط کے موافق ہے۔

تمام کتابوں کی تکمیل کرائی اور حضرت کی تنخواہ باضابطہ وضع نہ ہونے دی۔

آخر حضرت نے دیکھا کہ اسفار کی ضرورت روز افزوں ہے اور بار بار اس عارضی نظم کا اہتمام دشواری سے خالی نہیں لہذا مولانا کو مجبور کیا کہ مدرسہ میں مستقل قیام کریں اور دورہ کے اسباق قبول فرمادیں۔ چنانچہ مولانا نے حضرت کے حکم کی تعمیل کرنا پڑی اور جمادی الاولیٰ ۱۲۸۸ھ میں مستقل قیام فرما کر حضرت کو راحت پہنچائی کہ جس وقت بھی جہاں جانے کی ضرورت ہو حضرت آزادی کے ساتھ جائیں۔ اور اپنے متعلقہ اسباق کے ساتھ حضرت کے اسباق بھی مولانا پڑھائیں۔ مگر مولانا کی شرط یہ تھی کہ تنخواہ نہ لوں گا چنانچہ ہر چند ہی سرپرستان مدرسہ کا اصرار ہوا مگر آپ نے اس کو منظور نہ کیا۔ ہاں جب حضرت سفر میں جاتے اور قائم مقام بن کر حضرت کے اسباق پڑھاتے تو وہ تنخواہ وصول فرماتے اور مکان پر جا کر حاجی کے حوالے کراتے تھے۔ چنانچہ حضرت کا چوتھا سفر حج جو بیعت مولانا شاہ نابد حسین صاحب رئیس بہت ۱۲۸۸ھ میں ہوا وہ اسی صورت سے ہوا کہ مولانا محمد یحییٰ صاحب نے پانچ مہینے قائم مقام بن کر حضرت کے اسباق پڑھائے اور ہر مہینے تنخواہ وصول کر کے اماں جی کو پہنچاتے رہے کہ وہ اس سفر حج میں حضرت کے ہمراہ نہ تھیں یہی وجہ ہے کہ تمام سال کی تنخواہ کیفیت میں حضرت کے نام درج ہے اور حضرت بلا تردد تنخواہ لیتے رہے ورنہ اصالتہ مولانا محمد یحییٰ صاحب نے خدمت درس پر کبھی ایک جہہ بھی نہیں لیا اور یہ ان کی مخصوص اور امتیازی شان تھی۔

مولانا محمد یحییٰ کا نہدھلوی مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑی خوبیوں کے آدمی تھے اور حضرت گنگوہی سے نسبت رکھنے والوں میں شاید کوئی ایسا ہو جو مولانا سے واقف نہ ہو، ان کا تاجیخی نام بلند اختر تھا اور وطن اصلی کا نہدھلہ ضلع مظفر نگر۔ ان کے والد مولانا محمد اسماعیل صاحب، دہلی کے آخری بادشاہ ظفر کے سردھیانہ میں بچوں کی تعلیم پر لازم تھے جو غدر کے بعد شاہ نظام الدین میں رہتے اور اس تقریب سے مولانا بھی وہیں مقیم تھے۔

سلسلہ نسب مولانا کا جدی نسب حضرت مفتی الہی بخش صاحب سے اور مولوی مظفر حسین صاحب سے چھٹی پشت مولوی محمد فیض پر اس طرح جا ملا ہے کہ مولوی محمد یحییٰ بن محمد اسماعیل بن غلام حسین بن حکیم کریم بخش بن حکیم غلام محی الدین بن مولوی محمد ساجد مولوی محمد فیض بن مولوی محمد شریف بن مولوی محمد اشرف بن جمال محمد شاہ بن بابا بن بہاؤ الدین بن شیخ محمد بن شیخ محمد فاضل بن شیخ قطب شاہ۔

لے شیخ الحدیث مولانا محمد زکیا صاحب نے لکھا ہے: تاریخی نام تو یہی تھا شاید اختلاف روایت ہو ولادت غرہ محرم ۱۲۸۸ھ مطابق ۲۳ مارچ ۱۸۷۱ء بروز جمعہ ۱۲ شعبان ۱۲۸۸ھ ہے۔

مولانا کی والدہ بی صفیہ بنت مولوی ضیاء الحسن بن مولوی نور الحسن بن مولوی ابوالحسن بن مفتی
الہی بخش بن شیخ الاسلام وہ حافظ قرآن بزرگ تھیں جن کے حیرت بخش معمولات یومیہ پہلے درج کر چکا ہو
کہ مولانا مظفر حسین بن مولانا محمود بخش بن شیخ الاسلام کی نواسی اور امی مرحومہ کی بیٹی تھیں۔ مولوی
محمد یحییٰ صاحب فطرۃ ذہین و ذکی اور طبعاً نطیف اور لطیف المزاج پیدا ہوئے تھے۔ ان کی والدہ فرمایا
کرتی تھیں کہ میرے دودھ کم تھا اس لئے یحییٰ کو مرضعہ نے دودھ پلایا مگر حالت یہ تھی کہ اس کے کپڑے اگر
میلے ہوتے تو یحییٰ رویا کرتا اور دودھ نہ پیتا تا وقتیکہ وہ نہا کر کپڑے نہ بدل لیتی۔

آپ نے سات برس کی عمر میں قرآن شریف حفظ کر لیا تھا اور اس کے بعد چھ مہینے تک
حفظ قرآن مسلسل اپنے والد کی طرف سے مامور رہے کہ جب تک قرآن مجید پورا حفظ نہ پڑھ لو گے
روٹی نہ ملے گی۔ ہاں ختم کے بعد تمام دن چھٹی۔ مولانا فرمایا کرتے تھے کہ میں عموماً ظہر سے قبل پورا کلام مجید ختم
کر لیا کرتا اور پھر کھانا کھا کر چھٹی کے وقت میں اپنے شوق سے فارسی پڑھا کرتا تھا۔ حفظ قرآن کے زمانے
میں بھی آپ نے باپ سے پوشیدہ فارسی کے بہت دو اورین و قصص از خود دیکھ لئے تھے اور باوجود اس کے
حفظ قرآن کے سبق پڑھ نہیں آنے دیا۔

چھ مہینے گزرنے پر باپ نے عربی شروع کرائی اور خود ہی پڑھائی۔ آپ کے والد
عربی تعلیم کا آغاز اکابر اہل اللہ میں سے تھے وظائف کے زیادہ پابند اور تہجد کا خاص اہتمام
فرمانے والے اس لئے مولانا کو اور آپ کے بڑے بھائی مولوی محمد صاحب کو آخر شب میں سویرے سے اٹھا دیا
کرتے تھے کہ شروع ہی سے اس کی عادت پڑ جائے مولوی محمد صاحب تو اٹھ کر طویل نفلیں پڑھتے

مگر مولوی محمد یحییٰ صاحب چند مختصر نوافل پڑھ کر کتاب دیکھنے میں لگ جاتے کہ طبیعت
مطالعہ کا شوق اس پر مجبور تھی۔ مولانا فرمایا کرتے تھے کہ والد صاحب کو وضو کے اوراد کا خاص
اہتمام تھا اور ہم پر بھی اصرار تھا کہ پابندی کریں مگر مجھے علم کی دھن تھی اس لئے میں وضو کرنا ہوا بھی
فارسی اور عربی کے لغات یاد کیا کرتا۔ والد صاحب میری رٹائی کو سنتے تو دلامت کے طور پر فرمایا کرتے تھے
خوب وضو کی دعائیں پڑھی جا رہی ہیں۔ شرم کی بات ہے۔

مولانا محمد یحییٰ صاحب کی علمی استعداد اور علوم نقلیہ کے ساتھ فنون عقلیہ کی مہارت تامہ اس
نوعری میں مسلم و مشہور ہونے کے ساتھ علماء عصر میں حیرت کی نظروں سے دیکھی گئی کہ بڑوں بڑوں کو مولانا نے
لے ایک گھنٹہ میں چار پارے تیز نظر خوان بھی پڑھ سکتا تیز حافظ تو باریچ پڑھ سکتا چھ مہینے میں ختم ہوا آسان ہے سہ پڑا کی ہوئی۔
سہ گوان کی حدیث ضعیف ہیں مگر موضوع دے اصل تو ہیں اسلئے فضیلت حاصل کرنے کے

علمی مکالمہ کرنے میں فخر تھا مگر اس سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ اکثر کتابیں آپ نے خود دیکھی ہیں اور استاد سے بہت ہی کم پڑھی ہیں۔

دیوبندیوں میں برادر شیخ الہند کے مقامات پڑھنا | عربی ادب میں آپ کو اتنی مہارت تھی کہ خزاور نظم و نونے تکلف لکھتے مگر یوں فرمایا کرتے تھے کہ تمام ادب میں

استاذ سے میں نے صرف مقامات حریری کے ۹ مقالے پڑھے ہیں اور وہ بھی اس طرح کہ استاذ نے کہہ دیا تنہا میرے مکان کو آتے جاتے راستے میں پڑھ لیا کرو اس لئے میں ساتھ جاتا اور راستہ میں پڑھا کرتا اور اکثر جگہ استاذ فرمادیا کرتے کہ اس لفظ کے معنی مجھے معلوم نہیں خود دیکھ لینا۔ یہ ادب کے استاذ شیخ الہند کے بھائی حکیم مولانا محمد حسن صاحب دیوبندی تھے اور اس لئے آپ ان کا ہمیشہ احترام بھی بہت کرتے اور استاذ کے لقب سے پکارا کرتے تھے۔ محض اسی کی خاطر مولانا کا چند روز دیوبند قیام رہا کہ نصف مقام یا کچھ زیادہ روزانہ ہو جایا کرتا۔ نو مقالے پڑھ کر آپ وہاں سے کا ندھلہ آ گئے۔

مولوی یار اللہ سنبھلی کا اٹھا اور دن حمر اللہ پڑھنا | اور وطن کے مدرسہ عربیہ میں مولوی یار اللہ صاحب سنبھلی سے کہ معقولات میں مشہور تھے منطق کا سبق

شروع کر دیا مگر وہ علم ادب سے ناواقف تھے اس لئے ایک گھنٹہ مولوی محمد یحییٰ صاحب ان سے حمر اللہ پڑھا کرتے اور ایک گھنٹہ مولوی یار اللہ صاحب آپ سے مقامات حریری پڑھا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ حمر اللہ میں نے ۱۸ دن میں پڑھا کہ ظہر کے بعد اس کا سبق ہوتا تھا اس لئے صبح ہی میں حمر اللہ اور اس کے حواشی لے کر مطالعہ دیکھنے کو نانی اماں کی چھت پر جا بیٹھتا اور ۱۲ بجے اتر کر روٹی کھایا کرتا تھا۔ بس اوقات حمر اللہ کے سبق میں استاذ سے بحث ہو جاتی کہ میں جو مطلب سمجھا ہوتا وہ اس کو غلط بتاتے اور دوسرے عنوان سے تقریر فرماتے تھے۔ میں کہہ دیا کرتا تھا کہ مطلب تو یہی ہے جو میں عرض کر رہا ہوں مگر گفتگو مقامات کے گھنٹہ میں کر دیں گا ورنہ میرا سبق ناقص رہ جاوے گا۔

سُلم کا ازبر کرنا | آپ فرمایا کرتے تھے کہ سُلم مجھ سے ازبر یاد تھی اور تسبیح لے کر میں نے اس کی عبارت کو ازاول تا آخر دو سو مرتبہ پڑھا ہے۔

ابھی وہ لوگ موجود ہیں جنہوں نے دیکھا ہے کہ ادب کی اکثر درسی کتابیں مولانا محمد یحییٰ نے محض اپنے حافظہ سے لکھ کر طلبہ کو دیدیں اور چلتے پھرتے نہایت بے پڑائی کے ساتھ پڑھائی ہیں چنانچہ نفعہ آئین متنبی اور حاشہ تمام ان کے لکھے ہوئے اب بھی موجود ہیں۔

نے تھے مگر ان میں بہت ہی لغات استعمال کئے گئے ہیں۔ علم العلوم منطق کا دقیق متن ہے جس کی حواشی وغیرہ مشرعی ہیں۔

مطلق اور ادب کے علاوہ باقی کتابیں آپ نے دہلی مدرسہ
سید حسین بخش میں درسیات پڑھنا حسین بخش میں پڑھیں۔

مگر حدیث پڑھنے کا خیال دل سے نکال دیا تھا کیونکہ یہ خیال بیٹھ گیا تھا کہ
دہلی میں حدیث پڑھنے سے آدمی غیر مقلد ہو جاتا ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میرے
بھائی مولوی محمد صاحبؒ نے چونکہ حدیث گنگوہ میں پڑھی تھی اس لئے میں حضرت کا معتقد تھا اور میں نے
ٹھکانہ کی تھی کہ حدیث پڑھوں گا تو گنگوہ میں پڑھوں گا ورنہ نہیں پڑھوں گا۔ مگر زمانہ وہ تھا کہ حضرت
امام ربانیؒ کی آنکھ میں نزولِ ماہ شروع ہو چکا اور حضرت نے دورہ کا درس بند فرما دیا تھا۔ یہاں امتحان کا
وقت قریب آیا تو اہل مدرسہ نے مولوی محمد یحییٰ صاحب کا نام بھی بخاری شریف کے امتحان میں لکھ دیا۔
حالانکہ آپ نے اس کا ایک سبق بھی نہیں پڑھا تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اہل مدرسہ نے والد صاحب پر
زور دیا تو انھوں نے فرمایا یحییٰ کیا حرج ہے ابھی پانچ مہینہ باقی ہیں اس میں پڑھ لو۔

چنانچہ وہ پانچ مہینے میں نے نظام الدین کے حجرہ میں اس طرح گزارے ہیں
حدیث کا مطالعہ کہ خود مسجد کے رہنے والوں کو معلوم نہ تھا کہ میں کہا ہوں بجز ان دولہ کوں کے
جن کے ذمہ میری روٹی اور وضو کے لئے پانی لانا مقرر تھا۔ چنانچہ اسی دوران میں کا نہولہ سے میرے نکاح کی
طلبی کا نارا آیا تو لوگوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ مکتوب الیہ عرصہ سے یہاں نہیں ہوا ورنہ معلوم کہاں چلا گیا۔
جب ان طلبہ کو خبر ہوئی تو مجھے بھی تاریکی اطلاع ہوئی۔

بخاری، سیرت ابن ہشام، طحاوی، ہدایہ اور
غرض اسی دوران میں میں نے بخاری شریف،
سیرۃ ابن ہشام، طحاوی، ہدایہ اور فتح القدیر
فتح القدیر کا مطالعہ کر کے حدیث کا امتحان دینا
بالاستیعاب اس اہتمام سے دیکھی ہیں کہ مجھے خود

جبرت ہے۔ اتفاق سے حضرت مولانا غلیل احمد صاحب ممکن تجویز ہوئے اور تشریف لائے تو میرے جوابات
دیکھ کر یہ لفظ فرمائے کہ ایسے جوابات مدرسہ بھی نہیں لکھ سکتا۔

حضرت گنگوہیؒ دورۂ حدیث کی تکمیل
اسی بنا پر حضرت نے جب گنگوہ حاضر ہوئے تو امام ربانیؒ سے
سفارش فرمائی کہ ایک مرتبہ دورہ میری خاطر مولوی یحییٰ کو
اور پڑھا دیجئے کہ ایسا شاگرد حضرت کو نہ ملا ہوگا۔ چنانچہ حضرت نے وعدہ فرمایا اور اب حضرت کا
وہ آخری دورہ ہوا جس کو آخری دورہ کا آخری منظر کہا جاتا ہے اور مولوی یحییٰ کے طفیل ایک کثیر جماعت جو
بایوس ہو چکی تھی اس آخری بہار کے دیکھے کو پھر گنگوہ میں جمع ہو گئی مولوی محمد یحییٰ صاحب کا وہ دورہ

بچے کے لئے گنگوہ آنا گویا حضرت کی خدمت کے لئے اپنے کو وقف کر کے آنا تھا کہ بارہ برس تک جانے کا نام
 سب حتیٰ کہ امام ربانی دنیا سے سدھار گئے اور وہ بہار ہی ختم ہو گئی جس نے دنیا کو قدوسی منظر دوبارہ دکھانے کیلئے
 حریف کھینچنا تھا۔ آپ کا قیام لال مسجد کے حجرہ میں ہوا اور آخر تک وہ حجرہ آپ کے پاس رہا۔

مولانا فرمایا کرتے تھے کہ دورہ میں میری ایک حدیث بھی کہیں نہیں چھوٹی۔ کا ندھلہ قریب تھا مگر میں
 خود جلنے کا نام تو کیا لیتا والدہ کے اصرار پر حضرت مجھے خردام فرماتے تو سبق کے حرج کا عذر کر دیا کرتا تھا۔
 عید کے موقع پر حضرت نے یہ وعدہ فرمایا کہ سبق میں تمہارا انتظار کیا جائے گا اور مجھے حکم دیا کہ تمہاری والدہ
 بار بار بقاضا ہے جاؤ گھر ہو آؤ تو میں کا ندھلہ گیا اور فوراً واپس آگیا۔ جو صاحب قراءت کیا کرتے تھے
 تیزی کا ایک باب چھوڑ کر دوسرے باب سے پڑھنے لگے۔ ہر چند میں نے اور دیگر شرکاء سبق نے اصرار کیا
 کہ ایک باب چھوٹ گیا مگر وہ یہی کہتے رہے کہ نہیں وہ ہو چکا۔ چند روز بعد جب دوسری مرتبہ حضرت
 نے فرمایا کہ کا ندھلہ ہو آؤ تو میری زبان سے نکلا کہ حضرت پہلی مرتبہ کا قلق ہے کہ ایک باب چھوٹ گیا۔ حضرت
 نے فرمایا اچھا کل اس کو پڑھائیں گے۔ چنانچہ دوسرے دن وہ باب پڑھایا اور اتنی طویل تقریر فرمائی کہ حدیث
 اس دن کا قاری کچھ ایسا مدہوش تھا کہ سبق تم کو غصہ آیا اور جب تقریر تمام ہو چکی تو میری طرف
 مخاطب ہو کر کہا کوئی اور حدیث رہ گئی ہو تو وہ بھی پڑھ لو۔ میں اور حضرت اقدس دونوں چپ کہ زبان
 سے کچھ نہ فرمایا مگر غصہ کی وجہ سے چہرہ سرخ ہو گیا۔ سنا ہے کہ یہ طالب علم کچھ ہی مدت بعد باؤلا ہو گیا اور عقل
 جاتی رہی۔ اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَغَضَبِ رَسُوْلِهِ وَغَضَبِ اَوْلِيّائِهِ۔ فقط۔

بارہ برس حضرت گنگوہی کی خدمت میں آہ مولوی محمد یحییٰ مرحوم میرے محسن اور مخلص دوست
 تھے جن کے کمالات مخفیہ اور حالات سنیہ بیان کرنے کو مستقل تالیف کی ضرورت ہے۔ آخر کوئی چیز تھی کہ امام ربانی کو اولاد سے زیادہ پیارے ہوئے کہ حضرت
 کو بڑھاپے کی لاشی اور نابینائی آنکھیں فرمایا کرتے اور کسی ضرورت سے وہ چند منٹ کے لئے زادھرا دھر
 ہو جاتے تو امام ربانی بیچیں اور بے کل ہو جایا کرتے تھے۔ بارہ برس کامل اس لاڈ اور پیار میں گزرے کہ کوئی
 اس کی نظیر بیان نہیں کر سکتا حتیٰ کہ امام ربانی کا وصال ہو گیا۔

خلافت سمرقانی اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے جن کی دور بین بصیرت بارہ برس پہلے
 سمجھ چکی تھی کہ مولوی یحییٰ کوئی چیز میں گنگوہ جا کر وہ علامہ جو آپ کو مرشد العرب و
 جمہ کے دست مبارک سے عطا ہوا اور اصل سچوں پر سیا ہوا اب تک محفوظ رکھا ہوا تھا یہ کہتے ہوئے اپنے

حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی کی تربیت کا۔ ۳۰۰ میں اشکی پناہ مانگا ہوں اللہ کے غضب ان کے رسول کے غضب اور ان کے اولیاء کے

دست مبارک سے مولوی یحییٰ کے سر پر رکھ دیا کہ اس کے متقی تم ہو اور میں آج تک اس کا محاذِ فطو و امین تھو
الحمد للہ کہ آج حق کو حقدار کے حوالہ کر کے بار امانت سے سبکدوش ہونا ہوں اور تم کو اجازت دیتا ہوں کہ کوئی
طالب آئے تو اس کو سلاسلِ اربعہ میں بیعت کرنا اور اللہ کا نام بتانا۔

مولوی محمد یحییٰ صاحبؒ بھی خود صاحبِ بعیرت تھے اور بارہ برس امام ربانی کے پیشکار بن کر گزار چکے
تھے کہ سب ہی چھوٹے بڑے اس دربار میں آتے اور حاضری دیا کرتے تھے مگر شروع سے ان کے قلب میں
حضرت کی ایک خاص عظمت تھی اور اس وقت بھی جبکہ گنگوہ کا دربار قائم ہونے کے سبب کسی کو وہیم بھی
نہ تھا کہ چند روز بعد ہر مجاز کا دربار جدا قائم ہوگا۔ فرمایا کرتے تھے کہ مولانا خلیل احمد صاحب سے تعلق
رکھنے والا کبھی محروم نہیں رہ سکتا اور مولانا کی ایک شان خاص ہے جو بیان میں نہیں آسکتی یہی سبب
ہے کہ اپنے جس مخلص کو بھی امام ربانی کے بعد انھوں نے مشورہ دیا یہی دیا کہ حضرت کی طرف رجوع کرو اور
جس دوست کی خیر خواہی پر مٹے اس کو مجبور کیا کہ حضرت سے بیعت ہو اور آستانہ خلیلیہ سے نہ ہٹو کہ یہاں
محروم جانے والا کامیاب نہیں ہو سکتا۔

رمضان میں روزانہ ختم قرآن
ایک مرتبہ میری درخواست پر رمضان میں قرآن شریف سنانے
کے لئے میری تشریف لائے تو میں نے دیکھا دن بھر میں چلتے پھرتے
پورا قرآن مجید ختم فرمایا ایتہ اور افطار کا وقت ہوتا ان کی زبان پر قل اعوذ برب الناس ہوتی تھی۔ ریل
سے اترے تو عشا کا وقت ہو گیا تھا ہمیشہ با وضو رہنے کی عادت تھی اس لئے مسجد میں قدم رکھتے ہی
مصلے پر آگئے اور تین گھنٹہ میں دس پارے ایسے صاف اور رواں پڑھے کہ نہ کہیں کنکنت تھی نہ تشابہ
گو یا قرآن شریف سامنے کھلا رکھا ہے اور باطنیان پڑھ رہے ہیں تیسرے دن ختم فرما کر روانہ ہو گئے
کہ نہ دور کی ضرورت تھی نہ سامع کی۔

کبھی تنخواہ لیکر نہیں پڑھایا
یہ بھی مولانا کی خصوصی شان تھی کہ بالاصالحہ کبھی تنخواہ نہیں لی اور کبھی
درس پر کسی قسم کا معاوضہ گوارا نہیں فرمایا۔

طلبہ سے برتاؤ
میں نے بار بار دیکھا کہ کھانے کا وقت ہوتا تو سارے طلبہ سے کہتے اپنے اپنے کھانے لے آؤ
اور جب مختلف قسم کے کھانے سب لے آتے کہ کسی کو دال ملی اور کسی کو ساگ۔ کوئی گوشت
لایا اور کوئی ترکاری تو اپنے گھر سے بھی کھانا منگاتے اور ایک طشت یا کونڈے میں سب کھانوں کو مخلوط

لے بیعت کرنے کی اجازت دیا ہوا خلیفہ۔ سٹہ اہل اپنے لئے صرف یہ ہوا ہے جیسے پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت مولانا خلیل احمد
کی جگہ کام جے کے زمانہ میں کیا اور تنخواہ لیکر انان جی کو دبیری۔ سٹہ ملا کر اور ممکن ہے اس سے یہ مقصود ہو کہ رنگ رنگ کے کھانے
نہیں جو زبرد کے خلاف ہے سب مل کر ایک رنگ ہو جائے اور یہ بھی نہ ہوا کہ اچھا کوئی اڑائے بڑا دوسرے کیلئے رہ جائے سب دی ہیں

کر کے فرماتے کھاؤ سبم اللہ۔ طلبہ کی اکثر دعوت کیا کرتے اور خفیہ طور پر ان کی تمامی ضروریات مالیہ پوری فرماتے۔ یتیمی و یتیم خان اور یتیم خانہ و یتیم خانہ کی پوشیدہ طریق سے اتنی خدمت کرتے کہ سننے والا حیران ہو جاتے۔ سادگی اور اپنے نفس کی طرف سے استغنا کا یہ عالم تھا کہ شاید گھر میں پانچ روپیہ کا غلہ بھی ایک دفعہ نہیں ڈر لایا مگر مصارفِ خیر پر خرچ کا یہ عالم تھا کہ جس وقت انتقال ہوا تو آٹھ ہزار کے مفروض تھے اور کسی کو خبر بھی نہ تھی کہ کس میں فرض ہوا۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا اللہ پاک نے بیٹا بھی باپ کا نمونہ عطا فرمایا تھا اس لئے اس نے سارا قرض اس ذخیرہ کتب سے ادا کیا جو باپ نے چھوڑا تھا اور ہر بات میں باپ کا سچا جانشین ہونے کے سبب حضرت کا ایسا نور نظر بنا جیسا باپ حضرت گنگوہی کا بنا تھا۔ فلشہ الحکمہ کہ علم شریعت و طریقت دونوں میں کامگار ہوا اور تعلیقات ابوداؤد میں بالتخصیص حضرت کا فہم و باریک بینی کا یہ خلیل سے وہ انعام پایا جس پر ہم عصر دل کو جو کچھ بھی غبطہ ہو وہ کم ہے کہ حضرت نے ختم تعلیقات کے بعد حجاز طریقت بنا کر مدینہ منورہ سے واپس کیا اور شیخ الحدیث خطاب عطا فرما کر اپنے مدرسہ میں بٹھانے کا امر فرمایا۔ بعض اراکین مدرسہ کو بعض مصالح کی بنا پر پس و پیش ہوا تو حضرت نے مدینہ منورہ سے بندہ کو تحریر فرمایا کہ مولوی زکریا ماشاء اللہ اس خطاب کے اہل ہیں و میں خوب جانتا ہوں کہ حدیث میں ان کو کتنا استخراج حاصل ہے لہذا اگر مدرسہ والوں کو اس خطاب کے دینے میں تامل ہے تو تم میری طرف سے یہ خطاب دیداد و مدرسہ کے انتظامات جزئی و کلی میں ان کی رائے کو دخل بنا کر مشیر ناظم قرار دو۔

مولوی عبداللہ گنگوہی مولوی عبداللہ صاحب گنگوہیؒ کہ حضرت کے حجاز طریقت تھے مولانا محمد یحییٰ صاحب ہی کے شاگرد اور ارے باندھے ادھر لائے ہوئے تھے کہ انگریزی سکول میں پڑھا کرتے اور اپنے محلہ والی مسجد میں جس کا حجرہ مولوی محمد یحییٰ صاحب نے اپنے قیام کے لئے رکھا تھا کبھی کبھی نماز کو آجایا کرتے تھے۔ آپ نے تازیانہ نماز کا شوق رکھنا واسلئے کیا عجب ہے دینی تعلیم کی طرف رغبت پانچا تے لہذا صاحب سلامت پیدا کی اور پہلا پھسلا خارج وقت میں عربی پڑھنے کا شوق دلایا۔ مولوی عبداللہ کہنے میں آگے اور میزان شروع کر دی، ذرا غی زیادہ تھے ایک دن مولانا نے دو گردان یاد کرنے کو کہدیا جن کو رٹتے رٹتے شام ہو گئی۔ مولانا نے فرمایا خدا کے بندے ناظم ہے کہ ایک گردان میں شام کر دی۔ کہنے لگے نہیں مولوی صاحب یہ تو دو تھیں اور یہ کہہ کر

سے دانیہ جن کا نام بذل الجہود شرح ابوداؤد ہے بیٹا ل شرح ہے اب کیا ہو گئی دعا کیجئے اللہ تعالیٰ کسی کو توفیق دے دو بار مشائخہ

رونے لگے غرض اس طرح پھسلا کر آگے چلایا اور نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی چھوٹ گئی اور عربی کے پورے حق تعالیٰ نے خوش نصیب بنایا تھا لہذا اول عالم باعمل ہوئے اور پھر سالک مجاز طریقت اس بنا پر مولانا مرحوم کے اعمال حسنہ بھی مولوی محمد یحییٰ صاحب ہی کے نامہ اعمال میں درج ہیں ورنہ جس انگریزی میں پڑے تھے وہ خدا جانے کہاں پہنچا تھی۔ مولوی محمد یحییٰ صاحب کی وفات کے بعد اپنے استاد زادہ مولوی محمد زکریا صاحب سے مولوی صاحب کو محبت بڑھ گئی تھی اور باوجود عمر میں بڑے ہونے کے ان کا احترام فرمانے لگے تھے۔ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ مولوی زکریا صاحب میں نے ایک خواب دیکھا ہے اس کی تعبیر بناؤ۔ خواب یہ ہے کہ آسمان سے ایک بڑا انار گرا اور زمین پر گرے ہی اس کے سب دانے جدا جدا ہو گئے۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب تشریف رکھتے ہیں اور فرما رہے ہیں بھائی اس انار میں ایک دانہ میرا بھی ہے۔ یہ خواب سنا کر تعبیر کا تقاضا کیا اور جب مولوی زکریا صاحب نے بار بار یہی جواب دیا کہ مجھے تعبیر دینا نہیں آتی تو فرمایا اچھا میں بناؤں تعبیر کہ وہ دانہ میں ہوں اور میں تو آخر مولوی صاحب کا ہوں ہی۔ اور یہ بشارت ہے میری موت اور پھر مغفرت کی۔ چنانچہ چند ماہ بعد اسی سال مولانا کا وصال ہو گیا۔ اور دق میں مبتلا ہو کر منستے اور باتیں کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت گنگوہیؒ کے درس حدیث کی
تقریریں کو قلمبند کرنے کا اہتمام
مولانا محمد یحییٰ صاحب نے گنگوہی میں دورہ حدیث
پڑھتے وقت اس کا بھی اہتمام کیا کہ حضرت کی تقریرات
جو سبق میں سنتے وہ خارج وقت میں ضبط کر کے نقل فرماتے
اور لکھ لیا کرتے تھے جو ہر کتاب کی ایک مستقل تعلیق اور نادر الوجود شرح بن گئی تھی۔

حضرت چونکہ مولوی محمد یحییٰ صاحب کی ذکاوت اس وقت جا بجا چلے تھے جبکہ وہ دہلی میں طالب علم تھے اور اب بارہ برس گنگوہ حاضر ہوئے میں ان کے بحر علی اور استعداد علمی کا مزید تجربہ فرما چکے تھے اس آپ مدت سے متنبی تھے کہ مولوی یحییٰ مظاہر علوم میں آجادیں مگر اول تو حضرت صاحبزادی صاحبہ کا ام کہ وہ ان کو باپ کی خانقاہ سے جدا نہ ہونے دیتی تھیں دوم مولانا کا تنخواہ سے انکار جس پر احتمال ہو تھا کہ دل نہاد و پابند ہو کر نہ رہ سکیں گے۔ لہذا دو سال تو آپ نے صاحبزادی صاحبہ کو راضی کر کے مولانا کو اخیر سال میں چند روز کے لئے بلایا اور وہ ناتمام کتابیں ختم کر کر گنگوہ تشریف لے گئے۔ مگر تیسرے سال

سے تیسرے المبتدی فارسی کی ابتدا کے لئے اور تیسرے المنطق اس فن کی ابتدا کے لئے اور اکمال الشیخ تصوف کی ابتدا میں آپ کی یادگار ہیں ہر دور میں شریک درس ہیں۔ سہ ترمذی شریف کی تقریر الکو اکب الدردی اور بخاری شریف کو جامع الدرداری نام سے طبع بھی ہو چکی ہیں۔

آپ نے مستقل قیام پر زور دیا اور تنخواہ نہ لینے کی شرط کو منظور فرمایا کیونکہ اندازہ ہو گیا کہ پابندی کے لئے تنخواہ اور اس کا عدم دونوں بالکل مساوی ہے اور تنخواہ لینا کسی طرح بھی منظور نہیں فرمایا۔ چنانچہ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۴ء میں مولانا مستقل تشریف لے آئے کہ حضرت کے اسفار مدرسہ کی ضروریات کے لئے دن بدن بڑھتے جاتے اور اس کا اثر آپ کے اسباق پر پڑ کر مدرسہ کی علمی کارگزاری میں نقصان کا سبب بنتا تھا۔ اس وقت سے لے کر ساڑھے پانچ سال کامل آپ

مظاہر علوم میں درس کی بند اورصال

۱۲۳۴ء کی شب میں جس کی صبح کو حضرت کا نارا آیا کہ سفر حج سے واپس ہو کر بمبئی پہنچے مولانا ہمیشہ میں مبتلا ہوئے اور چند ہی گھنٹے میں شہید ہو کر راہی عالم قدس ہوئے فان الله وانا اليه راجعون۔ علم و عمل کا مجسمہ آن کی آن میں دنیا سے رخصت ہو کر ہمیشہ کے لئے سہارنپور کے گورستان میں سہارا اور حضرت کو بہرہ یغہ تاراس سانحہ کی بمبئی میں اطلاع دی گئی حضرت کے قلب پر اس وقتی واقعہ کی سخت چوٹ لگی لیکن آپ تو مجسم صبر و رضا تھے اس لئے برداشت فرما گئے۔ مگر سیری کا زمانہ صدمہ زدہ دل اور وہی اسفار کی کثرت اور درس کا بابر عظیم جس کے انتظام سے اطمینان پایا تھا وہ پھر سر پر آ پڑا اس لئے حضرت راضی برضا اپنی علوہیت سے اس کو انجام دیتے رہے۔

لیکن اب تنخواہ لینے میں حضرت کو تردد ہونے لگا کہ جتنے اسباق جوانی میں پڑھا تنخواہ سے انکار | سکتا تھا جب ضعف پیری کے سبب اس کو انجام نہ دیسکوں اور مولوی نیچی جیسا قائم مقام بھی نہ رہا کہ میری کمی کو نیا بڑپورا کر دے تو اب مدرسہ سے تنخواہ لینا جائز نہیں چنانچہ حضرت نے تنخواہ ترک فرمادی اور سہروردی سرپرستان مدرسہ کا اصرار ہوا کہ تنخواہ ہی کیا ہے جو حضرت کی خدمات جلیلہ کا معاوضہ ہو سکے اور حضرت کے لئے گھنٹہ بھر پڑھانے پر سو روپیہ ماہوار بھی تھوڑا ہیں مگر حضرت نے نہ مانا اور فرمایا کہ مدرسہ کا روپیہ چندہ کا ہے اور خدا کا مال ہے جس کے ہم لوگ صرف امین و خازن ہیں بچا نصرف یا مراعات کا کسی کوئی حق نہیں ہے اور میں خود خوب سمجھتا ہوں کہ شے کے قابل درس نہیں دے سکتا لہذا تنخواہ نہ لوں گا۔

یہ وقت ہی کچھ عجیب تھا کہ ادھر تنخواہ سے حضرت نے دست برداری فرمائی اور ادھر مصارف بدستور بلکہ دن بدن زیادہ کہ تعلقات وسیع ہو جانے کے سبب ہمانوں کی آمد و رفت بڑھ گئی اس لئے آپ نے قصد فرمایا کہ انہی میں سکونت منتقل فرمادیں کہ وہاں کوئی خاص اہتمام ہی سے جایگا تو پہنچ سکے گا

۱۰۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب نے ۱۰ ربیعہ ۱۲۸۴ء روز شنبہ صبح ۸ بجے وقت لکھا ہے۔

اور قصباتی گذران جدی زمین کی پیداوار میں تنگی ترشی سے ممکن ہے کہ شہری گذران میں ہر قسم کا خرچ بڑھ بغیر نہیں رہ سکتا۔

آہستہ آہستہ آپ کا یہ قصد پختہ ہو چلا اور اہل مدرسہ کو معلوم ہوا کہ حضرت اس خیال میں ہیں تو حضرت مولانا نے پوری قدس سرہ کو کہ سرپرست مدرسہ بھی تھے اور حضرت کے ساتھ غایت انس و محبت بھی رکھتے تھے یہ صورت بہت شاق گذری اور سمجھ لیا کہ مدرسہ سے حضرت کے اٹھنے ہی نہ وہ علمی برکات رہیں گے نہ عملی ثمرات، اس لئے پریشان ہو کر سہارنپور آئے اور بقیہ سرپرستان کو جمع فرما کر تجویز پیش کی کہ حضرت کا مدرسہ سے جانا مدرسہ کی کھلی بربادی ہے اور تنخواہ لینے پر حضرت کو راضی کرنا خدام کی طاقت سے باہر ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آمدنی نہ ہونے کی صورت میں سہارنپور قیام کرنے پر مجبور کرنے کا منہ بھی نہیں پس میرے نزدیک مناسب ہے کہ حضرت سے تدریس کا بوجھ باضابطہ اٹھا دیا جائے اور نظامت کا جدید عہدہ قائم کر کے (جس کو پرنسپل کہتے ہیں) حضرت کو اس کا معاوضہ دیا جائے کہ درحقیقت حضرت کا مدرسہ میں محض بیٹھا رہنا ہی نظام مدرسہ کے قائم رہنے کا ذریعہ ہے چہ جائیکہ انتظام و نگرانی خود بڑی شے ہے جس کو حضرت رات دن بلا تحدید وقت انجام دیتے ہیں۔ اور پھر حضرت سے بالفاق اور زور کے لفظوں میں عرض کیا جائے کہ بدر نظامت معاوضہ قبول فرماویں اور تدریس محض تبرع کا درجہ رہے کہ صدر مدرس کوئی دوسرا ہو اور حضرت کے پاس ایک دو سبق اس درجہ میں رہے کہ جب حضرت یہاں رہیں تو پڑھائیں اور جب سفر کریں تو صدر مدرس اس کو پورا کرائیں۔ چنانچہ حضرت کو بھی یہ صورت منظور کرنا پڑی اور حافظ عبداللطیف صاحب کو صدر مدرس بنا کر شوال ۱۳۳۵ء سے حضرت نے بھی پھر تنخواہ لینا شروع فرمادی۔

۱۳۳۵ء میں جبکہ گرائی اجناس اور کثرتِ مصارف کی عامہ شکایات اور مجدداً مدرسہ کی مالی ترقیات اور کافی اعانت کے حصول پر کہ یہ بھی حضرت ہی کی سعی و توجہ سے ہوا تاحامی ملازمین مدرسہ کو لے دینی مدرسوں میں صدر مدرس وہ ہے کہ ہر فن کی انتہائی کتابیں خصوصاً حدیث شریف کی پڑھا کے اس کیلئے انتظامات کی ذمہ داری ضروری نہیں ہوتی۔ اکثر بڑے مدرسوں میں صدر مدرس اور بزرگ ہوا کرتے ہیں اور ہم نام آئم دوسرے صاحب، مگر حضرت دونوں کام انجام دیتے تھے گو تھے صدر مدرس اس لئے اب تجویز ہوا کہ صرف انتظام کی ذمہ داری ضابطین مدرسہ پر ہو کہ منتظم کے لئے درس لازم نہیں ہے۔ ۱۳۳۵ء احسان اور بلا معاوضہ۔

۱۳۳۵ء حضرت شیخ الحدیث صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت حافظ صاحب کو صدر مدرس بنانا اس وقت کا واقعہ نہیں۔ صدر مدرس چھ کو جاتے ہوئے شوال ۱۳۳۵ء میں بنایا تھا وہ بھی میرے والد صاحب کی درخواست پر کہ حضرت جاتے وقت میرے والد صاحب (حضرت مولانا عجمی) صاحب کو صدر مدرس بنا رہے تھے انھوں نے صدر مدرس سے قوا نکار فرمایا اور یہ فرمایا کہ سبق تو جتنے ارشاد فرمائیں گے پڑھاؤں گا مزارت کیلئے مولانا عبداللطیف صاحب مناسب ہیں۔

رتیاں دی گئیں تو غلہ کا اضافہ حضرت کی تنخواہ میں بھی ہوا جس کو حضرت نے باصرہ قبول فرمایا اور یہ آپ اپنے لئے ہی فرماتے رہے کہ مجھ سے توفہ کے قابل بھی کام نہیں ہوتا اور نہ میری کوئی ضرورت بندہ س لئے اس کی حاجت نہیں۔

جمادی الثانیہ ۱۲۸۵ھ میں جبکہ حیدرآباد سے معقول وظیفہ مدرسہ کا مقرر ہوا تو مدرسین نے پھر ترقی چاہی کہ درحقیقت وہ حضرات کتنا ہی خرچ میں تنگی کرتے مگر موجودہ قلیل تنخواہ میں گزر نہیں کر سکتے تھے اور مقروض ہو کر پریشان و پرانگندہ دل رہتے تھے چنانچہ عطاء خداوندی کا لحاظ کرتے ہوئے مدرسین کو دل نہاد اور یکسو کرنے کے لئے کہ فکر معاش سے مستغنی ہو کر سکون و طمانیت تعلیم میں مشغول ہوں پھر سب کو حسب عہدہ ترقی دی گئی اور حضرت کے نام بجدۃ نظامت علیہ السلام کا اضافہ ہو کر معہ ماہوار لکھے گئے جس کو حضرت نے تین سال لیا اور آخر ۱۶ شوال ۱۲۸۵ھ کو آپ ڈیڑھ سال کی رخصت بوضع تنخواہ لیکر مدینہ منورہ روانہ ہو گئے اور پورا ڈیڑھ سال گزرنے پر کہ نایک دن کم نہ زیادہ آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا کہ رحمت البقیع کو خوابگاہ بنایا۔

مظاہر علوم کا نظام اور کارگزاری

مظاہر علوم کا اصل محل وقوع اور جگہ کی تبدیلی | مدرسہ اپنی بنیاد کے وقت قاضی محلہ میں ایک کرایہ کے مکان میں تھا اور کوشش کی

گئی کہ اس محلہ میں مدرسہ کے لئے مکان بنایا جائے مگر اسباب ہیما نہ ہو سکے۔ چند سال بعد حافظ فضل حق صاحب کو کہ مولانا محمد قاسم صاحب سے بیعت اور مولانا محمد مظہر صاحب کے مخلص دوست تھے خیال ہوا کہ مدرسہ کو اپنے محلہ میں لے آویں۔ یہ مکان جس میں اس وقت مدرسہ ہے حافظ صاحب کا ذاتی مکان تھا اس کو انھوں نے توڑ کر مدرسہ کی موجودہ حالت پر تعمیر کرایا اور مدرسہ کے نام بیعنامہ کر کے مدرسہ اس میں قائم کر دیا۔ اشارۃ تعمیر میں مولانا سعادۃ علی صاحب فقیہ بانی مدرسہ انتقال فرما گئے۔

مظاہر علوم تاریخی نام ہے | اور اسی تعمیری سال پر مدرسہ کا تاریخی نام مظاہر علوم ۱۲۹۲ھ تجویز ہوا۔

مظاہر علوم کے سرپرست | اس وقت مدرسہ کے ممبران و سرپرست صرف تین حضرات تھے مولانا محمد مظہر صاحب، قاضی فضل الرحمن صاحب اور حافظ فضل حق صاحب۔

سے عرض کیا تھا کہ آپ کی تنخواہ نہ بڑھے گی تو بیچ والوں کی نہیں بڑھ سکتی اور وہ سب پریشان ہیں۔ مدینہ منورہ کا قبرستان۔

۱۲۹۵ء میں جب اکابر اہل الشہر کا مشہور مجمع حج کو روانہ ہوا تو مولانا محمد منظر صاحب اور مولوی احمد صاحب کانپوری کہ مدرسہ دہم تھے اور مولوی غایت الہی صاحب بھی ہم کاب تھے۔

اور مدرسہ میں ان حضرات کی جگہ مولانا احمد علی صاحب محدث اور ان کے صاحبزادے مولوی حبیب الرحمن اور ایک بنگالی مولوی امین الحق صاحب عارضی طور پر مدرسہ رکھے گئے جو واپسی حضرات پر علیحدہ ہو گئے۔

۲۴ ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ کی شب میں ۸ بجے مولانا محمد منظر صاحب انتقال فرمایا کہ بمقتضائے حدیث المؤمن یموت بعرق الحبیب آپ کی پیشانی پر پسینہ تھا اور آپ ماتھے پر بار بار ہاتھ پھیرتے تھے۔ مولانا کی وفات کے بعد قاضی فضل الرحمن صاحب نے ممبران مدرسہ میں اضافہ کیا اور قاضی ابوسعید مولوی ناظر حسن وکیل، خواجہ احمد حسن، میر تونکر علی مولوی شتاق احمد وغیرہ کارکن ذمہ دار قرار پائے۔

حضرت گنگوہی کی سرپرستی اور مولانا کی صدمہ مدرسہ میں بعض ممبران کی تحریک پر حضرت امام ربانی سرپرست بنائے گئے اور مولانا خلیل صاحب صدر مدرس پر تشریف لے آئے مگر چونکہ اکثر ممبران کو نہ حضرت گنگوہی سے عقیدت تھی نہ مولانا سے انس و تعلق، اس لئے مولانا کے متعلق صرف پڑھانا تھا کہ انتظامی امور میں نہ آپ کو دخل تھا نہ آپ سے کوئی مشورہ لیا جاتا بلکہ مدرسہ سے ہر وقت واسطہ رکھنے کی بنا پر گاہے ماہے جمع ہو جانے والے ممبروں کو آپ کسی ضرورت پر مطلع فرماتے اور مشورہ بھی دیتے کہ یہ انتظام کر دیا جائے تو اس کو ٹھکرا دیا جاتا تھا۔ آپ بھی خاموش تھے اور اپنے کام سے کام رکھتے تھے کہ پابندی وقت کے ساتھ سبق پڑھائے اور مکان تشریف لیگے چنانچہ پانچ سال کامل گذر گئے اور آپ نے کارند ریس کے سوا کسی نظم میں دخل نہیں دیا۔

حضرت گنگوہی کا سرپرستی سے استعفا اگر اس پر بھی آپ نے دیکھا کہ ممبران میں کثرت اس جانب ہے جن کو حضرت گنگوہی سے غدار ہے اور حضرت کی سرپرستی کے ساتھ مولانا کی صدارت بھی دل سے ناگوار ہے کہ خفیہ طور پر آپ کو علیحدہ کرنے کی تدبیریں جاری ہیں تو آپ نے امام ربانی سے اس کا تذکرہ فرمایا اور حضرت مدرسہ کی سرپرستی سے مستعفی ہو گئے۔ آپ کا خیال درحقیقت صحیح تھا اور چند ہی روز بعد اس کا ظہور ہوا کہ امام ربانی کا استعفیٰ بخوشی منظور کر لیا گیا۔

۱۔ مسلمان تو پیشانی کے پینے سے مرنا ہے۔

صدر مدرسہ کے عہدہ سے وقتی طور پر سبکدوشی | اور اس کے ساتھ ہی پانچ حضرات نے
اتحاد مختصر کمیٹی کر کے آپ کو مدرسہ برسات

کر دیا۔ حافظ فضل حق مرحوم کے صاحبزادہ مولوی حبیب احمد کو جنہیں اخیر تک حضرت کے ساتھ خاص
محبت رہی اس قصہ کا بہت صدمہ ہوا اور وہ حضرت سے چمٹ کر زار زار رونے لگے۔ ہر چند کہ وہ محلہ میں
سربزاور رہے اور اس باپ کے بیٹے تھے جو مدرسہ کو فاضلی محلہ سے یہاں اپنے مکان میں لائے تھے مگر اپنی
قومی نا اتفاقی کے سبب مدرسہ پر ہوا ہی ہو جانے والے ممبران کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اس لئے حضرت
کا مختصر اسباب اٹھا کر اپنے گھر لے گئے کہ حضرت مکان چھوڑ چکے اور اسباب و متعلقین کو انہیں بھیج
چکے تھے۔ اور یہ کہہ کر کہ حضرت تین چار دن توقف فرما کر ہمیں کوشش کا موقع دیں حافظ عزیز علی
اور مولوی مشتاق کو ساتھ لیکر اس پر زور دینے لگے کہ یہ برخاستگی نا تمام کمیٹی میں اور بلا وجہ طے ہوئی ہے
لہذا قابل عمل نہیں ہے، مگر ممبران مدرسہ کے کان پر جوں بھی نہ رہی اور ان صاحبوں کے آخری عام جلسہ
میں اس تحریک پر بھی یہی جواب دیا گیا کہ جو ہونا تھا وہ ہو چکا اب کوڑوں کی کائیں کائیں سے کچھ نہیں
ہو سکتا۔ سچ ہے کہ مخلص کی بیکی جب اس کو چار طرف سے مایوس کر دیتی ہے تو قدرت اپنا کرشمہ دکھانے
کے لئے اسباب ظاہری کا پردہ اٹھا دیتی ہے۔

اصلاح حال کے سامان | یہ لوگ پریشان تھے کہ نہ مولانا کو روک سکتے ہیں نہ چھوڑ سکتے ہیں، بجز
رونے کے کوئی کام نہ تھا کہ غیب سے سامان ہوا اور ایک شخص اس

وقت جبکہ میاں حبیب احمد متفکر و پریشان مسجد کے در پر کھڑے تھے آکر ان سے پوچھنے لگا کہ کیا پریشانی
ہے۔ انہوں نے اس کو فریق ثانی کا جاسوس سمجھ کر دھنکا کر دیا کہ چل تو کون ہم سے پوچھنے والا کیا بات ہے
اس نے کہا کہ میں خفیہ پولیس کا ملازم ہوں اور تمہیں اطمینان دلانا ہوں مجھے صردار اور سارا قصہ حب مشتاط
سمجھو۔ انہوں نے صردار کو دیدیئے مگر ڈرتے رہے کہ الٹا ہم ہی کو نہ پھانسی دے۔ فریق ثانی اپنی بجز کی تکمیل میں
مشغول تھا اور اگلے دن مولوی عبدالعلی صاحب آگئے جو حضرت کی جگہ مدرسہ اول بنائے جانے کو بلائے
گئے تھے۔ یہ دوسری کشمکش تھی کہ انہوں میں مقابلہ کرانے کی تدبیریں تھیں۔

حضرت رائپوری کی خصوصی توجہ | اس قصہ میں سب سے زیادہ دردناک دھک کا اثر خصوصیت کے
ساتھ حضرت مولانا رائپوری قدس سرہ پر تھا کہ رائپور سے ہر تیسرے

چوتھے دن اپنے چھکر میں سہارنپور آتے اور حضرت کے شریک حال ہر قسم کی اعانت اور جان و مال تک بچھاؤ
کرنے کیلئے تیار ہو کر قدرت والے مسبب الاسباب کی طرف سے غیبی مدد کا انتظار فرمایا کرتے تھے۔

ادھر حضرت گنگوہی کا حکم تھا کہ روزانہ مجھے حالات کی اطلاع دی جائے اور اسلئے مولوی شتاق کے بھائی حبیب احمد روزانہ ٹوپر سوار ہو کر گنگوہ جایا کرتے اور ایک ایک واقعہ کانوں میں ڈال آیا کرتے۔

اپنی بات کی تیج اور دعویٰ کو پورا کرنے کا اہتمام دنیا داروں غدر کے مشہور باغی رشید احمد کے لئے ایسا ضروری ہے کہ چاہے جان جائے مگر آن نہ جائے اس لئے خواجہ مظاہر حسن نے کہ آنریری مجسٹریٹ تھے یہاں تک کہمیدیا کہ میں باور صاحب کلکٹر سے کہہ دوں گا کہ یہ سارا فساد غدر کے مشہور باغی رشید احمد کا ہے اور یہ سب لوگ اس کے جرگہ کے ہیں۔ حق تعالیٰ کو یہ دعویٰ اور ناز پسندہ آیا کہ اسی نے ایک اسلامی علمی یادگار کو اس عقاب کے مثل بے باغ بنادیا تھا جو کسی ناقدِ زمان بڑھیا کے ہاتھ میں پر گیا اور اس کے خیر خواہی کے دعوے میں اس کی چونچ اور بچے کاٹ دیئے تھے کہ

خاکسارانِ جہاں را بحقارت منکر توجہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشند
اجنبی شخص کی عملی کارروائی | اسباب کا شیرازہ بکھر گیا اور اس اجنبی سائل نے ادھر تھا نہ میں ریٹ کی کہ مدرسہ میں صبح کو بلوا ہوا چاہتا ہے اور ادھر کلکٹر ضلع کو متنبہ کیا کہ خواجہ صاحب کی مجسٹریٹ بقایا امن کی جگہ نفقہ امن کے کام آ رہی ہے کہ ممبر مدرسہ ہونے کی حیثیت سے مدرسہ اول کو بے قصور برخواست کر کے عامہ مسلمانوں میں فساد کا بیج پید ا کر دیا اور ادھر مولوی عبدالعلی صاحب کو جاسمجھایا کہ آپ اپنے پاؤں میں کھارڑی کیوں مار رہے ہیں حکام نے طے کر لیا ہے کہ موقع پر جا کر فریقین کو گرفتار کریں اس لئے خیر خواہانہ مشورہ دینے آیا ہوں کہ راتوں رات واپس ہو جاویں اور ادھر مولوی حبیب احمد کو سارے قصے باختبر کیا کہ مولانا کو ریل میں سوار کیا یا ہوں اور اب ذرا ہمت دکھاؤ کہ صبح کو مدرسہ کا دروازہ کھول کر مولانا کو جابٹھلو کہ سبق شروع کرائیں اور چند آدمیوں کو دروازہ پر بکھرا کر دو کہ انیسٹر حلقہ آویں تو زور و قوت کے ساتھ اپنا سچا احتجاج پیش کریں۔

فریقین کو مصالحت پر مجبور کیا گیا | چنانچہ صبح ہوئی تو صاحب علاقہ مع گارڈ کے موجود تھے جن کو دیکھ کر ایک مجمع کثیر تماشائیوں کا اکٹھا ہو گیا اور انھوں نے ایک نظر میں حقیقتِ حال معلوم کر کے کمال شرافت و سیاست کا یہ برتاؤ کیا کہ فریقین کو باہمی مصالحت پر مجبور کیا۔ ادھر سے جواب صاف تھا کہ ہمیں نہ پہلے انکار تھا نہ اب انکار ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ مدرسہ نہ ہمارا نہ ان کا۔ ورنہ یا تو کہہ کر جھگڑا نہیں ہے صرف مدرسہ پر جھگڑا ہے کہ ہم غریبوں کی درخواست ہے

لے شکہ۔ لے جان کے خاک جیسوں یعنی روٹیوں کو تحقیر نہ دیکھا کہ وہیں کیا خبر ہے کہ ممکن ہے اس گردیں کوئی سواری ہو۔

برخاستگی کی وجہ بتا دو اور علیحدہ کرنا ہو تو پوری کمیٹی منعقد کر کے علیحدہ کر دو اور وہ اپنی طاقت پر نازاں ہماری آواز کو فقار خانے میں طوطی آواز اور کوئے کی کائیں کائیں سمجھتے ہیں۔ بات چونکہ بالکل معقول تھی اسلئے نعیم اللہ خاں صاحب کے مکان پر دونوں فریق کو ملا کر اس تحریر پر سب کے دستخط لے لئے گئے کہ ہم جملہ اشخاص اس بات پر رضامند ہیں کہ جو اختلاف نسبت برخاستگی مولوی خلیل احمد صاحب مدرس اول کے باہم فریقین میں ہے اس برخاستگی کی وجہ پر محمد نعیم اللہ خاں صاحب مجسٹریٹ اور صاحب علی خان صاحب انسپکٹر جو کچھ رائے یعنی نسبت برخاستگی و بجالی کے قائم کریں وہ فریقین کو منظور ہوگی اور اس میں کسی فریق کو کوئی عذر نہ ہوگا۔ فقط۔ یکم فروری سن ۱۳۱۹ء

اسی وقت مدرسہ کا رجسٹر جس میں تجاویز سرپرستان درج کی جاتی تھیں قاضی صاحب سے منگایا گیا اور جس نے بھی تقرری ثالثی پر دستخط کرنے میں ذرا تاہل کیا کہ تمامی ممبران کو جمع کیجئے اسی کو انسپکٹر نے ڈانٹا کہ محض مسلمان ہونے کی وجہ سے یہ صورت کر رہا ہوں کہ اسی نااہلیت اور دعویٰ انانیت نے آج مدارس دینیہ کو جنھیں تاج بنا کر سر پر رکھنا چاہئے تھا بچوں کا کھیل اور کھلونا بنا رکھا ہے اور علماء کو جنھیں آنکھوں کی پتلی سمجھنا چاہئے تھا اور ذلیل ترین نوکر قرار دے رکھا ہے جس کا ہم پروبال پڑ رہا ہے اور ہوش نہیں آتا، ورنہ آج نہ بوڑھا دیکھتا نہ جوان ہاتھوں میں ہتکڑیاں ڈال کر جیل خانہ بھر دیتا۔ چنانچہ پھر کسی نے پتوں نہ کی اور آخروں نے اندھا کر بخیر لکھی اور قطعی حکم کی صورت میں سب کو سنا دیا جس کی نقل یہ ہے:-

حضرت کی اپنے عہدہ پر برقراری
اور نئے سرپرستوں کا انتخاب

کتاب امورات کمیٹی مدرسہ عربی مظاہر علوم سن ۱۳۱۹ء کی کارروائی جملہ منعقدہ ۳ شوال سن ۱۳۱۹ء مطابق ۳ جنوری سن ۱۹۰۳ء دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ممبران مدرسہ قاضی فضل الرحمن و محمد ابوسعید و مولوی خلیل الرحمن و میر تنوگر علی و مولوی ناظر حسن وکیل صاحبان پانچ کس نے با اتفاق رائے مولوی خلیل احمد صاحب مدرس اول مدرسہ مذکور کو جوہات چن علیحدہ کرنے کا قصد کیا لیکن کوئی وجوہات علیحدگی مولوی صاحب تحریر نہیں کی اور نہ مولوی صاحب موصوف کا کچھ جواب لیا گیا۔ اور کاغذات سابقہ کے ملاحظہ سے معلوم ہوا کہ مولوی خلیل احمد صاحب کو علیحدہ کرنا نہیں چاہئے اور نہ کوئی قصور اور خطا مولوی صاحب موصوف کا باظاہر ثابت ہے۔ اور اگر مولوی صاحب نے دوسری جگہ قصد بندوبست کا کیا بھی تھا تو ان کو اطمینان دلایا کہ اگر وہ قواعد مدرسہ کی پوری پابندی اور بجا آوری فرائض منصبی عمل میں لاتے رہیں گے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ مدرسہ سے علیحدہ کئے جاویں اور اب مولوی صاحب کو بلا وجہ خاص

علیحدہ کر دیا گیا ہے۔ لہذا یہ علیحدگی مولوی خلیل احمد صاحب کی مناسب نہیں ہے جب تک کہ کل ممبران جمع ہو کر ایک جلسہ منعقد کر کے ان کو علیحدہ نہ کریں۔

اور ہماری رائے میں اس مدرسہ کے سرپرست مولوی ذوالفقار علی صاحب دیوبندی اور مولوی عبد الرحیم صاحب لاہوری اور مولوی اشرف علی صاحب تھانوی مقرر کئے جائیں تاکہ متعلق تعلیم و تقرر و بر خاستگی و ترقی و تنزیلی مدرسان مدرسہ ان کی رائے سے ہو کرے اور طریقہ تعلیم کے وہ نگران اور سرپرست رہیں۔ اور دیگر رؤساء و عمائدین شہر بطور ممبر کے رہیں جو ترقی چندہ و انتظامات مدرسہ کے کوشاں رہیں اور خواجہ مظاہر حسن جو اس وقت مستعفی ہو گئے ہیں وہ بھی کم سے کم ایک سال تک معین اور مددگار رہیں۔ فقط یکم فروری ۱۳۱۷ء

العبد
صاحب علی اسپیکر

العبد
محمد نعیم خاں

عامہ مسلمانان شہر اس انتخاب پر مسرور ہوئے کہ دین کا گھنٹہ ان تجربہ کار گھڑی سازوں کے ہاتھ میں گیا جو اس کی مشین کے پرزوں سے پوری واقفیت رکھنے والے ہیں اور یہ مادہ تاریخ ہو کر کہ دالک و قع بفضل اللہ ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۱۷ء کو سرپرستان نے مدرسہ میں مجتمع ہو کر اپنا کام شروع فرما دیا۔

مظاہر علوم کا غسل صحت

یہ پہلادان تھا جس کو مدرسہ کے غسل صحت کا پہلادان یلیم نوزائیدہ بچہ کے شفیع مرفعتہ کی گود میں آنے کا پہلاروز کہنا چاہئے کہ اس کی ترقیات جسمانیہ و روحانیہ کا دروازہ کھلا اور وہ دن و نارات چوگتا پھلنے اور پھولنے کے لئے تیار ہو گیا سرپرستان مدرسہ جیسے دیانتدار اور دینی مدرسہ کی بقا و ترقی کے شیدا تھے ایسے ہی حضرت اپنے استاد کے لگائے ہوئے تختان کی ہر روش اور کیاری پر جاں نثار تھے اس لئے نظام میں دخل دینے اور ہر شعبہ کی ضروریات پر سرپرستوں کو توجہ دلانے کا موقع ملا اور وہ مدرسہ جو زاویہ خمول و کس پرسی میں پڑا ہوا تھا گھٹنیوں چلنے اور پھیر لپکنے اور زین رفتار دڑنے لگا۔

ترقی کا دور

طلبہ کی کثرت ہوئی، مدرسین کا اضافہ ہوا، چندہ میں توسیع ہوئی، نایاب کتابوں کی بذریعہ وقف و خرید بستی ہوئی اور عالی شان و محفوظ کتب خانہ جدید بنایا گیا خالی چھتوں پر درس گاہیں تعمیر ہوئیں، ماہر تجوید قاری کا تقرر ہوا، مفتی رکھے گئے اور فتاویٰ نویسی کا مستقل انتظام ہوا کہ وقت پر جوابات جائیں اور سب رجسٹریں بلفظ ہا درج ہوں۔ جب ترقیات کو ما شا اللہ اور ترقی ہوئی تو مدرسہ کا مکان نا کافی ہو گیا کہ نہ مدرسین کے قیام کے لئے حجرات کافی اور نہ طلبہ کی رہائش کیلئے لہذا مجدد حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب۔ مدد دہلانے والی۔ تھہر کھور کا بلغ مراد چمن۔ تھہ گوشہ گنگامی۔

جگہ وافی طلبہ شہر کی مسجدوں میں مقیم جن کے حالات علمی و عملیہ کی نگرانی محال اور مختلف محلوں میں ان کی روشیاں مقرر کہ ہر معطی ان پر حکومت چلانے کو طیار اس رُلانے والی بوسیدہ حالت کو دیکھ کر حضرت نے محض تو کلام علی اللہ ایک وسیع زمین خرید کر عالی شان تعمیر کی بنیاد ڈال دی کہ اوپر کے حصہ میں جدا جدا متعدد درسگاہیں ہوں اور نیچے کے طبقہ میں طلبہ کی رہائش کیلئے کافی مقدار حجرے۔

۳۲ھ میں دارالطلبہ اور درسگاہوں کی تعمیر | جہانان رسول کے لئے جہان خانہ بننے کے لئے خلیل اللہی آواز کا بلند ہونا تھا کہ پہلے ہی سال

۳۵ھ کی رقم آئی اور دوسرے سال ۳۶ھ میں اس یادگار خلیل کا بنیادی پتھر حضرات سرپرستان کے ساتھ کثیر جماعت علماء و صلحاء کے مبارک ہاتھوں رکھا گیا اور امداد تعمیر جاری ہوئی اور اُدھراہل تیر کی عطا و سخا کے دریا بہہ پڑے کہ کام نے ایک دن بھی رُکے کا نام نہ لیا۔ حضرت مولوی تھے اور درسی کتابوں یا مدرسہ کی چٹائیوں کے سوا کسی چیز سے کبھی واسطہ ہی نہ پڑا تھا خدا جانے انجیزی اور سیاق فن تعمیر کہاں سیکھا تھا کہ محض اپنی تجویز سے نقشہ بنایا اور خود کھڑے ہو ہو کر متری سے ازاو تا آخر تعمیر کرائی۔ آخر ۳۷ھ میں دس سال کے اندر جب یہ قصر علی مکمل ہوا تو دیکھنے والے ماہرین فن حیران ہو جاتے اور ستر چھتر ہزار کی لاگت کا تخمینہ کیا کرتے تھے حالانکہ اس میں چالیس ہزار بھی پورا صرف نہیں ہوا۔

حضرت کی یادگار | حضرت دنیا سے تشریف لے گئے مگر حضرت کی یہ یادگار جس کی تعمیر میں مدرسہ سے فارغ ہو کر دو پہر اور شام کا وقت حضرت متری کے پاس کھڑے ہو کر

گذا کر تے اور نہ دھوپ کی پروا کرتے تھے نہ بارش کی ایک بڑا صدقہ جاری بھی بن کر مدت دراز تک باقی رہے گا اور حضرت کی یاد اس طرح دلاتا رہے گا کہ زبانوں پر دعائیں ہوں گی اور دلوں میں تشکر۔

ظاہر ہے کہ دنیا میں جو بھی آیا ہے وہ مرنے کے لئے آیا ہے مگر اس موت پر ہزار زندگیاں قربان جس کے ہر لمحہ میں ایصالِ ثواب کے لئے وہ بہترین دینی یادگاریں قائم ہوں جو عالم دنیا و آخرت دونوں میں ہر دیکھنے والے کو دعا گو اور مسرور بنائیں اور برہمابریں آب و تاب کے ساتھ سرو قد کھڑی ہوئی اپنی بانی کے نام کا زبان حال ترانہ گائیں۔

مبین حقیر گدایانِ قوم را کایں قوم | شہان بے کمر و خسرواں بے کلامند
عمار توں کی تفصیل | اسی کے متصل خوشنما مسجد تیار کی گئی جس میں اہل محلہ اور طلبہ و مدرسین سما سکیں اور فرش و شامیانہ و روشنی کے وہ کافی انتظام ہمایا ہوئے کہ نماز پڑھنے میں اتنی

لے اللہ پھر دوسرے کہ۔ ۳۸ھ قوم کے ان درویشوں کو حیرت دیکھو یہ بغیر ٹکے کے بادشاہ بغیر تاج کے سلطان ہیں۔

دل بستگی ہوتی تھی جس کی ماہیت بیان کرنے سے زبان عاجز ہے۔ بلند کرسی کے صدر دروازہ پر دارالحديث اور اس کی بنگلوں میں دو در سگا ہیں، شمالی رخ ہوا در وسیع و دو در سگا ہیں جدا اور غرب و جنوب میں ایک در سگا علیحدہ۔ ایک جانب خزانہ جس میں آہنی الماری ہر طرح محفوظ اور نیچے کے طبقے میں دو سے لیکر آٹھ طلبہ رہنے کے قابل چھوٹے بڑے حجرے۔ چونکہ یہ قابل دید عمارت ظاہری حسن کے لحاظ سے بھی نظروں کو اپنی طرف کھینچتی ہے اس لئے ہم نے اس کا فوٹو لیکر بلاک طبع کر دیا اور اس کے ساتھ کتب خانہ اور نیز حضرت کے حجرے و در سگا یہ قدیم کا فوٹو بھی شامل کر دیا ہے کہ ناظرین گھر بیٹھے ان کا نظارہ کر سکیں۔

منہی گھبر کر کے ہاتھ کی دو رین بنانے سے عمارت مثلاً صاف نظر آئے گی، سب سے اوپر فوٹو دارالحديث کا ہے کہ نیچے طلبہ کا دارالاقامہ ہے اور صدر دروازہ کے اوپر بڑا کمرہ دارالحديث ہے جہاں حضرت حدیث شریف کا درس دیا کرتے تھے، اس عمارت کے محاذ میں شرقی سمت سڑک کے دائیں جانب مطبخ ہے اور وہ بھی حضرت ہی کا قائم کیا ہوا ہے کہ اکثر طلبہ کو بجائے نقد وظیفے کے خوراک دی جاتی ہے اور خانا و مرض وغیرہ کی وجہ سے پرہیزی کھانا درکار ہوتا اس کا بھی انتظام کیا جاتا ہے۔ نیز چوبہ استطاعت طلبہ معاوضہ دیکر کھانا لینا چاہیں ان کے لئے بھی یہاں انتظام ہوتا اور صرف جنس وغیرہ کا جو صرف مہینہ میں پڑتا وہ ان سے لے لیا جاتا ہے۔ جن طلبہ کو مدرسہ سے کھانا دیا جاتا ہے ان کی تعلیمی نگرانی زیادہ ہوتی ہے اور اہواری امتحان میں ناکامیاب ہونے پر ان کی خوراک بند کر دی جاتی ہے اور اس کے دوبارہ جاری کرانے کی اس کے سوا کوئی سبیل نہیں کہ آئندہ امتحان میں اچھے نمبروں پر کامیاب ہوں۔ دارالطلبہ کی غربی سمت میں وہ حسین مسجد ہے جو بھوپال کی ایک نیک دل خاتون کلثوم جہاں بیگم نے اپنے روپیہ سے طیار کرائی ہے اور اس کا دروازہ اہل محلہ کے بیرونی دروازہ کے علاوہ اسی دارالطلبہ کے برآمدہ میں ہے اور اس میں وضو غسل و روشنی کا مستقل اور کافی انتظام ہے۔

دوسرا فوٹو کتب خانہ کا ہے جو حضرت مولانا رحیم بخش صاحب سابق وزیر بھاولپور و ظلم کے عطیہ سے تیار ہوا ہے اور کتابوں کی ترتیب تحفہ کا یہ جدید طرز بھی حضرت بی کا دلغ آفرین ہے کہ چھوٹی سی سطح پر سرفن کی کتابیں بہ ترتیب سجائی ہوئی ہیں کہ جس کتاب کی ضرورت ہو نہایت آسانی سے نکالی جاسکتی ہے۔

کتب خانہ میں کتابوں کا غیر معمولی اضافہ
 ۱۲۷ھ میں جب حضرت مدرسہ میں تشریف لائے ہیں
 تو چند فنون کی کتابیں تھیں جن کی تعداد صرف ۷۷۷ تھی
 مگر ۱۲۷ھ میں جب آپ ہمیشہ کے لئے حجاز تشریف لے گئے تو تفسیر، حدیث، اصول حدیث، اسماء رجال،

فقہ، اصول فقہ، عقائد، معانی، فرائض، کلام، مناظرہ، وعظ، ادب، عروض، تجوید، تصوف، منطق، ریاضی، صرف و نحو، غرض محقول و منقول ہر علم و فن کی کافی مقدار میں کتابوں کا ذخیرہ فراہم ہو چکا تھا جن کی تعداد ۱۰۳۳ تھی۔ اس کے بعد نایاب چند قلمی کتابیں آپ نے مدینہ منورہ سے مدرسہ کو بھیجیں اور اضافہ ہوتا رہا، وہ سب کتابیں اس کتب خانہ میں موجود ہیں جو آپ کو نظر آ رہا ہے۔

تیسرا نوٹ مدرسہ قدیم میں حجرہ شریف کا ہے جس میں حضرت کا قیام رہا اور اب مولانا عبداللطیف صاحب کے تصرف میں ہے۔ صلوٰۃ فجر سے فارغ ہو کر اشراق تک اسی میں حضرت مراقب رہتے اور اکثر دوپہر کو سی میں قیلولہ فرمایا کرتے تھے۔ اسی کے باہر دروازہ کے متصل دیوار سے کمر لگا کر اوقات فراغ میں بیٹھتے اور جو بات خطوط و فتاویٰ تحریر فرمایا کرتے تھے۔ سامنے کا حصہ آپ کی قدیم درسگاہ ہے کہ کتاب سامنے رکھ کر قالمین پر تشریف رکھتے اور طلبہ سامنے اور دائیں بائیں بیٹھا کرتے تھے حتیٰ الوسع ہر منظر اصل حالت پر دکھانے کی کوشش کی ہے کہ مکان مجنسہ اور اسی حالت پر موجود ہے مگر افسوس کہ یکین نہیں رہا جس سے اس کی زینت تھی اور اب نظریں اس کو ترستی ہیں۔

مکان دنیا میں ہزاروں ہیں اور خوبصورت سے خوبصورت ہیں مگر مجسم نور اور از مبرنا پاگلاب کے پھول کے قیام و وقوع نے جس جگہ کو تماشگاہ عالم بنا رکھا تھا وہ نگاہ میں کچھ ایسا حسین نظر آتا ہے کہ مجبور نوٹ لوانے اور غائبین کو نظارہ کرانے کی رغبت ہوئی ہے۔

ہر وقت ہے پیش نظر اک حسن کی دنیا اب تو ہے جو آنکھوں میں تو ہر چیز میں ہے
 طلبہ کی کثرت ۱۲۷۱ھ میں جبکہ آپ مدرسہ اول بن کر آئے تو طلبہ کی کل تعداد ۱۲۷۱ تھی یعنی درجہ عربی میں ۵۶، درجہ فارسی میں ۳۴، اور درجہ قرآن مجید میں ۵۷۔ مگر ۱۲۷۱ھ میں جب آپ مدرسہ سے بسوئے طیبہ رخصت ہوئے ہیں تو تعداد طلبہ ۵۰۲ تھی یعنی درجہ عربی اعلیٰ میں ۱۸۶، درجہ عربی ابتدائی میں ۵۸، درجہ تجوید میں ۸۸، فارسی و ریاضی میں ۴۰، اور قرآن شریف میں ۱۳۰، طلبہ میں بالعموم اور تنگائیوں میں بالخصوص کلام مجید پڑھنے میں صحت لفظی تک کا خیال نہ ہونا آپ کے لئے بہت تکلیف دہ تھا اس لئے آپ نے مدرسہ میں تجوید کے درجہ کا اضافہ کیا اور

قاری عبدالعزیز کا تقرر کئی قراء کے ادل بدل کے بعد قاری عبدالعزیز صاحب کو کہ جوان صالح و جید تھے اور چار سال مدینہ منورہ میں تجوید سیکھ کر سہارنپور بغرض تحصیل علم آئے تھے اس خدمت کے لئے انتخاب فرمایا کہ خود دینیات کی تکمیل کریں اور طلبہ کو فن تجوید کی کتابیں بھی پڑھائیں اور مشق بھی کرائیں۔ چنانچہ مدرسہ خوش الحانی و صحت لفظی کے ساتھ تلاوت کلام اشرف

گونج اٹھا اور چند ہی ماہ میں اس ضرورت کی بہت کچھ مکافات آپ نے آنکھوں سے دیکھ کر اس درجہ کو مستقل بنادیا کہ اکثر طلبہ کو حافظہ ہونے مگر قاری اور مجود ہو کر مدرسہ سے نکلے۔ اسی طرح عربی کے طلبہ کا دن بدن علمی ضعف آپ کو پریشان کرتا تھا کہ دورہ میں شریک ہونے والے بھی عبارت پوری صحت کے ساتھ نہیں پڑھتے اور اس کا بڑا سبب ان کی ابتدائی صرف و نحو کی کمزوری و بے توجہی تھی جس پر مزید تائید مدرسوں کے اس قانون سے ہو گئی تھی کہ شرح جامی تک وظیفہ دیا جائے اور اس لئے باہر کے طلبہ بالخصوص اطراف بنگال کے جن کی ابتدائی استعداد نہایت کمزور ہوتی تھی وظیفہ کی خاطر بڑی کتابوں میں شریک ہو جاتے اور پھر ان کو اپنی ابتدائی کمزوری کے دور کرنے میں شرم آنے لگتی تھی۔

تعلیم میں اصلاح اس لئے قانون مدرسہ میں کہ جو بات چند در چند بھی مصلحت پر مبنی تھی آپ نے ترمیم نہیں کی مگر ایک درجہ ابتدائی کھولا جس میں میزان سے لیکر شرح جامی تک تعلیم دی جاتی اور اس کی نگرانی حضرت مولانا صدیق احمد صاحب کے حوالہ فرمائی کہ ان کو خصوصیت سے ابتدائی صرف و نحو کے ساتھ مناسبت تھی اور اپنی طالب علمی کے زمانے سے اس کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ اس درجہ کے لئے آپ نے وظائف علیحدہ مقرر کئے جو عطا کنندگان اسی درجہ کے لئے دیا کرتے اور اس لئے اس درجہ کا حساب جدا رکھا جاتا تھا۔ سالانہ امتحان لینے کے لئے خود مولانا صدیق احمد صاحب تشریف لاتے اور سختی سے اس کی جانچ کیا کرتے تھے کہ طالب علم صرف و نحو پر پورا قادر ہو گیا یا نہیں۔ اس کمزوری کو بھی آپ نے دور ہونا ہوا آنکھوں سے دیکھا اور اس وقت داخلہ کے امتحان میں سختی فرمائی کہ جب تک طالب علم شرح جامی پڑھاوی نہ ہو اس کو اعلیٰ درجہ میں ہرگز نہ لیا جائے بلکہ مجبور کیا جائے کہ ابتدائی شعبہ میں داخل ہو اور وظیفہ لیکر اپنی علمی بنیاد کو مضبوط کرے ورنہ کمزور بنیاد پر تعمیر کیا ہوا مکان ہمیشہ کمزور رہے گا اور گرے گا۔ بیسیوں کو دبا کر ہلاک کر دیا۔ اسی درجہ میں آپ نے بقدر ضرورت فارسی و ریاضی اور تحریر کی مشق پر زور دیا کہ طلبہ روزمرہ کی ضروریات عامہ میں ناقص و کمزور نہ رہیں۔

مولانا صدیق احمد حضرت مولانا صدیق احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت کے چچا زاد بھائی اور ہم عصر تھے کہ بچپن سے آپ ہی کے ساتھ کھیلے اور پڑھے۔ مولانا کو حضرت کے ساتھ ابتدا سے ایک منافست کا مضمون رہا کہ جو کام حضرت کرتے وہی آپ کرتے اور سچے رہنا چاہتے تھے حضرت نے پڑھنا شروع کیا تو انھوں نے بھی شروع کیا۔ حضرت چچا کے پاس گوالیار گئے تو یہ بھی گئے۔ حضرت انگریزی سکول میں داخل ہوئے تو یہ بھی داخل ہوئے۔ حضرت نے عربی شروع فرمائی تو انھوں نے بھی عربی لے جن کے ماجرا سے حضرت مولانا قاضی احمد سابق شیخ الجامعہ علیہ السلام اور اس وقت اس مناسبت میں مشہور ہیں۔

شروع کی۔ حضرت دیوبند آئے تو یہ بھی آئے حضرت گنگوہہ اگر بیعت ہوئے تو یہ بھی ہوئے۔ اور حضرت نے
 یہ مثل شروع کیا تو انھوں نے بھی کیا۔ حتیٰ کہ حضرت مجاز و صاحب نسبت ہوئے تو یہ بھی مجاز و صاحب
 نسبت ہوئے۔ غرض جس کام میں بھی حضرت ہاتھ ڈالنے اپنے پیچھے اور ساتھ ساتھ مولانا کو پاتے اور
 اس لئے خوش ہوتے اور دونوں کی محبت باہمی دن بدن بڑھتی چلی جاتی تھی۔ مولانا خود فرمایا کرتے تھے
 کہ مجھے تو مولانا خلیل احمد کی حرص و منافست نے بڑھایا۔ اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ
 فرماتا ہے: اللہ یجتہی الیہ من یشاء ویھدی الیہ من یشاء۔

نسبت کی دو قسمیں اور ان کا مصداق | آیت شریف میں وصول الی اللہ یعنی نسبت کی دو
 قسم ظاہر ہوئیں ایک اجتہادی کہ ادھر سے کشش ہو
 ورنہ سالک کو مطلوب بنایا جائے اور ایک انابتی کہ ادھر سے طلب ہو اور سالک محب و والد بنے
 چنانچہ میری نسبت اجتہادی ہے کہ حقوڑی محنت کروں یا زیادہ وہ نسبت یکساں حالت پر رہتی ہے
 ورنہ اگر میری طرف سے ذکر و اعمال صالحہ میں کوتاہی ہوتی ہے تو ادھر سے خود کشش ہوتی ہے اور مولوی
 خلیل احمد صاحب کی نسبت انابتی ہے کہ جتنی عبادات میں زیادتی کرتے ہیں اسی قدر نسبت میں ترقی ہوتی
 ہے اور اگر عبادات میں کمی ہوتی ہے تو نسبت میں ضعف و کمی لاحق ہوتی ہے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ پر بزبانہ الکتاب واردات کا بکثرت ہجوم ہوا اور سلوک میں آپ کو مقامات کی
 تفصیل سیر کرانی گئی چنانچہ مکاتیب رشیدیہ میں آپ کے نام کے پچیس خطوط درج ہیں ہیں وہ سب اسی
 حالت کے مظہر ہیں۔ ایک بار حضرت نے فرمایا کہ میں سفر حج سے واپس آکر مولانا سے ملنے کے لئے دہلی گیا
 تو میں نے دیکھا کہ ذکر میں ایک جگہ اکٹھے رہے ہیں اور طبیعت آگے کو نہیں چلتی۔ گنگوہہ آکر میں نے حضرت سے
 غرض کیا کہ حضرت مولوی صدیق احمد صاحب کی طرف توجہ فرماویں کہ وہ ذکر میں اکٹھے رہے ہیں۔ اس کے
 جوئے کا اتفاق ہوا تو دیکھا ماشاء اللہ خوب چل رہے ہیں۔ آپ فارغ التحصیل ہو کر مالیر کو ملے چلے گئے
 تھے حکیم عبد الحمید خاں مرحوم دہلوی جب وہاں گئے اور آپ کو دیکھا تو طب پڑھنے کی ترغیب دی اور اپنے
 ساتھ دہلی آئے چنانچہ کتب طب کی تکمیل کرائی اور مطب بھی کرایا۔ اس وقت آپ گنگوہہ میں بیعت ہو چکے
 اور الکتاب شروع کر چکے تھے۔ جب سب کچھ ہولیا تو دفعۃً دل گھبرا گیا کہ روزِ گوشت کون دیکھا کرے اور
 اس میں تو یہی کرنا پڑے گا اس لئے ہر چند حکیم صاحب نے ٹھیرایا مگر میں نہ ٹھیرا۔ پھر حکیم صاحب کو چونکہ

لے اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اپنی طرف جن لیتے ہیں اور ہدایت ہر اس شخص کو دیتے ہیں جو ان کی طرف متوجہ ہو جائے۔
 لے شیدا فریقہ۔ لے شیخ سے فیض لینے کا۔ لے آخر دنیا کا ہی تو کام ہے آخرت کا نہیں گو حلال ہے۔

مجھ پر شفقت زیادہ تھی اس لئے بہت سی خاص دوائیں میرے ساتھ کر دیں مگر مجھے توجہ نہ رہی تھی اس وہ بھی پڑے پڑے خراب ہو گئیں اور میں سب پڑھا پڑھایا بھول گیا کہ معالجہ کی توفیق ہی نہ ہوئی۔

آپ اپنے ابتدائی زبانہ کا قصہ فرمایا کرتے تھے کہ دیوبند دارالعلوم دیوبند میں درس و تدریس سے فارغ ہونے کے بعد مجھے بارہ روپیہ ماہوار پر مدرسہ

ہی میں مدرسہ بنایا گیا اور میں نے پڑھانا شروع کر دیا میرے طرزِ تعلیم پر طلبہ کا رجوع میری طرف زیادہ ہوا اور مولانا رفیع الدین صاحب ہتم نے فرمایا مولوی صدیق احمد تہاری وجہ سے میری دیرینہ مراد پوری ہوئی نظر آتی ہے۔ مجھے دلت سے افسوس ہے کہ پنجاب و بنگال دو درود کے طلبہ آتے اور فارغ ہو کر چلے جاتے ہیں اور ہمارا علاقہ علم سے خالی ہوا چلا جاتا ہے۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ تمہیں اپنے ملکی طلبہ کا زیادہ خیال ہے اور یہی میری نسا و شوق ہے میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کو اگر یہ پسند تو وظیفہ کے لئے کافیہ اور قدوری کی قید اٹھا دیجئے اور طالب علم چھوٹا ہو یا بڑا اس کا کھانا مقدر فرما دیجئے چنانچہ آپ نے اس کو منظور فرمایا اور پھر تو طلبہ کی یہ حالت ہوئی کہ تسوین پچھتر میرے پاس جن کی تعلیم میزان سے ملاحسن تک تھی اور ۲۵ باقی مدرسین کے پاس۔ عام مدرسین کی عادت یہ تھی کہ کتابیں جو جگہ سمجھ میں نہ آئی استاد کے پیچھے پڑے اور پوچھ لیا مگر مجھے اس سے عار آتی تھی اور میں مطالعہ دیکھتا اور دماغ پر زور دیکر نکال کر لاتا تھا۔ مدرسہ کے نصاب میں تعلیم نحو میرے لئے دو مہینے مقرر تھے مگر میں اپنی جماعت کو آٹھ دن میں نحو میرے حفظ کرادی۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سے دوسرے مدرسین نے شک کر دی اور حضرت نے مجھے بلایا حضرت کو غصہ زیادہ تھا اور دیر تک خفا ہوتے رہے میں نے عرض کیا کہ حضرت میری جماعت کا اور دوسرے مدرسین کی جماعتوں کا امتحان لے لیجئے مگر شرح جامی کے سوالات نہ کیجئے اس سے معلوم ہو جائے گا کہ میں نے بے پروائی سے وقت ضائع کیا یا کچھ کام کر کے دکھایا، چنانچہ حضرت نے سب کو بلا کر امتحان لیا اور سخت امتحان لیا کہ اکثر ناام رہے مگر جتنے کامیاب ہوئے وہ میری ہی جماعت کے تھے اور نا کام طلبہ میں بھی میرے شاگردوں کے نمبر دوسروں سے زیادہ تھے۔ ان باتوں سے مدرسوں کو مجھ پر حسد بڑھنے لگا اور آخر مجھے مدرسہ سے نکال کر گلا بھی بھجوا دیا۔

طلبہ کی ابتدائی تعلیم بالخصوص صرف و نحو میں پختگی اور لکھ لکھ پڑا سنی پیدا ہو جانا چونکہ بچپن سے آپ کے نزدیک قابلِ اہتمام رہا اس لئے آپ سہارنپور دیوبند دونوں مدرسوں کے ابتدائی شعبہ کے باضابطہ ممتحن رہے کہ ہر سال مالیر کوئلہ سے تشریف لاکر امتحان لیتے اور میں جس کے آپ ملازم تھے ان ایام کو آپ کی رخصت میں بھی محبوب نہ کرتا تھا۔

مولف کو دعا

میں نے بھی ایک مرتبہ آپ کو امتحان دیا ہے کہ مجھے عربی شروع کئے ہوئے تیسرا مہینہ تھا اور نحو میر ختم ہو چکی تھی، اتفاق سے آپ میرے بڑے شریف لائے اور مدرسہ میں قیام فرمایا۔ چونکہ شوق تھا اس لئے آتے ہی میرے استاد مولانا عبدالمومن صاحب سے کہیں نے ازاو لے تا آخر مولانا ہی سے پڑھا ہے دریافت فرمایا کہ بچے کون کتاب پڑھتے ہیں۔ مولانا نے مجھے پیش کر دیا اور فرمایا کہ اس کو میزان شروع کئے دو مہینے ہوئے اور نحو میر ختم کر چکا ہے، مولانا نے کتاب بند کرادی اور اول سے جو سنا شروع کیا پورا ترک حفظ پوچھ لیا کہ کتاب کی ایک سطر یا ایک بات بھی نہ چھوڑی، اس کے بعد خوش ہو کر دعادی اور فرمایا بچہ ہوتا رہا ہے۔ مولانا اس کو پھول بھلا گئے اور اب جس وقت بھی دیکھتے احترام فرمایا کرتے مگر مجھے شرم آتی اور ابتدائی امتحان یاد آجاتا تھا۔ آخر ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ تو میرے بھی ممتحن بن چکے ہیں کہ فلاں وقت فلاں مدرسہ میں آپ نے نحو میر کا ازاو لے تا آخر میرا امتحان لیا تھا حالانکہ میری عمر بارہ سال کی تھی اور میزان سے لیکر نحو میر تک میں نے دو مہینے میں پڑھا تھا۔ سوچ کر فرمایا ہاں کچھ یاد تو آتا ہے۔

کشف حضرت ممدوح کو کشف بہت ہوتا اور مزاج میں اتنی سادگی تھی کہ بے تکلف اپنے کشف کو تیرہ کا اپنے لوگوں سے اظہار فرمایا کرتے تھے۔ تذکرۃ الرشید کے بعد سے چونکہ حضرت کو مجھ پر شفقت بہت بڑھ گئی اور آپ کی غایت بے تکلفی نے مجھ بھی بے تکلف بنا دیا تھا اس لئے ایک مرتبہ ظہور ہمدی کے غایت قرب کی بابت اپنے کشف بیان فرمانے لگے گویا ہر لمحہ انتظار ہے اور توقع غالب ہے۔ اسی سال ظہور ہو جائے۔

میں نے عرض کیا کہ حضرت بات یہ ہے کہ مجھے ان امور سے دلچسپی نہیں اور یوں سمجھتا ہوں کہ جو امر جس وقت بھی ہونے والا ہے وہ ہو کر رہے گا کوئی قبل از وقت معلوم کر لے تو کیا نفع اور معلوم نہ تہیب یا نقصان۔ بالخصوص قیامت اور اس کے متعلقات چونکہ ان پانچ چیزوں میں ہیں جن کا علم بجز اللہ جل جلالہ کے کسی کو حاصل نہیں حتیٰ کہ خلاصہ عالم وعالمیان صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی وقت کا تعین معلوم نہ ہوا اور محض آثار و علامات کا آپ نے تذکرہ فرمایا جس میں اس کا اشارہ بھی نہیں کہ کس صدی یا کس سال اور کس مہینے میں یہ واقعہ ہوگا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حق تعالیٰ کو منظور ہی نہیں کہ اپنے خصاصی علم کا کسی کو کچھ بھی حصہ دیں ورنہ محبوب کی ذات اس کے لئے احق واولیٰ تھی۔

لہذا میرا خیال تو یہ ہے کہ جن اہل اللہ کو اس کے متعلق کوئی کشف ہوا اس میں ضرور غلط ڈالا گیا تاکہ علم الغیبات کی تخصیص بذات اللہ میں فرق نہ آئے۔ صاحب کشف کی ولایت میں بھی کوئی فرق نہ آیا کہ اس نے

ان باتوں کا کشف جو انسان کے اختیار سے باہر ہیں۔ علیہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے خاص ہونے میں۔

جو کچھ دیکھا حق دیکھا جیسے دور بین میں دور کی چیز پاس نظر آتی ہے کہ دیکھنے والا ہاتھ بڑھا کر اس کو پکڑنا چاہتا ہے مگر یہ نہیں سمجھتا کہ چیز حقیقت دور ہے اور صرف دور بین اس کو پاس دکھا رہی ہے پس غلطی بھی ہے اور واقعیت بھی کہ شے نظر آنے والی بیشک صحیح مگر اس کا قرب بعد دور بین کی مقدار قوت پر مشتبہ اور غیر معین ہے۔ یہ سن کر مسکرائے اور فرمایا کہ ہاں بات یہی ہے۔

سخاوت و ہمان نوازی حضرت ممدوح میں سخاوت و ہمان نوازی بہت بڑھی ہوئی تھی۔ ایک بار خود فرمایا کہ جب میں طالب علی کے لئے دیوبند آیا تو میرے والد

صاحب نے مجھے ایک چوٹی دی کہ ضرورت میں کام آئے گی۔ میں نے اس کو کمر بند میں باندھ لیا اور وہ چھ بیسے تک بندھی رہی اس کے بعد کسی ضرورت سے اس کو بٹھنایا۔ بس اس کے بعد سے میرے ہاتھ میں کبھی پیسہ نہیں رہا اور جو کچھ آتا وہ خرچ ہو جایا کرتا تھا۔

فریضہ حج کی ادائیگی حتیٰ کہ سلسلہ میں جب میں حج کو جانے لگا اور حضرت امام ربانی کی اجازت لینے لگا تو حضرت نے دعائیں دیکر رخصت فرمایا۔ باہر نکلا تو حضرت نے

پھر آواز دی اور فرمایا کہ مولوی صدیق احمد جب میرے پاس سے کوئی حج کے لئے رخصت ہوتا ہے تو میں اس کو نصیحت کیا کرتا ہوں کہ ہاتھ کو تنگ نہ رکھنا مگر تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ ہاتھ کو فراخ نہ کرنا بلکہ تنگ رکھنا چاہئے آپ نو سو روپیہ لیکر وطن سے مع اپنی والدہ کے روانہ ہوئے اور زمانہ وہ تھا کہ تین سو روپیہ فی کس بھی کافی سمجھا جاتا تھا مگر آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب مدینہ منورہ سے واپس ملے ہو تو سب خرچ ہو چکا اور مجھے فکر تھا کہ ہندوستان جانے کے لئے کس سے قرض مانگوں۔

اسی پریشانی میں ایک دن جا رہا تھا کہ ایک دکاندار نے مجھے بلایا اور کہا مجھے چار سو روپیہ سہاڑوں کے فلاں ناخر کو بیچنا ہے اگر آپ لیتے جاویں تو احسان ہوگا۔ میں نے کہا کہ ایک شرط منظور ہو تو لینا جاؤں وہ یہ کہ اس میں سے دو سو روپیہ قرض لوں گا جن کو سہاڑوں کو بیچ کر ادا کروں گا اور دو سو روپیہ امانت ہوگا کہ مجھے بیچنا دوں گا، دکاندار نے اس کو بخوشی منظور کر لیا اور میرے لئے زاد راہ کا انتظام بلا سوال غیب سے ہو گیا۔

یہ بھی فرمایا کہ قافلے والے عام طور پر اپنے بدوؤں کی شکایت کرتے تھے مگر مجھے تو میرے بدوئے بہت آلام دیا۔ میں نے اس کے واسطے کھجوریں خرید لی تھیں اور جب وہ کہتا یا شبنم الجوج تو میں اس کو ایک پ بجر دیدیتا اور وہ خوش ہو جاتا تھا۔ غرض باوجود دیکھ آپ نے شیخ کے حکم کی تعمیل میں ہاتھ روکنے کی ہر وقت ہی کوشش رکھی مگر پھر بھی آپ کا ہاتھ دوسرے فراخ دستوں سے آگے بڑھا رہا اور گیارہ سو روپے دو نفر کے حج میں صرف ہو گیا۔

خواب میں حضور کی زیارت اور بیماری سے صحت

ایک مرتبہ آپ بزبانہ طالب علمی بیمار ہوئے کسی کو زیت کی امید نہ رہی۔ سہارنپور میں ایک حکیم حاذق تھے آپ کے والد نے بغرض علاج ان کے پاس لے جانا چاہا اور تھبھی کرایہ کر لیا۔ آپ

فرماتے تھے کہ اسی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ مدینہ منورہ روضہ مطہرہ پر حاضر ہوں اور بڑے شوق سے صلوٰۃ و سلام پڑھ رہا ہوں۔ کیا دیکھتا ہوں کہ دفعۃً دروازہ کھلا اور میں سلام پڑھتا ہوا اندر داخل ہوا۔ تھوڑی دیر بعد دوسرا دروازہ کھلا اور میں اندر گیا تو معلوم ہوا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ملا۔ علی کی سیر کو تشریف لے گئے ہیں۔ میں ٹھہرا رہا اور ذرا دیر بعد آنحضرت رومی فدائے ایک تخت پر تشریف لے گئے کہ دہائی طرف ابوبکرؓ تھے اور بائیں طرف عمر فاروقؓ۔ میں نے حضرت کو دیکھے ہی پھر الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ پڑھنا شروع کیا اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف رخ فرما کر پوچھا کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت بیماری کی وجہ سے میرا پڑھنا روک گیا میرے لئے دعا فرما دیجئے کہ صحت ہو جائے فرمایا اچھا ہے یا اچھا ہو گیا۔ (صحیح لفظ یاد نہیں رہا) اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔ صبح کو اٹھا تو آرام معلوم ہوتا تھا مگر چونکہ رخصت کرایہ کر لی گئی تھی اس لئے مجھے سہارنپور لے گئے۔ حکیم صاحب نے بمنہ دیکھ کر والد صاحب سے فرمایا کہ پیری صاحب تمہارا روکا تو بالکل اچھا ہے صرف نقابت اور ضعف باقی ہے سو معجون کا نسخہ دیتا ہوں اس کو کھلائیں صفت بھی جاتا رہے گا۔

مولانا انوار احمد صاحب کا مبارک خواب

آپ کے حقیقی بھائی مولوی انوار احمد صاحب فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ جب حضرت کے بعد میں مشکوٰۃ کی مدد کر رہا تھا

یا تو جاندار کی مشترکہ آمدنی پر میری غلط فہمی سے مجھے بھائی صدیق احمد کی طرف سے کبیدگی ہو گئی اور میں شیدہ ہو بیٹھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ آپ دہلی بغرض تعلیم طب گئے اور طب کو چھوڑ چھار کر وہیں ذکر و شغل میں مشغول ہو گئے تھے۔ میں نے خواب دیکھا کہ کسی بلند جگہ پر کھڑا ہوں جو زمین میں ہے نہ آسمان اور خوشنما بنگلہ ہے جس کا مرقع تعمیر ہو رہا ہے۔ معمار مسلمان ہیں، ایک کا نام مولا بخش ہے اور دوسرے کا غلام رسول۔ میں نے ان سے پوچھا کہ یہ بنگلہ کس کا ہے؟ جواب دیا گیا کہ آپ کے بھائی مولوی صدیق احمد کا۔ میرے نظریے پٹری تو چٹائی و دم نظر آئی اور میں نے کہا ایسی بھدی چٹائی کیوں کی؟ کہا ابھی درست کئے دیتے ہیں اور سیفہ لے کر فوراً اس کو سیدھا کر دیا کہ ایک سوت میں ہو گئی اور بنگلہ مکمل و طیار ہو گیا۔ باہر دیکھا تو چار طرف چھوٹی سی نہر جاری ہے اور بجانب مغرب چھوٹی سی مسجد ہے جس میں خوبصورت لوٹے رکھے ہیں۔ پھر میں نے نظر اٹھائی تو صدا بنگلے چھوٹے بڑے تیار نظر آئے مگر لیکن کسی میں نہیں۔ دوبارہ نظر اٹھائی تو شمالی رخ ایک عالی شان عمارت

نظر آئی اور ایک عمارت بجانب جنوب۔ میں نے شمالی عمارت کے اندر جانے کا قصد کیا تو دربان نے روکا کہ ابھی حکم نہیں ہے تم پہلے جنوبی محل میں جاؤ وہاں تو دربان نہ تھا اور میں اندر داخل ہو گیا۔ دیکھتا ہوں کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مع خلفاء اربعہ تشریف فرما ہیں۔ فرط شوق میں کئی منٹ تک قدم چومتا رہا کہ غلبہ سرور میں میری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، دفعۃً آنکھ کھل گئی اور دیکھا کہ آنسو جاری تھے۔ پھر آنکھ لگ گئی اور پھر یہ خواب دیکھا حتیٰ کہ تین دفعہ یہی پیارا منظر نظر آیا۔ بس اسی خواب پر میری وہ بدظنی بھائی کے ساتھ جاتی رہی۔

حضرت گنگوہی کا اٹھیں، حاجی صاحب کا کرتہ دینا

اور میں وطن آیا تو معلوم ہوا کہ اعلیٰ حاجی صاحب نے اپنا مستعمل کرتہ

حضرت گنگوہی کے پاس بھیجا کہ خلفائے جس کو اس کا سختی سمجھو اسے دیدینا اور حضرت امام ربانی نے وہ کرتہ بھائی صدیق احمد کو مرحمت فرمایا ہے۔ چنانچہ بھائی بھی وطن آئے اور اس ملبوس تشریف کی مجھے زیارت کرائی۔ اس کے بعد ہم بھائیوں میں کبھی کوئی خلش یا رنجش نہیں ہوئی۔

مولانا رحمت اللہ علیہ فرماتے تھے ایک بار مجھ سے کہا گیا کہ پوچھو کیا پوچھتے ہو۔ میں نے تین باتیں دریافت کیں جن میں ایک یہ تھی کہ مجھ پر یہ انعامات کیوں ہوئے؟ تو ارشاد ہوا کہ شفقۃ علی التحلیق والطلبہ کی وجہ سے ایک بار ارشاد ہوا کیا چاہتے ہو؟ شہرت یا اولاد۔ تو میں نے اولاد کو پسند کیا۔ چنانچہ آپ صاحب اولاد ہوئے اور انشاء اللہ سب عالم و صالح اور خوشحال، ضروریات معاش سے فارغ البال۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے مشروع میں مجدد مرزا قادیانی سے گفتگو اور مرزا کا عجز کا دعویٰ کیا تھا میں اس وقت مالیر کو ملہ تھا اور بھائی مشتاق

کے پاس جو کہ لدھیانہ کے سکول میں ہیڈ مولوی تھے وطن کو آتے جاتے ٹھہرا کرتا تھا۔ مرزا صاحب بھی اکثر لدھیانہ آتے تھے اور مریدوں میں خوب آؤ بھگت ہوتی تھی۔ بھائی مشتاق احمد کی مجلس میں تذکرہ ہو کہ مولوی صاحب ذرا معلوم تو کریں کہ آیا واقعی وہ مجدد ہیں؟ میں نے کہا جب ایسا اتفاق ہو کہ وہ آئے ہوئے ہوں اور میں بھی یہاں موجود ہوں تو اس وقت چلیں گے۔ اتفاق سے ایسا موقع پیش آ گیا اور ایک مجلس میں میرا اور مرزا صاحب کا اجتماع ہو گیا۔ میں نے سوچا کہ علمی گفتگو میں تو مرزا صاحب کچھ اعلیٰ سید ہوئے ہی رہیں گے اور نتیجہ نکلے گا لہذا میں نے ان سے پوچھا کیا واقعی آپ مجدد ہیں؟ کہا ہاں۔ میں نے کہا تو آپ کو مقامات سلوک ضرور طے کرائے گئے ہوں گے؟ بولے جی ہاں۔ میں نے کہا سیراجیالی ہوئی؟ تفصیلی؟ کہا اجالی ہوئی۔ میں نے کہا سیراجیالی والا مجدد نہیں ہو سکتا کہ حضرت مجدد سرسندی قدس سرہ

اپنے مکتوبات میں فلاں جگہ اس کی تصریح فرمائی ہے۔ اس پر مرزا صاحب بولے مجھے اجمالی اور تفصیلی دونوں قسم کی سیر کرانی گئی ہے۔ میں نے کہا تفصیلی بیان کیجئے۔ بولے ایسی تفصیل تھی جیسے ریل گاڑی تیز چل رہی ہو کہ بظاہر تفصیلی ہوتی ہے مگر یاد کچھ نہیں رہتا۔ میں نے کہا ایسی تفصیل سیر میں اسٹیشن تو تمامی پڑتے ہیں انہی کے نام شمار کرادیجئے، تو کچھ جواب نہ بن پڑا اور اکثر مولوی صاحبان کو جو جمع میں موجود تھے ان کی طرف سے اعتقاد جاتا رہا۔

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ مالیر کوٹہ میں مولوی عبدالرحیم مرحوم کے پاس دو طالب علم تھے جن کو یزعم تھا کہ نہ ہمارے استاد جیسا کوئی معقولی دنیا میں ہے نہ ہم جیسا مستعد کوئی طالب علم میرے پاس مولوی عبداللطیف (لطیف یار جنگ بہادر نیشنل حیدر آباد دکن) ملا حسن پڑھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ وہ دونوں طالب علم آئے اور کہنے لگے یہ لڑکا ملا حسن کا کتنا سبق پڑھتا ہے؟ میں نے کہا دو ورق۔ تعجب سے کہنے لگے ہم تو تین چار سطر سے زیادہ نہیں پڑھتے کیا یہ دو ورق سمجھ لیتا ہے؟ میں نے کہا بلکہ سمجھا سکتا ہے ان کو اور زیادہ حیرت ہوئی کہ ہم ملاؤں کو تو وہ لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ قال اللہ وقال الرسول کے سوا انھیں کچھ آتا ہی نہیں اور معقول سے ان کو کیا سروکار۔ لہذا کہنے لگے اچھا اجازت دیجئے کہ یہ ہمارے ساتھ تکرار کیا کریں۔ میں نے کہا بہتر سے تم آجایا کرو۔ چنانچہ دونوں طالب علم دوسرے وقت آئے اور مولوی عبداللطیف نے ملا حسن کھول کر ایک مقام ان کو سمجھایا۔ اس کے بعد پوچھا کہ سمجھ بھی لیا؟ اور اچھی طرح ذہن نشین بھی ہو گیا؟ وہ بولے کہ ہاں خوب سمجھ لیا۔ تب مولوی عبداللطیف نے کہا کہ کتاب کا یہ مطلب نہیں کیونکہ اس صورت میں یہ یہ اعتراض وارد ہوتا ہے بلکہ یہ مطلب ہے اور اس کی اچھی طرح تقریر کی۔ اس بحث کو جب وہ تسلیم کرچکے تو مولوی عبداللطیف نے پھر کہا کہ یہ بھی مطلب غلط ہے اور یہ یہ اعتراض پڑتا ہے چنانچہ دوسرے مطلب کی تقریر کی اور اس کو بھی اچھی طرح ذہن نشین کرا کے ان کو تسلیم کرا دیا۔ آخر وہ اٹھے اور اپنے مزعومہ خیال کو وہیں چھوڑ کر گئے۔

انعامات الہی مولانا مرحوم ان خوش نصیب بزرگوں میں تھے جن کو حق تعالیٰ کی طرف سے دین اور دنیا دونوں کی نعمتیں بھرپور عطا ہوئیں۔ چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ کے مجھ پر بڑے انعامات ہیں :-

- (۱) عالم دین بنایا۔
- (۲) اولاد عطا فرمائی۔
- (۳) اولاد بھی صالح مطیع اور عالم

(۳) میں نے اپنی اولاد کی اولاد کو بھی دیکھا۔

(۵) اور مجھے اپنی اولاد کا یا کسی دوسرے کا ذیوی امور میں مخلج نہیں بنایا بلکہ میرے سے دوسرے کو نفع پہنچایا۔ چنانچہ آپ مالیر کو ٹلہ میں مفتی تھے اور صفہ ماہوار تنخواہ پاتے تھے۔ باوجود کثیر العیال ہونے کے اپنے خاندان اور وطن کے نادار درہا جتمد اور تباہی و بے یوگان کی ہمیشہ خبر گیری فرماتے اور مالی اعانت کرتے رہتے تھے۔

انبہ کے موسم میں وطن آنا اور پھر مالیر کو ٹلہ جانا

انبہ کے موسم میں مولانا کا رخصت لیکر وطن آنے کا معمول تھا کہ انبہ سے خاص رغبت تھی اور کھانے سے زیادہ دوسروں کو کھلانے کا شوق تھا۔ چنانچہ جولائی ۱۹۲۵ء میں حسب معمول مع اہل و عیال وطن آکر موسم انبہ کے ختم پر ستمبر میں واپس ہوئے تو گردن و شانہ کے درمیان خیفہ درد ہو گیا جس کا علاج اول یونانی ہوا اور اس سے نفع نہ ہونے پر ڈاکٹری۔ چنانچہ چند روز بعد درد جاتا رہا اور آپ نے پچھنبہ ۲۷ صفر ۱۳۴۵ء کو ڈاکٹر سی ہدی کا خطاب لگایا اور غسل فرما کر کپڑے بدل کر بعد نماز عصر معالج کا شکریہ ادا کرنے کے لئے چلے۔ دروازہ میں آکر کچھ ضعف معلوم ہوا اور وہیں بیٹھ گئے۔ ذرا دیر بہت فرما کر اٹھے اور ڈاکٹر صاحب کی توجہ کا شکریہ ادا کر کے گھر آئے، کھانا کھایا اور مغرب کی نماز پڑھی۔ مسجد سے واپسی میں پھر ضعف محسوس ہوا کہ چلتے چلتے ٹھیکے اور پھر بہت کر کے مکان کے بالاخانہ پر حسب عادت جا لیئے۔ عشا کی نماز کو پھر مسجد میں آئے اور باجماعت ادا فرما کر مکان پہنچے۔ حسب معمول آخر شب کے لئے پانی بھر کر لوٹ رکھا۔ کوٹھری کو جس میں آپ کی مختصر اشیاء ضروریہ رکھی رہتی تھیں قفل لگایا اور گیارہ بجے کے قریب چارپائی پر لیٹ رہے۔

انقال

مگر آرام نہ آیا تو بے چین ہو کر اٹھ بیٹھے اور ذکرِ جہر شروع کر دیا۔ ذرا دیر بعد قضاہ حاجت کو گئے اور واپسی میں ضعف زیادہ ہو گیا فرمایا سینہ میں درد معلوم ہوتا ہے۔ آپ کے حاجزہ مولوی شفیق احمد نے سینکنا شروع کیا مگر دیکھا کہ آواز پست ہوتی جاتی ہے۔ دوبارہ قضاہ حاجت کے لئے چوکی قریب رکھی گئی اور آپ فارغ ہو کر نیکہ سرمہ آنے رکھ کر پلنگ پر لیٹ رہے۔ اب ذکر کی آواز اتنی کمزور ہو گئی کہ بدشواری سنائی دیتی تھی کہ بارہ بجے شب کو دفعتاً بلند آواز سے اللہ کہا اور روح ربین اعلیٰ سے جا ملی متعلقین نے سمجھا کہ غشی یا سکتہ ہوا مگر ڈاکٹر نے اگر کہا کہ رخصت ہو لئے اور اب کچھ نہیں ہے۔ اگلے دن جمعہ کو مالیر کو ٹلہ کے گورستان میں دفن ہوئے اور اس طرح پر ایک نماز قضا کے بغیر چند لمحات میں آخرت کا کھن سفر ختم فرمایا

فانا لله وانا الیہ راجعون

ہر آنکہ زیت بہ ناچار بایزش نوشید ز در رجام مے کل من علیہا فان

لے جو شخص زندہ ہر ضرور ہے کہ اس کو کل من علیہا فان (جو بھی زمین کے اوپر ہے قلمو نے والا) کی شراب کا در رجام مینا ہوگا۔

استقال کے بعد دیکھا گیا تو آپ کے کمر بند میں صرف ایک لکٹی تھی اور بس۔ وصال سے تین دن قبل آپ کا خط بڑے صاحبزادے مولوی فاروق احمد کے نام بھاؤ پور پہنچا تھا جس میں تحریر تھا کہ تقریباً ساڑھے چار سو روپیہ کا مقروض ہوں لیکن اس سے کچھ زیادہ میری تنخواہوں کا سرکار میں باقی ہے۔ اللہ کی شان کہ نواب صاحب اس وقت شملہ تھے، آپ کی وفات سے مطلع ہوتے ہی حکم آیا کہ ریاست کا ایک بڑا اہل کار ہماری طرف سے تعزیت کیلئے پس ماندگان کے پاس جائے اور مفتی صاحب کی چڑھی ہوئی ساری تنخواہیں ساتھ لیتا جائے اور ایسے موقع پر ریاست کا جو دستور ہے وہ عمل میں لائے۔ اس طرح پر حق تعالیٰ نے آپ کو بارگرض سے اور کفن و دفن کے تمامی خرچ کو آپ کی کمائی سے پورا کرایا کہ پس ماندگان پر آپ کا بار ایک پیسہ کا بھی نہیں پڑا۔ آپ اپنی حیات میں متعدد مرتبہ فرما چکے تھے کہ میری تمام کتابیں بتولیت اولاد وقف ہیں اور میں اپنی اولاد کو وصیت کرتا ہوں کہ علم دین کو جو کہ ان کا ترکہ پدیری پر اپنی اولاد سے نکلنے نہیں اور اگر خدا نخواستہ میری اولاد میں علم نہ رہے تو اس وقت ان کتابوں کو کسی مدرسہ میں داخل کر دیں۔ فرجہ اللہ رحمت واسعہ

مولانا کے ساتھ حضرت تعلقات (۱) چچا زاد بھائی تھے۔

(۲) بچپن کے بھولی اور ہم عصر تھے۔

(۳) ہر معاملہ میں عرضہ دراز تک ساتھ رہے تھے۔

(۴) سمدھی تھے کہ آپ کے صاحبزادہ حافظ ابراہیم کا مولانا کی صاحبزادی سے عقد ہوا تھا۔

(۵) ہم مکتب اور پیر بھائی تھے۔ اور

(۶) ایک شیخ سے اجازت پائے ہوئے دونوں حضرات امام ربانی کے خلیفہ تھے اس لئے جب آپ کے کانوں میں یکایک اس سانحہ کی خبر پہنچی تو گویا آپ کی کمر شکستہ ہو گئی۔ وطن میں خبر پہنچنے پر اعزہ مالیر کو ٹل گئے اور جب ان کی واپسی ہوئی تو حضرت نماز جمعہ کے لئے جامع مسجد جا چکے اور خطبہ شروع ہو گیا تھا۔ سنن سے فارغ ہو کر جب حضرت چلے تو آنے والے صاحب نے مصافحہ کیا میں نے دیکھا کہ حضرت وہیں بیٹھ گئے اور مرض و وفات کے مفصل حالات سنئے اور پوچھتے رہے۔ آخر میں چشم نم ہوئے اور انانہ پڑھ کر فرمایا کہ میرے ہم عصر سارے رخصت ہو چکے اب صرف میں ہوں دیکھئے اس مٹی کو کب تک گھسیٹنا مقدر ہے۔

نرم علم و بذلہ سخی گشت بریم یک بیک ساتی از محفل شد و بشکستہ منجم و سبو
محفل علم و ادب شد بے نمک از رفتش کام جان شد بے مزہ از تلخی ہجران او

لہ اولاد کے متولی ہونے کے ساتھ۔ سہ علم اور لطیف گوئی کی مجلس ایک م الٹ پلٹ ہو گئی ساتی محفل کر گیا اور جام و سبو ٹوٹ گئے۔

سہ علم و ادب کی محفل بن کے جانے سے بے نمک ہو گئی روح کا تالوان کے ہجر کی تلخی سے بے مزہ ہو گیا۔

طلبہ کی بد وضعی اور آزادی کو نفرت

احسن طلبہ کے متعلق تعلیمی امور میں بہت سخت تھے۔ اور امتحان میں کسی ادنیٰ رعایت کو بھی پسند نہ فرماتے تھے۔

طرح طلبہ کی عملی و اخلاقی حالت پر بھی سخت نظر ڈالا کرتے اور کیا ہی عزیز یا دوست کا بچہ ہو جب اس کی بد وضعی یا آزادی کو محقق فرمایا لے تو بے تامل مدرسہ سے خارج کر دیتے اور جب تک وہی اپنی حالت پر نادم ہو کر سچا توبہ نہ کرے اس کے ولی و وارث کی کوئی سفارش نہ سنتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے اپنے ایک قریبی رشتہ دار کو اتنی بات پر کہ انھوں نے حضرت کی قربانت کے ناز پر اپنے اساتذہ کا احترام و ادب ملحوظ نہ رکھا تھا فوراً مدرسہ کی کتابیں واپس کرنے کا حکم دیدیا اور جب تک خود اساتذہ حضرت سے سفارش کی اس وقت تک واپس کردہ کتابیں ان کو دوبارہ نہ دی گئیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی دفتر و مطبع وغیرہ کے ملازمین کی طلبہ پر کوئی داب یا سختی حضرت کو گوارا نہ تھی اور ایسے مواقع پر حضرت ہمیشہ طلبہ کا پہلو لیا کرتے تھے۔

طلبہ کا احترام اور ان سے ہمدری

ایک مرتبہ میں حاضر تھا کہ ایک طالب علم کی آپ کے پاس محرر مطبع کے متعلق شکایت آئی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ وہ طلبہ کو کھانا تقسیم کر رہے تھے۔ اس طالب علم کو جلی ہوئی روٹی ملی جس کے لینے سے اس نے انکار کیا اور محرر مطبع نے سختی سے جواب دیا کہ اب ختہ بہک گئے کہ جلی اور موٹی سو جھنے لگی۔ لیکن ہولو ورنہ جاؤ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کو اپنے حصہ میں لگاؤں یا جو روٹی چلے اس کا ناوان دیا کر دوں۔ حضرت یہ خبر سنتے ہی مطبع میں آئے اور غصہ کی وجہ سے آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ میں ساتھ تھا اور دیکھ رہا تھا کہ حضرت کے بدن اور آواز دونوں میں رعشہ ہے۔ محرر مطبع سے آپ نے واقعہ پوچھا اور جب انھوں نے خود ہی اس توقع پر صبح صبح بیان کر دیا کہ طلبہ کا نظام قائم رکھنے کے لئے محرر کی طرف ذاری کی جائے تو اس وقت آپ نے فرمایا: ہنسی جو سنو، مدرسہ انہی پر دیسی بے وطن مسکین طلبہ کے دم سے قائم ہے اور تم اور میں دونوں انہی کے طفیل میں روٹیاں کھا رہے ہیں اگر یہ نہ ہوں تو نہ مطبع کی ضرورت نہ تمہاری حاجت اسدین بھی فارغ اور مدرسہ بھی خالی۔ یہ مسکین بھی محتاج سہی مگر مجھے اور ہمیں دونوں کو روٹیاں دے رہے ہیں۔ مجھے صرف یہ بتا دو کہ تمہیں ترش کلام کرنے کا کیا حق تھا اور تم کون تھے یہ کہنے والے کہ ختہ بہک گئے۔ میں ان کا باپ بنا ہوا ابھی زندہ بیٹھا ہوں تم کو مطبع سے جزو خواہ بنا کر دو خوراک ملتی ہیں آخر کیا وجہ تھی کہ جلی ہوئی روٹی تم اپنی خوراک میں نہ لگا سکے اور جہان رسول کو مجبور کیا کہ یا تو یہی جلی ہوئی کھائے ورنہ فائدہ کرے۔ اب تو اپنی خوراک اس کے حوالہ کر دو اور آئندہ کے لئے خوب کان کھول لو کہ کسی طالب کے ساتھ کچھ بھی تیز یا ترش برتاؤ کیا تو کان پکڑ کر مطبع سے نکال دوں گا، ہاں کسی طالب غم کی کوئی غلطی ہو تو مجھ سے کہو میں تحقیق کے بعد جو

مذہب بھجوں گا دوں گا گا۔ سرے کو نہ دیکھ سکوں گا کہ وہ انھیں ترچھی نظر سے بھی دیکھے۔ چونکہ پہلی غلطی ہے اس لئے اس وقت تنبیہ پر اکتفا کر رہا ہوں کہ آئندہ اس کا پورا لحاظ رکھا جائے۔

مدرسین کا احترام اسی طرح مدرسین کے احترام کا آپ کو خاص اہتمام تھا اور ان کے ساتھ وہ شفقت و لطف کا روناؤ فرمایا کرتے تھے جو ان کے لئے نمایاں تھا۔ باوجودیکہ نام مدرسین آپ کے شاگرد اور معتقد خدام تھے مگر جب کوئی آتا تو آپ اس کو پاس بٹھالیتے اور ان کی بری بھلی سب توجہ سے سنتے تھے مسکراتے اور کوئی شکایت لانا تو اس کی کافی تحقیق فرما کر ان کو تسلی دیا کرتے تھے۔ غالب علم اور اساتذہ کے مابین کوئی قصہ ہونا جس میں غلطی اساتذہ کی ہوتی تو اس وقت بڑی ضیق پیش آتی اور بڑی حسرت و توبہ سے دونوں پہلو سنھا لاکرتے تھے۔

مولوی ظفر احمد کے مزاج میں غصہ تھا ایک مرتبہ طالب علم کے بے نیکی کے سوالات پر ان کو پڑھاتے ہوئے غصہ آیا تو کتاب کہ فلسفہ کی تھی طالب علم کے منہ پر ماری۔ حضرت کے قریب ہی ان کی درس گاہ تھی اور حضرت نے سب دیکھا اور سن لیا تھا اس وقت گرفت کرنے میں طالب علم کی جرات بڑھنے کا اندیشہ تھا اور حضرت کو اس کا خاص اہتمام رہتا تھا کہ طلبہ کے قلوب میں اساتذہ کی عظمت قائم اور باقی رہے اس لئے ایسا کر دیا گیا سنا ہی نہیں۔ بعد عمر جب مولوی ظفر احمد صاحب مجلس میں آکر بیٹھے تو حضرت نے فرمایا مولوی ظفر کیا کتاب سے بھی مارا کرتے ہیں؟ کتاب تو اس کے لئے موضوع نہیں ہوتی، پھر کتاب بھی مدرسہ کی جو کہ وقف ہے اور جس کی حفاظت ضروری۔ مولوی صاحب نے غلطی کا اقرار اور آئندہ کے لئے احتیاط کا عہد کیا تو آپ مسرور ہوئے اور پھر محبت کے لہجے میں فرمایا بھائی آجکل طلبہ کو مارنے کا زمانہ نہیں ہے کیونکہ زمانہ فساد کا ہے قلوب میں تکبر بھرا ہوا ہے۔ بعض نادان مقابلہ سے پیش آنے لگتے ہیں اس سے تو بالکل ہی احتیاط کرو اور اگر کوئی زیادہ بک بک لگا دے اس کو ہتھم سے اطلاع کر کے درس سے اٹھا دو۔ بس اس سے زیادہ سزا کی ضرورت نہیں۔

امتحان سخت لینا اور نمبر پورے دینا امتحان اپنے مدرسہ کا ہو یا دوسرے مدرسہ کا حضرت سخت سخت امتحان سخت لینا اور نمبر پورے دینا یا کرتے مگر اس کے ساتھ ہی نمبر اچھے دیتے تھے۔ ۱۳۲۷ھ میں مدرسہ جامع العلوم کانپور میں دینیات سے فارغ شدہ طلبہ کے امتحان دلائے جانے کی تجویز ہوئی کہ تمام علوم میں امتحان لیا جائے اور بجائے تقریری کے تحریری امتحان ہو جس کے لئے سوالات بیرونی علماء سے منگائے جاویں۔ چنانچہ ادب و بلاغت اور صرف و نحو کا امتحان حضرت کے سپرد ہوا اور حضرت نے علوم عربیت کے اہم سوالات تحریر فرما کر مدرسہ میں بھیج دیئے۔ مولوی ظفر احمد صاحب تھانوی بھی شریک امتحان تھے

اور جب امتحان سے فارغ ہو کر وطن آئے تو حضرت کی زیارت کا شوق ہوا کہ اس سے قبل کبھی زیارت ہوئی تھی۔ چنانچہ جب بھائی کے ساتھ دیوبند جانے لگے تو بھائی سے اپنی خواہش ظاہر کی کہ راستہ میں سہارنپور حضرت کی زیارت کرتے چلیں کہ ادب و بلاغت میں ہمارے محسن تھے شاید کچھ نتیجہ امتحان کا بھی پتہ چل جائے بھائی نے کہا کہ بس زیارت کرنا چاہو تو کر لو باقی نتیجہ امتحان کا پتہ مولانا نہیں دیں گے کہ یہ قاعدہ کے خلاف بات ہے۔ چونکہ مولوی ظفر احمد صاحب کے قلب میں حضرت کی عظمت بیٹھ گئی اور ایک میلان کشش پیدا ہو گئی تھی اس لئے مدرسہ میں آئے اور حضرت کی زیارت کی۔

مولوی ظفر احمد صاحب کا بیان ہے کہ حضرت کی طبیعت مبارک میں شفقت و قدرت نے ایسی کوٹ کوٹ کر بھری تھی کہ اس کی نظیر ملنا دشوار ہے۔ زیارت کے ساتھ ہی جس چیز کو میں نے دیکھا وہ حضرت کا تبسم کے ساتھ خذہ پیشانی سے شفقت و عنایت فرمانا اور تھوڑی ہی دیر میں قبل ازیں کہ میں نتیجہ امتحان کے متعلق کچھ عرض کرتا خود ہی یہ فرمانا تھا کہ میاں ظفر تمہارے جوابات سے ہم بہت خوش ہوئے تم نے سب سوالات کے جوابات اچھے لکھے اور بالخصوص اردو کی عربی اور عربی کی اردو سب اچھی بنائی اس لئے ہم نے نمبر بھی تم کو اچھے دیئے۔ اور یہ فرما کر مجھ میں تشریف لے گئے اور جوابات پر چوں کا پلندہ نکال کر باہر تشریف لائے اس میں سے میرے جوابات کا پرچہ نکالا اور میرے سامنے ڈال دیا کہ دیکھو تمہارے نمبر سب سے زیادہ ہیں (یعنی سو نمبر میں صرف ایک یا دو کم تھے) اور کسی کے نمبر اس قدر نہیں ہیں سب تم سے کم ہیں۔ اس وقت میرے دل میں خیال آیا کہ شاید حضرت کو کشف ہو گیا کہ میں نتیجہ امتحان کے متعلق خیال لیکر آیا ہوں۔ اس کے بعد پھر مجھے اپنے ساتھ دو لٹکدہ پر لے گئے اور چو لھے پر چار تیار تھی اپنے ہاتھ سے پیالی میں نکال کر مجھے عطا فرمائی۔

اسباق کی ترتیب اور فتویٰ نویسی | حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں اول صبح کے دو گھنٹے ترمذی شریف ہوا کرتی اور اس کے ختم ہو جانے پر بخاری شریف شروع ہو جاتی تھی اور رجب کے وسط میں دونوں کتابوں سے باطنیان خراج ہر جانا تھا اس کے بعد فقہ و تفسیر کے اعلیٰ اسباق ہوتے اور اوقات مدرسہ میں ایک گھنٹہ آپ کا درس سے فارغ رہتا تھا جو فتاویٰ لکھے یا دوسروں کے لکھے ہونے کو دیکھنے اور سننے میں خرچ ہوتا تھا۔

۱۲۵۸ھ سے جب مولوی محمد کئی صاحب تشریف لے آئے تو آپ کا مصروفیات اور اوقات کار | ایک گھنٹہ صبح کا اور ایک شام کا فارغ ہونے لگا اور یہ وقت امور نظم مدرسہ میں صرف ہونے لگا۔ ۱۲۵۹ھ میں جب آپ نے الوداد کی شرح بذل المجہود کی تالیف شروع

نمائندہ تودو گھنٹے صبح کے تالیف کے لئے تھے اور ایک گھنٹہ شام کا فتاویٰ کے لئے اور باقی گھنٹوں میں درس۔ مگر ۱۳۷۷ء میں صبح کا تمام وقت بذل کی تالیف میں مستغرق ہو گیا اور شام کو ایک سبق کا آپ درس دیتے تھے جو ہر سال بدل جاتا تھا کہ ایک سال ابو داؤد شریف ہوئی دوسرے سال مسلم شریف اور پھر نسائی شریف۔ اخیر کے دو سال ۱۳۷۸ء و ۱۳۷۹ء میں صرف مولانا امام محمد طلبہ کے اصرار پر بڑا پڑھانے اور صبح کا تمام وقت بذل میں خرچ ہوتا تھا اور شام کا خطوط کے جوابات اور فتاویٰ میں کہ ڈاک کی آمد بہت بڑھ گئی تھی۔ جوابات خطوط ابتدا میں آپ خود تحریر فرمایا کرتے اور خطایا حسین تھا گویا تصویر کھینچ دی چنانچہ ۱۳۷۹ء تک کے آپ کے بھیجے ہوئے خطوط بندہ کے پاس ایک ہزار سے زیادہ موجود ہیں جو حضرت کے اپنے قلم سے لکھے ہوئے ہیں۔ ان کو دیکھنا ہوں اور حیران ہوتا ہوں کہ جلد اور اتنا حسین لکھنا حضرت ہی کا کام تھا۔ بعض خطوط حضرت نے آخر شب میں چراغ کے سامنے لکھے ہیں کہ دن کو فرصت نہیں ملی مگر کیا مجال کہ جن میں بندہ برابر فرق آیا ہو۔

آخری ایام کے جواب نگار | پھر جب رخصت بہت بڑھ گیا تو مولوی محمد یحییٰ صاحب مولوی عبد اللہ حاجی مقبول احمد اور مولوی زکریا صاحب غیر ہم آپ کے کاتب رہے۔

نظام مدرسہ | انتظام مدرسہ کے متعلق حضرت میں ایک خاص کمال یہ تھا کہ ہر شعبہ کی نگرانی بغیر وقت صرف کئے فرماتے تھے کہ کسی کام میں بھی مشغول ہوں خیال چار طرف رہتا اور کسی شعبہ سے بھی غفلت نہ ہوتی تھی۔ دواresin کی تعلیم طلبہ کی حاضری مطالعہ تکرار کتب بینی پابندی نماز و تلاوت قرآن اور نیک چلنی و وسعت داری کا جوادھیان تھا اور دفتر کے تمامی چیزوں کی دقت پر فائز پوری اور حساب کتاب کی صحت و صفائی کا جوادھیان تھا۔ کتب خانہ کی محافظت اور صفائی و ترتیب پر علیحدہ نظر تھی اور مطبخ کی اجناس کے محفوظ اور وزن میں ہر وقت صبح رہنے پر علیحدہ نگاہ تھی۔ ہر شعبہ کے ملازمین کا صبح وقت پر آنا حضرت کی ادنیٰ توجہ اور ہیبت خدا داد کی بدولت اتنا قابو میں آیا ہوا تھا کہ چند منٹ کی غیر حاضری کے چھاپے پر کوئی قادر نہ تھا۔

علمی مشغلہ | علمی مشغلہ آپ کا اتنا بڑھا ہوا تھا کہ اہل نظر اس پر تعجب کیا کرتے تھے چہ جائیکہ اس پر فتاویٰ کا اشتغال کہ وہ مستقل مدرسہ اور پھر خطوط کے جوابات جس میں علمی اشکالات، طلب مشورہ احتیاج تربیت ذکر و اواراد کے استفسار اظہار و اوقات غائی معاملات وغیرہ وغیرہ سب ہی سمجھتے تھے جدا مشغلہ تھا جو دماغ کے کامل سکون اور طبیعت کے پورے حضور کو چاہتا تھا۔ اس پر ہر شعبہ کی نگرانی اور طرہ براں ہر جز کی اصلاح اور ترقی کا فکر و تدبیر ایسے امور تھے کہ دیکھنے والا حیران ہو جاتا تھا

بس ایک مشین تھی جو بچاپ کے ذریعہ چل رہی تھی اور اپنے ساتھ بڑے بڑے ہزار لکھوں کام میں لگائے ہوئے تھے جس کے لئے وہ وضع کی گئی ہے کہ انجن صرف ایک ہے مگر اس میں سے کتنے والی برقی قوت چمکیاں بھی چلا رہی ہے کہ آٹا پیس، پریس بھی چلا رہی ہے کہ کاغذ چھاپیں، پتھر بھی چلا رہی ہے کہ سپینہ سوکھے اور فتنے بھی روشن کر رہی ہے کہ دنیا جگمگا اٹھے اور رات کی تاریکی میں نصف النہار کا سورج نکلی آوے۔ اسی طرح حضرت کا ایک دم تھا کہ درس بھی دیتا تھا تالیف بھی کرتا تھا معاشرت اہل و عیال میں بھی نمونہ سنت بنا ہوا تھا مدرسہ کے ہر شعبہ کی نگرانی اور اس کی ترقی میں فکر و سعی بھی رکھتا تھا۔ جہانوں کی مدارات اور تمامی کتبہ و برادری سے شیریں تعلقات بنا ہوا تھا۔ مخلصین کی دلبری اور ہم عصروں کی مخلصانہ محبت میں دور دور کے سفر اور متواتر مسلسل و مختلف اسفار میں حسب موقع دن اور ہفتے اور جیسے خرچ کرتا تھا۔

طالبین کی اصلاح و تربیت | طالبین میں ہر شخص کی طاقت و قابلیت کے موافق ان کو زبانِ ہمت سے ان کی تربیت بھی فرماتا تھا اور با آپس ہمہ اپنے مولیٰ کے ساتھ قلبی و جسدی تعلقات کے تمامی وہ حقوق ادا کرتا تھا جو ہر د و عباد کسی پہاڑ کی تلہی میں بیٹھ کر ادا کیا کرتے ہیں۔ اس دماغی اور بدنی مشاغل میں مشغول ہو کر کوئی برسوں کا حاضر باش بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں نماز کی تکبیر تحریمہ حضرت سے چھوٹ گئی یا فلاں شبِ تہجد کے لئے آنکھ نہیں کھلی۔ حضرت کے مشاغل روزمرہ کا عشر بھی کسی کے سر رکھ دیا جائے تو بڑا بہادر و باہمت کہلائے گا۔ اگر چند ہفتے بھی یکساں حال پر تیقظ و جتن میں گزار دے چ جائے کہ عمر کا بڑا حصہ اوروہ بھی اخیر جس میں ساری جسمانی قوتیں جواب دینے لگتی ہیں اس جتنی و پابندگی میں گزارا کہ جو دن آیا وہ ایک جدید اشتغال کا اضافہ ساتھ لایا کہ مدرسہ بھی ترقی پذیر ہو کر روزانہ مزید توجہ کی احتیاج بڑھاتا رہا اور اصلاح و تربیت روحانی کے سلسلے میں روزانہ ترقی ہو کر مکمل و کیفاً مزید اشتغال کی ضرورت بڑھتی رہی۔

مدنیہ طیبہ انتظامی امور کے متعلق ہدایات | باوجودیکہ آپ مدینہ منی میں دفن ہونے کی ہوس مدنیہ طیبہ انتظامی امور کے متعلق ہدایات ہندوستان چھوڑ چکے اور سمندر پار جہاں سے خط بھی پچیس دن میں پہنچے یکسو ہو کر بیٹھ چکے تھے، مدرسہ سے رخصت لے چکے اور اس کو اپنے معتمد خدام کے حوالہ کر کے تمامی ذمہ داریاں سرے اتار چکے تھے مگر میں مجسم حیرت بن گیا جب آپ کا رجسٹری شدہ والا نامہ میرے نام آیا جس میں مدرسہ کے متعلق بیس سے زیادہ وہ جزئی واقعات لکھے جن کی تحقیق اور اصلاح

ضرورت تھی۔ اور پھر خود ہر معاملہ کا قطعی فیصلہ بھی تحریر فرمایا کہ فلاں دائرہ اگر صحیح ہو تو یہ کرنا چاہئے اور غلط ہو تو یہ ہونا چاہئے۔ اور اس کے بعد قواعد کلیہ کے درجہ میں نگرانی کا سبق پڑھایا یا فات کی تلافی اور آئندہ کی احتیاط کا طریق سکھایا اور ان علامات مخفیہ پر گاہ کیا جو اس وقت نہیں مگر آئندہ سوئی کا پھاؤ ڈانبتی نظر آتی ہیں۔ غرض جن امور سے ہم حاضرین کی آنکھیں اور کان بے خبر اور قلوب مغفل و دماغ معطل تھے آپ نے بشرط کی زمین میں بیٹھے ہوئے ان پر روشنی ڈالی اور ایسی ڈالی کہ ان سے نفع اٹھانے والا ایک چلتے ہوئے مفید عام کارخانہ کی تمام ذمہ داریوں کو باسانی انجام دے سکتا ہے بشرطیکہ چاہے۔

دورانہ نشی و بصیرت | یہ آپ کا خدا داد ذوق اور عطا الہی بصیرت تھی کہ آپ دور بیٹھے وہ دیکھتے اور سمجھتے تھے جو پاس بیٹھے ہوئے کو نظر نہیں آتا تھا۔ عام انتظام اگرچہ برائے نام مولانا حافظ عبد اللطیف صاحب کے حوالہ تھا مگر آپ خفیہ اور ظاہر دونوں طرح خود نگرانی فرماتے بلکہ ناظم اور نظام پر بھی نظر رکھتے تھے کہ آئندہ کام ان کے حوالہ کرنا اور ان کو وہ انتظامی سبق پڑھانا تھا جو آئندہ نگران کا محتاج نہ رکھے۔ احباب و متوسلین میں کوئی تجارت پیشہ یا حساب دان مدرسہ میں آتا تو آپ ان کو دفتر کے رجسٹروں پر نظر ڈالنے آمد و خرچ جانچنے روزانہ چھ اور یہی کھاتہ بغور دیکھنے کا حکم فرماتے اور مشورہ لیا کرتے کہ موجودہ طریق میں جو نقص ہو وہ بتائیں کہ اصلاح کی جائے۔ پھر اچھے اچھے تاجر اور محاسب کوئی مشورہ دیتے تو حیران ہو جایا کرتے تھے جبکہ حضرت کو دیکھنے کہ ادنیٰ تفصیل سے حضرت نے اس کو سمجھ لیا اور پھر اس کے حسن و قبح کی موجب بحث اور کرید شروع کر دی اس کے بعد اس کا مفید ہونا محقق ہوا تو حضرت نے فوراً تسلیم کر لیا اور ہر ہمت صاحب سے فرمادیا کہ رجسٹر کا اندراج ان کی تجویز کے موافق ان سے سمجھ کر کر لیجئے اور اگر مفید نہ پایا تو ہنس کر جواب دیا کہ مولویوں کے لئے موجودہ طریق کافی ہے اور فضول طوالت میں پڑ کر زائد کاغذ اور فاضل کہاں سے لائیں اب تو اسی طرح رہتے دو۔

مدرسہ کے تمامی نظام کا خلاصہ یہ تھا کہ عطا کنندگان کا عطا کردہ چندہ اپنے محل پر صرف ہوا اور علم دین کی تکمیل کرنے والے عالم باعمل بن کر مدرسہ سے جائیں کہ اطراف دیہاتیں منتشر ہو کر اس نور کو پھیلا دیں جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہِ رحمت و رحیم سے لیکر مکہ میں تشریف لائے تھے۔ چنانچہ آپ کی اکتیس سالہ مدتِ صدارت و نظامت میں تشریف چار سو کے وہ علمائے تیار ہوئے جو ہدایت یاب نہیں بلکہ دوسروں کو ہادی بنانے کے لئے کافی ثابت ہوئے۔ اور کچھ اندازہ ان کا اکثر حصاب بھی درس و تدریس میں مشغول اور علمائے تیار کرنے میں لگا ہوا ہے جن میں چند مشاہیر کے نام یہ ہیں :-

ناموزتلانڈہ

مدرسہ کے موجودہ تمام مدرسین یعنی مولانا حافظ عبداللطیف صاحب ناظم، مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث، مولانا عبدالرحمن صاحب صدر المدرسین، مولوی اسعد اللہ صاحب رامپوری، مولوی محمد زکریا صاحب قدوسی، مولوی منظور احمد صاحب سہارنپوری، مولوی جمیل احمد صاحب نقانوی، مولوی مسعود علی خان صاحب راجپوری، مفتی ضیاء احمد صاحب گنگوہی قاری عبدالعزیز صاحب اور قاری سعید احمد صاحب اجڑاؤدی وغیرہم مدرسین مظاہر علوم۔ مولوی عبدالکریم صاحب مدنی نواسہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب ہاجراور مولوی عبدالحق صاحب مدنی نقشبندی مدرسانہ الایتام مدینہ منورہ مولوی علیم اللہ صاحب مدرس کمنز العلوم ٹانڈہ مولوی اشفاق الرحمن صاحب کاندھلوی مدرس فچپوری مولوی محمد حسین صاحب دیوبندی مدرس مدرسہ اسلامیہ انبالہ چھاؤنی مولوی عبدالرحمن صاحب اورنگ آبادی مدرس مدرسہ وسطا نیند (دکن) مولوی سید میر جہان شاہ صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ عدن کیمپ، مولوی شمس الحق صاحب مدرس موضع اجڑاؤدی، مولوی محمد حامد صاحب مدرس کالج پشاور مولوی بدر عالم صاحب مدرس مدرسہ ڈابھیل ضلع سورت، مولوی محمد عادل صاحب گنگوہی مترجم (حیدر آباد دکن) مولوی عتیق احمد صاحب دیوبندی مولوی شیر علی صاحب برادرزادہ حضرت مولانا نقانوی، مولوی حافظ عبدالعزیز صاحب نواسہ حضرت مولانا رامپوری، مولوی شفیق احمد صاحب صاحبزادہ حضرت مولانا صدیق احمد صاحب مولوی فیض الحسن صاحب سہارنپوری، مولوی حکیم محمد ایوب صاحب سہارنپوری مولوی لطیف الرحمن صاحب کاندھلوی مولوی محمد طیب صاحب رامپوری مولوی محمد الدین صاحب کشمیری، مولوی غلام الرحمن صاحب تبتی، مولوی عبدالرحیم صاحب غزنوی، مولوی غلام حیدر صاحب بخاری، مولوی روشن دین صاحب بھاولپوری اور مولوی محمد عرفان صاحب ہزاروی وغیرہم اطال اللہ بقا، ہم بلہ

لہ مدرسہ دنیات بھاول پور میں تین سال زیر تعلیم رہنے کے بعد اختر حضرت کی اجازت سے شوال ۱۳۳۸ھ میں مدرسہ مظاہر علوم میں دوبارہ داخل ہوا۔ ۱۳۳۸ھ میں جب تعلیم سے فارغ ہو گیا تو کارکنان مدرسہ نے ایک وقت میر اور مولوی عبدالنکور کامل پوری کا مدرسہ پر تقرر فرمادیا۔ پانچ سال تک ادب فقہ منطق فلسفہ اور اصول فقہ کی تدریس میں مشغول رہا۔ ۱۳۳۶ھ میں جب حضرت کی وفات کی خبر آئی تو حضرت حافظ عبداللطیف صاحب ناظم مدرسہ کے حکم سے دارالطلبہ کی مسجد میں اساتذہ و طلبہ کا اجتماع ہوا اس غناک موقع پر ناظم صاحب نے اس ناچیز کو تقرر کرنے کا حکم دیا تھا چنانچہ میں نے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں حضرت کے ساتھ رحال کا اعلان کیا اور حضرت کی مغفرت و توفیق و درجات کے لئے دعا کی درخواست کی تھی۔ دے کے بعد جلسہ برخواست ہو گیا۔ رمضان ۱۳۳۸ھ میں بعض عزیزوں کی ترغیب پر میں حیدر آباد دکن چلا گیا اور وہیں کاہرہ ۱۳۳۸ھ سے لڑی میں مقیم ہوں۔ جب حضرت ۱۳۳۸ھ میں حج کے لئے تشریف لیجائے تھے تو مجھے ۱۵ شوال ۱۳۳۸ھ کو سند عطا ہوئی جس پر حضرت کے دستخط اور ہر شب ہے۔ شرف تلمذ و بیعت کے علاوہ مجھے حضرت سے یہ نبی خلق بھی ہے کہ حضرت کی ہمشیرہ محمود النساء میری حقیقی دلدی تھیں۔

احب الصالحین ولست منہم۔ لعل اللہ بزرگ فی صلاحہ۔ اخلاق احمد انصاری غنی عنہ ۱۵ رجب ۱۳۳۸ھ

خلاصہ یہ ہے کہ ہر چار طرف پورب کچھ اتر دکن تاملی اکناف ہند کے بڑے شہروں میں مدرسہ کا فیض
 واسطہ و بلا واسطہ پہنچا ہوا ہے کہ ہزارہ، پشاور، کشمیر، دریافاں، غزنی، کابل، سیالکوٹ، جموں، راولپنڈی
 شان، گوجرانوالہ، بنوں، گجرات، جہلم، امرتسر، فروزپور، جالندھر، کوہاٹ، انک، مظفر گڑھ، ڈیرہ غازی خان،
 بھاولپور، جیندھ، پیٹالہ، دہلی، میرٹھ، علیگڑھ، مراد آباد، لکھنؤ، فیض آباد، اعظم گڑھ، سینا پور، مونگیر،
 رورہ، بردوان، چانگام، نواکھالی، باریال، فرید پور، مکملہ، پورنیہ، مین سنگھ، مالہ، سلہٹ، ڈھاکہ،
 سندھ اور دکن میں کوئی بڑا ضلع ایسا نہیں جہاں مدرسہ کے فیض کی نہر جاری نہ ہو اور اس کی تفصیل مدرسہ
 کی روداد سے معلوم ہو سکتی ہے کہ ۱۳۱۴ھ میں چار طلبہ کو سند فارغ دی گئی اور ۱۳۱۵ھ میں پانچ کو ۱۳۱۶ھ
 میں سات کو ۱۳۱۷ھ میں سات ۱۳۱۸ھ میں چھ ۱۳۱۹ھ میں سات ۱۳۲۰ھ میں ۱۰ ۱۳۲۱ھ میں ۵ ۱۳۲۲ھ میں ۶
 ۱۳۲۳ھ میں ۱۰ ۱۳۲۴ھ میں ۹ ۱۳۲۵ھ میں ۹ ۱۳۲۶ھ میں ۱۶ ۱۳۲۷ھ میں ۸ ۱۳۲۸ھ میں ۱۰ ۱۳۲۹ھ میں ۱۶
 ۱۳۳۰ھ میں ۱۳ ۱۳۳۱ھ میں ۱۶ ۱۳۳۲ھ میں ۷ ۱۳۳۳ھ میں ۹ ۱۳۳۴ھ میں ۱۴ ۱۳۳۵ھ میں ۷ ۱۳۳۶ھ میں ۱۹
 ۱۳۳۷ھ میں ۲۵ ۱۳۳۸ھ میں ۱۱ ۱۳۳۹ھ میں ۲۴ ۱۳۴۰ھ میں ۱۸ ۱۳۴۱ھ میں ۱۴ ۱۳۴۲ھ میں ۲۵ ۱۳۴۳ھ میں ۳۳
 اور ۱۳۴۴ھ میں ۳۰ کو سند عطا کی گئی۔

حضرت اپنوی بھی حضرت کے شاگرد تھے | اس لحاظ سے کہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب اپنوی
 قدس سرہ نے بھی حضرت سے ابتدا میں کچھ پڑھا ہے حضرت
 مدوح کو بھی تلامذہ میں شامل کیا جاسکتا ہے کہ حضرت مدوح باوجودیکہ حضرت کے ہم عصر ہم عمر پڑھائی اور
 یک شیخ کے مجاز تھے اور دونوں حضرات میں وہ محبت و یگانگت تھی جس کی نظیر نہیں مل سکتی کہ حضرت
 سفر حجاز کو تشریف لے جاتے تو اپنے تمام متوسلین کو یہ وصیت فرما کر جلتے تھے کہ رائیوں کی حاضری دیتے رہیں
 اور جس امر میں مشورہ یا استفسار کی حاجت پیش آوے وہ مولانا رائی پوری سے پوچھیں۔ مگر باایں ہمہ حضرت
 رائی پوری حضرت کا وہی ادب کرتے تھے جو شاگرد کو استاد کا کرنا چاہئے اور حضرت کی شاگردی پر فخر کیا کرتے اور
 جب اس کا اظہار فرماتے تو بے حد مسرت اور ناز کے ساتھ اظہار فرمایا کرتے تھے۔ حضرت رائی پوری مدرسہ کے
 سرپرست تھے اور جب حضرت کی مدرسہ سے علیحدگی کا قصہ ہوا ہے تو مخلصانہ محبت کا جو اثر حضرت رائی پوری پر
 ہوا اس کی مثال نہیں پیش ہو سکتی کہ رات دن کا کوئی گھنٹہ اس فکر سے خالی نہ جاتا تھا۔ رات کو نیند نہ آتی تھی،
 دن کو آرام نہ ملتا تھا۔ ہر تیسرے چوتھے دن اپنے سکھ میں سوار ہو کر ہارنپور آتے حضرت کی سننے اپنی ہکتے اور
 عجیب الدعوات کی بارگاہ میں دعا مانگتے ہوئے رائی پور واپس چلے جاتے تھے حتیٰ کہ وہ خوشگوار نتیجہ نکلا جس کی کمی کو
 خواب بھی نظر نہ آتی تھی کہ رجسٹری شدہ سرکاری تجویز کے تین سرپرستوں میں آپ کا نام بھی شامل ہوا۔ اور

باوجودیکہ آپ مدرسے زیادہ یکسوئی پسند اور گوشہ نشینی کے عاشق و شیدا تھے مگر اس سرپرستی پر بندہ سیاحی کہ حضرت استاد مدرسہ پر بحال ہی نہیں بلکہ آزاد و خود مختار ہو کر ترقیات مدرسہ میں سعی کے قابل ہو گئے اور علوم دینیہ کی اشاعت کا دروازہ کھل گیا کہ اللہ کا نام اویلاس کے احکام اطراف دینا پس پھیل سکیں گے آپ نے سرپرستی کا بار سر پر رکھنے میں کچھ بھی پس و پیش نہیں کیا بلکہ نبی کا زمانہ کو دیکھ کر آپ کی مسرت کی کوئی حد نہ رہی اور آپ مولانا فقہانوی کو بلانے کے لئے کہ دیوبند میں جمع ہو کر تینوں صاحب با اتفاق رائے اس کو منظور فرما دیں خود فقہانہ بھون تشریف لے گئے۔ اس کے بعد عمر بھر اس بزرگ عظیم کا وہ حق ادا کیا جس کیلئے بس آپ ہی شایاں تھے اور اس زمانے میں بھی جبکہ آپ کو کروٹ لینا مشکل اور بات کرنا دشوار تھا اس حد سے مستغنی ہونا گوارا نہ فرمایا۔

۱۳۲۲ء میں حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب نے وصال فرمایا تو آپ کی جگہ آپ کے نخت جگر اور دنیا کے نور نظر شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب مدرسہ کے سرپرست قرار پائے، پھر حضرت مولانا محمد احمد صاحب رامپور، اور مولانا سرجم بخش صاحب پرنسپلٹ بمبا و لپور کا سرپرستوں میں اضافہ ہوا اور آخر میں سب حضرات سرپرستان کے اصرار و اتفاق رائے پر خود حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ایم گرامی سرپرستوں میں شامل ہوا۔ اس طرح پر مدرسہ مظاہر علوم دنیا کے چیدہ و برگزیدہ افراد کی ہمت و سعی اور توجہات کے گہوارہ میں تربیت پاتا ہوا اس حالت پر پہنچا کہ دیوبند و سہارنپور اور رائپور کے مقتدا مدرسہ کے نظام کو اپنے خدام کے حوالہ فرما کر عالم قدس کا سفر اختیار کر گئے اور مدرسہ اسی شان کمال کے ساتھ ناظرین کی آنکھوں اور اہل دل کے قلوب کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے کہ دیکھنے والا کہتا ہے

زفر قنا بقدم ہر کجا کہ می نگر م کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

حضرت مولانا رائپوری قدس سرہ

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کر لئے
حضرت ممدوح اس صدی کی وہ مقتدر مہتممی تھی جو گذشتہ صدیوں کے بزرگان مشاہیر کا نمونہ بن کر
دنیا میں آئی تھی۔ شانِ تفویض کی مجسم تصویر بحرِ توحید کی خواص، تسلیم و رضا میں عرق اور توکل و اعتماد
سے سرے پیرنگ جہاں کہیں ہیں دیکھتا ہوں نازا نازوں کا دامن کھینچ لیتا ہے کہ بس جگہ ہی ہے۔ سہ ہر بات کو خدا تعالیٰ
کے سپرد کرنا۔ سہ غوطہ لگانے والے۔

س فنا، شریعت میں آپ عالم متبحر تھے مگر طریقت کا آپ پر غلبہ تھا کہ دیکھنے والا آپ کو مولوی و عالم سمجھتا تھا۔ یسویٰ اور وحدت نشینی آپ کی طبیعت ثانیہ تھی مگر حق تعالیٰ کو آپ کے نور فیضان سے عالم کو متور کرنا تھا اس لئے جس گناہی و مہیاہی کے آپ متمنی و شیدا تھے اس میں کامیاب نہ ہوئے۔ مخلوق کو قدرتی طور پر آپ کی طرف کشش ہوتی اور آپ جتنا دنیا سے بھاگتے گھبراتے اور دامن چھڑاتے تھے اسی قدر دنیا آپ کا تعاقب کرتی لپکتی اور دامن پکڑتی تھی، آپ کے حالات عجیب بیان کرنے سے زبان عاجز ہے۔ محبوبیت آپ پر سایہ افکن تھی اور اس لئے مخلوق کو آپ کے وجود باوجود سے ظاہری و باطنی ہر قسم کا ہر وقت نفع پہنچاتا رہتا تھا۔ آپ کا قیام قصبہ رائپور ضلع سہارنپور میں بستی سے باہر ایک باغ میں تھا جس کے نیچے نہر جاری تھی اور دنیا ہی میں حق تعالیٰ نے آپ کو جنت فخریٰ من تختہ اکلاہار کا مصداق بنا رکھا تھا۔ آپ حضرت گنگوئی قدس سرہ کے اجل خلفا میں تھے اور غلبہ کتمان و اخلاص کی وجہ سے نقشبندیہ کا آپ پر غلبہ تھا کہ باغ کے پتہ پتہ اور نہر کے قطرہ قطرہ سے ذکر اشرفی دیتا اور بے حس و بے شمس شخص بھی حاضر خدمت ہو کر اس اندوئی لذت کو محسوس کرتا تھا جس میں آپ کا اور آپ کے متوسلین کا ہر لمحہ گزرا کرتا تھا۔

نقشبندیہ عجب قافلہ سالاراند کہ برندازرہ پہنان، بحرم قافلہ را
قرآن سنت عشق | آپ سنت نبویہ کے عاشق تھے اور تعلیم قرآن مجید سے بالخصوص مانوس گناہی قلیل ہو جانے سے آپ کی توجہ اس طرف اور زیادہ بڑھ گئی تھی۔ جگہ جگہ مکاتب قرآنیہ جاری کرنے کے آپ حریص تھے اور بچوں کو صبح و صاف سادہ لہجہ میں قرآن مجید پڑھتا ہوا دیکھ کر آپ بہت خوش ہوا کرتے تھے۔

مثالی مدرسہ قرآن | خود آپ کے بلغ میں بھی ایک مدرسہ تھا جو توکل کا مجسمہ تھا کہ نہ کوئی جائیداد اس کے لئے وقف تھی نہ کہیں سے چنہ مقرر تھا بلکہ حاضر ہونے والے مخلصین ہی کوئی اہل مال یا خوش حال حاضر ہوتے تو ان کے سامنے مدرسہ کا تذکرہ کرنا بھی آپ کو گراں گذرتا تھا کہ یہ تذکرہ بھی ایک قسم کا سوال ہے اور مخلوق پر اپنی حاجت کا پیش کرنا یا اس میں کسی قسم کی ان سے مدد چاہنا آپ کی طبعی غیرت کو گوارا نہ تھا۔ باایں ظاہری بے سرو سامانی کے بستی کا بابا ہر کار جو بچہ بھی پڑھنے کے خیال رکھتا وہ بشوق و رغبت لیا جاتا اور اس کو اپنا محسن سمجھ کر محبت و شفقت کے ساتھ فوراً داخل کر لیا جاتا تھا۔

ماشاء اللہ اس مکتب میں ستر سے زیادہ طلبہ تھے جن کے کھانے اور کپڑے کی تمامی ضروریات خزانہ غیب سے ملے آکھلا جاتا تھا۔ سہ وہ باغات جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ یہ قیامت میں مومنین کیلئے فرمایا۔ سہ خود کو چھپا۔
 سہ نقشبندیہ بزرگ بھی عجیب راہبران قافلہ ہیں کہ چھپے راستے سے ہی قافلہ کو حرم شریف پہنچا دیتے ہیں۔

پوری ہو کرتی تھیں۔ ان طلبہ میں اندھے اور معذور بھی ہوتے تھے جن کی کفالت والدین اور کنبہ کو بھی بار معلوم ہوتی تھی اور اس لئے وہ مدرسہ میں آجاتے تھے کہ یہاں ماں باپ سے زیادہ شفقت کرنے والے ان کو ملتے تھے۔ نیز یہاں ایسے چھوٹے نو عمر بچے بھی تھے جن کو خود منہ دھونا بھی اچھی طرح نہیں آتا تھا اور ان کے ماں باپ ناداری کی وجہ سے ان کو کتب میں پہنچا دیتے تھے۔ یہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ تدریس میں پہنچ جانے کے بعد ان بچوں کا ایسا دل لگتا تھا کہ پھر کمال بھی نہ نکلتے تھے ہر خورد سال اور نابینا و معذور بچہ کسی سمجھدار بڑے طالب علم کی نگرانی میں دیدیا جاتا تھا کہ وہی اس کی بول و برزا اور خورد و نوش کی تمام ضروریات کا کفیل بنتا، ہاتھ پکڑ کر جنگل لے جاتا، واپس لا کر حمام و سفایہ بتاتا، لوٹے میں پانی لے کر منہ دھو اور آہستہ آہستہ ہر سحرانی و صفائی کی پیارے ساتھ اس کو تعلیم دیتا رہتا تھا۔ تمام طلبہ غویا گاؤں کے باشندے تھے جن کی گزران سادہ اور جفا کشی طبعی عادت تھی۔ اس لئے حضرت کو اس کا لحاظ بھی زیادہ تھا کہ طلبہ کا ہل نہ بنیں۔ لہذا ان کی اور مدرسہ کی تمامی ضروریات کا بار خود انہی پر تھا کہ چند طلبہ کے متعلق روٹی پکانا بھی اور وہ مدرسہ سے چھٹی ملتے ہی سارے مدرسہ کے طلبہ کی روٹیاں پکایا کرتے اور چند طلبہ کے ذمہ پانی لانا تھا کہ وہ وقت آتے ہی گھر لے کر نہر پر جاتے اور جس قدر پانی کی بھی مدرسہ تمام طلبہ کو ضرورت ہوتی وہ گھر لے اور شکر لبریز کر دیا کرتے تھے۔ مسجد کا سفایہ بھی وہی بھرتے اور جنگل سے خود در و کڑی کاٹ کر یا جن کر بھی طلبہ ہی لاتے تھے۔ آٹھویں دن اپنے اور ان نا سمجھ بچوں کے جوان کی تحویل میں ہونے پڑے دھوئے اور نہر پر جا کر خود ہاتھ اور ان کو مل کر نہ لایا کرتے تھے۔

غرض ضروریات بشریہ کا کوئی کام ایسا نہ تھا جو ان سے نہ لیا جاتا ہو، اور اس طرح پر نہ ان میں کاہلی آنے پاتی تھی اور نہ ان میں وہ مادہ پیدا ہوتا تھا جس کی وجہ سے آئندہ اپنی ضروریات پورا کرنے میں ان کو عار آوے یا کسی کام کو خلاف شان سمجھیں۔ جس پوش مکان جس کی دیواریں بھی پھونس اور بانس کی تھیں ان کا مدرسہ تھا اور جنگل کی زمین جو نہ کبھی میلی ہو کہ دھلنے کی ضرورت پڑے نہ پھٹے اور پرانی ہو کہ بدلتے کی حاجت پیش آوے ان کا فرش تھا جس پر دینی و دنیوی ضروریات سے فارغ ہو کر آرام سے لیٹتے اور منہ خوشی سو کر ہنستے خوش ہونے لگتے بیٹھا کرتے تھے۔

صبح صادق سے ڈھائی گھنٹہ قبل آخر شب میں سب کو جگایا جاتا اور وہی وقت ان بچوں کے اپنا سبق یاد کرنے کا ہوتا تھا کہ چار چار پانچ پانچ طلبہ دوڑنا کر ایک چار غریب میں رکھ کر تھوڑے تھوڑے فصل پر بیٹھ جاتے اور دن میں پڑھا ہوا سبق یاد کر کے اٹھا کرتے تھے۔ اس طرح بچپن ہی سے ان کو آخر شب میں اٹھنے کی عادت ہو جاتی اور وہ برکات جو اس مبارک وقت میں قدرت نے رکھی ہیں باسانی

ان کو حاصل ہو جاتی تھیں۔ نو وارد طلبہ شروع شروع میں کسمانے لگے ساتھ ستر طلبہ کا آواز بلند پڑھا ان کو بیٹھی بند سونے نہ دینا اور آخر چار دن کے بعد وہ خود اپنے زمرہ میں شامل ہو جاتے تھے کہ نہ پندرہ ستر ہی تھی نہ خمار۔ یہ سنان گھڑیوں کے چرنمٹ جس میں معودہ بھی صاف اور ہلکا ہوتا تھا اور کیسوئی بھی بدرجہ کمال تھی وہ دن کے چند گھنٹوں سے بڑھ کر حفظ میں مدد دیتے اور صبح کو سبق ایسا فر فر سنانے تھے کہ تمام دن رٹنے والا بھی ایسا نہیں سنا سکتا۔

کتب اللہی مکتب | کتب کیا تھانائیں رسول جامع شریعت و طریقت شیخ کی خانقاہ تھی جس میں اچھی لکڑیوں کو یاسانی سیدھا کیا جاتا اور ان اخلاق حسنہ کو عادت و خوبیاں کر دلوں میں رچایا جاتا تھا جو بڑے ہو کر برسوں کے مجاہدہ سے بھی حاصل نہیں ہو سکتیں۔ ایثار و شفقت علی الخلق کا ان بچوں میں ایک خاص مضمون ہوتا تھا اور قناعت و صبر کا ایک مخصوص رنگ۔ ایک مرتبہ صبح سویرے بندہ خس پوش مسجد میں چلا گیا جو خس پوش مدرسہ کے متصل تھی تو میں نے ایک بچہ کے رونے کی آواز سنی جس کی عمر سات آٹھ برس کی تھی کہ سبکیاں لے رہا اور اس کا نگران طالب علم بڑے پیار کے ہوج میں اسی اپنی دیہاتی سادہ زبان میں اس سے پوچھ رہا تھا کیوں رو رہے ہے؟ کیا ماں یاد آ رہی ہے؟ یا پیٹ میں درد ہے؟ میں تو تیرے پاس موجود ہوں اور تیری ہر خدمت کو حاضر ہوں کچھ تو تائیکوں پریشان ہے؟ تاکہ اس کا انتظام کروں دیر ہو گئی کہ نہ بچہ کی سبکیاں ہمیں اور نہ طالب علم پوچھنے اور بہلانے ٹھسلانے سے اُکتایا۔ آخر جماعت کا وقت آیا تو اس کو گود میں اٹھا کر باہر لایا اور خدا جانے کیا تدبیر کی کہ اس کو منالیا اور وضو کر کے اس کو سنتیں پڑھانے میں لگا دیا۔ سلام پھیر کر دیکھتا ہوں تو وہ پیچھے بچوں کی صف میں بیٹھا دعا مانگ رہا ہے۔

مسجد نبوی کا نقشہ | صرف یہی ایک جگہ تھی جہاں مسجد نبوی کا نقشہ نظر آتا تھا اور بارش میں ٹپک کر سجدہ گزار پیشانی کو نر زین سے مانوس کیا کرتی تھی۔ اور بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ جو لطف پھونس کے سایہ میں اس ستھرے ریشیلے فرش پر نماز پڑھنے میں نصیب ہوا وہ آج تک کبھی اور کہیں نصیب نہیں ہوا۔ قرآن شریف کے ساتھ آردو کی دینیات اور نماز روزہ کے مسائل ضروری کے رسائل بچوں کو پڑھانے جاتے تھے لکھوائی جاتی اور اس قابل بنادیا جاتا تھا کہ مدرسہ سے جا کر اپنی کھیتی کے کام میں لگیں مگر جنگلی بن کر نہیں بلکہ آدمی اور ولی بن کر لگیں کہ دین کا کوئی پہلو کمزور نہ ہو اور ان کی سادہ راحت کی گذران میں نقصان نہ آوے۔

لے بچوں کو درست کیا جاتا۔ سٹہ معبود کی اصل زینت تو یہی خلوص ہے نہ کہ پچھلی اور نقش و نگار بلکہ یہ تو قرب قیامت کی علامت قرارایا گیا ہے۔

اصلیت اور تصنع میں بڑا فرق ہے

اصل طبیعت میں اور تصنع و بناوٹ میں بہت فرق ہے کہ اول الذکر کا انجام برکت و کامیابی ہے اور ثانی الذکر کا ثمرہ ذلت و

ناکامی۔ پس ایک شخص کسی بڑے رئیس کا ملازم ہو اور رئیس نے وعدہ کر لیا ہو کہ تمہاری تنخواہ تازیت بند نہ کی جائے گی اس کے دل کو ٹٹو لو کہ اپنی معاش کی طرف سے اس کو کیا بے فکری ہوگی اور وقت پر تنخواہ مل جائے۔ کتنا بھروسہ ہوگا اور اس کے مقابل اس کا حال دیکھو جو سبب لے ہوئے طلب ملازمت میں جگہ جگہ درخواستیں پیش کرتا پھر تا اور ہر جگہ سے یہ جواب سنتا ہے کہ اس وقت کوئی جگہ خالی نہیں ہے ہاں آئندہ خیال رکھا جائے۔ اس شخص پر جو پریشانی مسلط ہوگی اس کا یہ اثر ہوگا کہ اب کسی محکمہ میں درخواست دینے پر بھی اسی جواب کے واہمہ و خوف میں اس کو سکون حاصل نہ ہوگا اور یہ توقع ہی کی راحت ملے گی کہ یہاں کامیاب ہو جاؤں گا۔ پس یہ شخص لاکھ دعوے کرے کہ مجھے معاش کی طرف سے اطمینان ہے اور میں صرف سبب کے درجہ میں جگہ جگہ درخواستیں دے رہا ہوں مگر اس کا یہ دعویٰ غلط اور خلاف واقعہ ہے۔ پس حق تعالیٰ کے وعدہ رزق رسائی پر کسی قلب کا سچا اعتقاد درحقیقت ایک بڑی نعمت ہے اور اس پر بلاشبہ ہر ضرورت کے انجام دینے کا وہ شہنشاہ کفیل ہے جس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں مگر اس اعتماد کا محض دعویٰ کرنا یا اعتماد والوں کی سی صورت بنانا کہ دل میں اعتماد کا نام بھی نہیں کچھ کام نہیں دے سکتا اور نہ اس وعدہ کا مستحق بنانا ہے جو دامنِ متوکل علی اللہ فہو حسبہ کے ذریعہ تمامی بندوں کے لئے عام ہے۔ پس درحقیقت ضعف ہمارا ہے کہ سنی سنائی باتوں پر توکل کی صورت بناتے اور جگہ جگہ ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ وہ جو توکل کی حقیقت ہے اگر قلب کو میسر آجائے تو ہم سے زیادہ کوئی غنی و بے نیاز نہیں۔ ضعف و ناکامی کا نام توکل رکھنا ہماری نادانی ہے اور اس لئے اس کا نتیجہ ہمیشہ ذلت و پشیمانی ہے۔

توکل کی نعمت

حضرت کو حق تعالیٰ نے توکل کی نعمت نصیب فرمائی تھی اور اس لئے مدرسہ کا یہ بڑا کارخانہ نہ کسی محصل کا حاجت مند تھا نہ سیف و مبلغ کا بمقتضائے ہر کے راہبر کارے

ساختند آپ کا ایک رنگ خاص تھا جس میں آپ مستغرق تھے اور اس لئے بلا اسباب ظاہری آپ کے سارے کام متجاہل نہ انجام پایا کرتے تھے کیونکہ آپ کا قدم ابتلا و امتحان کے وقت ڈمگنا نہ تھا۔

ایک مرتبہ ملا عبد العزیز صاحب نے کہ آپ کے قدیم مخلص خادم اور مدرسہ کے نگران اعظم تھے اگر اطلاع دی کہ آٹا بھی ختم ہو چکا اور لکڑیاں بھی تمام ہو گئیں۔ کل کے لئے نہ جنس کا دانہ ہے نہ پاس کوئی پیسہ۔ آپ سن کر خاموش ہو گئے اور کچھ جواب نہ دیا مگر خود فرماتے تھے دل میں اپنے مالک سے یہ علم

لے اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرنا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو کافی ہیں۔ ہر ایک شخص کو ایک ایک کام کے واسطے بنایا ہے۔

کسے کریم آفاہ تیری مخلوق جو تیرے کلام کی تلاوت و تعلیم میں مشغول ہے کیا فاقہ کرے گی؟ اس کے بعد خود ہی یہ مضمون دل پر جما کہ توجان نیر کام، اگر فاقہ ہی کرنا منظور ہے تو صبر کی توفیق بخشے کہ یہ بھی آپ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ رات ہوئی اور موجودہ غلہ پک پکا کر شکے خالی ہو گئے مگر آپ کی طبیعت پر نہ ہراس و پریشانی آئی نہ کسی سے قرض مانگنے کا وسوسہ ہوا۔

صبح نہ ہوئی تھی کہ طالب علم جو نہانے کے لئے ندی پر گئے تھے دوڑے ہوئے آئے اور کہا حضرت جی ندی میں تو لکڑیاں ہی چلی آرہی ہیں خوشی کے مارے آپ کا چہرہ دکھنے لگا اور آپ نے فرمایا کہ کریم رزاق نے تمہاری روزی کا سامان بھیجا ہے جاؤ جتنی سمیٹی جائیں سمیٹ لاؤ۔ چنانچہ سارے طالب علم دوڑ پڑے اور روک لگا کر لکڑیاں لادنا شروع کر دیں کہ دو گھنٹہ میں اتنا اونچا ڈھیر لگ گیا جس سے زیادہ کی گنجائش بھی نہیں تھی۔ لکڑیوں کی آمد بھی بند ہو گئی اور اب آٹے کی ضرورت رہ گئی۔

دو گھنٹہ بعد ڈاکہ آیا اور ڈیڑھ سو روپیہ کا مٹی آرڈر پیش کیا جس میں لکھا تھا کہ مدرسۃ القرآن کے لئے بھیجتا ہوں اس کے خرچ میں لائیں۔ آپ فرماتے تھے کہ میں نے بھیجنے والے کا نام پوچھا تو ایسا شخص جس کو میں جانتا بھی نہ تھا میں نے بار بار کہا کہ کسی اور کا ہو گا کیونکہ بھیجنے والا میرے ذہن میں نہیں آیا مگر ڈاکہ نے کہا کہ پتہ آپ کا نام آپ کا مرسل کو آپ پہچانیں یا نہ پہچانیں مگر اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ آپ کا ہے پس آپ نے وصول فرمایا اور یہ کہہ کر بلا عبد الغزنی کے حوالہ کیا لو ملاجی اللہ نے اپنے ہمانوں کے آٹے لکڑی کا سامان کر دیا۔ روٹی کا وقت آگیا ہے اس لئے جلدی آٹا منگا لو کہ لکڑی موجود ہے موٹی موٹی روٹیاں پکا کر نیک سے سب کھالیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ وہ لکڑیاں پورے چھ جینے کام آئیں اور روپیہ کا تو آج تک پتہ نہ چلا کہ کس نے بھیجا تھا۔ الحمد للہ اس کے بعد درر سے کو کبھی ایسی صورت پیش نہیں آئی اور نہ میں نے جانا کہ موٹی کریم کہاں سے بھیجتے ہیں اور کس سے دلاتے ہیں۔

کار ساز ما باز کار ما فکر مادر کار ما آزار ما
صبر و شکر، قناعت، اخلاص، علم، یقین، تفویض و توکل، رضا و تسلیم کی آپ مجسم تصویر تھے
ہر چہ از دوست می رسد نیکوست آپ کی خوشی، مرض و تکلیف کا کتمان آپ میں اتنا بڑھا ہوا تھا کہ

لے برسات میں پانی برس کر سہہ کرنا لو ندیوں میں جانا اور پڑی گری لکڑیوں، خس و خاشاک کو بہا لیا جاتا ہے یہ لکڑیاں عام ہوتی ہیں جولے اس کی ہیں اس لئے لی گئیں۔

سہ ہمارے کام بنانے والا تو ہمارے کاموں کے بنانے میں ہی ہے اب ہمارے کاموں میں ہمارا سوچ بچار کیا یہ خود ہماری تکلیف ہے۔ سہ سب کچھ خدا تعالیٰ کے حوالہ کر دینا۔ سہ محبوب کی طرف سے جو کچھ بھی پہنچا ہے بہتری ہے۔
سہ چھانا۔

اس کا ظاہر کرنا زبان سے نکالنا بھی آپ اپنے اللہ جل جلالہ کی شکایت کرنا سمجھتے اور مخلص سے مخلص حاضہ
باش کو بھی پتہ نہ چلتا تھا کہ آپ کو تکلیف ہے۔

صبر و تحمل ایک بار حاضرین نے دیکھا کہ نماز کے لئے مسجد کو جاتے وقت آپ کے پاؤں میں لنگ ہوتی
ہے اور پوچھا بھی کہ حضرت کیا کچھ تکلیف ہے مگر آپ نے فرمایا کہ نہیں الحمد للہ ہر طرح
راحت ہے۔ کئی دن متواتر اسی حال پر گزرے آخر چھ ساتویں دن مسجد کو جاتے ہوئے پا جامہ پیپ اور
خون سے بھر گیا اور اس وقت خدام کو پتہ چلا کہ دُعا تھا جو اندر ہی اندر پک رہا تھا اور آپ نے زبان سے
ذکر فرماتے تھے نہ چلنے میں اثر محسوس ہونے دیتے تھے کہ زبان حال اظہار نہ ہو جائے۔

ایک بار آپ سخت بیمار ہوئے کہ زسیت کی امیرہ مفتی حکیم حیل الدین صاحب معالج تھے ایک دن
بندہ بھی حاضر تھا کہ اشاروں سے باتیں فرمائیں، ہر چند حکیم صاحب نے دریافت کیا کہ کیا تکلیف ہے مگر آپ
چہرہ کی بشاشت اور ہاتھ کے اشاروں سے صحت و راحت ظاہر فرماتے رہے۔ آخر تین دن اسی حالت پر گزرے
اور چوتھے دن معلوم ہوا کہ سارے منہ کے اندر آبلے پڑ گئے تھے جن کو کھول کر دکھانا تو کیا گوارا ہوتا بات کرنے میں
منہ کا کھلنا اور آبلوں کا دیکھ جانا بھی آپ کو گوارا نہ ہوا اس لئے اشاروں سے باتیں کیں۔

دُکھ و مدارات اس کے ساتھ مخلوق کی دُکھ و مدارات بھی آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری گئی تھی کہ ہر
شخص یوں سمجھتا تھا حضرت کو سب سے زیادہ محبت میرے ساتھ ہے۔ اس لئے
دونوں کے جمع ہو جانے کے وقت آپ کو بڑی ضیق پیش آتی کہ جب آپ کا مرض کھل جاتا تو خدام کا اصرار
ہوتا تھا دو استعمال کرنے کا اور آپ طبعی اقتضا سے دوا کا استعمال نہ کر سکتے تھے کہ جس مالک نے مرض
دی معالج کافی ہے۔ اور ادھر خدام سے صاف انکار فرما کر ان کی دل شکنی بھی نہ کر سکتے تھے اس لئے مفید و مضر
ہر وہاں سمجھ کر کہ یہی محتاجا شدہ آپ پیتے اور دوا کے ٹوٹر ہونے کا کسی درجہ میں بھی آپ کو داہمہ نہ ہوتا تھا۔

۱۔ یعنی شکایت کی صورت بنا دینا ہے کہ گویا ہم اس کے مستحق نہ تھے ہم پر ظلم و زیادتی ہو رہا ہے مگر مریض کی یہ صورت نہیں ہوتی
اس لئے شکایت نہیں شکایت کی صورت ہے بلکہ یہ حکایت ہے کہ نقل کرنا کہ ایسا ہوا ہے بعض بزرگ اس صورت سے بھی بچے ہیں
اور بعض اپنی عاجزی اور رضا کی مدد کی حاجت مند ظاہر کرنے کے لئے ظاہر بھی کر دیتے ہیں جیسی نیت اور حال ہو وہی مناسب
ہوتا ہے۔ ۲۔ محبوب کی طرف سے ہونے کی وجہ سے جب ذہن یہ حاضر ہو تو تکلیف نہ ہونا کہنا صحیح ہے۔
۳۔ حکیم اجل خاں کے استاد بلی والے۔

۴۔ دوسروں کی باتوں کو برداشت کر کے بجائے ناگواری کے خوش خلقی کرنا۔
۵۔ گو علاج کرنا جائز طریقے سے جائز بھی ہے اور کالعدم ہے کہ لوگوں کو کمال توکل میں ترک درست ہے۔
۶۔ ان کا بھی حق ہے کہ وہ مخدوم کے لئے جائز علاجات کر کے سکون دل حاصل کریں۔
۷۔ خود بخود اثر کرنے والی۔ بلکہ حق تعالیٰ کے فضل کا ذریعہ قرار دے کر۔

ایک دفعہ ایک نادان طبیب نے مخلصانہ خدمت کا حق ادا کرتے ہوئے آپ کو نہر دیدیا کہ فوراً آپ کے تھے ہو گئی اور مرض ترقی کر گیا۔ ڈاکٹری تشخیص سے پتہ چلا کہ چند تھے نہ ہوتی تو جانبیری محال تھی حضرت کے جس کو ذرا بھی تعلق تھا وہ حکیم صاحب پر آنکھیں نکالتا اور ان کی صورت سے بیزار ہو گیا۔ مگر آپ کو حکیم صاحب کی ندامت اور اپنے خدام کی ان سے یہ وحشت ایک مستقل تکلیف بن گئی کہ وہ بھی کتمان و ضبط میں رہی جس کا اثر یہ تھا کہ حکیم صاحب تشریف لاتے تو آپ ان کو سب سے الگ اپنے پاس چار پائی پر بٹھاتے اور کسی کی بھی دوا کا استعمال ہو مگر حکیم صاحب سے مشورہ لیا کرتے اور وہ اس کو مناسب مرض بتاتے تو آپ استعمال فرماتے ورنہ ان سے ایسی ہی باتیں کرتے جس سے ان کو یقین ہو جاتا کہ حضرت میرے معالجہ کے معتقد اور میری صداقت و مزاج شناسی کے معترف ہیں۔ اور مخلص خدام سے ایک مرتبہ نرم لہجہ میں اس طرح فرمایا کہ ”حکیم صاحب تو میرے محسن ہیں غلطی تو ہر بشر کے ساتھ لگی ہوئی ہے مگر جو کچھ کیا وہ محبت و شفقت ہی کی نیت سے کیا، ان کو کوئی ترچھی نظر سے دیکھا ہے تو میرے دل پر ایک برجھی لگتی ہے، فاعل مختار بحر مولیٰ کریم کے کوئی نہیں جو ہوا وہ اس کی مشیت سے ہوا پھر کسی کو کیا حق ہے کہ آلہ وادارہ کو سرزنش کرے“ مجھے خوب معلوم تھا کہ حضرت دوا کا استعمال محض مخلوق کی دلداری کے لئے مجاہدہ سمجھ کر کیا کرتے تھے مگر بایں ہمہ میں نے دیکھا کہ یہ حکیم صاحب آئے تو فوراً حضرت نے اس اہتمام سے بلایا گیا حضرت دیر سے ان کا انتظار کر رہے تھے اور چپکے چپکے ان سے باتیں کرتے اور یہ سمجھا سمجھا کر حضرت کو جواب دیا کرتے کہ یوں کر ناچا ہے اور اس دوا کا استعمال ہونا چاہئے۔ حضرت اس پر فرحت کا اظہار فرماتے اور ان کا دل باغ و بلوغ ہو جاتا کہ حضرت کو میری تشخیص و معالجہ کے سوا کسی پر اعتماد نہیں ہے۔

سفر حج میں رفقا کی دلداری | دلداری خلق کا رنگ آپ پر اتنا غالب تھا کہ پیاری سے پیاری چیز اس کے مقابلہ میں بیچ تھی۔ آپ سفر حج کو چلے اور اسی سیائی نفر آپ کے ساتھ ہوئے جن میں مختلف طبقات اور مختلف خیالات کے لوگ تھے۔ اتنا جم غفیر اور ان کی خبر گیری کوئی آسان بات نہ تھی خصوصاً جبکہ آپ کے ساتھ اہلبیہ اور بہو اور صاحبزادہ عبدالرشید مرحوم بھی تھے کہ اپنے ہی انتظامات کی سنبھال مشکل تھی مگر اللہ سے ہمت نہ میوی بچہ کا فکر ہوا نہ اپنی جان کا۔ رفقا میں ہر شخص کی راحت کا خیال مقدم تھا۔ بمبئی پہنچے تو جہاز تیار مگر سب کے ٹکٹ ملیں تو آپ سوار ہوئے۔ اہل اختیار کے ساتھ مرنے والا۔ سہ اجازت اور چاہئے۔ سہ جب کرنے والے وہ ہیں تو بندے مثل آلہ وادارہ کے ہوئے ان کو سزا دینا ٹھیک نہیں۔ سہ طبیعت کے خلاف کیونکہ طبیعت پر توکل کامل غالب تھا مگر خدا تو دل کے سکون کا بھی حق تھا۔

اور وہاں دس بارہ سے زیادہ ٹکٹ ہی باقی نہیں۔ آخر رفقہ کو آپ نے رط نہ کیا اور خود دوسرے جہاز کے انتظار میں پندرہ دن پڑے رہے۔

بیٹا بیما ہے مگر رفیقوں کا خاص خیال | مکہ مکرمہ پہنچ کر عبدالرشید مرحوم پیچش میں مبتلا اور اتنا بیمار ہوا کہ کروٹ لینا مشکل مگر آپ کو رفقہ کے سامنے

نہ اپنی تکلیف کا حس نہ بچہ کی تکلیف کا احساس۔ جوں توں اونٹ پر لاد کر حج ہوا اور اب مدینہ منورہ کے لئے قافلہ کی تیاری کا وقت آیا تو ہر شخص کا تقاضا کہ جلدی چلو ہمارے پاس خرچ کم رہا ہے اور اس لئے مکہ میں زیادہ ٹھہر نہیں سکتے۔ عبدالرشید کی یہ حالت کہ اونٹ پر لیٹنا بھی مشکل چہ جائیکہ بارہ دن مسلسل کا کٹھن سفر مگر آپ نے تیاری کر دی اور مطوف کو سب کا گراہ پہنچا دیا کہ اسی قافلے میں ہمارے چلنے کا انتظام کرو۔

اتفاق سے بندہ بھی اپنے حضرت کے ساتھ بعد میں حاضر حرم شریف ہوا کہ حضرت سے مل لیا تھا۔ یہ حال دیکھ کر حضرت تشریف لائے اور بندہ ساتھ تھا۔ حضرت نے تیر لہجہ میں مولانا سے فرمایا کہ آپ مکہ میں جنگل میں نہیں اس لئے اس حالت میں کہ عبدالرشید کسی طرح سفر کے قابل نہیں آپ کیوں عجلت کر رہے ہیں؟ مولانا چونکہ حضرت کا بہت ہی زیادہ احترام فرماتے تھے کہ شاید کوئی مرید اپنے پیر کا بھی اتنا احترام نہ کر سکے اس لئے گھبرا گئے اور عرض کیا کہ حضرت کیا کروں رفقہ کو اپنی خاطر تکلیف میں نہیں ڈالاجا کہ ان کو عجلت ہے اور خرچ کم ہو چلا وہ میری وجہ سے رُکے تو ان کا مکہ میں بادل ناخواستہ وحشت کے ساتھ قیام ان کے لئے موجب وبال ہو جائے گا۔ حضرت نے اپنے صاف گوئی کے دوسرے رنگ میں غرق تھے۔ مساختہ فرمایا تمہیں ان کے روکنے کی ضرورت نہیں کہہ دو جس کا دل چاہے جائے اور میں اس وقت عبدالرشید کی شدتِ علالت کے سبب سفر نہیں کر سکتا، آخر رفقہ کی مراعات آپ پر ضروری ہے تو عبدالرشید کی مراعات ان سب سے زیادہ ضروری ہے کہ رفیق سفر بھی ہے اور بیٹا ہے جس کے حقوق سب پر مقدم ہیں۔

مولانا گردن جھکا کر چپ ہو رہے اور جب حضرت چلنے لگے تو اشارہ سے مجھے رک جلنے کا امر فرمایا اور پھر تنہائی میں اپنی پریشانی و ضیق ظاہر فرمائی کہ سمجھتا سب کچھ ہوں مگر یہ لوگ میری معیت کے لئے گھروں سے چلے ہیں اب کس منہ سے جواب دوں کہ تم جاؤ میں نہیں جاتا، ان کے دل کیا کہیں گے کہ عبدالرحیم کی معیت کے شوق میں حج کو گئے اور اس نے محبت چھوڑ کر کیا سا جواب دیدیا۔ اب دوسری ضیق حضرت کی گرانی خاطر

لے گئی پوری اور طبیعت کا اثر تھا مگر ان پر ظاہر نہ فرمایا۔ سہ گویہ بھائی تھے اور دونوں خلیفہ ہونے کی وجہ سے ایک درجہ میں تھے مگر کچھ بھی فرق مراتب کا لحاظ نہ ہوتا۔ سہ کیونکہ عبدالرشید کی ضرورت اپنی ضرورت تھی

کی پیش آگئی کہ حضرت کے خلاف مزاج سفر کس طرح کروں۔

راہ عبد الرشید کا قصہ سو میرت ہے یا حیات امر مقدر ہے اور وقت مقرر ہے جتنے دنوں کی لیکر آیا ہے اس میں ایک لمحہ کی کمی یا بیشی نہیں ہو سکتی سب گزر ہی جائے گی۔ اب معاملہ تیرے سپرد کر دیا ہوں کسی طرح حضرت سے بخوشی اجازت دلادے کہ میری تو حضرت کے سامنے عرض کی ہمت ہی نہیں۔“

مجھے درحقیقت دونوں حضرات سے محبت و عقیدت تھی کہ حضرت اگر داسنی آنکھ تھے تو مولانا میری بایں آنکھ تھے۔ اور واقعہ ہے کہ ان دونوں حضرات کو بھی اس ناکارہ کے ساتھ اسی نسبت کا تعلق شفقت و تربیت تھا اس لئے دونوں حضرات کے رنگ سے انس و ممانست رکھتا اور ہر ایک کا نرالا حظ لیا کرتا تھا۔ میں وہاں سے رخصت ہو کر حضرت کے پاس آیا اور عرض کیا کہ حضرت مجھ سے زیادہ حضرت کو علم ہے کہ مولانا پر رفقائی مراعات و دلداری خلق کا اتنا غلبہ ہے کہ اس کے ترک پر قدرت نہیں رکھتے اور عبد الرشید کی تکلیف چونکہ بیٹا ہونے کی حیثیت سے خود حضرت کی تکلیف ہے اس لئے رفقائی اتنی دبوچی پر کہ ساتھ بھی نہ چھوٹے پائے اپنی ہر تکلیف کا برداشت کرنا حضرت کو سہل ہے مگر اس وقت حضرت کے ارشاد پر ایک بڑی ضیق مولانا کو یہ پیش آگئی کہ بندہ دلداری و معیت رفقاً چھوٹ سکے اور نہ حضرت کے خلاف حکم کچھ کر سکیں، اعجب پریشانی ہے کہ مجھے اندیشہ ہے حضرت اس کشاکشی میں خود غلیل نہ ہو جاویں۔ حضرت کو مولانا سے خود محبت تھی یہ سن کر متاثر ہوئے اور فرمایا ”اچھا بھی بنام خدا سفر کریں خدا حافظ و ناصر ہے“ میں اسی وقت واپس آیا اور عرض کیا کہ حضرت اپنا قصد پورا فرما دیں کہ حضرت کی طرف سے اجازت ہے۔ چنانچہ اپنے بیعت رفقاً سفر کیا اور اسی حالت میں مدینہ منورہ سے ینبع ہو کر جہاز میں سوار ہوئے۔

نختِ جگر عبد الرشید کا انتقال | حتیٰ کہ عدن کے قریب عبد الرشید مرحوم راہی عالمِ قدس ہوا اور آپ نمازِ جنازہ سے فارغ ہو کر بیٹے کی نعش کو سمندر کے حوالہ کر کے

اسی سکون سے بیٹھ رہے جو آپ کے لئے گویا فطری تھا۔

لحد یہ مقام نازک مقام ہے مولانا کے نزدیک حق ضرام کا جو دینی تعلق کا ہے اور بہت افراد کا ہے وہ مقدم تھا مگر حضرت نے فرمایا کہ بیٹے کا تعلق دنیوی بھی ہے اور دینی بھی اور شدت و قوت میں یہ مقدم ہے اس کو صرف اپنا حق سمجھ کر مؤخر کیا جائے مولانا کے نزدیک ان کا رکنا بادلی ناخواستہ ہوا ادب مکہ کے خلاف اور وبال کا خطرہ ہے۔ حضرت کا جواب یہ ہوا کہ اپنے فعل کے وہ غمناک نہیں دل لگانا ان کا کام ہے ورنہ جائیں۔ مولف کتاب نے غلبہ حال سے استدلال کیا تو حضرت نے قبول فرمایا اجازت دیدی کہ غلبہ حال میں یہ مقدم و مؤخر ہونا معاف ہے۔ اللہ اکبر کس قدر باریک نظر ہیں تھیں۔

عبدالرشید کے خسر حاجی عبدالعزیز خاں بھی شریک حج تھے اور مرحوم کی خدمت و تیمارداری انہیں کے حوالہ تھی۔ جب سفر سے واپس ہو کر راپور پہنچا تو کمال حسرت کے ساتھ فرلے لگے کہ مرحوم کے آخری سانس سے لیکر اب تک اس ارمان میں ہوں کہ حضرت کی زبان سے عبدالرشید کا نام سنوں مگر حضرت سے کوئی تذکرہ ہی ایسا نہ سنا جس میں مرحوم کا نام لیں، تیرے انتظار میں ٹھہرا ہوا تھا کہ مجھے حضرت سے مرحوم کا نام سنوادیے۔ میں نے کہا بہتر ہے کہوش کر دوں گا۔

چنانچہ حاضر ہوا اور سمجھا تھا کہ حضرت کو درحقیقت میرے ساتھ بید محبت ہے اس لئے سارے سفر کی باتیں کر کے میں نے عرض کیا کہ حضرت معلوم ہوا کہ عبدالرشید مرحوم جان بر نہ ہوا اور عدن کے قریب رخصت ہوا حضرت اس کو گھول گئے اور کچھ جواب نہ دیا۔ پھر میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے عبدالرشید جیسا بیٹا سمجھیں۔ بس اس پر جوش آگیا اور بے ساختہ فرمایا عبدالرشید جیسے پچاس ہوں تو تجھ پر قربان اور تیرے ساتھ محبت کا مقابلہ عبدالرشید کی محبت کیسے کر سکتی ہے؟ حضرت کی یہ شفقت دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور حاجی عبدالعزیز صاحب کا ارمان پورا ہو گیا کہ انھوں نے دو مرتبہ مرحوم کا نام حضرت کی زبان سے سُن لیا۔

حضرت مولانا قدس سرہ کی ذات اور خود حضرت کے ساتھ میرا خادمانہ تعلق اس کو مقفی تھا کہ جداگانہ مستقل سوانح لکھنا میری اصلاح و تربیت میں حضرت کا ایک خاص حصہ ہے جس کے احسان میری گردن نہیں اٹھ سکتی۔ مگر حضرت کا رنگ اخفا و کتمان کے متعلق مجبور کئے ہوئے ہے کہ لاکھ میں سے ایک بات بھی بیان نہیں کر سکتا۔ آپ دائم الفکر اور دائم السکوت تھے کہ بلا ضرورت بولنا ہی نہیں جانتے تھے۔ رجب امر بالمعروف کا وقت آتا تو آپ کی عالمانہ تقریر ایسی نرالے طرز پر ہوتی تھی کہ دلوں میں بیٹھتی اور آسمان کو موم بناتی چلی جاتی تھی۔

ایک مرتبہ بعد عصر حسب معمول آپ صحن باغ میں صحابہ کی باہمی جنگوں کی عجیب توجہ چارپائی پر بیٹھ ہوئے اور چار طرف مونڈھوں پر خدام حاضرین کا ایک کثیر جمع چاندکا ہالہ بنا بیٹھا تھا کہ راؤ مراد علی خاں صاحب نے حضرات صحابہ کی باہمی جنگ رنجش کا تذکرہ شروع کر دیا اور اس پر رائے زنی ہونے لگی کہ فلاں نے غلطی کی اور فلاں کو ایسا نہ کرنا چاہئے تھا۔ یہاں تک نوبت پہنچی تو دفعۃً حضرت کو جوش آگیا اور مہر سکوت ٹوٹ گئی کہ مجھ جھری لے کر

لے دیتی تعلق اور اہل اللہ کے ساتھ کا تعلق اس طبعی سے بدجہا افضل ہے جو صرف طبعی ہو گو یہ تعلق عقلی ہو گا طبعی نہ ہو گا کہ اس پر طبیعت کے اثرات مرتب ہوں۔

حضرت سنبھلے اور فرمایا راہِ صاحب ایک مختصر سی بات میری سن لیجئے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں مخلوق کو قیامت تک پیش آنے والی تمامی ضروریاتِ دین و دنیا سے باہر کرنے کے لئے تشریف لائے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ وقت اتنی بڑی تعلیم کے لئے آپ کو بہت ہی تھوڑا دیا گیا تھا۔ اس تعلیم کی تکمیل کے لئے ہر قسم کے حوادث اور واقعات پیش آنے کی ضرورت تھی کہ ان پر حکم اور عمل مرتب ہو تو دنیا سیکھے کہ فلاں واقعہ میں یوں ہونا چاہئے۔ پس اصول کے درجہ میں کوئی واقعہ بھی ایسا نہیں رہا جو حضرت روحی فداہ کے زمانہ بابرکت میں حادث نہ ہو چکا ہو۔ اب واقعات تھے دو قسم کے ایک وہ جو منصب نبوت کے خلاف نہیں، اور دوسرے وہ جو عظمتِ شانِ نبوت کے مٹانی ہیں۔ پس جو واقعات منصب نبوت کے خلاف نہ تھے وہ تو خود حضرت پر پیش آئے مثلاً تزویج اور اولاد کا پیدا ہونا ان کا مراد فنا، انکفانا وغیرہ وغیرہ تمامی خوشی و غمی کے واقعات حضرت کو پیش آگئے اور دنیا کو عملیہ سبق مل گیا کہ عزیز کے مرنے پر ہم کو فلاں فلاں کام کرنا مناسب ہے اور فلاں نامناسب، اور کسی کی ولادت و ختنہ و نکاح وغیرہ کی خوشی کے موقع پر یہ بات جانتے رہے اور یہ ظلماتِ سنت۔

مگر وہ واقعات باقی رہے جو رسول پر پیش آویں تو عظمتِ رسالت کا خلاف ہو اور نہ پیش آویں تو تعلیم محمدی نامتام رہے مثلاً زنا و چوری وغیرہ ہو تو اس طرح عددِ تعزیر ہونا چاہئے اور باہم جنگ و قتال یا نفسانی اغراض پر دنیوی امور میں نزاع و بحث ہو تو اس طرح اصلاح ہونا چاہئے۔ یہ امور ذاتِ محمدی پر پیش آنا کسی طرح مناسب نہ تھے اور ضرورت تھی پیش آنے کی۔

لہذا حضرات صحابہؓ نے اپنے نفس کو پیش کیا کہ ہم فدا و غلام و غلام آخر کس مصرف کے ہیں، جو امور حضرت کی شان کے خلاف ہیں وہ ہم پر پیش آویں اور حکم و تہیہ مرتب کیا جائے تاکہ دین کی تکمیل ہو جائے۔ چنانچہ حضرات صحابہؓ پر وہ سب ہی کچھ پیش آیا جو آئندہ قیامت تک آنے والی مخلوق کے لئے رشد و ہدایت بنا اور دنیا کے ہر بھلے بُرے کو معلوم ہو گیا کہ فلاں واقعہ میں یہ کرنا اور اس طرح کرنا مناسب ہے اور یہ کرنا اور اس طرح کرنا مناسب۔ پس کوئی ہو ایسا باہمت جاں نثار جو تکمیلِ دینِ محمدی کی خاطر ہر زلت کو عزت اور عیب کو منہر سمجھ کر نشانہٴ ملامت بننے پر فخر کرے اور بزبانِ حال کہے کہ سہ

نشود نصیب دشمن کہ نشود ہلاک تیغت میر دوستان سلامت کہ تو خیر آزمائی
شہرت و دنیا می اور عزت و نام آوری سب چاہا کرتے ہیں مگر اس کا مزہ کسی عاشق سے پوچھو کہ جان شاری

لے تاکہ حسن و کامل مبارک ہر معاملہ میں شمعِ ہدایت بن جائے۔ سہ مخالف۔ سہ اگر اس وقت جاری نہ ہو جائیں تو کون جاری کرنا کہ اب اس کے
وجود بھی لوگ کنارہ کش ہو رہے ہیں۔ سہ یعنی تضادِ قدریں۔ سہ دشمن کو نصیب ہو کر تیری نوا رہے ہلاک ہویم دوستوں کا سلامت رہے

میں کیا لطف ہے اور کچھ معذرت کی ننگ و عار کیا لذیذ شے ہے ۵

از ننگ چہ گوئی مرا نام ز ننگ ست و از نام چہ پرسی کہ مرا ننگ ز نام است
سچے عاشق تو اس طرح ہماری تمہاری اصلاح و تعلیم کی خاطر اپنی عزت و آبرو شاکر کریں اور ہم ان کے مصنف
و ڈپٹی بن کر تیرہ سو برس بعد ان کے مقدمات کا فیصلہ دینے کے لئے بیٹھیں اور نکتہ چینیوں کر کے اپنی عاقبت
گندی کریں، اس سے کیا حاصل؟ اگر ان جو اہل سنت و جہاد کے قدردان نہیں بن سکے تو کم سے کم بد مذہبی و طعن
ہی سے اپنا منہ بند رکھیں کہ اللہ اللہ فی الصحابی لا تتخذ وھم من بعدی عرضا۔ دیر تک آپ نے
یہ تقریر فرمائی کہ دین مبارک سے پھول جھڑتے اور سامعین کے منام جان میں جگہ پکڑتے رہے۔

تلاوت قرآن جس طرح آپ کو تعلیم قرآن مجید سے شفقت تھا اسی طرح خود تلاوت کلام اللہ سے
عشق تھا، آپ حافظ قرآن تھے اور شب کا قریب قریب سارا وقت تلاوت
میں صرف ہوتا تھا۔ رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں شاید آپ گھنٹہ بھر سے زیادہ نہ سوتے ہوں۔ اور
اسی لئے آپ کو لوگوں سے وحشت ہوتی تھی کہ معمولی تلاوت میں حرج ہوتا تھا عصر و مغرب کے درمیان
کا وقت عام دربار اور سب کی ملاقات کے لئے مخصوص تھا اور اس کے علاوہ بغیر کسی خاص ضرورت کے
آپ کسی سے نہ ملتے اور مکان کا دروازہ بند فرما کر خلوت کے مزے لوٹتے اور اپنے مولیٰ کریم سے راز و نیاز
میں مشغول رہا کرتے تھے۔

خوراک خوراک آپ کی بہت ہی کم تھی اور ماہ رمضان میں تو مجاہدہ اس قدر بڑھ جاتا تھا کہ دیکھنے
والوں کو ترس آتا تھا۔ افطار و صبح دونوں کا کھانا بمشکل دو پیالی چار اور ادھی یا ایک چپاتی
ہوتا تھا۔ شرف میں آپ قرآن مجید تراویح میں خود سناتے اور دو بجے ڈھالی بجے فارغ ہوتے تھے مگر
آخر میں دماغ کا ضعف زیادہ بڑھ گیا تو سامع بنے اور اپنی تلاوت کے علاوہ تین چار ختم سن لیا کرتے تھے
ماہ مبارک میں چونکہ تمام رات اور تمام دن آپ کا مشغلہ تلاوت کلام اللہ رہتا تھا اس لئے تمام ہماؤں
کی آمد آپ روک دیا کرتے تھے اور مراسلت بھی پورے چھینے بند رہتی تھی کہ کوئی خطا کی کا بھی عید سے

لے شرم و عار کو کیا کہتے جو مجھے تو اس عار سے ہی نام میرے اور نام آدمی کو کیا پوچھتے جو مجھے تو نام آدمی سے ہی عار آتی ہے۔
علہ عالی شان۔ علہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے متعلق کہاں کو میرے بعد نہ آئے ملامت
نہ بنا لیں ۱۲ منہ آگے اسی حدیث میں یہ ہے کہ جو ان سے محبت کرتا ہے میری محبت کی وجہ سے محبت کرے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا
مجھ سے بغض کی وجہ سے رکھے گا یعنی اگر حضور سے محبت ہو تو ان سے محبت ہوگی حضور سے بغض ہوگا تو ان سے بھی ہوگا لہذا جو شخص کسی ایک
صحابی سے بھی بغض رکھتا ہے کچھ لو اس کو حضور سے بغض ہی اور نبی سے بغض رکھنا خدا سے بغض ہے اب اس کا نتیجہ غور کر دیا ہوگا۔
سے روح کی کوٹھنے کی قوتیں۔ ۵۰ برسوں کے رنگ مختلف ہوتے ہیں کہیں ذاتی عبادات کا غلبہ ہوتا ہے کہیں تبلیغ و اصلاح کا اس لئے

ایک فرد دوسرے پر شبہ نہ کرنا چاہئے کہ دونوں عبادتیں ہیں جس کے لئے عینی اشارہ ملتا ہے وہ اس میں رغبت کرتے ہیں۔

نیل دیکھایا سنا جاتا تھا۔ اللہ جل جلالہ کا ذکر جس پیراہ پر بھی ہو آپ کی اصل غذا تھی اور اسی سے آپ کو وہ
توت پہنچتی تھی جس کے سامنے دوار المسک اور جو اہر ہرہ بیچ تھا۔

معارف و حقائق سے بیماری کا علاج ایک مرتبہ آپ سخت بیمار ہوئے اور ضعف کی وجہ سے
گروٹ بدنا مشکل ہو گیا۔ پھر مرض سے کچھ آفاقہ ہوا
مگر ضعف کی وہی حالت رہی کہ دودھ پینے کے لئے چمچہ ہاتھ میں تھا مٹے تو ہاتھ کا نپتا اور چمچہ پکڑا
نہ جاتا تھا۔ ایک مزاج شناس خادم نے طبیب کو رائے دی کہ مقویات و مغذات کا استعمال بیکار ہے کوئی
کتاب جس میں معارف و حقائق ہوں سنا شروع کر دیجئے کہ روزانہ قوت بڑھتی رہے گی۔ چنانچہ غالباً بحمد اللہ
بالذکر کا اشتراق کے وقت سنانا حکیم صاحب نے معمول بنالیا۔ حضرت بڑے شوق سے سنتے اور بے اختیار
سبحان اللہ سبحان اللہ کہتے ہوئے بعض دفعہ جوش میں اٹھ بیٹھا کرتے تھے۔

دو متعارض حدیثوں کی نفیس توجیہ اسی زمانہ میں بندہ حاضر اور شریک سماعت ہوا تو ایک جگہ
یہ حدیث آئی ومن یتال علی اللہ یکذبہ۔ جو شخص اللہ
پر قسم کھانا مثلاً یوں کہتا ہے کہ واللہ فلاں کام اس طرح ہوگا تو حق تعالیٰ اس کو جھوٹا بناتا اور اس کی
قسم و دعوے کے خلاف فرماتا ہے۔ یہ سن کر آپ جوش میں اٹھ بیٹھے اور بندہ کی طرف رخ فرما کر ارشاد
فرمایا ایک حدیث میں تو یوں ہے: منہ من لواقم علی اللہ لا یرہ۔ خدا کے بعض بندے ایسے ہیں کہ اللہ
پر قسم کھا بیٹھیں تو حق تعالیٰ ان کی قسم کو پورا فرماتا ہے۔ حضرت کا منشا یہ تھا کہ دونوں حدیثیں متعارض
کس طرح رفع ہو اور تطبیق کی کیا صورت ہے۔ حضرت کا فیضان چونکہ پاس بیٹھے والوں پر بھی برستا تھا
س لئے توڑ ایک بات ذہن میں آئی اور میں نے عرض کیا کہ حضرت وہاں لفظاً قسم آیلے اور یہاں یتال
جو کہ باب تفعیل سے ہے اور اس کی خاصیت ہے تصنع و تکلف۔ لہذا مطلب صاف ہے کہ قسم مباحثہ
کسی جوش قلبی سے نکلے تو اس پر ثمرہ مرتب ہوگا کامیابی کا اور اگر بناوٹ و تصنع سے قسم کھائی جو دعویٰ
ہے اپنے تقرب اور محاب الدعوات ہونے کا تو اس پر ثمرہ مرتب ہوگا ناکامی اور جھٹلائے جانے کا، لہذا
تعارض ہی نہیں کہ تطبیق کی ضرورت ہو، حق تعالیٰ کے ہاں قدر و منزلت اخلاص کی ہے نہ نفاق و تصنع
کی۔ ایک چرواہے نے جوش محبت میں اپنے اللہ سے باتیں کیں کہ آپ مجھے مل جاؤں تو پاؤں دباؤں اور
دودھ پلاؤں، وہ خدا کو اتنا پیارا ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے الفاظ پر نظر کر کے اس کو ستارہ قرار دیا اور ایسے
الفاظ کے استعمال سے روکا تو حق تعالیٰ کا سیدنا موسیٰ کو حکم ہوا کہ

لے خدا کے قرب اور دعاؤں کے قبول ہونے کا۔

تو برائے وصل کردن آمدی نے برائے فصل کردن آمدی

اور منافقین نے پیغمبر کے ساتھ نمازیں پڑھیں اور محبت و عظمت رسول کے بڑے بڑے دعوے کے نگر حکم آیا کہ ان المنافقین فی الدار والاسقل من النار پس بنا فرق ہے اخلاص و سادگی میں اور بناوٹ و تصنع میں حضرت کا چہرہ اس تقریر کی سن کر خوشی سے دکنے لگا اور سبحان اللہ سبحان اللہ فرماتے ہوئے پھر تکبیر پڑھ رہے۔ کامل تین گھنٹہ آپ کتاب سنتے اور پتہ بھی نہ چلا کہ آپ بیمار ہوئے تھے اور ضعف ہے حتیٰ کہ چند ہی روز میں آپ کی کمزوری فوت سے بدل گئی اور آپ نماز کو اپنے پاؤں سے مسجد تک جانے لگے۔

حقائق و معارف کا فیضان | حقائق و معارف آپ پر بارش کی طرح برسا کرتے مگر آپ کسی پر ان کا اظہار نہ فرمایا کرتے تھے کسی خاص موقع پر کوئی بات زبان

سے نکل جاتی ورنہ ہر وقت آپ ایک اندر دنی لذت میں غرق رہتے اور زبان حال فرمایا کرتے تھے

ستم است اگر ہوست کشد کہ بوسر ستم در آ تو ز غیچہ کم ندیدہ دیدل کشا بچمن در آ

حق و باطل کی معرفت کا معیار | ایک دن آپ کی مجلس میں بدعت و سنت کے مسائل اختلافی کی بحث ہونے لگی، آپ دیر تک سنتے رہے اور آخر میں فرمایا کہ

میرے نزدیک علاوہ دلائل علیہ کے حق و باطل پہچاننے کا ایک معیار اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ قدرت نے ہر چیز میں اس کے سمجھنے کی طرف کشش کا مادہ رکھا ہے کہ کبوتر یا کبوتر باز یا باز۔ اور یہ قدرت کا عطیہ جس کو فطرت کہنا چاہئے اجسام ہوں یا اعراض سب ہی میں جاری و ساری ہے۔ پس جس فعل کے متعلق یہ شبہ ہو کہ معلوم حق ہے یا باطل، اس میں یہ دیکھنا چاہئے کہ اس کی طرف میلان کن قلوب کا ہوا اور کشش کس قسم کے لوگوں کی ہے؟ پس اگر دیکھو کہ بدین فساد و فجار کو ابتداء میں اس کی طرف حرکت ہوئی اور وہی قلوب جوش و خروش کے ساتھ اس کی طرف لپکتے ہیں تو سمجھ لو کہ اس فعل میں ضرور ظلمت ہے اگرچہ ظاہری صورت نورانی اور دینی معلوم ہوتی ہو، کیونکہ اس میں نور ہوتا تو ظلمانی قلوب کو جذب نہ کرتا بلکہ وہ اس سے بھاگتے اور نورانی قلوب اولیاء و صلحا کے اس کی جانب کھینچتے۔ اور اگر کسی فعل کو دیکھو کہ دیندار اہل اللہ لے تم تو سب کو ہم سے ملانے کے واسطے آتے تو ہم سے جدا کرنے کیلئے نہیں آتے۔ ملہ بیشک منافق لوگ جہنم کے نیچے کے طبقہ میں ہیں۔ ملہ بڑا ظلم ہے اگر ہوس تم کو اس طرف کھینچے کہ چھٹی و ستر کی سیر کے لئے داخل ہو تم خود پھول سے کم نہیں کھلے ہو دل کا در کھولو اور جہنم میں داخل ہو جاؤ۔ ملہ پہلا معرکہ ہے کہ ہم جنس باہم جنس پر راز۔ کہ ایک جنس جس کے ساتھ ہی اڑا کرتی ہے کبوتر کو تر کے ساتھ باز کے ساتھ۔ ملہ لمائی چوڑائی موٹائی والی چیز جسم ہے اور جو بغیر دوسرے کے الگ موجود نہ ہو سکے وہ عرض ہے اعراض جمع۔

اس کی طرف جاتے اور عوام و بازاری اس سے بھاگتے ہیں تو سمجھ لو کہ ضرور اس فعل میں تورانیت ہے کہ اہل نور کے قلوب کو اس طرف کشش ہوئی اور ظلماتی قلوب نے اس سے وحشت کھائی۔

پس عوام کا کسی اختلافی مسئلہ کے متعلق یہ کہنا کہ ہم تو بے پڑھے ہیں اور دونوں طرف مولوی ہیں پھر ہم کیونکر سمجھیں کہ کون حق پر ہے "خدا کے نزدیک مغبر اور عذر مقبول نہ ہوگا۔ بالخصوص جبکہ وہ دونوں طرف علما ہونے کے قائل ہو کر بھی ایک طرف جھکے ہوئے ہیں جو دلیل ہے کہ ایک شق کو ان کے نفوس نے ترجیح دے کر اختیار کیا اور اپنے اوپر سے الزام اتارنے کے لئے مولویوں میں فیصلہ نہ کر سکنے کا عذر تراشا ہے۔ اس طرح پر ذرا غور کرنے سے ہر بے پڑھے سے بے پڑھاتی اور باطل سمجھ سکتا ہے کیونکہ دیکھ رہا ہے کہ رسومات و بدعات رائج کی طرف یا وہ بازاری عوام جھکتے ہیں جن کو نماز روزہ تک سے وحشت و بے تعلقی ہے اور یا وہ پڑھے لکھے مائل ہوتے ہیں جن کی تورانیت قلوب کو جب جاہ و مال نے داب لیا ہے اور اگر کوئی فحلس دھوکہ کھا کر ادھر چلا بھی گیا تو خود اپنے قلب کو ٹوٹل لے کہ وہ کشش نہ ہوگی جو درود و نماز روزہ جیسی کھلی اور صاف عبادتوں کی طرف اس کو ہوتی ہے اور اس لئے امید ہے انشاء اللہ کسی وقت اس کا قلب اس کی رہبری کرے گا اور وہ متنبہ ہو کر نور سنت کی طرف ضرور آجائے گا۔

یہ سننے کے بعد میرے ذہن میں یہ مضمون آیا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے قصہ بہتان میں آپ کی برائت و پاکدامنی کا ثبوت دیتے ہوئے آخر میں حق تعالیٰ نے ایک دلیل یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ الخبیثات للخیثین والخیثون للخیثات والطیبات للطیبین والطیبون للطیبات گندی عورتیں گندے مردوں کے لئے ہوتی ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لئے علیٰ ہذا ستہری عورتیں ستہرے مردوں کے لئے خاص ہیں اور ستہرے مرد ستہری عورتوں کے لئے۔" پس اگر تعلق زوجیت مراد ہو کر ثبوت لیا جائے کہ حضرت صدیقہؓ چونکہ اطیب الخلق پیغمبر کی بی بی ہیں لہذا فحشاء کی گندگی سے پاک صاف ہونی چاہئے۔ تو یہ دلیل منقوض ہو جائے گی حضرت آئیہ اور حضرت لوطؑ کی بی بی سے کہ اول الذکر طیبہ ہو کر خبیث بلکہ اجنبی کی زوجیت میں آئیں اور امراۃ لوط خبیثۃ النفس ہو کر طیب النفس پیغمبر کی زوجہ بنی اور دلیل حق تعالیٰ کی خصوصاً ایسے نازک قصص کی برائت کے لئے محذوش نہیں ہو سکتی۔ پس لامحالہ کشش اور محبت مراد لی جائے گی کہ دنیا جانتی اور ہر موافق و مخالف آنکھوں سے دیکھ رہا ہے کہ حضرت صدیقہؓ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبہ ہیں کہ اطیب الخلق کا قلب مطہران کی طرف کھینچا اور مائل ہوتا ہے۔

لے ساری مخلوق سے زیادہ عمرہ مکہ ٹوٹ جائیگی مکہ بڑا خبیث قرون۔ مکہ خبیث روح والی۔

پس لامحالہ ماننا پڑے گا کہ حضرت صدیقِ میں طیب ضرور ہے اور بے غفّی سے جو کہ اصل گندگی ہے وہ پاک صاف ہیں ورنہ گندری طبیعت رکھتے ہوئے پاک اور متحرّے قلب کا میلان اس طرف کبھی نہ ہوتا۔ پس کہیں زوجیت کے تعلق میں اس کا خلاف ہوا بھی تو یہ کوئی نہیں ثابت کر سکتا کہ کشش اور دلی محبت بھی دونوں میں ہوئی ہو۔ یہ قاعدہ کلیہ جس کو حق تعالیٰ نے آخری اور قطعی دلیل بنا کر ہر قریب و بعید اور ذکی و بلیہ کے لئے فیصلہ قرار دیدیا کہ اگر حضرت صدیقؑ پر وہاں ہمہ ہو گندگی بے غفّی کا تو اس کا اثر پڑے گا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ناقدِ شناس بلکہ پھر حق تعالیٰ کی بسو حشیت کے ساتھ گستاخ بننے پر، جس میں ایمان ہی ہاتھ سے گیا کہ آپ محبوب ہیں حق تعالیٰ کے، اور اگر حضرت کو بحیثیت رسالت و محبوبیت اطیب النفس سمجھا جیسا کہ ایمان کا مقتضا ہے تو حضرت عائشہؓ کو ضرور طیبۃ النفس ماننا پڑے گا کہ حضرت عائشہؓ کی محبوبیت اور آنحضرتؐ کے قلب کا اس طرف انجذاب و میلان اس زمانہ والوں کے لئے متاہدہ سے اور ہمارے لئے تاثر و شہرت سے ثابت ہو کر محقق و یقینی بن چکا ہے۔ اب جس کا بھی دل چاہے ہر امر میں حق و باطل ہونے کا فیصلہ کر لے کہ قد تبین الرشید من الخی پس اگر اپنے اللہ سے معاملہ صاف کرنا مقصود ہو تو انشا اللہ انشا اللہ حق واضح ہوئے بغیر نہ رہے گا۔

اس کے بعد فرمایا المرء مع من احب میں بھی یہی راز ہے کہ محبت سے کشش ہوتی ہے اور کشش محبوب کو محب کے رنگ دیتی ہے کہ جس درجہ کی کشش ہوگی اسی درجہ کی معیشت لامحالہ مرتب ہوگی۔ اس کے بعد یہ بھی فرمایا کہ اسی لئے یہ بھی ہیں کہ اہل اللہ کی محبت بڑی نعمت ہے کہ جو کچھ ملتا ہے اسی کی بدولت ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو تمام صحابہ پر فضیلت اسی محبت پر نصیب ہوئی ورنہ آپ کا مجاہدہ عملی اس درجہ تھا کہ تمام صحابہؓ سے بڑھادے، اور محبت و کشش کے یہ اثرات تھے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے میں کبھی اجتہادی غلطی ہوئی تو ابوبکرؓ کی رائے بھی اس غلطی میں شریک اور شامل رہی کہ یہ غلطی کا اثر اور دوسروں کی اصابتہ رائے سے بہتر اور عند اللہ زیادہ وقع تھا۔ اسی محبت کا ملہ نے حضرت صدیقؓ کو خلا بلا فصل کا اہل بنایا جس کو حضرت نے بایں الفاظ ارشاد فرمایا کہ ابی اللہ والمؤمنون الا ابابکر

لہ عمدگی و پاکیزگی۔ لہ کندھن۔ لہ پاکی یہ کہ حضور حق تعالیٰ کے محبوب اور حضرت صدیقؓ حضور کی محبوب حضرت صدیقؓ پر وہاں ہمہ ہونے سے حضور پر اور پھر خدا تعالیٰ تک، اڑ پھینچے گا۔ لہ کھنہ۔ لہ حضور کے زمانہ سے اب تک اتنے روایت کرنے والوں سے جن کا جھوٹا ہونا عقل سے محال ہے۔ لہ ہدایت مگر اسی سے ظاہر ہو چکی۔ لہ انسان اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرے گا یعنی قیامت میں۔ لہ ساتھ۔ لہ مگر امتیاز کی اجتہادی غلطی کو فوراً وحی سے درست کر دیا جاتا ہے جیسے بدر کے قیدیوں کو فدیہ لیکر چھوڑنے میں آیت نازل ہو گئی تھی وہاں بھی حضرت ابوبکرؓ کی رائے حضور کے ساتھ تھی۔ لہ ایک ناگوار بات پر فرمایا تھا۔

کہ جس طرح ذات محمدی کے ہوتے ہوئے اللہ اور اس کے ایماندار بندے کسی دوسرے کی حاکمیت کی طرف میلان نہیں کر سکتے اسی طرح ذات محمدی کے بعد آپ کے محب مجاہد کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کی جانشینی کی طرف جھک ہی نہیں سکتے، کہ حقدار کے حق کو قائم رکھنا ایک نور ہے اور نورانی ذات و نورانی قلوب کا نور کی طرف طبعی میلان ضروری اور فطری امر ہے۔

غرض دیر تک تقریر فرمائی کہ سننے والے محو و مستغرق تھے اور رحمت الہیہ کی پھوار دلوں پر پڑ رہی تھی۔ اس قسم کے حقائق کا ہر لمحہ آپ پرورد ہوتا تھا جس کو اول تو آپ ہی زبان سے نہ نکالتے تھے اور کبھی کبھی بیان فرمایا تو میرا دل نہیں چاہتا کہ حضرت کے خلاف طبع ان کی اشاعت کروں۔

وساوس و خطرات پر آپ کو اطلاع زیادہ ہوتی اور بلا ارادہ آپ اس پر مطلع ہوتے تھے۔ حافظا مختار احمد صاحب سیو باروی جب پہلی مرتبہ رانپور حاضر ہوئے تو وہاں خانہ میں اترے۔ اور چونکہ چار کے زیادہ عادی تھے اس لئے حضرت کو اطلاع ہونے سے قبل ان کے ملازم نے چار طیار کرنے کا قصد کیا۔ ابھی ارادہ ہی تھا کہ ایک صاحب آئے اور کہا آپ کو حضرت بلا رہے ہیں۔ ان کو بغیر اطلاع پائے حضرت کی طلبی پر تعجب ہوا اور جلدی جلدی حضرت کے پاس حاضر ہوئے مصافحہ کرتے ہی حضرت نے خادم سے فرمایا ملاجی سے کہو کہ چودھری صاحب کے لئے چار جلدی لے آویں۔ اس پر ان کو دوسری حیرت ہوئی مگر ساتھ ہی ان کو یہ خیال آیا کہ میری چار کی طلب کا تو حضرت کو کشف ہو گیا لیکن میری عادت تو یہ ہے کہ صبح کو جا رہیں یتاجب تک انداز نہ کھالوں۔ یہ خیال آنا تھا کہ حضرت نے خادم کو آواز دی اور فرمایا ملاجی سے کہنا دو اندرے بھی لیتے آویں۔“

اس قسم کے واقعات کثوف کو تیرہ اور اطلاع خطرات کے ہزاروں کی تعداد میں پیش آئے اور رات دن پیش آتے تھے مگر نہ آپ کے نزدیک وقیع تھے نہ آپ اس کا قصد فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ بندہ حاضر ہوا اور حاج احمد حسن صاحب کو حضرت کے خادم اور میرے دوست اس وقت دہرہ دون میں صلحداری نہر پر تعینات تھے میری موجودگی میں حضرت کی زیارت کے خیال سے ایک گھوڑے پر آئے جو کسی دوست سے مانگ لیا تھا۔ گھوڑا مارغ میں چھوڑ کر حضرت کے پاس حاضر ہو گئے اور باتوں میں دیر لگ گئی مغرب کے قریب باہر آئے تو گھوڑے کی تلاش ہوئی۔ چار طرف دیکھا کہیں بہتہ نہیں، فکر ہوا کہ گھر کا راستہ نہ لیا ہو کہ اب بغیر سواری پہاڑی راستہ وقت پر دہرہ پہنچا بھی مشکل۔ ملاجی الغریز سے کہا کہ حضرت کو اطلاع دید اور سنو حضرت کیا فرماتے ہیں۔ وہ حضرت کے پاس گئے اور قصہ عرض کیا حضرت نے فوراً گردن جھکائی اور پھر فرمایا ملاجی کسی طالب علم کو نہری سیدھی پری پر تو ذرا بھیجو کہ تلاش کرے۔ ملاجی خوش خوش

یہ کہتے ہوئے آئے کہ لوگھوڑا مل گیا اور اس کے بعد طالع کو نہر کی پٹری پر بھیجا، عشا کا وقت ہوا چاہتا تھا کہ طالب علم گیا اور دو ڈھائی فرلانگ چلا ہوگا کہ گھوڑے کو رات پور کی طرف رخ کئے کھڑا پایا اور وہ اس کی رسی پکڑ کر اپنے ساتھ لے آیا۔

قلت طعام، قلت مقام اور قلت کلام کا آپ مجسمہ تھے۔ امر سے آپ کو وحشت اور فقر سے انس تھا۔ اس کے ساتھ ہی جہان نوازی آپ کی حد بڑھی ہوئی تھی کہ جہان پر اپنی راحت کا بچھا کرنا آپ کی عین مراد تھی۔

ایک دفعہ بندہ حاضر ہوا تو بعد مغرب دیکھا کہ مکان سے جو کہ بستی میں باغ سے دو فرلانگ فاصلہ تھا کھانا خود لے آ رہے ہیں۔ بشرم کے مارے مجھے پسینہ آگیا اور میں نے عرض کیا کہ حضرت کیا کوئی خادم نہ تھا کہ حد نے تکلیف فرمائی، میا ختنہ فرمایا دل یوں ہی چاہا کہ خود لیکر چلوں کہ اس کی زیادہ خوشی کا وقت کون سا ہوگا۔ ایک مرتبہ حاضر ہوا تو شب کو آنکھ کھلی، دیکھتا کیا ہوں کہ حضرت لاشی لے باغ میں پھر رہے ہیں۔ اٹھ کر بیٹھ گیا تو حضرت پاس آئے اور فرمایا جنگی بھینسا کبھی کبھی باغ میں گھس آتا ہے اس کی نگرانی کر۔ تھا کہ جہانوں کی نیند خراب نہ کرے، آپ اطمینان سے سو جائیے۔ صبح کو معلوم ہوا کہ حضرت کی تو تمام رات پہرہ داری ہی میں گزری۔

ایک مرتبہ مولوی دہاج الدین صاحب جو کہ حضرت گنگوہی سے بیعت تھے رات پور آئے۔ رات زیادہ جا چکی تھی اور سفر کا مکان بہت تھا ایک طرف لیٹ کر سو گئے۔ ذرا بعد آنکھ کھلی تو دیکھا ایک شخص بائیں بیٹھا ہوا آہستہ آہستہ ان کے پاؤں دبا رہا ہے مگر اس احتیاط سے کہ آنکھ نہ کھل جائے۔ اول تو سمجھے کہ شاید حضرت نے کسی خادم کو بھیج دیا مگر پھر غور کی نگاہ ڈالی تو معلوم ہوا کہ یہ تو خود حضرت مولانا ہیں۔ یہ گھبرائے اٹھے اور کو ذکر چا پرائی سے نیچے آئے کہ حضرت یہ کیا غضب کیا۔ فرمایا بھائی اس میں حرج کیا ہے آپ کو تکلیف بہت ہو گیا ہوگا ذرا لیٹ جائیے کہ آرام مل جائے۔ انھوں نے کہا بس حضرت معاف فرمائیے میں باز آئے۔ ایسے آرام سے کہ آپ سے پاؤں دباؤں سے

تواضع اور مروت گر کوئی شخص مجسم ہو تو وہ سر تا قدم عبدالرحیم باصفا ہوگا
تعبیر خواب میں دستگاہ خواب کی تعبیر میں آپ کو بہت مناسب تھی مگر تفصیل بہت کم بیان فرمایا کرتے تھے۔ چودھری حافظ مختار احمد صاحب نے ایک مرتبہ خواب لکھ

کہ کم کھانا، کم سونا، کم بات کرنا۔ سہ جبکہ جہان کو علم نہ ہوا جہان نوازی اور تواضع ہی، علم ہونے پر جب کلفت کا سلیم ہوا ترک فرما دیا کہ اب راحت میں کلفت ہی بات تواضع نہ رہی تھی، کس قدر رعایت ہے حدود کی۔

کہ چٹ لیتے ہوئے ہیں اور سیدھی جانب سر کے برابر ایک مونڈھے پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور آپ سے کچھ نیچے قلب کے مقابل سیدنا یوسف علیہ السلام ہیں۔ قلب بجائے بائیں جانب کے دائیں جانب ہے اور کھٹا ہوا ہے کہ نہ اس پر کوئی کپڑا ہے اور نہ گوشت، کھال کو چیر کر اس کے اوپر بٹا دیا گیا ہے اور قلب پر حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف سے فیضان کا ترشح ہو رہا ہے جس کی لذت بائیس سال گزر جانے پر اب بھی محسوس ہوتی ہے۔ خواب ہی میں یہ خیال ہے کہ نور بھرا جا رہا ہے۔ چند علماء سے انھوں نے خواب ذکر کیا اور ہر ایک نے تعبیر دی مگر ان کے دل کو نہ لگی۔ راوی حاضر ہوئے تو حضرت کو خواب سنایا فرمایا بارک اللہ بہت اچھا خواب ہے جس کی تعبیر کھلی ہوئی ہے کہ آپ کو نسبت یوسفی حاصل ہے انھوں نے عرض کیا کہ حضرت ذرا اس کو مشرح فرمادیں کہ نسبت سے کیا مراد ہے؟

فرمایا چودھری صاحب دیکھئے جس طرح دنیا میں جس کسی کو کچھ بھی انعام اکرام عطا ہوتا ہے وہ سب حقیقتہً پادشاہ کی جانب سے ہوتا ہے مگر اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ خزانہ شاہی سے وزیر کو دیا جاتا ہے اور وزیر اس کے یہاں سے ہر محکمہ کے سردار کو اور پھر اس سردار کی طرف سے ہر اس شخص کو ملتا ہے جو اس کا مستحق اور اس افسر کا ماتحت ہوتا ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ بھی روحانی برکات و فیوض بندوں کو عطا ہوتے ہیں وہ سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے سیدنا موسیٰ سیدنا عیسیٰ و سیدنا یوسف غرض جملہ انبیاء علیہم السلام تک پہنچا ہے، اور یہ حضرات اپنی صفات اور کمالات خصوصی کی بنا پر جس جس محکمہ کے سردار و امیر قافلہ قرار پائے ہیں اسی خصوصی انعام سے بہرہ یاب ہونے والوں کو وہ فیوض و انعامات الہیہ پہنچاتے ہیں اور وہی صفات خصوصی نسبت کہلاتے ہیں کہ کوئی نسبت ابراہیمی ہے اور کوئی نسبت یوسفی کوئی موسوی اور کوئی عیسوی، اس وقت چودھری صاحب کو الشراح صدر ہوا اور سمجھے کہ سر کی جانب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف فرما ہونا اور قلب کے محاذ میں سیدنا یوسف علیہ السلام کا ملک پر انوار و برکات کا ڈالنا حقیقت رکھتا ہے۔

سنت و محبت، بدعت و نفرت | ہر چند کہ آپ خلقِ مجسم تھے مگر خلافت سنت عقیدہ والوں سے آپ کو کمال نفرت تھی۔ ایک مرتبہ آپ کے کسی مرید نے ضلع تنک کے ایک عالم کی صفائی کرتے ہوئے یوں کہا کہ حضرت وہ تو حضور کے رشتہ دار ہیں اور بالکل ہمارے ہم خیال ہیں صرف بعض عقائد میں کچھ یوں ساجزی و اختلاف ہے جیسا باہم ائمہ میں۔ وہ صاحب اپنی تقریر ختم کرنے نہ پائے تھے کہ آپ کے چہرہ پر ناگواری کے آثار پیدا ہو گئے اور آپ نے تعجب کے ساتھ فرمایا کہ ہائیں عقائد میں اور اختلاف؟

لہ کھیل کر سہل کا کھل جانا اور قبول کر لینا۔ ۳۵ مقابلہ۔

یہ توجہ دی ہو تو آپ کو خود ہی تسلیم ہے میرا تجربہ تو یہ ہے کہ عقائد میں جُز توجہ اگر بالکل بھی اختلاف نہ ہو مگر شک اور شبہ کا درجہ ہو تو وہ بھی برباد و گمراہ ہوئے بغیر نہیں چکا پھر اس کو ائمہ کے اختلاف سے تشبیہ دینا تو بڑی ہی دلیلی کی بات ہے۔ پس چاہے عمل میں کتنی ہی کمزوری ہو مگر خدا کرے کہ کوئی مسلمان بدعت کو سنت سمجھے یا سنت کے سنت ہونے میں شک لاوے کہ یہ بلائے نے دریاں ہلک اور سم قائل ہے۔

اصلاح اور امر بالمعروف کا انداز | آپ کے امر بالمعروف کا طریق بھی عجیب پایا تھا کہ کوئی کتنا ہی بد عمل ہو آپ اس کو چھاتی سے لگاتے اور اپنے کو اس کے سامنے بیچ در بیچ سمجھتے۔ مگر جب دیکھتے کہ اس کو تعلق ہو گیا اور اب نصیحت کرنا بے اثر نہ ہوگا تو چپکے ہی نہایت نرم اور شیخہ لفظوں میں اس کو ابتداء شریعت کی ترغیب دیا کرتے تھے۔

ایک بار میرے ساتھ ایک صاحب حاضر خدمت ہوئے جن کی انگلی میں سونے کی انگلیٹھی تھی حضرت کے اخلاق و ہمان نوازی دیکھ کر وہ حیران ہو گئے اور جب رخصتی مصافحہ کرنے لگے تو عرض کیا کہ حضرت میرے لئے دعا فرمادیں حضرت نے ہاتھ تھامے ہوئے ان سے ارشاد فرمایا بہت اچھا انشاء اللہ حکم کی تعمیل کروں گا مگر کہ عرض میری بھی ہے اس کو آپ قبول فرمائیں وہ یہ کہ طلائی انگلیٹھی کو شریعت نے مرد کے لئے حرام کہا ہے مگر اس گناہ بے لذت کو ترک فرمادیں تو پھر خوش ہو کر دل سے دعا نکلی گی۔ یہ سن کر وہ صاحب شرما گئے کہ پیشانی پر پسینہ آگیا اور فوراً انگلیٹھی اتار کر ہاتھ میں لے لی۔

الفتح الربانی کا اردو میں ترجمہ | حضرت پیران پیر کے مواعظ الفتح الربانی ایک مرتبہ مجھے ملے اور میں حضرت کو پڑھ کر سنانے لگا تو حضرت پر وجہ طاری ہونے لگا اور بے اختیار باصرہ فرمایا کہ اس کا ترجمہ کر دے کہ بہت مفید ہوگا اور طباعت شروع ہونے پر جتنا بھی طبع ہوتا ہے وہ مجھے فوراً بھیج دیا کہ مجھے میں کتاب پوری ہونے کا انتظار نہ دیکھو۔ چنانچہ میں نے اس کا ترجمہ کیا اور حضرت اس سے بہت ہی محفوظ ہوئے۔ میں نے دیکھا کہ وہ کتاب جس کے پاس بھی گئی اس کو خاص روحانی فائدہ پہنچا حتیٰ کہ ہاتھوں ہاتھ ختم ہو گئی اور دوبارہ طبع ہوئی جو قریب ختم ہے۔ اس کے مطالعہ سے قلب میں ایک قوت پیدا ہوتی ہے اور رضا برقصا و شان تسلیم کی ایک عجیب و غریب تعلیم حاصل ہوتی ہے جو تجربہ ہی پر موقوف ہے۔

لے ائمہ مجتہدین میں عقائد کا اختلاف نہیں ہوتا صرف فقہی فروعی مسائل کے راجع و مروج ہونے کا ہوتا ہے حق و باطل کا وہ بھی نہیں۔ لے سونے کی انگلیٹھی۔ لے اس کا نام فیض بزدانی ہے اس کے ۲۰ وعظ کی شرح عجیب طرز پر جدا لکھی ہے جس کا نام انوار سجائی ہے۔ دونوں حضرت مولانا عاشق الہی صاحب مصنف کتاب ہذا کی تصنیف ہیں۔

بزرگوں اور متعلقین کی آمد سے مسرت

آپ کو حضرت گنگوہی قدس سرہ کے متوسلین سے خاص

محبت تھی کہ وہ شیخ کے یتیم بچے تھے اور شیخ کی یاد تازہ کیا کرتے تھے، ان میں سے کوئی بھی آتا تو گویا آپ کے ہاں عید آجاتی اور اگر کوئی خاص تعلق والا آتا تب تو آپ کی مسرت کا کچھ ٹھکانا ہی نہ رہتا تھا، اس کی خدمت و ولاری کو تمامی ذواخل فاذا کا پرتہ جھج دیتے اور اکابر میں سے کوئی بزرگ تشریف لاتے تب تو کچھ پوچھنا ہی نہیں کہ آپ کتنا اہتمام فرماتے اور آپ کا رواں رواں سرود ہو کر یوں پکارا کرتا تھا کہ

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت سے

بکھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

بیوہ سے نکاح

نکاح بیوگان آپ کی قوم میں عیب سمجھا جاتا تھا اس کی اصلاح میں آپ نے بہت

نیکمیں ہمیں اور مصائب برداشت کئے عملاً اس کی سنت ثابت کرنے کے لئے خود

بھی بیوہ سے نکاح کیا اور اس نکاح پر جو کچھ طعن تشنیع اور جان کے خطرات آپ کے رفع درجات کے لئے

مقرر تھے وہ پیش آکر رہے جن کو آپ نے شہر و شکر سمجھ کر بیا اور مر لیا۔ آپ کے جوان صاحبزادہ عبدالرشید مرحوم

کا انتقال ہوا و صبر و رضا کی آپ بحکم تصویر تھے کہ مرحوم کے خسر کو دادا کا نام باپ کی زبان سے سننے کی تمنا تھی

کہ یوں معلوم ہوتا تھا گویا آپ کو اس کی دفات کا صدر مہی نہیں ہوا۔ مگر میں نے جہانک غور کیا حزن تو

غیر اختیاری اور لازماً بشریت ہے انسان کو دودن کے پالے ہوئے بکری کے بچے بھی تعلق ہوتا اور اس کے

مرنے پر دل دکھتا ہے پھر بیٹا تو بیٹا ہی ہے جس کو ثمرۃ الغواد اور کلیجہ کا ٹکڑا لکھا جاتا ہے اس کا نوجوانی میں مرنا

حزن سے کیسے خالی رہ سکتا ہے لیکن اس موت کے حزن بشری و طبعی کے ساتھ ایک روحانی مسرت بھی آپ کے

حاصل تھی جو طبیعت ثانیہ نہیں بلکہ طبیعتِ اصلینہ گئی تھی کہ آپ کو بیوہ ہونے کے نکاح ثانی کا موقع ملا اور

مرده سنت کے زندہ کرنے کی ایک قدرت حاصل ہوئی۔

نصیحتِ قولی و عملی

نصیحت کرنے اور دوسرے کو کسی کام کی ترغیب دینے اور عمل کرانے کی دوسری صورتیں ہیں ایک زبان سے سمجھانا دوسرے خود عمل کر کے دکھانا، زبان سے سمجھانا جو تعلیم قولی کہلاتی ہے اگرچہ زبانہ اور وقت کے لحاظ سے انفع اور زیادہ دیرپا ہے کہ عمل تو صرف دیکھنے والے حاضرین کو تعلیم دے سکتا ہے لیکن قول حاضر و غائب دونوں کا معلم بنتا اور قیامت تک آنے والی نسلوں کو سبق پڑھاتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی عمل کے ذریعے سے جو تعلیم و نصیحت ہوتی ہے وہ متعلم کے لئے قولی تعلیم کی بہ نسبت نہایت آسان اور بہت جلد سمجھ میں آنے والی ہوتی ہے۔ اسی لئے جہاں حق تعالیٰ نے بندوں کی لئے ہر بشر کے لئے لازم۔ سہ دل کا پھل۔

یہودی کے لئے آسمانی کتابیں نازل فرمائیں کہ موجودہ اور آئندہ ہر زمانے کے لوگوں کو ان کے ذریعہ سے مہینیاں
کا علم حاصل ہو وہیں کتابوں کے ساتھ ان کے احکام پر عمل کرنے والے پیغمبروں کو بھی بشر بن کر دنیا میں بھیجا کر
عمل کر کے مخلوق کو احکام الہیہ پر عمل کرنا سکھا دیں۔

ایک سمجھدار جوان کو زبان نماز پڑھنا سکھاؤ اور کہو کہ اول تکبیر پڑھو اور پھر ماتھ باندھو وغیرہ وغیرہ
چند گھنٹے سکھانے پڑھانے کے بعد بھی شاید وہ پوری نماز پڑھ سکے گا لیکن اگر ایک نا سمجھ بچہ کو بھی سامنے
بٹھا کر خود نماز پڑھ کر دکھاؤ تو عجیب نہیں تمہاری چند منٹ کی یہ تعلیم اس سے پوری نماز پڑھو اے گی
یہ دوسری بات ہے کہ اس تعلیم کا اثر دیکھنے والے ہی تک محدود ہوگا اور جو موجود نہیں یا پیدا ہی نہیں ہوئے
ان کو نماز سکھانے کیلئے پھر قول کی حاجت ہوگی کہ عمل ختم ہو جائے والا ہے اور قول باقی رہنے والا۔

یہی وجہ ہے کہ انگریزی سکولوں میں یہ الزام دیا کرنے کے لئے کہ مسلمان بچے اپنے دین سے ناواقف
اور بے بہرہ رہ جاتے ہیں کتنا ہی دنیا کی نصاب کیوں نہ پڑھالیا جاوے مگر وہ مفید نہیں ہوتا اس لئے کہ
وہاں صرف قول سے تعلیم دینے اور زبان سے پڑھانے اور بتانے والے ہوتے ہیں خود عمل کر کے دکھانے والے
اور عملی تعلیم دینے والے نہیں ہوتے۔ پھر عمل کے بھی دو درجے ہیں ایک اوپری دل سے عمل کرنا دوم دلبستگی
اور محبت و شوق کے ساتھ کرنا کہ پہلا درجہ کتنا ہی پابندی و مواظبت سے ہو مگر اس کے بقا کا اعتبار
اور اس میں حلاوت و شیرینی ہے۔ مگر دوسرا درجہ اگر ضعف بدن کی وجہ سے کمزور بھی نظر آئے تو یہی پختہ و
پائیدار ہوتا ہے اور اس کے اندر ایسا مٹھا س ہوتا ہے جس کی ماہیت بیان میں نہیں آسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ
مدارس دینیہ میں بھی گو تعلیم قولی کے ساتھ عالمین کے اعمال و افعال طلبہ کو عملی تعلیم ضرور دیتے ہیں مگر وہ تعلیم
صرف بدن پر ہوتی ہے اور دل میں نہیں اترتی۔ اور اسی لئے اندیشہ رہتا ہے کہ متعلم کسی وقت تارک عمل اور
بد حال نہ بن جائے۔

ہاں اس علم اور عمل بدن سے فراغ پانے کے بعد ضرورت ہے ان عالمین کی خدمت میں رہنے کی
جن کے اعمال قلب سے صادر ہوتے اور احوال بن جاتے ہیں۔ کتاب عملی تعلیم دل میں اترے گی اور احکام الہیہ
پر عمل کرنے کا وہ انس و شوق پیدا ہو جائے گا جو کہیں بھی رہو گے مگر معلم و مرشد اور نگران و متنبہ بنا ہوا تمہارا
ہر وقت دہر ساعت ساتھ ساتھ رہے گا۔ پس ایسا معلم اگر مدرسہ ہی میں نصب ہو جائے تو زہرے نصیب و
جس طرح روغن حاصل کرنے کے لئے دو مدرسوں میں جانا ضروری ہے اسی طرح عمل ابدان مدارس میں حاصل
کرنے کے بعد عمل قلوب کی تکمیل کے لئے مہالفا ہوں میں جانا پڑے گا۔ کہ ہر کارے دہر مردے۔ جن کے
سے پابندی۔ سہ عمل کرنے والے بزرگوں کی۔ سہ تنبیہ کرنے والا۔ سہ ہر کام ہر ایک مرد کا الگ الگ ہے۔

اعمال ادبیری اور صرف بدن سے ہوں گے ان کی تعلیم کا اثر فقط جوارح و اعضا تک پہنچے گا۔ اور جن کے اعمال دل سے اور شوق و محبت کے ساتھ ہوتے ان کے سارے کام صورتِ وہی ہوں گے جو معلم ابدان کے تھے اور نصایبِ تعلیم ہیں کوئی اضافہ نہ ہو گا مگر ان کی تعلیم فعلی دیکھنے والوں کے دلوں میں اتاریگی اور مشیہ کے پرزوں کو چلانے والی ایک مخفی برقی قوت پیدا کرے گی جس کو محبت کی آتش اور برقی شوق کہا جاتا ہے۔
 از صاحبِ دل غبارِ کثرت رفتن خوشتر کہ ہرزہ در وحدت گفتن
 مغرور سخن مشو کہ توحیدِ خدا واحد دیدن بود نہ واحد گفتن

الحاصل نابین رسالت جن کے قلوب میں سید الجمین والحبوبین صلی اللہ علیہ وسلم کے مشکوٰۃ قلب سے وہ نور منتقل ہوا ہے جس کو عشق کی آگ اور حب الہی کی حرارت کہا جاتا ہے ان کا طبعی اقتضا خود ان کو عمل پر ایسا مجبور کرتا ہے جیسا قرآن کو جوئے شیر لانے کے لئے کوہِ کنی پر مجبور کیا تھا اور اسی میں ان کو وہ لذت آتی ہے جو سر کو قوت اور خزن و غم کو مغلوب بلکہ معدوم کر دیتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی چونکہ وہ بخیل و تنگ خیال نہیں ہوتے لہذا ان کا دل چاہتا ہے کہ ساری دنیا ہمارے محبوب کی ہماری طرح محب و شیدا بن کر مال و جان اور عزت و خاندان بچھا کر رکھنے لگے۔ اس لئے برقی قوت دو چند ہو کر عمل کی محرک ہوتی اور مخلوق کے دلوں میں اس کی تعلیم اترتی چلی جاتی ہے۔

حضرت رابپوری قدس سرہ کا یہ رنگ عالم آشکارا ہو چکا تھا اور آپ کی ساری راحت و خوشی بس اس میں رہ گئی تھی کہ اللہ کا بول بالا ہوا اور دنیا کا ہر فرد سنتِ محمدیہ پر عامل اور والہانہ شیدا۔ اس سی میں مال اور اولاد تو کیا چیز ہے اپنا مرثیہ بھی آپ کے لئے زندگی اور فنا و ختم ہو جانا بھی عین حیات تھا۔
 سر بوقتِ ذبح اپنا ان کے زیرِ پائے ہے کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

قصہ مختصر اپنی قوم کا یہ وہ کے نکاح کو عیب سمجھا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقضائے طبعی کہ آپ کی اکثر ادا و ارجحیات بیوگی ہی سے آپ کی زوجیت میں آئیں، مدعیانِ اسلام کے قلوب سے مٹ جانا آپ کے لئے ایسا ہی سوہانِ روح تھا کساں باپ بہن بھائی اور بی بی اور اولاد سب ہی کی وفات کے درد و غم سے بڑھا ہوا تھا کہ آپ اندر ہی اندر جھڑتے اور مرجھاتے چلے جاتے تھے۔ ہر چند کہ آپ اس کی قوی تعلیم بارہا اور مدت تک دے چکے تھے مگر مضابطہ پُری تو نہ تھی کہ یہ کہہ کر الگ ہو جاتے میں اپنا کام پورا کر چکا نہیں مانتے تو جاؤ جہنم میں۔ وہ تو دل میں ایک آگ لگی ہوئی تھی جو آگے بڑھا رہی اور گوشہ میں

لے ہاتھ بیرونی و غیرہ میں کے ظاہری اجزاء۔ سہ آگ اور شوق کی بجلی۔ سہ دل کے بند

ہر جے گویم کہ فردا ترک ایں سودا کنم باز چوں فردا شود امروز را فردا کنم
 آخر اپنی عملی تعلیم کے لئے خود اپنے خاندان کی ایک محترمہ خاتون سے آپ نے نکاح کیا جس نے آپ پر
 نہیں بلکہ اپنے خدا پر خاندانی ناپائیدار ناموس کو نشانہ کر دیا۔ مگر آپ کی سوزش اندون میں اس سے بھی ٹھنڈک
 نہ پڑی بلکہ آپ کا دل چاہتا تھا کہ خود عورت ہوتا اور بیوہ بنتا تو نکاح ثانی کر کے اس رسم بد کو توڑنے کے صلیہ میں
 قوم کی طعن و ملامت سنتا اور شاد کام ہو کر خوش ہوتا اور کہتا ہے

بدم گفتی و خرم دم عفاک اشر نکو گفتی جواب تلخ می زید لب لعل شکر خارا
 بیوہ بہو کو نکاح ثانی کیلئے اثر انگیز نصیحت

آج سے میری بیٹی ہے۔ دنیا فانی ہے اور یہاں کا ہر تعلق ایک دن ٹوٹنے والا ہے۔ ہمارے عزیز ایک ایک کر کے
 ہم کو چھوڑتے جائیں تب اور ایک دن ہم سب کو یکلیخت چھوڑ کر چلے جائیں تب بہر حال موت نے فراق و جدائی
 ڈال دی۔ ایک ذات وہ بھی ہے جو کبھی کسی حال جدا ہونے والی نہیں ہے، اس کی محبت میں حلاوت بھی اتنی
 ہے کہ کسی دوسری محبت میں اس کا لاکھواں حصہ بھی نہیں ہے۔ ہم مریں یا جیئں وہ ہم سے جدا نہ ہوگا۔ ہماری
 خوش نصیبی ہے اگر اغیار کی محبت دل سے نکل کر اس کی محبت دل میں سما جائے، دنیا کی عزت و ذلت دونوں
 ہیچ ہیں اور صحابہؓ نے اپنے اللہ و رسول کا بول بالا کرنے کی خاطر کنبہ و برداری اور وطن و قوم سب ہی سے
 پیٹھ پھیری۔ اور اس کا ان کو یہ صلہ ملا کہ آج ان کا نام بھی ہمیں پیارا معلوم ہوتا ہے اس لئے اپنے اللہ سے
 دل لگاؤ، آخرت کی عزت کو عزت سمجھو جو کہ شریعت کے سامنے بے زبان اور بے شعور بن جانے کا نام ہے کہ ساری
 دنیا کسی کام کو ذلیل کہے مگر شریعت اس کا حکم دے تو ہمیں شریعت کا ساتھ دینا چاہئے۔ کیونکہ دنیا والے
 موت کے بعد دفن اور مٹی کے نیچے دبا کر سب چلے آئیں گے اور پھر اسی مالک سے واسطہ پڑیگا جس نے شریعت
 پر عمل کا حکم دیا ہے۔ جب وہ پوچھے گا کہ ہم تمہارے نزدیک زیادہ عزیز تھے یا برادری؟ تو اس وقت پشیمانی
 سے پسینہ آجائے گا اور افسوس ہوگا کہ ہائے قبر تک ساتھ دینے والوں کا یہ، نے ساتھ دیکر اپنے کریم مولیٰ
 سے کیوں بگاڑی۔

اس کے بعد آپ نے شوہر کی تجویز میں خیال دوڑایا اور آخر ایک دن مرحوم کے خسر حاج عبدالعزیز خاں کو

لہ میں ہر ایک رات کھل کھل کر چھوڑوں گا پھر جب کل ہوتی ہے تو آج کو کل بتا دیا ہوں۔ یہ تم نے مجھ کو کہا تو میں خوش ہوں
 اشر تمہیں معاف کرے تم نے اچھا کیا مگر جانے والے ہونٹوں کے لئے کڑا جواب یا زب دیتا ہے۔

کہ حضرت سے بیعت بھی تھے بلا کرتہائی میں اپنا سہلے مراد ظاہر فرمایا۔ حاجی صاحب کو عبدالرشید مرحوم کی یاد تازہ ہوئی تو رونے لگے مگر دیکھتے تھے کہ میں خسرہوں اور حضرت اس مرحوم کے باپ ہیں۔ آنسو نکلے تھے کہ حضرت نے فرمایا ہا ہا حاجی عبدالعزیز خاں یہ رونے کا مقام ہے یا ہنسے کا۔ آج خدا نے وہ دن نصیب فرمایا کہ اس کے محبوب پیغمبر کی مردہ سنت ہم ناکارہ گنہگاروں کے ہاتھوں زندہ ہو۔ یہ سچی کی تجھا اور کا وقت ہے کہ اتفاق سے میرا گپا پس ٹوٹ لو جتنا لوٹا جائے نہ ہوتا عبدالرشید پیدا، یا نکاح سے قبل ہی مر جاتا، یا بیوہ چھوڑ کر نہ جاتا تو ہم کیا کرتے اور کیوں کر یہ نعمت پاتے۔ اب تک جو کچھ ہوا محض عطا رب بھی جس میں ہمارے کسی فعل کو دخل نہ تھا اب ان عطاؤں کے شکر یہ کا وقت آیا اور ہمارے کسب اور عمل کا دخل ہوا تو ہم سے زیادہ بد نصیب کوئی نہ ہوگا اگر اس کی قدرت کریں۔ گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں اور وقت نکلے پیچھے بجز افسوس و حسرت کچھ نہیں ہو سکتا۔ خدا اس کا محتاج نہیں کہ تم سے اپنی مردہ سنت کو زندہ کر لے مگر تمہارے لئے فخر کا موقع ہے کہ تم کو متوشہیدوں کا اجر دینے کے لئے انتخاب فرمائے۔

ہم آہواں صحر اسر خود نہادہ بر کھت بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد
پھر میرے حقوق تعلقات ادا کرنے کا دن بھی یہی ہے کہ میں چاہتا ہوں یہ نکل صابط پری کا اور اوپر کی دل سے نہ ہو بلکہ امنگ اور چوہپ سے ہو کہ حقیقت میں مسلمان کے خوش ہونے کے قابل یہی نکل ہے۔ چونکہ مجھے تم سے توقع ہے کہ اس وقت دین کی خاطر میرے قوت بازو ہونگے اور دکھاؤ گے جو مسلمان کو ایسے موقع پر کرنا چاہئے لہذا مجھے تفصیل کی ضرورت نہیں۔ صرف اتنا کہتا ہوں کہ فلاں جگہ میں نے تجویز کی ہے اور زندگی کا اعتبار نہیں، میں چاہتا ہوں کہ جلد اس خوشی کو آنکھوں سے دیکھوں۔ چنانچہ اس پر عمل ہوا اور وہ عمل ہوا کہ عمل کرنے والے دین سے رخصت ہوئے مگر کارنامہ آپ زرے لکھا ہوا ہر دل پر ثبت ہے۔

بہو کو آپ نے باپ کے گھر پہنچایا کہ اعلان عام اسی میں تھا اور نکل اول کا اس کو نمونہ بنانا تھا، باوجودیکہ عبدالرشید کے نکل میں آپ تشریف نہیں لے گئے بلکہ دوہا کو چند اجاب کے ساتھ بھیج دیا تھا کہ اس وقت اتباع شریعت اسی سادگی کو معنی تھا مگر اس نکل ثانی میں آپ نے شرکت کا وعدہ فرمایا اور حالانکہ عیسیٰ کمزور تھے مگر خاص اہتمام کے ساتھ وقت سے پہلے پہنچے۔

اجبار سنت کیلئے شاندار دعوت کا اہتمام کرانا
نکل کا وقت آیا عبدالعزیز خاں کو بلایا اور چپکے فرمایا دل یوں چاہتا ہے کہ بستی اور نوح کی ساری قوم کو دعوت دی جائے

سنہ جنگ کے سب ہرن اپنا سر تن پہنچے ہوئے ہیں اس امید پر کہ کسی دن آپ شکار کے لئے آجائیں گے۔ سنہ تاکہ وہ سب دو گٹر شریک ہوں
جہاں تک میں سے دیکھیں کہ نکل بیوہ یوں کیا نہ تھا جو نفرت و رواج کی اس وقت میں بیٹھی ہوئی تھی وہ جاتی ہے۔ یہ دعوت نام و نمود کے لئے نہیں تھی بلکہ رسم و رواج کو توڑ کر سنت نبوی کو زندہ کرنے کی تھی۔

اگر مالی وسعت ہو تو اس خرچ کو حجت کی قیمت سمجھو کہ پھر وقت نہ ملے گا۔ عبد العزیز خاں حیران تھے کہ پہلا نکاح تو اتنا سادہ کہ نہ خود تشریف لائے اور نہ کسی کی دعوت پسند فرمائی اور اب خلاف عادت خود مشورہ ہے خرچ کا اور انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ خود قرض لیکر بھی اس صیافت عامہ پر طیار ہیں۔ عرض کیا کہ حضرت حق تعالیٰ نے عزت کی جڑوں کے طفیل سب کچھ دے رکھا ہے جسے جسے ارشاد ہو دعوت دیدروں۔ یہ سن کر آپ کے چہرہ پر خوشی کی لہر دوڑی اور فرمایا کہ اس پاس سب ہی کو بلاؤ اور ہمت ہو تو کھانا بھی بیٹھا اور نمکین دونوں قسم کا پکواؤ اور دل کھول کر کھلاؤ کہ تمہارے لئے اس سے زیادہ اجر و ثواب کی بکھر بٹھنے کا کوئی موقع نہ ہوگا اس لئے ہمت نہ ہارو اور اپنا اعلان ہو سکے خوب کرو۔

چنانچہ سب کچھ ہوا اور دینا نے دیکھ لیا کہ شادی میں نہ خرچ کرنا منع ہے نہ بخل و تنگی واجب، یہ امور دل کی خوشی کے تابع ہیں کہ دنیا داروں کے نزدیک پہلا نکاح حوصلہ و خوشحالی دکھانے کا وقت بنتا ہے مگر دینداروں کے نزدیک جس نکاح میں اللہ کا بول بالا اور رسول کی مرہ منت زندہ ہوتی ہو اس کی خوشی کے برابر معمولی و رسمی ہزار نکاح بھی نہیں ہو سکتے کہ رسمی نکاح محض رفع ضرورت ہے جیسا بھی سادہ ہو جائے بہتر ہے مگر جس خرچ میں دینی مصلحت ہو کہ جب خدا و رسول اس کے محرک ہیں وہ سب صدقات کے حکم میں ہے اور اس کا پیسہ پیسہ ستر ستر ہزار بن کر قیامت میں ملے گا۔ غرض آپ کا حال کچھ عجیب حال تھا کہ دنیا جسے غم کہتی ہے وہ آپ کے لئے عین خوشی تھی اور دنیا کے نزدیک جس کا نام خوشی ہے وہ آپ کے لئے حزن و غم ہے

مجمعہ حال امیر امثال ابرو برق و باران تھا میں نے نہیں بھی خزان تھا میں نے نہیں بھی گریاں تھا آپ پر محبوبیت غالب تھی ہر کہہ و کہہ کا دل آپ کی طرف کھتا تھا آپ کی مجلس انوار و برکات کی مخزن تھی آپ کی صورت دیکھ کر اللہ یاد آتا تھا۔ آپ نے چاہ کونان میں ٹھپنے کی لاکھ کوشش کی مگر قدرت نے آپ کو بازار مصر میں نکال کر آخر منصفہ ظہور اور تخت عروج و شہرت پر لا بٹھایا اور آپ دانہ تخم کی طرح لاکھ بیٹے مگر گشت گزار ہو کر مخلوق کو شکم سیر بنانے کے لئے باہر نمودار ہوئے بغیر نہ رہے۔ آپ دینکے لئے رحمت الہیہ تھے کہ اجابت آپ کی دعاؤں کا استنقال کرتی اور آپ منصب ارشاد و ہدایت کے تاجدار تھے کہ درخت کا پتہ پتہ اور نہر کا قطرہ قطرہ حاضرین کو ذکر اللہ کا سبق پڑھایا کرتا تھا۔ آپ کی عمر اپنے مولیٰ کی یاد میں ختم ہوئی کہ تین برس کی عمر سے آپ کے قلب میں قطب وقت مولانا گنگوہی کی محبت کا تخم جما اور آخر اسی میں تمام ہو گئے کہ ہڈیوں کا گودا بھی جل کر خشک ہو گیا ہے

وہ نکتہ ہوں جو بیاں ہو کے بھی بیاں نہ ہوا

وہ راتوں جو بیاں ہو کے بھی بیاں نہ ہوا

بیاں نہ ہونا تھا یہ حال دل بیاں نہ ہوا

رُواں نہ ہوا مرا کیا عشق میں زباں نہ ہوا

ایک مخلص طبیب نے آپ کے آخری مرض میں نبض دیکھ کر عرض کیا کہ حضرت آپ کو تو بہت پرانی تپ معلوم ہوتی ہے اور ایسی ہے جیسے کسی غلبہ حزن و غم میں حادث ہوتی ہے اور اندر ہی اندر گھلاتی ہے۔ برہا برس گزر جانے پر اس وقت آپ کو جوش آیا اور فرمایا ہاں حکیم صاحب بیچ فرمایا مجھے تپ شروع حضرت گنگا دہی سے قلبی تعلق اس دن ہوئی جس دن حضرت گنگوہی نے دنیا کو الوداع کہا اور اس کا بدن پر ظہور اس دن ہوا جس دن خبر سنی کہ مولانا گنجوڑ صاحب مالٹا میں قید ہو گئے۔ آج مولانا ہمارے ہو کر تشریف لے آویں اور شیخ الہند سے محبت

تو کچھ نہ سہی ایک دفعہ تو جھجھری لیکر اٹھ ہی کھڑا ہوں گا۔ اتنا فرا کر چپ ہو گئے اور آخر سیر مالٹا لے ہندوستان آنے سے قبل ہی دنیا سے سدھار لئے۔

مراد ریست اندر دل اگر گویم زباں سوزد و گردم در کشتم ترسم کہ مغز استخوان سوزد
مولانا محمد یحییٰ سدرل کی بے چینی کا اظہار
اور مولانا کا دلچسپ جواب

لاحق ہے جس میں گھلا جاتا ہوں، وہ یہ کہ حدیث میں آتا ہے بندہ مومن کو لقا رب کی تمنا ہوتی ہے اور میں اپنے اندر اس مضمون کو نہیں پاتا۔ مولوی یحییٰ صاحب نے کہا حضرت یہ تمنا و شوق تو عند الموت ہوتا ہے اور آپ ابھی مرنے والے نہیں۔ آپ نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور فرمایا کہ مرنے کو تو پڑ ہی ہوں اور اسی لئے فکر ہے کہ شوق لقا کیوں نہیں۔ مولوی صاحب نے کہا پھر حضرت ہمارے لئے تو مبارک ہے کہ ابھی حق تعالیٰ نے اس وقت کو مؤخر فرمایا کہ وہ وقت ہوتا تو شوق لقا بھی غالب آتا۔

چنانچہ آپ تندرست ہو گئے اور زندہ رہے حتیٰ کہ مولوی محمد یحییٰ صاحب نے بھی دفعۃً انتقال فرمایا اور یہ سیراروح فرسادمہ آپ کو پہنچا جس کو آپ نے سابقہ صدمات کے پہلو میں رکھ لیا۔ آخر جب وہ وقت آیا جس کے آپ منتظر تھے تو باوجود کیکر وٹ لینا دشوار تھا اور نیاز کے لئے بھی دو آدمی سہارا دے کر اٹھاتے اور بنگ سوانا کر مصلے پر بٹھایا کرتے تھے مگر آپ پر اتنا تہ محمدیہ کی حاضری کا غلبہ ہوا اور آپ نے سفر حج کا پختہ قصد کر لیا۔ کمال ضعف کے باوجود حج و زیارت کا شوق میں حاضر ہوا تو آپ نے بڑے اہتمام سے مجمع کو اکٹھا کر تنہائی حاصل کی اور محرم شوق بن کر فرمایا میں تو تیرا

بیرے دل میں ایک ایسا رہ ہے کہ اگر کہہ ڈالوں تو زبان کو پھونک دے اور اگر سانس اندر کھینچ لوں تو ڈر ہے کہ ہڈیوں کا گوشت بھی جلا ڈالے۔ یہ ذوق و شوق عشق کا کرشمہ ہے اس کو قاعدوں سے نہ پرکھا جائے گا۔

انتظار ہی دیکھ رہا تھا کہ دل کی بات کہوں۔ وہ یہ ہے کہ اسال حج کا ارادہ کر چکا ہوں اور تمنا ہے کہ زندہ رہوں تو پہلے جہاز پر سوار ہو جاؤں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت آخرین ہے حضرت کی ہمت پر کہ کروٹ تولی نہیں جاتی اور قصد ہے اس کھن سفر کا جس میں مستعد جوان بھی چور چور ہو جاتے ہیں۔ بھلا کیسے ہو سکتا ہے؟ فرمایا حضرت بوڑھے جوان سب ہی اس راستے میں چلتے ہیں۔ پس مجھے تو کوئی پکڑ کر ریل میں ڈال دے تو پڑا پڑا انشاء اللہ چلا ہی جاؤں گا۔

میں نے دیکھا کہ یہ غلبہ شوق دینے والا نہیں تو موافقت کا پہلو لے لیا اور عرض کیا ہاں حضرت ہمت کا حمایتی خدا ہے۔ جب حضرت نے قصد فرمایا تو انشاء اللہ ہنچا کچھ دشوار نہیں۔

حضرت سہارنپوریؒ کی اجازت حاصل کرنے کی کوشش
کر لی اب ایک خاص درخواست ہے

وہ یہ کہ بس اب حضرت سہارنپوریؒ کا میرے بزرگوں میں ایک دم باقی ہے جن کے حکم کے سامنے چون و چرا کی ہمت نہیں اس کا ہم چڑھا ہوا ہے کہ حضرت نے اجازت نہ دی اور منع فرمایا تو پھر کیا کروں گا۔ بس یہ خدمت تیرے سپرد ہے کہ حضرت سے بخوشی اجازت دلوا دے۔ میں چونکہ سمجھ رہا تھا کہ یہ تو سرکار کے بلائے کی علامت ہے کہ حاضری آستانہ کا شوق بیتاب بنا رہا ہے ورنہ موسم حج میں ابھی اتنا وقت ہے کہ اس وقت تک حضرت جیات ہی رہیں تو رہے نصیب۔ پھر آپ کے دل کو ترمزہ کیوں کروں اس لئے میں نے عرض کیا کہ ہاں حضرت انشاء اللہ ضرور کوشش کروں گا اور امید قوی ہے انشاء اللہ حضرت انکار نہ فرمائیں گے بلکہ کیا عجب ہے حضرت بھی قصد فرمائیں اور پھر بندہ بھی ہمراہ ہو۔ اتنا سن کر فرحت و سرور سے حضرت کا چہرہ چمکنے لگا اور الحمد للہ الحمد للہ اب اطمینان ہو گیا "فرماتے ہوئے از خود اٹھ بیٹھے کہ تکیہ سے سہارا لگائے دیر تک اسی کی باتیں کرتے اور مزہ لیتے رہے۔

وصیت و ہبہ کا اہتمام
آپ نے وفات سے قبل اپنا تمامی سالن حتی کہ بدن کے کپڑے تک وصیت

ہبہ کے ذریعہ دوسروں کی ملک بنادئے تھے مگر تیرہ سو روپیہ نقد زادراہ بنا کر مولانا عبد القادر صاحب کے حوالہ کر دیا تھا کہ اس کو محفوظ رکھو یہ میرے اور تمہارے سفر حج کا خرچ ہے۔ آخر جوں جوں حج کا موسم قریب آتا گیا آپ کا مرض و ضعف بڑھتا اور وصال کا وقت قریب آتا گیا حتی کہ آپ نے سمجھ لیا کہ اب گنجائش نہیں رہی اور تیرہ سو روپیہ ترکہ بنا جا رہا ہے۔ تب آپ نے مولانا کو بلا کر وصیت و ہبہ تقسیم کی کہ نیکہ آپ مولیٰ اکرم سے ایسی حالت میں ملے کہ متنی تھے کہ دنیا کا کوئی جسمہ اور پارچہ بھی آپ کی راہ نہ ہو۔ بیت کے دھیان سے ہٹ کر اب آپ رب البیت کے خالص تصور میں غرق ہو گئے

اور آخر چندی روز بعد وہ مبارک وقت آیا جس کے شوق میں آپ کا رواں رواں پکارتا تھا ہے

حرم آں روز کہ از منزل دیراں بروم راحت جاں طلبم وز پئے جاناں بروم
نذر کردم کہ گر آید بسر آیدایں غم روزے تادیر میکده شاداں وغزل خواں بروم

آپ کے مرض کو چونکہ امتداد زیادہ ہو گیا تھا اس لئے زائرین آتے اور چلے جاتے تھے، کس کو خیال تھا کہ فلاں وقت رخصت کا ہے

حضرت سہارنپوری کا خواب

اور ٹھہرا چاہئے حضرت سہارنپوری نے خواب دیکھا کہ آفتاب غروب ہو گیا اور دنیا میں اندھیرا چھا گیا۔ حسب معمول تہجد کے وقت حضرت اٹھے اور نفلوں سے فارغ ہو کر متفکر بیٹھ گئے۔ اہلیہ نے پوچھا آج عادت کے موافق آپ نفلوں کے بعد لیٹے کیوں نہیں اور طبیعت کچھ فکر مند معلوم ہوتی ہے کیا بات ہے؟ آپ نے خواب کا اظہار کیا اور محزون لہجہ میں فرمایا اس کی تعبیر ایک تو یہ ہے کہ مولانا محمود حسن صاحب نائٹا میں مجھوں میں دوسرے مجھ کو یہ بھی اندیشہ ہے کہ کہیں شاہ عبدالرحیم صاحب کی حالت نازک نہ ہو۔

غرض صبح کو حضرت سیلون روانہ ہو گئے جہاں تبدیل آب و ہوا کے لئے حضرت کا قیام تھا۔ بعد غروب حضرت نے فرمایا آج عشا کی نماز دسویں پر ٹھہریجی۔ چنانچہ یہ سمجھ کر کہ آرام کی خواہش ہو گی نماز ادا کرتے پڑھ لی گئی اور آپ چارپائی پر لیٹ رہے۔ حضرت دوسرے کمرہ میں جا لیٹے کہ دفعۃً آپ کو آخری کرب شروع ہوا اور حضرت اپنے کمرہ سے لپک کر پاس آئے۔ مولانا نے حضرت کو محبت بھری نظروں سے دیکھا اور آپ کا ہاتھ تھام کر اپنے سینہ پر رکھ لیا۔

حضرت نے پڑھنا شروع کیا اور رات پور کا آفتاب اپنے محبوب کا انتقال ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ ہاتھ چھاتی پر رکھے ہوئے چنڈ منٹ کے اندر شب کے انج کر

۱۹ منٹ پر غروب ہوا۔ فان اللہ وانا الیہ راجعون۔ صبح کو جنازہ رات پور کی طرف چلا اور خدام کا جمع بحسرت و اندوہ یہ کہتا ہوا پیچھے پیچھے ہوا ہے

اے تماشا گاہ عالم روئے تو کجا بہر تماشا می روی

آخر اسی بارغ میں جہاں آپ کی حیات شریفہ کا آخر حصہ گذرا تھا مسجد کی جنوبی سمت آپ کا وہ جسد اطہر جو رضوانہ تسلیم کے جھولے میں مدتوں چڑھا اور اترتا تھا ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ مطابق ۲۹ جنوری ۱۹۱۹ء

لے میں خوش ہوں گا اس دن کس اجڑے گھر سے چلا جاؤں گا روح کی راحت حاصل کروں گا محبوب کے لئے روانہ ہوں گا۔
۳۷ میں نے مت مانی ہے کساگر کسی دن یہ غم سر میں آجائے گا تو میکدہ کے دروازہ تک خوشی خوشی غزل پڑھتا ہوا جاؤں گا۔
۳۸ لے وہ فات کہ تیرا چہرہ تمام عالم کا تماشا تھا تو اب کہاں تماشا کے لئے جا رہا ہے۔

یوم سہ شنبہ کو سپرد زمین کر دیا گیا مگر تنہا نہیں بلکہ ہزاروں یادگاریں چھوڑ کر اور ہزاروں کی حسرتوں اور
تسناؤں کو ساتھ لیکر

اکیلا کون کتنا ہے لمحہ میں نعش حاتم کو ہزاروں حسرتیں مدفون ہیں دریا کے پہلو میں
بات بہت دور پہنچ گئی کہ سوانح خلیلیہ لکھنا ہے نہ کہ سوانح رحیمیہ مگر بے اختیاری میں قلم سے نکلا جو نکلتا تھا
اور وہ بھی اس ضمن میں کہ حضرت کے شاگردوں میں کوئی بھی کامیاب نہ ہوتا تب بھی حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب کا
ایک وجود باوجود جس کی جوئیوں کے طفیل ہزاراں ہزار مخلوق کا مگار و بامراد ہو گئی فخر کے لئے کافی تھا کہ اس کی
شان یہ تھی جس پر توجہ کی اس کو بالائناں بنا دیا اور جس طرف نظر ڈالی اس کو عشق و محبت کا مزہ چکھا دیا یہ
وہ لوٹ پوٹ ہی دیکھا نگاہ کی جس پر کسی کے بس کا ترانہ بے کماں نہ ہوا
بالخصوص جبکہ دونوں حضرات کی باہمی مخلصانہ محبت اتنی متغدی بھی ہو چکی تھی کہ ان کے متوسلین
اُن کو گویا شیخ ہی سمجھتے تھے اور اُن کے متعلقین ان کو پیر کے حکم میں مانتے تھے۔

حضرت مولانا راہ پوری کے اس رنگ کو میں نے بارہا غور سے دیکھا کہ حضرت کے تشریف رکھتے ہوئے کوئی
صاحب آنے اور مصافحہ کرنے کے لئے مولانا کی طرف بڑھتے تو حضرت مولانا اپنے ہاتھ سمیٹ لیتے اور حضرت
کی طرف اشارہ کر کے ان کو تنبیہ فرماتے کہ گستاخ نہ بنو پہلے حضرت سے مصافحہ کرو کہ اقدم و افضل
ہیں اور پھر مجھ سے۔

سفر حج کو جانے کے وقت حضرت کے تلامذہ کی درخواست ہوئی کہ مسلمات اور سورۃ ص کی سنا کر
باقاعدہ اجازت و ستر عطا فرما دیں چنانچہ حضرت نے منظور فرمایا اور کہا کہ سب لوگ اوپر چل کر بیٹھو، میں
آتا ہوں۔ چنانچہ پچیس پچیس طلبہ صف باندھ کر بیٹھ گئے۔ حضرت اوپر چڑھے تو بندہ بھی ساتھ ہو لیا کہ اجازت
میں شریک ہوں گا۔ وہاں جا کر دیکھا کہ حضرت مولانا راہ پوری بھی طلبہ کی صف میں بیٹھے ہوئے ہیں اور حضرت
استاذ کی آمد کا انتظار فرما رہے ہیں کہ جہاں ان طلبہ کو اجازت ملے وہاں مجھے بھی یہ شرف نصیب ہو۔ آہ
کیا کہوں اور کس زبان سے کہوں کہ ان آنکھوں نے کہاں کہاں اور کیسا کیسا موسم بہار دیکھا اور اب
وہی آنکھیں چار سو خزاں کا عالم دیکھ رہی ہیں مگر نہ بہار میں کچھ کمایا نہ خزاں میں عبرت پکڑی۔ فالی اللہ
المشتکی۔ انما اشکوا بثی و حزنی الی اللہ

تہمدستانِ قسمت لا چہ سودا ز مرہرِ کامل کہ خضر از آبِ حیاں نشہ می آرد سکندر را

لہ اقدم و افضل۔ سہ تو اللہ تعالیٰ ہی سے شکایت ہے۔ سہ ہم اپنی پریشانی و غم کی شکایت اللہ تعالیٰ سے ہی کرتا ہوں۔
سہ قسمت کے خالی ہاتھ والوں کو کامل راہ ہے بھی کیا فائدہ کیونکہ حضرت خضر علیہ السلام چشمہ آبِ حیات کو پیسا ہی لے آئے تھے۔

حدیث اور فقہ

ایک یلم المزاج شخص ذوق کے صحیح ہونے کی وجہ سے نمکین و شیریں ہر لذیذ غذا کا مزہ لیتا ہے مگر پھر بھی مختلف لذائذ میں کسی خاص ذائقہ کے ساتھ اس کو مخصوص رغبت ہوتی ہے جس کی بنا پر کھا جاتا ہے کہ فلاں شخص کو نمکین چیز سے خاص رغبت ہے اور فلاں شخص کو شیرینی سے۔ اسی طرح بنو علما کو ہر علم کی واقفیت تامہ ہوتی ہے کہ جس فن کی جو کتاب بھی سامنے آئے اس کو ایسا پڑھاتے ہیں گویا اس فن کے موجد یا اس میں غرق و نہمک ہیں۔ مگر یا اس ہمہ تمامی علوم میں کسی ایک دو علم کے ساتھ ان کی طبیعت کو خاص مناسبت اور دلچسپی ہوتی ہے گویا تمام علوم مسکونہ مکان ہوتا ہے کہ جہاں بیٹھ جائیں وہاں بیٹھ ہوئے سجتے ہیں مگر مکان کا وہ کمرہ جس کو طبیعت نے رہائش کے لئے خاص کر لیلے ایک مخصوص شان رکھتا ہے کہ جو دلچسپی و انبساط اس میں بیٹھ کر نصیب ہوگا وہ مکان کے کسی حصہ میں بھی نہ ہوگا۔ حضرت کو علوم نقلیہ و فنون عقلیہ میں کوئی علم و فن ایسا نہیں جس کے پڑھانے کا اتفاق نہ ہوا ہو تفسیر حدیث، فقہ، اصول، معانی، کلام، منطق، فلسفہ، ہیئت، ادب، ریاضی، عروض، نحو اور صرف، سب ایسے تھے جیسے مختلف برتن اور آپ کی مثال پانی کی سی تھی کہ مریخ، مستطیل، گول، بیضوی، مسدس، مخمس جس وضع کے برتن میں بھی پڑا اس کی وضع لے لی اور ایسا معلوم ہوا گویا اس کی شکل اسی طرف کے مناسب ہے مگر یا اس کمال حدیث اور فقہ سے آپ کی طبیعت کو ایک خاص مناسبت تھی کہ طبعاً آپ ان دو علوم سے رغبت و دلچسپی رکھتے اور ان کے درس میں آپ کی وہ کیفیت ہوتی تھی جو صاحب مکان کی اپنے مانوس حجرہ یا یا کمرہ میں بیٹھ کر ہوا کرتی ہے۔ اور یہی دو علم ہیں جن پر عمل کرنا انسان کی زندگی کا مقصود اور شریعت محمدیہ کا خلاصہ ہے۔

سئلہ میں جب حضرت مظاہر علوم میں صدر مدرس پر تشریف لائے تو قدرت نے آپ کے ذوق طبعی کا سامان ہیتا فرما دیا اور اب آپ کے سپرد حدیث ہی کے اسباق ہوئے کہ کلام الرسول کے بحر ذخار سے در تفسیر نکالیں اور اطراف دنیا سے جمع ہونے والے ہمانان رسول پر بچھا اور فرمادیں۔

سنن ابی داؤد و خاص اعتبار کتب حدیث میں ابوداؤد شریف کو باخصوص آپ شکل سمجھتے اور اس کے درس میں خاص اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ بیرات صاحب فن ہی سمجھ سکتا ہے

لے چو پہلو چاروں طرف برابر تلہ لمائی والا۔ تلہ چھ پہلو والا۔ تلہ پانچ پہلو والا۔ تلہ کیونکہ وہی اتنی ہے جو دو طرح ہوتی ہے مع الفاظ اور بلا الفاظ اول قرآن مجید دوم حدیث ہے اور حدیث شریف قرآن مجید کا بیان ہے پھر حدیث کی گہرائیاں اور دقتیں فقہ سے معلوم ہو کر

سائل بتی ہیں اس لئے بھی دونوں علم وحی کا مفہوم ہیں۔

کہ ابوداؤد میں دیگر کتب حدیث کی بہ نسبت کیا اشکال برہا ہوا تھا، عوام کی فہم کو اس سے تعلق نہیں ہوتا۔
 محمد یحییٰ صاحب بھی اس میں حضرت کے ہنجیال تھے اور اس لئے جب سے آپ مدرسہ میں تشریف لائے ابوداؤد
 کا سبق آپ کے یا مولوی محمد یحییٰ صاحب کے پاس رہا اور آپ نے تیسرے کے پاس جانا اس کا گوارا نہیں فرمایا۔
 آپ فرمایا کرتے تھے کہ ابوداؤد کی بعض عبارتیں ایسی مغلق ہیں کہ مہارت فن کے بعد بھی ان کا حل مشکل ہے۔
 نیز صاحب ابوداؤد نے ابواب فقہیہ کے جمع کرنے کا خود بھی ہاتھ نہ کیا اور گویا محدث و فقیہ دونوں کا منصب پورا
 فرمایا ہے اس لئے اس کی شان اور دقت انساٹا بڑھ گئی۔ پھر اس کی کوئی شرح بھی ایسی شافی و کافی نہیں جو
 اس کے حل مطالب میں مدد دیکے۔ غایت المقصود اور عون المعبود اگرچہ اس کی شرح کہلائیں مگر ان کے
 مؤلف متاخرین اہل حدیث ہیں جو مقلدین کو خاطر میں نہیں لے کر اس لئے حضرات ائمہ بالخصوص امام اعظم
 ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر جبکہ جگہ دلیرانہ قلم چلا ہے۔

زمانہ طالب علمی سن ابی داؤد کی شرح کا خیال
 بایں وجوہ مدت سے بلکہ یوں کہا جائے تو بے جا
 نہیں کہ زمانہ طالب علمی سے آپ کے قلب میں
 اس کی شرح کا داعیہ تھا مگر کام کوئی معمولی نہ تھا۔ وقت بھی وسیع چاہتا تھا اور دماغ بھی زکی اور تمامی
 اشکار سے فارغ اس لئے شوق و ولولہ آپ کی ہمت ابھارتا مگر چار طرف موانع و مشاغل کا، ہجوم ہمت کو
 بست کر دیا کرتا تھا۔ چنانچہ تین مرتبہ آپ نے خیال کو عزم کے درجہ میں لا کر قلم اٹھایا اور کام شروع کیا
 مگر پورا ہونا تو درکنار معتد بہ مقدار بھی پوری نہ ہوئی اور آخر وہ لکھا ہوا مسودہ گم ہو گیا۔
 تیسری مرتبہ مسودہ آپ کے کاغذات میں ملا تو دیکھا کہ اس پر لکھا ہوا تھا "حل المعقود الملعب
 بالتعلیق المحمود علی سنن ابی داؤد مرتبہ ثالثہ ۱۳۳۷ھ"

تالیف شرح حدیث کیلئے بڑی ہمت درکار ہے
 تالیف جتنا دشوار کام ہے اس کو کوئی مؤلفین کے
 دلوں سے پوچھے۔ بالخصوص شرح حدیث کی
 تالیف کہ لفظ لفظ پر لادب و التجا اور ضعف بشریت و پیچیدگی کی نذر پیش کرنے کی ضرورت ہے اور وہ
 آزادی جس کو طبیعت کا چلنا ہوتا ہے کسی وقت بھی نصیب نہیں ہو سکتی اس لئے آپ کا اس اہم کام کے لئے
 ہمت کرنا تعجب تھا اور ہمت کر کے چھوڑ دینا کچھ بھی تعجب نہ تھا۔ مؤلف جب تالیف شروع کرتا ہے تو بس
 اسی کا ہورہتا ہے کہ درس تو درکنار کسی سے بات کرنا اور اپنے مقفل حجرہ سے باہر نکلنا بھی کام کے لئے مفراور
 محل معلوم ہوتا ہے۔ پھر ایسا شخص جس کی عمر کے بیالیس سال مدارس میں طلبہ کو درس دیتے گزر لئے اور
 لے لے کر خود حضرت نے بذل الجہد شرح لکھ کر ان کو سہل کر دیا۔ یہ خلل ڈالنے والا۔

زوائد طالب علمی کی محنت و دماغ سوزی سے آرام نہ ملا تھا جو ساتھ ہی ساتھ پڑھانے کی تعب و مشقت کا باریعظیم
دماغ پر پڑ گیا اور پھر اتنی مدت ممتاز ہوا جو نوجوان کو بوڑھا بنانے کا معیار ہے۔ ایسی حالت میں آپ کا کسی معمولی
تفصیف کی طرف متوجہ ہونا بھی ہمت ہی ہمت تھی چہ جائیکہ حدیث کی شرح اور وہ بھی ابوداؤد کی جس کا عبارت
کے لحاظ سے بھی صحیح نسخہ ملنا مشکل تھا۔ اس لئے ۱۱ھ کا مسودہ بھی ناتمام رہ کر ان علمی کاغذات میں جا شل
ہوا جن کی بیکسی پر افسوس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے

نگل ہی تھے یہ شمعیں تھیں نہ کوئی فاتح خواں تھا عجب حسرت کا منظر منظر گورِ غرباں تھا

اب مظاہرِ علمی میں آکر تو آپ کے ذمہ کام پر کام بڑھ گیا اور درس کے باریعظیم پر نظام کا بوجھ اتنا
بھاری تھا جس نے دماغ کو کسی طرف توجہ کے قابل ہی نہ رکھا۔ بالخصوص جبکہ اس پر ہر شعبہ کی ترقی کا
فکر اور پے در پے اسفار مرتب ہوئے جنہوں نے کا تدریس پورا کرنے لئے مولوی محمد یحییٰ صاحب کو گنگوہے سے
بلا کر مدرسہ میں لا بٹھانے پر مجبور کیا۔ مگر اندر سے ہمت کہ جوں جوں عمر زیادہ ہو کر ضعف بڑھتا جاتا تھا دلوں
و دلوں آپ کے متاغل دینیہ علم پر بڑھتے جاتے اور فرصت و مہلت گھٹی جاتی تھی۔ مگر ابوداؤد کی شرح کا
شوق اسی امنگ کے درجہ میں تھا جو ہر طرح فارغ البال خوشحال بے فکرے نوجوان کو ہر قسم کی راحت
و یکسوئی حاصل ہونے کے وقت میں ہونا چاہئے عجیب وقت تھا کہ نہ شوق پورا ہو سکتا تھا نہ دل نکل سکتا تھا
اک عمر سے الجھن میں مری جانِ حزیں ہے یہ بھی ہے کوئی بات کہ ہاں ہے نہ نہیں ہے

ان نامی مواقع کے ساتھ ایک بڑا ہمت شکن امر یہ تھا کہ حضرت گنگوہی دینا سے رخصت ہوئے
جن کا وجود باوجود آقا ہونے کے علاوہ بحرِ علمی کے درجہ میں بڑا سہارا تھا کہ جہاں کوئی اشکال پیش آئے گا
اس کو شرح مجسم سے حل کر سکیں گے اور اس پر طرہ یہ کہ مولانا محمد یحییٰ صاحب جو محدث گنگوہی کی بڑی یادگار
تھے اور اس اہم خدمتِ تالیف میں بہت کچھ مدد دے سکتے تھے وہ بھی عالمِ خوشاں کو سدھار لئے قطع نظر
اس کے کہ ان صدقاتِ عظیمہ نے کمر توڑ دیوں بھی علی تالیف میں ہمت کو پارہ پارہ کر دیا کہ پہلے ہوس کے
درجہ میں اس کا نام لیتے تو اب بھول کر بھی اس کا خیال نہ لاتے۔ مگر قدرت کو آپ کے ہاتھوں ایک حیرت بخش
کام لینا اور آپ کے اعمالِ نلہ میں صدقاتِ جاریات اور باقیاتِ صالحات کے اندر کلامِ الرسول کی اس
ضروری و اہم خدمت کو زیرِ حروف سے درج کرنا منظور تھا اس لئے عین اس وقت جبکہ آپ کا عمر
چونہ سال پوری ہو گئی اور آپ اپنے ظاہری و باطنی جانشین مولوی محمد یحییٰ کے انتقال کی خبر سن کر سفرِ حج
سے واپس وطن پہنچے تو اس دہے ہوئے شوق کو ابھرا ہوا لے کر پہنچے کہ ظاہری اسباب منقطع ہو چکے اور صورت
و حقیقت دونوں اعتبار سے علیم و قدیر خدا پر نظر رہ گئی۔ اور درحقیقت یہ اسی رفیقِ اعلیٰ کی طرف سے کشش کا

ظہور تھا جو ہمیشہ اپنے عجیب سے وہ کام لیتی رہی جس پر اسباب نے ہمیشہ دانتوں میں انگلیاں دبائیں اور دنیا جیلن ہو کر تکتی رہی کہ ۵

اگر از جانب معشوق نباشد کشتے طالب عاشق بیچارہ بجائے نرسد

مولوی محمد زکریا صاحب شعبان ۱۳۳۳ھ میں حدیث کے علاوہ تمام کتابوں سے فارغ ہوئے تھے کہ شوال میں حضرت نے حجاز کا قصد فرمایا اور انھوں نے یہ قصد کیا کہ ترمذی و بخاری جو ہمیشہ حضرت کے ہاں ہوتی تھی حضرت کی واپسی پر حضرت ہی سے پڑھوں گا مگر کامیاب نہ ہوئے اور حضرت کے پیچھے اپنے والد بزرگوار مولانا محمد یحییٰ صاحب سے دورہ پورا کرنا پڑا۔ دوسرے سال ادھر مولانا محمد یحییٰ صاحب کا وصال ہوا اور ادھر حضرت کی حجاز سے واپسی ہوئی تو حضرت کا ان کو اور ان کے رفیق مولوی حسن احمد مرحوم کو ایما ہوا کہ ترمذی و بخاری دوبارہ مجھ سے پڑھو۔ تعمیل حکم کے درجہ میں شروع کر دی مگر یہ جملانے کے لئے کہ پوری محنت سے پڑھ چکے ہیں اور اس موقع پر کہ حضرت دوبارہ پڑھنے کو بے ضرورت فرما کر چھوڑنے کی اجازت دیدیں گے خوب ہی مطالعہ دیکھتے اور حواشی کی کوئی تقریر ایسی نہ ہوتی جس کو رات میں از بر نہ کہتے تھے حضرت کے سامنے جاتے تو ایسا پڑھتے گویا چند بار پڑھالینے والا مدرس پڑھتا ہے اور روز اس کے منتظر رہتے کہ آج چھوڑنے کی اجازت ضرور مل جائے گی مگر تین مہینے ہو گئے کہ حضرت مرحوم کے تو نظر جانشین کے اس سبب و مناسبت حدیث کو دیکھ کر دل ہی دل میں بلغ بلغ ہوتے مگر یہ اشارہ بھی نہ فرماتے کہ چھوڑ دو پڑھنے کی ضرورت نہیں۔“

ایک دیرینہ آزد و کا اظہار | آخر ایک دن جبکہ سبق سے فارغ ہو کر یہ دونوں اپنی عادت کے موافق دارالحیث سے حضرت کے ساتھ مدرسہ قدیم کو آ رہے تھے

راستہ میں حضرت نے یہ الفاظ فرمائے مجھے ہمیشہ سے یہ خیال ہے کہ ابو داؤد پر کچھ لکھوں۔ کئی دفعہ شروع کر چکا مگر پورا نہیں ہوا۔ اب یہ خیال ہے کہ اگر تم دونوں اعانت کرو تو شاید پوری ہو جاوے۔“

مولوی زکریا کی زبان سے یہ سناختہ نکلا کہ ہاں حضرت ضرور شروع فرمادیں۔ نیز یہ بھی کہا کہ حضرت یہ میری دعا کی قبولیت کا ثمرہ ہے۔ حضرت نے فرمایا یہ کیا عرض کیا کہ والد صاحب نے جب مجھے مشکوٰۃ شریف شروع کرائی تو بڑے اہتمام سے غسل فرما کر دو رکعت نفل پڑھ کر شروع کرائی تھی اور بسم اللہ پڑھانے کے بعد دیر تک قبلہ رو طویل دعا مانگتی تھی۔ اس کا تو مجھے علم نہیں کہ انھوں نے کیا دعا مانگی مگر میں نے اس وقت صرف یہ ایک دعا دیر تک کی تھی کہ بارالہ اب مجھ سے حدیث شریف کا مشغلہ ترک نہ ہو۔ میں اپنی

لے اگر محبوب کی جانب سے کشتہ نہ تو بیچارہ عاشق طالب کے جا بھ نہیں بیخ مکتا۔ ۵ اشارہ۔

اس دھاکو از قبیل محالات سمجھ رہا تھا کیونکہ مدارس کا طریقہ یہی ہے کہ فارغ شدہ طالب علم کو ابتدا سے درجہ بدرجہ کتابوں کا پڑھانا ہوتا ہے اور پیرسوں کے بعد حدیث کا درس دینے کی نوبت آتی ہے پھر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ مجھے شروع ہی سے حدیث کا سبق مل جاتا پس مراد پوری ہونے کی کوئی صورت تو سمجھیں آتی نہ تھی مگر دعا یہی کرتا تھا سو اس سے بہتر کیا کہ حضرت شرح ابی داؤد شروع فرمادیں اور میں کتابوں کی تلاش اور تتبع اقوال و معانی میں لگا رہوں حضرت یسین کٹر سکرائے اور کتابوں کی فہرست لکھائی کہ کتب خانہ سے یہ کتابیں نکال لو۔

شرح سنن ابی داؤد کا آغاز | چنانچہ ۲ ربیع الاول ۱۳۵۵ء کو کتب خانہ سے وہ کتابیں لی گئیں جن کی شرح کے لئے ضرورت تھی اور ۳۱ مارچ کو دارالطلبہ کے اس کمرہ میں جہاں خزانہ محفوظ ہے بیٹھ کر رسم اللہ لکھی گئی۔

نوماء میں ایک جرز کی شرح | مولوی زکریا صاحب کا تب بنے کہ حضرت قدس سرہ رعشہ کی وجہ سے لکھنے سے معذور ہو گئے تھے مگر مولوی صاحب کا خط زیادہ اچھا نہ تھا اس لئے چند روز بعد کتابت مولوی حسن احمد کی طرف منتقل ہوئی اور تتبع و تلاش مولوی صاحب کے حوالہ مگر مولوی حسن احمد کا خط گواچھا تھا لیکن ان کو نقطے لگانے کی عادت نہ تھی اس لئے حضرت لکھوانے کے بعد ان کی تحریر دیکھتے اور رعشہ ہاتھوں سے خود نقطے لگاتے، اس وجہ سے کتابت پھر مولوی زکریا صاحب کے حوالہ ہوئی اور اس طرح ۳۲ ربیع الثانی ۱۳۵۵ء کو پورے ۹ ماہ میں ابو داؤد کا ایک پارہ تمام ہوا۔

ذی الحجہ ۱۳۵۵ء میں چند ماہ کے لئے مولوی شمس الحق صاحب اس کتابت کے لئے منتقل ملازم رکھے گئے اور آخر پھر مولوی زکریا صاحب کو دونوں کاموں کا سالا بار اپنے سر پر رکھنا پڑا کہ بوقت ضرورت تتبع بھی کریں اور پھر حضرت جو فرمادیں اس کو تحریر میں لاویں۔ چونکہ مولوی زکریا صاحب مدرسہ میں مدرس ہو چکے اور ان کو اپنے اسباق کا پورا کرنا بہت ہی دشوار ہو گیا تھا کہ داغ ہر وقت شروع کے مضامین اور تالیف کے مباحث و ضروریات میں منہمک رہتا تھا اور دوپہر اور شب کے خارجی اوقات میں اٹھتے بیٹھتے اسباق پورے کرتے تھے اس لئے محرم ۱۳۵۶ء سے مستقل صبح کا وقت ان کا مدرسہ سے فارغ کر آیا گیا اور اب وہ سکون کے ساتھ شرح ابی داؤد میں مشغول ہو گئے۔

سلسلہ مضامین و اقوال کی ڈھونڈ۔

عہ شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب نے مجھ سے ذکر کیا تھا کہ مولوی حسن احمد بہت قلیل اور زمین تھے بزل کے آغاز کے کچھ عرصہ بعد جراتی میں انتقال کر گئے تھے۔ عہ کبھی کبھی مولانا زکریا صاحب کا منہلہ وغیرہ چلے جاتے تو لکھنے کے لئے حضرت مجھے ماییتے تھے آپ خود مطالعہ فرما کر زبان سے فرماتے جاتے اور میں لکھتا تھا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے مولوی مسود نے بھی بعض اوقات لکھا ہے۔ (اخلاق احمد غفرلہ)

شرح کے متعلق ابتدائی ارادہ
اور رفتہ رفتہ تکمیل ہونا

شرح کے شروع کرتے وقت جنت کو یا کسی اور کو یہ واہمہ بھی
نہ تھا کہ ابوداؤد پوری ہو جائے گی۔ افتتاح کے وقت صرف ایک
پارہ کی شرح کا ارادہ تھا کہ اس کی وجہ سے طلبہ کو کتاب کا انداز اور

طرز و طریق معلوم ہو جائے گا اور خاص مناسبت پیدا ہو جائے گی۔ مگر جب پارہ ختم ہو گیا تو کتاب بطور
ختم کرنے کا خیال ہوا اور جب وہ تمام ہوئی تو کتاب الصلوٰۃ تک پورا کرنے کا قصد ہوا اور جب وہ بھی ختم
ہو چکی تو جلد اول پورا کرنے کا قصد ہو گیا۔ حتیٰ کہ سوال سیکھ میں آپ حجاز روانہ ہوئے تو اس شوق میں کہ
شرح کلام الرسول کی تکمیل آستانہ رسول پر ہو، آپ مولوی زکریا کو مدرسہ سے رخصت دلا کر اپنے ساتھ لے
اور وصال سے دو مہینے قبل ختم قرآن خود بھی عشق رسول میں ختم ہو گئے۔

بحر نیست بحر عشق کہ ہیچ کنارہ نیست آخرا جز اینکہ جان بسپارند چارہ نیست
سفر حجاز سے قبل ختم ابوداؤد کا خیال آپ کو کبھی نہیں ہوا۔ جب فرمایا یہی فرمایا کہ فلاں جگہ تک میں
پورا کر لوں گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ اس کے بعد فلاں شخص تکمیل کر لے گا۔ کبھی حافظ عبداللطیف صاحب کا
نام فرماتے اور کبھی مولوی زکریا صاحب کا۔ ہاں سفر حجاز کا عزم ہونے پر ایسے الفاظ زبان پر آئے جو افتادہ
کی امید دلاتے اور اس کا متوقع بنتے تھے کہ کاتب ازل نے یہ زریں کار نامہ آپ کے مقدر میں لکھ دیا ہے
اور آپ دنیا سے نہ انھیں گے جب تک کہ شرح ابوداؤد ختم نہ ہو جائے گی۔

بارگاہِ الہی میں تین دعائیں ایک بار فرمایا میں نے حق تعالیٰ سے تین دعائیں کی تھیں کہ
عرب میں حکومت اسلامی دیکھ لوں۔ بذل المجہود تمام ہو جائے
اور جنت البقیع میں دفن ہو جاؤں۔ الحمد للہ دو کی قبولیت دیکھی اور تیسری کا انتظار ہے۔

بذل المجہود کی مدت تالیف بذل المجہود اربعین الاول سیکھ میں شروع ہوئی ۲۱ شعبان
پورے دس برس پانچ ماہ دس دن میں یہ شرح بڑی تقطیع کے

تقریباً دو ہزار صفحات میں پانچ جلد ہو کر ختم ہوئی اور اس کے ختم پر حضرت کو اس درجہ مسرت و خوشی ہوئی۔
جس کا مقابلہ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی خوشی نہیں کر سکتی۔ ہفت اقلیم کی سلطنت کا ملنا انہما خوشی کا عمد
استعمال کیا جا رہا ہے مگر اہل اللہ کو دنیوی لذتوں کے حصول میں تو خوشی ہی مفقود ہو جاتی ہے اس لئے میرے
پاس وہ الفاظ نہیں ہیں جن سے حضرت کی اس خوشی کا اندازہ ناظرین کو کر سکوں۔

لے عشق کا دیا بھی ایک سمندر ہے کہ جس کا کوئی کنارہ نہیں اور وہاں اس کے سوا کہ جان ہی سپرد کر دیں کوئی چارہ کار نہ

آپ نے ختم پر ۲۳ شعبان یوم جمعہ کو علماء مدینہ اور احباب حاضرین کی ضیافت کا سامان کیا اور خاص اپنے پیسہ سے اور بڑے اہتمام کے ساتھ عربی طرز کی ضیافت کا سامان کیا

بذل المجہود کی تکمیل پر کمال مسرت اور اعیان مدینہ طیبہ کی دعوت

کہ آپ کا نواں نواں شکر الہی میں پورا و انعام باری تعالیٰ پر اتنا فرحان و مسرور تھا کہ اس کا اندازہ وہیں کے رہنے والے حاضر باش حضرات نے کیا ہوگا۔ دعوت کے آپ نے خطوط طبع کرائے اور ایک بڑے پیمانہ پر حیران رسول کی میزبانی کا شوق پورا کیا۔

اس خوشی کا اندازہ اس سے کیجئے کہ ان دعوتی خطوط میں حضرت نے اپنے ہندی خدام کو بھی فراموش نہ فرمایا اور ہر چیز کے سمندر پار شرکت محال تھی مگر اس اطلاع کے لئے کہ حق تعالیٰ نے یہ مبارک وقت دیکھنا نصیب فرمایا جس کی بظاہر اسباب کوئی توقع نہ تھی اس کی خوشی میں اپنے جن دوستوں کو ہندوستان رہنے وقت شریک دعوت فرماتے ان کو بھی خطوط بھیجے کہ تصور و خیال میں تو وہ شریک ضیافت تھے ہی، چنانچہ بندہ ناچیز کو بھی دعوتی خط بھیجا اور تحریر فرمایا کہ

”گذشتہ ہفتہ میں بھجراشد بذل المجہود کی پانچویں جلد سے بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے فراغت ہو گئی۔ فالکھن اللہ علی ذلک۔ بدھ کو اختتام ہوا اور جمعہ کو مدینہ منورہ کے علماء و فضلا کی دعوت کا جلسہ قرار پایا۔ بجز کھانے کے اور کسی تقریر وغیرہ کا نظم نہیں کیا گیا البتہ دعوتی خطوط طبع کئے گئے جو آپ حضرات کی مسرت کے لئے آپ کے پاس بھی ارسال ہیں۔“

مولانا سید احمد صاحب ہاجر فیض آبادی نے جن کے مکان پر حضرت کا قیام تھا اور وہ حضرت کی اس روحانی مسرت کا پہلے سے خوب اندازہ فرما رہے تھے بندہ کو اس طرح تحریر فرمایا۔

تعلیق ابوداؤد قریب الختم ہے حضرت مدظلہ کی طرف سے سب خدام کی دعوت ہو گئی۔ کاش آپ بھی وطنی افروز ہوتے۔ غالب گمان ہے کہ ۲۵ شعبان سے پہلے ختم ہو جائے گی لہذا اس تاریخ مذکورہ تک عریضہ پہنچنا تو مشکل معلوم ہوتا ہے اس لئے جب بھی عریضہ پہنچ جائے آپ اس خوشی کی دعوت کی نیت سے اچھے چھ کھانے گھر میں پکوا کر سب گھر بھر مل کر کھا لیجئے۔ ہم دو رافتا دوں کو بھی یاد کر لیجئے جس طرح کہ ہم آپ کو دیکھے بغیر نہیں رہیں گے۔ فقط۔

بہر حال اس خوشی کے وقت حضرت نے اپنے ان خدام کو جو نظروں سے دور تھے مگر دل سے دُور نہ تھے اس طرح شریک کیا کہ دعوتی خطوط ہر ایک کے نام جدا جدا آئے اور لکھا کہ خیالی شرکت تم صاحبوں کی ضرور ہے اور

لے حضور کے بڑی یعنی اہل مدینہ۔ حضرت مولانا حسین احمد کے بھائی۔ سہ کہ حضرت تواضع میں تیلیں ہی فرماتے تھے گو نہایت مستند آدمی

مصلح شرح ہے بذل المجہود نام ہے۔

اور سرت کے لئے خط مطبوعہ ارسال ہے وہ مطبوعہ خط جو مدینہ منورہ کے مطبعہ طیبۃ النبی میں طبع ہوا اور مدعو کا نام قلم سے لکھنے کے لئے جگہ چھوٹی ہوئی تھی یہ تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ہذا الحمد للہ وحده والصلوة والسلام علی من لا نبی بعده۔ عالی حضرت الشیخ.....

..... المحترم مد فیوضہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ وبعد فقد من اللہ علی الداعی ان منحتہ بتالیف بذل المجہود فی حل ابی داؤد وجعل ختام سبلۃ صاحب المعجزات علیہ علی اللہ افضل الصلوۃ وازکی التسلیات جعلہ اللہ خالصا لوجه الکریم ونفع بہ الاسلام والمسلمین آمین۔ فنؤمل تشریفکم بعد صلوة الجمعة فی ۲۳ شعبان ۱۳۳۵ھ الی مدرستہ العلم الشرعیۃ الکائنۃ فی رقاق البدول لتناول ما حضرنا تمام المسرۃ بقدر ومکم وشکراً للہ تعالیٰ والسلام۔

داعیکم خادم الطلبة خلیل احمد عفی عنہ

۳۵ھ میں جب اس کا افتتاح ہوا تو اس کی تالیف کے لئے صرف ایک گھنٹہ روزانہ تھا مگر ۳۵ھ میں صبح کا تمام وقت اس کی نذر ہوا اور شام کے وقت حضرت کے پاس ایک سبق رہا۔ اسی درمیان میں اسفار پیش آئے اور جرح مرض کی وجہ سے ناغہ ہو جاتی اور اس کے ساتھ ہی نظام مدرسہ و نگرانی شعبہ ہائے مختلفہ اور آمد و رفت ہمانان وغیرہ کے مشاغل علیہ بدستور قائم تھے۔

آستانہ محمدیہ کی برکت | مگر آستانہ محمدیہ پر پہنچ کر تو اس کے سوا آپ کو کوئی کام ہی نہ تھا کہ ڈاک بھی دسویں دن آتی تھی۔ ادھر جبکہ کی برکت اور طبیعت کا انس و لگاؤ جدا۔

لہذا طبیعت خوب چلی اور دو ہفتہ میں کتاب کے سوا نو صفحات کی شرح قلم سے نکلی۔ ساتھ ہی ساتھ حضرت نے اس کو طبع کرانا شروع کر دیا تھا کہ خاص حضرات نے اس کی طباعت کے لئے رقم علیحدہ دی تھی اور حضرت نے اس رقم کو نہ طباعت بذل میں جمع فرما کر کتاب مدرسہ کو دیدی کہ اس کا سارا نفع مدرسہ مظاہر علوم کو پہنچے چنانچہ مؤرخہ پر کامل پانچ جلد مدرسہ سے مل سکتی ہیں۔

۳۵ھ سلام کے بعد عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس داعی پر احسان فرمایا کہ بذل المجہود فی حل ابوداؤد کی تالیف عطا فرمائی اور اس کو انتظام صاحب تجارت علی الشریعہ سلم کے شہر میں قرار دیا اللہ تعالیٰ اس کو صرف اپنی حکیم ذات کے لئے قرار دیں اور اس سے اسلام اور مسلمانوں کو نفع پہنچائیں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ۲۳ شعبان ۱۳۳۵ھ جمعہ کی نماز کے بعد مدرسہ العلوم الشرعیہ واقع گلہ رقاق البدور میں حاضر تادل فرمانے کے لئے تشریف لائیں تاکہ آپ کی تشریف آوری سے سرت کی تکمیل ہو اور حق تعالیٰ کا شکر ادا ہو۔ والسلام

الداعی طلبہ کا خادم خلیل احمد عفی عنہ

۳۵ھ اب نایاب ہو رہی ہے قیمت بہت ہو گئی۔

اہل نظر کو بذل المجرود پر ناقذانہ نظر کی دعوت | اشاعت تالیف میں حضرت کا معمول بڑے اہتمام سے

یہ رہا کہ جب کوئی نئی بحث تحریر فرماتے تو اجاب اور ضدام کو خاص طور پر اس کے دیکھنے کی تاکید فرماتے اور اصلاح و اشکال کا تقاضہ کیا کرتے۔ مولانا عبد الرحمن صاحب صدر مدرس مدرسہ کو بھی مستقل نظر ثانی کا امر فرمایا اور ابتدائی اجزاء پر مولانا نے بالاسنیعاب نظر بھی فرمائی، اشکالات بھی پیش فرماتے اور حضرت ان کو غور سے سنتے تھے پھر ضرورت سمجھتے تو اپنی تحریر میں مرحت فرماتے اور کبھی توضیح مضمون کے لئے عبارت ہی دوبارہ تحریر میں لاتے تھے۔ حضرت راپوری آجب تشریف لاتے تو اکثر مواقع خاص طور پر سنواتے تھے۔ حضرت مولانا تھانوی، مظہم۔ مولانا شبیر احمد صاحب، مولانا اور شاہ صاحب، مولانا حنین احمد صاحب، حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب اور مولانا صدیق احمد صاحب وغیرہم جو صاحب بھی تشریف لاتے ان کو اہتمام سے حضرت نے مودہ دکھایا اور تقاضا فرمایا کہ غور کے ساتھ ناقدانہ نگاہ ڈالیں کہ اغیار کے اعتراضات سے بچنے کے لئے اپنوں ہی کے اعتراضات درج یوں کئے ہیں۔

بندہ جب حاضر ہوتا حضرت اس کی اباحت مسئلہ کا تذکرہ فرماتے اور یہی ارشاد ہوتا کہ ناقذانہ نگاہ سے دیکھو، میں حیران ہوتا کہ حضرت کی تحریر پر اور میری ناقذانہ نظر، چه نسبت خاک را با عالم پاک۔ مگر حضرت کی بے نفسی و للہیت کہ چھوٹے بڑے کا خیال کئے بغیر علم دوست و اردو صادر سے ہی فرمایش ہوتی تھی۔

مولانا فیض الحسن صاحب کہ حضرت ان کے حقیقی پھوپھے جلسہ سالانہ کے موقع پر کانپور سے کہ ہاں تعلیم دینیات سے فارغ ہو کر مطبعہ اور تجارت کتب کے سلسلہ میں لگ گئے تھے مدت کے بعد سہارن پور تشریف لاتے تو قسم فرماتے ہوئے کھڑے ہو کر ان کو چھاتی سے لگالیا اور پھر مولوی زکریا صاحب سے فرمایا کہ ان کو بذل المجرود کے اجزاء دیدینا یہ دیکھیں گے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اس وقت تک میں حضرت سے بیعت بھی نہیں ہوا تھا۔ یہ سن کر میں پانی پانی ہو گیا اور ایک حرف بھی زبان سے نہ نکلا۔ حضرت توبہ فرما کر مکان تشریف لے گئے اور میں محبوب و متفعل کہ میں کیا اور میری حقیقت کیا۔ اتنے میں مولوی زکریا صاحب مجھے وہ اجزاء دے گئے اور تعمیلاً للارشاد میں نے کہیں کہیں سے کچھ دیکھا۔

دوسرے دن بھرے مجمع میں مجھ سے دریافت فرماتے ہیں کیوں بھائی وہ بذل المجرود کے اجزاء دیکھے میں نے عرض کیا جی ہاں جناب والا کے ارشاد کی تعمیل کر دی۔ یہ سن کر حضرت نے ایک شفقت بھری خاص نظر مجھ پر ڈالی اور دریافت فرمایا کیسے ہیں؟ میں نے یہ سمجھ کر کہ تن کی کتابت حوض میں ہوگی اور شرح

صلہ صدر المدرسین مدرسہ بہبودی ضلع کامل پورہ کا باشندہ تھے شعبان ۱۳۵۵ء میں وفات پانگے وطن میں دفن ہیں۔

سہ خاک کو اس عالم پاک سے کیا نسبت۔ سہ آنے جانے والے۔

بصورتِ حواشی حاشیہ پر جس فن سے مناسب رکھتا تھا اس کا لحاظ رکھ کر عرض کیا کہ قدرے طویل ہیں مگر
 پر منفعت ہونے میں کیا شک ہے۔ فرمایا حاملِ المتن ہونے کی وجہ سے کچھ طول تو ضرور ہے مگر عون المجدود
 مطبوعہ فاروقی دہلی کے طریقہ پر طبع ہوگی نہ کہ محشی ابوداؤد کے طرز پر۔ اسی سفر میں مولانا ممدوح حضرت سے
 بیعت ہوئے اور بحمد اللہ آخری سفر حج کو روانہ ہونے سے قبل حضرت نے مجازِ طریقت بنا کر اخذِ بیعت کی
 اجازت دی۔

اشعارِ تالیف میں جب کوئی مشکل مقام آتا تو آپ حضرت گنگوہیؒ اور مولانا محمد یحییٰ صاحب کو بار
 بار یاد فرماتے اور کہا کرتے تھے کہ حضرت گنگوہیؒ کی حیات میں کبھی جاتی تو کس قدر سہولت ہوتی۔ کبھی فرماتے
 کہ حضرت کے سامنے سب اشکال حل ہو جاتے۔ کبھی فرماتے کہ کم از کم ہمارے مولوی صاحب (مولانا یحییٰؒ)
 ہی حیات ہوتے تو خوب بحث ہو کر تھی۔ بندہ حاضر خدمت ہوتا یا مولوی ظفر احمد صاحب جب آتے تو حضرت
 فرماتے ذرا اس کی عربیت پر خاص طور سے نظر ڈالو کیونکہ مجھے عربی زبان پر پوری قدرت تھیں۔ ہم شرمندہ ہو کر
 عرض کرتے کہ حضرت آپ بھی قادر تھے ہوں گے تو اور کون ہو گا۔ فرماتے میں تو واضح سے نہیں کہتا دوسرے یہ کہ
 میں عبارت بطور اہل کے لکھواتا ہوں بطور تصنیف کے خود نہیں لکھتا اور اہلِ نقض رہ جانا مستبعد نہیں۔
شرح کی تکمیل مدینہ میں | مدینہ منورہ پہنچ کر جب آپ ہمہ تن اس میں مشغول ہوئے تو آپ کے
 قلب پر عجیب کیف تھا، قربِ آستانہ محبوب کا التذاذِ حیران اور بدنہائے
 دراز کی تمنا و شوق پورا ہونے کا مزہ الگ اور کلامِ الرسول کی خدمت میں اشتعال کا حظ علیحدہ۔ ڈاک بھی
 آٹھویں دسویں دن آتی تھی اور اس لئے روز و شب اسی اہتمام میں گزارتا تھا۔

سعودی حکومت پر اظہارِ اطمینان | سعودی حکومت کی ابتدائی اور چار طرف مختلف اقوامیں
 جس پر یہاں بعض خدام کو خیال ہوا کہ شاید حضرت مدینہ منورہ
 میں بسکون و راحت قیام نہ فرما سکیں اور ہندوستان واپس ہوں مگر حضرت کا والا نامہ آیا تو ہر لفظِ فرحت میں
 ڈوبا ہوا تھا چنانچہ شیخ رشید احمد صاحب کے نام خط آیا جس میں تحریر فرمایا:۔

مکتوب گرامی | میں آپ کو مجملۃ اطمینان دلاتا ہوں کہ بحمد اللہ یہاں کے حالات اس قدر اطمینان بخش اور
 فرحت انگیز ہیں کہ ہم لوگوں کو کسی قسم کا ذرہ بھر بھی اندیشہ نہیں۔ تمام حجاز امن سے معمور ہے
 جدہ سے مکہ تک، مکہ سے مدینہ منورہ تک اور مدینہ منورہ سے جدہ اور منبج تک دو دو چار چار اونٹ بھی

لے اس طرح کہ ادھر غنی خط میں تن نیچے شرح مع تن اردو خط میں اور حاشیہ والی کتاب کی طرح نہیں کہ پورا صفحہ لوج میں
 تن کا ہوا حاشیہ پر باریک شرح ہو۔

باطمینان آتے جاتے ہیں اور کوئی واقعہ پیش نہیں آتا۔ ہم یہاں تقریباً دو ماہ سے مقیم ہیں۔ ہمارے لئے بحمد اللہ دن عید اور رات شب برات ہے کسی امر کی وجہ سے ہمارے دل میں یہ داعیہ پیدا نہیں ہوا کہ ہم یہاں سے لوٹ جاویں۔ جس قدر اس قسم کے موشح حالات اخبارات میں شائع ہو رہے ہیں وہ بالکل غلط اور کذب ہیں۔ غالباً جملہ چہنچ گئے ہوں گے اور ان سے ان خرافات افزا کی تردید آپ کو اور سب دوستوں کو معلوم ہو گئی ہوگی۔

تعلیق ابی داؤد باطمینان لکھی جا رہی ہے اور اس دو ماہ کے عرصہ میں انشاء اللہ سو اسو صفحات کے قریب لکھے گئے ہوں گے جو مولوی رؤف احسن صاحب کے ہمراہ طبع ہونے کے لئے سہارنپور پہنچ جائیں گے۔ اب میرا پختہ خیال ہے کہ میں تعلیق کے اتمام کے لئے مدینہ طیبہ میں اگلے سال بھی قیام کر دوں گا اور حج کے لئے بھی مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ نہیں کر دوں گا۔ اگر مناسب ہو تو یہ مضمون بھی اخبار میں شائع کر دیکھئے۔

سچ ہے شرب کی مٹی میں ملنے کی ہوس اور محبوب کی احادیث میں اشتغال اور شرح ابوداؤد کی تکمیل نفل حج سے بدرجہا زیادہ پیاری چیز ہے اور اس کو صاحب مذہب عاشق رسول حضرت امام مالکؒ کے دل سے کوئی پوچھے۔

لے قوم حج رفتہ کجائید کجائید معشوق دریں جاست بیائید بیائید
مؤلف کا دماغ تالیف کے زمانہ میں کسی دوسرے کام کا متحمل نہیں ہو سکتا کہ صاحب ہدایہ نے دس برس میں ہدایہ لکھی مگر اس طرح کہ حجرہ میں کسی کو آنے کی اجازت نہ تھی۔ غلام دونوں وقت کھانا لاکر رکھ جاتا اور تصویر ویر بعد خالی برتن دیکھ کر لے جاتا تھا۔

اوقات نماز کے سوا چوبیس گھنٹہ میں حضرت حمروح کی کسی کو صورت بھی نظر نہ آتی تھی۔ مگر حیرت ہوتی تھی جب دیکھا جاتا تھا کہ حضرت کا یہ زمانہ پیری اور یہ مجاہدہ معمولہ مسخرہ اور یہ صدقات و فوات اجاب و متعلقیں اور یہ مدارات حاضرین وغائبین اور اس پر ابوداؤد جیسی پر اشکال و مغلق کتاب کی شرح جس میں دماغ ہی دماغ کا کام۔ اور سات بجے سے لیکر گیارہ بجے تک چار گھنٹے اس میں ختم ہونے کے بعد شام کو وہی درس طلبہ وہی جوابات خطوط، وہی فتاویٰ نویسی، وہی ہماؤں سے ملاطفت و انبساط اور وہی ہر معمول مستحب پر مواظبت کا اہتمام۔ اس سے زیادہ تعجب اس وقت ہوتا جبکہ آپ تالیف میں مشغول ہوتے اور کوئی مہمان آتا تو وہ سیرھا حضرت کے پاس دارالتالیف میں چلا جاتا۔ حضرت اسی تبسم و خندہ پیشانی سے ملتے اور ذرہ برابر گرانی نہ لاتے کہ دماغی کام اور محتاج یکسوئی اشتغال میں بلا ضرورت کیوں مغل ہوا۔ کافی

لے دشت بن ڈالنے والے۔ لے لے حج کو گئی ہوئی تو تم کہاں کہاں ہو محبوب یہاں تو آؤ یعنی خالی دل والوں کو اہل دل کے پاس رہ کر صاحب دل بننا اور بھر جانا چاہئے مگر فرض حج مقدم ہے۔ اسے نفس کے خلاف عمل کا دیر تک ہٹنے والا مجاہدہ و شغف۔ لے مشکل۔

مزاج پر سی کے بعد پھر اپنے کام میں لگ جاتے اور مضمون بزبان عربی لکھوانے لگتے تھے۔ میں نے بار بار دیکھا کہ حضرت ادھر جہان سے باتیں بھی کئے جاتے تھے اور اصل عبارات مشکوٰۃ بھی فرماتے جاتے تھے حتیٰ کہ مضمون ختم ہو جاتا تو کتاب بند کر دیتے اور یہ فرما کر کہ بس اب چلو، جہان کو ساتھ لئے نیچے تشریف لے آتے۔ گویا مضمون کی آمد حضرت کے قبضہ کی بات تھی کہ جب چاہتے آمد شروع ہو جاتی اور جب چاہتے دماغ و طبیعت کو اس سے ایسا خالی فرما لیتے گویا اس کا غور و فکر ہی نہیں ہے۔ چنانچہ اس اہم اشتغال میں آپ کو نہ کسی ادنیٰ معمول کے ترک کی نوبت آئی اور نہ کسی امر میں سہو و نسیان پیش آیا، نہ احباب کی غمی و خوشی میں شرکت گئی اور نہ ان کی مخلصانہ طلب پر انکاری جواب لکھا گیا۔ سب کام بدستور چلتے رہے اور یہ خدمتِ عظمیٰ ایک وہی نعمتِ کبریٰ بن کر اتمام کو پہنچ گئی۔

وہ سات امور جن کا بذل الجہود میں التزام رہا | بذل میں یہ ایک عجیب کمال ہے کہ جو مضمون حضرت کے ذہن میں آیا جب تک متقدمین کے کلام میں اس کی تائید نہ مل گئی حضرت نے اس کو قلم و قراط اس کے حوالہ نہیں کیا اور ہمیشہ یہ فرمایا کہ بھی اپنے علم پر کیا اعتماد ہے۔

بایں التزام (۱) ہر مسئلہ میں مذاہب ائمہ اربعہ کی تشریح اور باہم محاکمہ کیا گیا ہے۔

(۲) مذہب حنفیہ کی تحقیق اور کافی دلائل کے بعد دوسرے مذاہب کے دلائل کے بہترین اور متعدد جوابات دیئے گئے ہیں۔

(۳) ہر راوی کے متعلق پوری جرح و تعدیل کی گئی۔

(۴) جو روایات ترجمۃ الباب کے موافق نہ تھیں ان کی توجیہ و موافقت ظاہر فرمائی ہے۔

(۵) مصنف نے جن روایات کو تعلیقاً بیان کیا ہے دوسری کتابوں سے ان کی سید ائصال لکھی گئی ہے۔

(۶) جو روایات مختصر آئی ہیں دوسری کتابوں کا جہاں وہ مفصل ہے حوالہ دیا ہے۔

(۷) اور کلام الرسول کا منشا ظاہر کر کے وہ محاسن و حقائق بیان فرمائے ہیں جن کا حظ وہی اٹھا سکتا ہے

جن کو فنِ حدیث سے مناسبت اور صاحبِ حدیث سے انس و محبت ہو۔

خواب میں غلطی کی اصلاح | ایک مرتبہ جب معمول صبح کو آپ نے تشریف لا کر مولوی زکریا سے فرمایا اکل فلاں بات لکھی گئی ہے اس کو دوبارہ نکالو، چنانچہ وہ نکالی

گئی اور آپ نے مراجعت کتب فرما کر اس کو کاٹا اور دوسری عبارت لکھی اس کے بعد بڑی مسرت سے اپنا خواب بیان فرمایا کہ تجھ کے بعد ذرا آنکھ لگ گئی تو ایک صاحب کو درجن کا حلیہ بھی ارشاد فرمایا یوں کہتے سنا کہ یہ جگہ

لہ خدا کی عطا کی ہوئی بڑی نعمت۔

غلط لکھی گئی ہے اس کو درست کرو۔ ایک بار فرمایا کہ اس قابل تو ہوں نہیں مگر ہوس قہی کہ خدام حدیث کی جماعت میں شامل ہو جاؤں۔ اللہ کا انعام ہے کہ اس نے کام لے لیا۔

کہاں میں اور کہاں یہ نگہب گُل نسیم صبح تیری مہربانی

۳۵۰ مسئلہ میں سفر حج اور واپسی

مولانا محب الدین صاحب ہاجر کی اعلیٰ حضرت حاجی صاحب کے خلیفہ کو کشف زیادہ ہوتا تھا اور حضرت کے ساتھ خاص محبت رکھتے تھے۔ ۳۵۰ میں ممدوح کا حضرت کو پیام پہنچا کہ اب تمہارا آخری وقت قریب آگیا ہے ہندوستان جلد چھوڑ کر مدینہ پہنچو۔ حضرت تو بچپن سے یہ تمنا رکھتے تھے اس لئے آخری امید بر آنے کے شوق میں حجاز روانہ ہو گئے۔ جنگ کا زمانہ تھا اور شریف حسین نے ترکوں سے مقابلہ کیا تھا کہ طرح طرح کے فتنے رونما تھے۔ مولوی محب الدین صاحب نے حضرت پر تقاضا کیا کہ جلد ہندوستان واپس ہوؤ کہ یہاں قیامت صغریٰ قائم ہو چاہتی ہے تمہارے آخری وقت کا مجھ کو انکشاف ہوا تھا وہ ابھی مؤخر ہے چنانچہ آپ ہندوستان تشریف لے آئے اور بذل الجہود میں مشغول ہو گئے۔

۳۵۱ مسئلہ میں آخری حج اور مدینہ میں قیام اور وفات

اب ۳۵۱ میں مولانا کا پھر تقاضا ہوا کہ مدینہ پہنچ چنانچہ حضرت روانہ ہو گئے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ مولانا کو مکاشفہ میں غلطی ہو گئی مگر آپ نے فرمایا کہ نہیں مکاشفہ تو صبح تھا مگر بذل کے لئے حق تعالیٰ نے عمر بڑھا دی کہ انجام اس توسیع کا بھی وہی تقدیر مبرم ہے چنانچہ ۲۱ شعبان کو بذل ختم ہوئی اور ۲۷ رمضان کو آپ پر فالج کا اثر ہوا جس میں اول کچھ عالج سے خفت محسوس ہوئی مگر یہی سلسلہ مرض چلتا رہا اور آخر ۵ اربیع الثانی ۱۳۵۵ بم ۴ شربنبہ بعد عصر آپ نے دنیا کو چھوڑ کر عالم قدس کا سفر فرمایا۔

۳۵۲ کتابیں جن کی شرح میں استفادہ کیا

۱۔ انشاء تالیف میں حضرت کے سامنے دو لمبی کتابوں پر شراستی کتابوں کا ڈھیر رہتا تھا جن میں تفسیر حدیث اسماء الرجال اصول حدیث فقہ اصول فقہ لغت سیر و تواریخ اور مختلف علوم و فنون کی کتابیں ترتیب وار پھیلی رہتی تھیں۔

۲۔ تقدیر یعنی ازل میں مفرد ہونے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اتنی عمر ہوگی یہ تقدیر مبرم یعنی پختہ ہے فرشتوں کو اس کا علم دیا جاتا ہے دوسری یہ کہ فلاں کام یا بات کی تو اتنی عمر ہوگی یہ تقدیر معلق ہوگی کہ اس بات یا کام پر موقوف ہوتی ہے اس کا علم فرشتوں کو نہیں دیا جاتا اور علم الہی میں ازل سے ہوتا ہے کہ یہ ہوگا پھر اتنی عمر ہوگی تو وہ بھی ایک طرح پختہ و مبرم ہی ہے پہلا کشف مبرم کا تقاضہ بھی صبح تھا اور دوسرا معلق کا کہ حقیقت میں اور انجام کے اعتبار سے وہ بھی مبرم ہی ہوتی ہے اس کا وقت گزرنے پر اس کا کشف ہوا جواب فرشتوں کے علم میں آچکی اور کھلی مبرم ہو چکی تھی۔ ۳۵۰ میں تالیف کی ابتدا ہوئی ۳۵۰ میں ختم۔ یہ مدت تالیف کے لئے تھی۔

کتاب تفسیر

تفسیر میں ابن جریر، درمنثور، بیضاوی اور اس کے حواشی خفاجی و شیرازہ و قنوی و عبدالحکیم اور جلالین مع شروع و تفسیر کبیر پر نظر ڈالتے تھے۔

کتاب حدیث

علم حدیث میں بخاری مسلم ترمذی نسائی ابن ماجہ موطا امام مالک موطا امام محمد دارمی دارقطنی مصنف ابن ابی شیبہ سنن بیہقی مستدرک امام احمد طحاوی مشکوٰۃ اور

اس کی شرح علی قاری مستدابی داؤد طیبی مسنی الاخبار اور اس کی شرح نیل الاوطار زاد المعاد فتح الباری قسطلانی نووی اور حاشیۃ النذی مصنف مراسل ابی داؤد عمل الیوم واللیلہ مستدرک ابن خیفہ مستدرک شافعی مجمع الزوائد کتاب الآثار سنن الکبریٰ جزء القرانۃ ادب المفرد جزء رفع الیدین مستدرک اور اس کی تلخیص سب السلام یعنی درجات النجلیح الحاجہ آثار السنن اور اس کی تعلیق تنسیق جوہر نفی زرقانی تعلیق مجدد تلخیص البحر وادیہ شرح مشککات الآثار اور ترمذی کی چاروں شروع شرح الخطابی تخریج زیلعی حاشیۃ المحصین الکمال اور مکمل اللامالی المصنوعہ وغیرہ کے ساتھ مولانا گنگوہی کی وہ تقریر جس کو مولانا محمد یحییٰ صاحب نے پڑھے وقت حضرت سے سن کر ضبط کیا تھا سب زیر نظر رہتی تھیں۔

کتاب اسماء رجال

اسماء الرجال میں تقریب تہذیب تعجیل المنفعہ اصحاب لسان المیزان طبقات المدین خلاصہ تہذیب الکمال میزان الاعتدال تذکرۃ الحفاظ تجرید اسماء الرجال

استیعاب المتوفات والمختلف طبقات ابن سعد جمع بین رجال الصحیحین تاریخ صغیرا وصغیرا الصغیر الکمال انساب رجال جامع الاصول الکنی المعنی البحار المصنیۃ طبقات الشافعیۃ لباب الانساب اسعاف فوائد بہیہ المنفردات والوصدان اور الصغیرا والمتروکین وغیرہ کا تتبع ہوتا تھا۔

کتاب اصول حدیث

اصول حدیث میں شرح نجمہ شرح الشرح تدریب الفیۃ الحدیث فتح البیغ اور بیان المحدثین سامنے رہتی تھی۔

کتاب فقہ

فقہ حنفی میں بدائع مسبوہ ہدایہ اور اس کے حواشی کفایہ بنایہ فتح القدیر کبیری بحر الرائق در مختار اور اس کے دونوں حواشی طحاوی اور شامی مرآتی الفلاح اور اس کا حاشیہ طحاوی

اور زیلعی وسعایہ سے کام لیا جاتا تھا۔ اور

شافعی فقہ میں کتاب الامام اور اس کا حاشیہ اور قنباۃ تحفۃ المحتاج روضۃ المحتاجین کتابا لآوار التوفیق فقہ مالکیہ میں کتاب المدوز للامام کتاب المقدمات اور مختصر الشیخ خلیل۔

فقہ حنبلی میں اعلام الموقعین

اور شعرانی کی کشف الغمہ اور میزان الکبریٰ کا تفحص ہوتا تھا۔

اصول فقہ - اصول فقہ میں نورالانوار تو صحیح تلویح حامی اور اس کے حواشی تحریر اور مستصفیٰ پر غور فکر مبذول ہونا تھا۔

لغات - لغت میں مجمع البحار لسان العرب قاموس نہایہ مصباح المنیر اور مختص سے مدد لی جاتی تھی۔

کتب سیر - سیر میں ابن ہشام، طبری تاریخ الخلفاء معجم البلدان تاریخ النخس اور وقایات الاعیان کی ورق گردانی ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ

کتب نحو - نحو میں شرح حامی اور

کتب تجوید و قرأت - تجوید میں شرح ابن القاص وغیرہ بھی موجود رہتی تھیں۔

سخ ابی داؤد - اور ابوداؤد کے چھ نسخے پاس تھے ایک خاص وہ قدیم نسخہ جس میں آپ نے پڑھا اور جگہ جگہ کچھ لکھا تھا کہ متعدد نسخوں سے مقابلہ ہو کر صحیح کیا گیا تھا۔ دوم عون المعبود کے متن پر چڑھا ہوا نسخہ۔ سوم شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب کا تصحیح کردہ نسخہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۳۱۵ھ۔ چہارم مطبوعہ مطبع خیر مصر ۱۳۱۵ھ پنجم مولانا فخر الحسن گنگوہی کا حاشیہ کردہ مطبوعہ اصح المطابع اور چھٹا مطبوعہ اصح المطابع ۱۳۱۵ھ

یہ بات کہ اتنی کثیر کتابوں کے بحر زار سے کون کون موتی نکالے گئے اور بذل المجہود کس قیمت کے جواہرات کا بٹراؤ ہا ہے صرف اہل علم سمجھ سکتے ہیں اور آج نہیں قیامت تک آنے والی نسلیں یاد رکھیں گی کہ بذل المجہود کا علمی دنیا پر کیا احسان ہے چنانچہ جلد اول ۲ پر مسواک کی بحث اور ۳ پر بیابانہ جمعہ و ظہر کی بحث اور جلد ثانی میں ۱۳ پر اشارہ سبابہ کی بحث اور ۲۲ پر سجدہ کی بحث اور جلد ثالث میں ۱۷ پر غسل کی بحث اور ۲۰ پر قرآن مجید کی بحث قابل دید ہے۔ رہا اس کا صلہ سو صاحب الکلام کے دربار میں حاضری کے وقت اولین و آخرین کا بھرپور مجمع دیکھے گا کہ محبوب پیغمبر کا قدر دان خدا فادام کلام پیغمبر کو کیا عطا فرما رہا ہے ولسوف یعطیک ربک فترضی۔

بذل المجہود کے انداز پر شرح ترمذی کا خیال - بذل سے فارغ ہونے کے بعد آپ کے قلب میں داعی پیدا ہوا کہ ترمذی کی شرح بھی اسی ہیچ پر ہو جاوے کہ

وہ بھی درسی کتاب اور اسی خدمت کی مستحق ہے۔ چنانچہ آپ نے مولوی زکریا صاحب کو لکھا بھی کہ بنام خدا اس کو شروع کر دو کیا عجب ہے کہ یہ بھی میرے اعمال نامہ کی زینت بن جائے۔ مگر مولوی زکریا صاحب چاہتے تھے کہ حضرت اقتلح فراویں اور حضرت جواب دیتے تھے کہ تمہارے بغیر مجھ سے اس کا انجام پانا دشوار کہ از سر نو

سلہ اور غریب دیدیں گے آپ کو

کتب کثیرہ کا فراہم کرنا اور ان کے تتبع و تلاش سے مضامین کا اپنے مظان سے نکالنا تمہارا ہی کام ہے۔ آخر میں حضرت نے یہ بھی لکھا کہ اچھا یوں کرو کہ ایک ورق چھوڑ کر وہیں لکھنا شروع کرو کہ طرز و طریق سے واقف اور خدمتِ حدیث کے اہل بن چکے ہو، کسی وقت میری زندگی میں تمہارا آنا ہوا تو پہلا صفحہ میں لکھوادوں گا۔ مگر عرضِ شریف قریب ختم پہنچ چکی تھی اور تمنا و شوق ہی کا اجر ساتھ لیجانا مقدر تھا اس لئے اس کا افتتاح نہ ہوا اور دفعۃً تارا گیا کہ وہ درباری برخواست ہو گیا جہاں علی یا قوت و لعل نچھاور ہوا کرتے تھے۔ فرحمہ اللہ رحمتہ واسعہ۔

قلمی کتابوں کی تلاش و جستجو | چونکہ آپ کو حدیث سے طبعاً مناسبت و شیفتگی تھی اس لئے حدیث کی جس قلمی کتاب کا آپ کو کہیں پتہ چلتا آپ کو تلاش فرماتے کہ اس جس قیمت پر گھٹے خرید لوں اور یہ طاقت سے باہر ہو تو نقل کرالوں۔

مصنف عبد الرزاق کی جلد سوم و چہارم کی نقل | سہ ماہ میں جب آپ چھٹے حج کو روانہ ہو کر مکہ پہنچے تو آپ کو مصنف عبد الرزاق کا پتہ چلا کہ ایک شخص کے پاس اس کی جلد سوم و چہارم قلمی موجود ہے آپ نے چاہا کہ مدرسہ کے لئے خرید لیں مگر مالک نے ۲۰ گنی قیمت مانگی جس کو آپ ادا نہ کر سکے اور نایاب کتاب کے ہاتھ سے نکلنے کا آپ کو بہت ملال ہوا۔ مولوی محمد زکریا صاحب و حاج انیس احمد اور مولوی محمد اسحاق صاحب وغیرہ فقہاء نے حضرت کا قلق دیکھ کر عرض کیا کہ اپنا مجمع ہمت کرے تو تھوڑا تھوڑا حصہ بانٹ کر سب کی نقل کر لے۔ اول آپ کو فکر ہوا کہ دشوار ہے مگر مولوی محمد زکریا کے استقلال ہمت اور اصرار پر آپ نے مالک کتاب سے نقل کی اجازت مانگی۔ مالک کو بھی یقین تھا کہ نقل نہیں ہو سکتی پھر انکار کیوں کروں لہذا بخوشی اجازت دیدی کہ ہاں ضرور نقل کریں چنانچہ آپ نے رفقا پر اس کے اجزا تقسیم فرمادیئے اور چند روز میں دونوں جلدیں نقل ہو گئیں۔ اصل میں غلطیاں زیادہ تھیں تو خود حضرت نے مولوی زکریا کے ساتھ نقل کا اصل سے مقابلہ فرماتے ہوئے کچھ غلطیوں کی اصلاح فرمائی اور اصل مالک کو واپس دیکر نقل قلمی کو مدرسہ میں داخل فرمادیا۔

سنن بیہقی کی نقل | مولانا عزیز الرحمن صاحب گنگوہی کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن سے حضرت گنگوہی کے لئے بیہقی نقل کرا کر لائے تھے اس کی ۸ جلدیں بمخلہ ۱۰ جلدوں کے حضرت نے گنگوہ سے منگا کر نقل کرائیں جن میں ایک جلد مولوی عبد اللہ صاحب مرحوم نے بغیر اجرت نقل کی اور باقی باجرت نقل ہو کر مدرسہ میں داخل ہوئیں۔

لے گمان کی جگہوں سے۔

مصنف ابن ابی شیبہ کی نقل

آپ کو پتہ چلا کہ مصنف ابن شیبہ کی ایک جلد سندھ میں حضرت پیر چھٹا کے مشہور کتب خانہ کی زینت بنی ہوئی ہے۔ آپ نے اس

کی نقل کی کوشش فرمائی اور اس شرط پر اس کا حصول میسر ہوا کہ مصنف عبدالرزاق آپ ان کو دیدیں چنانچہ ان کے کتابوں کا نقل کے لئے تبادلہ ہوا اور پھر واپسی ہو کر سر ایک کتب خانہ میں دونوں نایاب کتابوں کے نسخے جمع ہو گئے۔ مدینہ منورہ سے آپ نے زلیعی تخریج ہدایہ کا مطبوعہ نسخہ جو اس وقت بالکل نایاب ہے خرید کر مدرسہ میں بھیجا۔

نیز محیط ربانی کا مل جو ۸ جلدوں میں فقہ کی مشہور کتاب ہے تہایت خوشخط قلمی نسخہ میں آپ نے خریدی۔ دوسروں میں اس کے آپ کو ملتے تھے مگر آپ نے فروخت نہیں کیا اور مدرسہ میں بھیج دی۔

شرح ابن رسلان کی نقل

ابوداؤد کی مشہور شرح ابن رسلان جس کے متعلق اکابر لکھتے ہیں کہ ہمیں زیارت نصیب نہیں ہوئی جلد اول و دوم مکتبہ محمودیہ میں

آپ کو نظر پڑی تو آپ نے اجرت پر اس کی نقل کرا کے مدرسہ میں بھیجی اور نویں جلد سے بذل میں کام لیا کہ وہی مقام زیر تالیف تھا وہ گویا بذل الجہود میں نقل ہو گئی اور سوم چارم پنجم ششم آپ کے رفیق سفر مولیٰ اختار کے ایک کباڑی کی دکان سے ردی کے مول سے دستیاب ہو گئیں اور وہ ان کو لے آئے۔ اسی طرح علم کلام کا ایک قلمی نایاب رسالہ آپ نے خرید کر مدرسہ میں بھیجا جو عقائد شفی سے بہتر ہے مگر طبع نہ ہو سکا۔

اسرار الرجال میں طبقات بن سعد جو ۸ جلدوں میں ہے آپ نے لندن سے لندن سے خریداری

کرائی اور انساب سمعی جس کو قلمی سے عکس لیکر فوٹو میں طبع کیا گیا تھا اور بڑی ضخیم کتاب ہے نیز لندن سے آپ نے بقیۃ منکواکیر دو کتب خانہ میں داخل کر دیا۔ کتابی شرح بخاری کی قلمی دو جلدیں لمعات شرح مشکوٰۃ کی جلد اول مشکوٰۃ پر حاشیہ میر سید شریف کامل اور موطا کی شرح محلی جو مشہور ہے اس کے علاوہ دوسری شرح کہ اس کا نام بھی محلی ہے جلد ثانی قلمی نیز حاصل فرما کر آپ مدرسہ میں پہلے داخل فرما چکے تھے۔ حجاز کے قاضی القضاۃ شیخ عبداللہ بن بلید نے چند کتابیں جن میں معنی فقہ حنبلیہ کی جلد اول بھی تھی آپ کی خدمت میں ہدیہ پیش کیں اور آپ نے قبول فرما کر ان کو بھی مدرسہ میں بھیج دیا۔

سلسلہ میں مصری ثانی خریدنے کیلئے بندہ جب مہر کیا اور اپنی براہ شام و عراق ہوئی جمع الفوائد کا قلمی نسخہ تو دمشق میں مجھے پتہ لگا کہ سید عبداللہ بن محدث کے پاس جمع الفوائد کا قلمی نسخہ

عہ مجاہد بول کرنا سب سے اس کا نسخہ کسی مدرسہ میں قف یا کسی عالم کو مہر کر کے حضرت کو یا جسے مناسب سمجھیں ایصال ثواب کریں کہ مقررہ شدہ مندرجہ حقائق کتاب کا مقصود بھی پورا ہو جائے اور کم خرچ بالانشاء تحفہ صدقہ جاریہ بن کر ارواح کو مسرور کیا تاہر قیمت مع محارم عہ کتاب یہاں ہے۔

کامل تھا اور ٹرکی و فرانس کی جنگ میں ممدوح کا مکان نذر آتش ہوا تو وہ نایاب نسخہ بھی جل گیا۔ مگر اس کی ایک نقل قصہ کفر سوسہ کے قدیم کتب خانہ میں جو دمشق سے شریل فصل پر ہے شیخ محمود بن زحیر کے پاس محفوظ ہے مجھے شوق ہوا کہ اس کی حفاظت کا شرف ہندی مسلمانوں کو نصیب ہو اس لئے مولانا محمود سے ملا اور کتاب کو ہندوستان لاکر حضرت کے سامنے پیش کیا۔

آپ نے بڑے شوق اور غور سے اس کو دیکھا اور سرور ہو کر اس کے طبع ہو جانے کی خواہش ظاہر فرمائی کہ وہ جامع الاصول اور مجمع الزوائد کا مجموعہ تھا جس میں علامہ محمد بن محمد رودانی نے بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد و نسائی، ابن ماجہ، مؤطا، امام مالک، مسند ابویعلیٰ، موصلی، مسند ابوبکر، زرار، مسند دارمی اور طبرانی کی معجمات ثلاثہ کبیر و واسط و صغیر، چودہ کتابوں کی تمام حدیثوں کو بحذف و مکررات و ترک اسانید ایک عجیب ترتیب کے ساتھ جمع کیا ہے۔

چنانچہ بندہ نے اس کی تخریج و تصحیح میں تین سال محنت اٹھا کر مصری ٹائپ میں اس کو طبع کر دیا۔ حضرت مدنیہ منورہ میں مقیم تھے کہ کتاب کے تیار ہونے کا خبر آپ کو پہنچی مگر افسوس کہ مطبوعہ کی زیارت نہ فرما سکے اور دنیا سے تشریف لے گئے۔ یہ خدمت بھی اس لحاظ سے کہ حضرت کے ایما اور برکت سے تکمیل کو پہنچی آپ ہی کے نامہ اعمال میں درج ہے۔

غرض جس طرح درس حدیث اور تالیف شروح احادیث کا آپ کو شغف تھا اسی طرح حدیث کے قلمی و نایاب نسخوں کے محفوظ کرنے کا بھی حد درجہ شوق تھا کہ یہ ثمرہ ہے صاحب جوامع الکلم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت صادقہ کا جس میں آپ فاتح تھے اور چاہتے تھے کہ سرورِ عالم و عالمیان کا کوئی قول بھی ایسا نہ رہے جس کے علم و عمل سے محروم رہوں۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کی اشاعت کا عشق تھا کہ تمامی امت محمدیہ تک پہنچ کر اس کا نفع مند ہوا اور مختلف مقامات کے صد ہا کتب خانوں میں جمع ہو کر اشاعت سے ہر طرح محفوظ ہو جائے۔ مجھوں صحرا میں بیٹھ کر بھی انگلیوں سے ریت پر لیلیٰ کا نام لکھا کرتا تھا کہ اسی سے اس کی طبیعت کو تسلی ہوتی تھی۔ پھر کیا پوچھنا محبت رسول کا کہ کلام الرسول کی خدمت جس نوع کی بھی ہو عین ثمرہ ایمان ہے۔

اہل علم کا سند حدیث کی درخواست کرنا | دورۂ حدیث سے فارغ ہونے والوں کو آپ سے دیا کرتے تھے۔ ان کے سر پر دستار باندھنے کی عادت۔

عہ طاعت کے بعد حضرت مولانا دانش الہی صاحب زادہ نے جمع الغوائر کے بہت سے نئے فارغ التحصیل طلبہ کو انعام میں دینے کیلئے مدد کر دی تھی چنانچہ اس احقر کو بھی یہ پیش بہا کتاب مدد کی طرف انعام میں عطا ہوئی۔ فخرِ اشرار و مجزاء (اخلاق احمد غفرلہ)

تھی۔ بیرونی علماء آپ سے مسلمات اور صحاح ستہ کی سند و احادیث حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوتے۔ آپ جن کو اہل سمجھتے اوائل حدیث سن کر اور مسلمات خود سنا کر ان کو بھی سند دیا کرتے تھے۔ جولائی ۱۹۲۷ء میں جب آپ شملہ تشریف لے گئے تو مولوی محمد فاضل صاحب ترجمان سفیر افغانستان نے حاضر ہو کر سند حدیث کی خواہش ظاہر کی حضرت نے کہا میں منگو اگر جگہ جگہ سے احادیث سنیں اور فرمایا کہ جب تم حساب ختم کر چکے اور بمبئی و کلکتہ و دہلی وغیرہ جانے کا بارہا موقع ہوا تو اب تک کسی سے سند حاصل کیوں نہیں کی؟ عرض کیا کہ جیسا میں چاہتا تھا صاحب علم و فضل بزرگ مجھے کوئی نہیں ملا۔ اور کوئی ملا تو مجھے ان کے اعمال کی عرف سے اطمینان نہ ہوا، اب گھر بیٹھ حق تعالیٰ نے یہ دولت عطا فرمائی تو اجازت حاصل کرنے کا شوق ہوا۔ فرمایا یہ تو تمہارا میری نسبت حسن ظن ہے کہ تو دیر سے مطبوعہ سندنگو ادوں اور کہو یہاں دستی لکھو اگر دستخط کروں۔ انھوں نے دستی کو ترجیح دی تو آپ نے مولانا قاری احمد حسن صاحب خطیب جامع مسجد شملہ سے عربی عبارت میں سند لکھوا کر اپنے دستخط کے اور ان کو عطا فرمائی۔

ان علماء کو بھی اگر حضرت کے تلامذہ میں شمار کیا جائے تو صد ہا کی تعداد کا اضافہ ہو جائے گا کیونکہ اکثر مدارس ہندوستان کے سند یافتہ علماء بھی ہر سال اس نوع کی اجازت لینے حاضر ہوا کرتے اور عرب میں بھی علماء حرمین اور دیگر بلاد کے علماء بکثرت آپ سے سند اور اجازت حدیث حاصل کیا کرتے تھے چنانچہ بندہ نے بھی حالانکہ ساری کتابیں میرٹھ میں مولانا عبدالمومن صاحب سے پڑھی تھیں مگر دل چاہا کہ حضرت سے بھی حدیث کی اجازت اور سند حاصل کروں۔ الحمد للہ حضرت نے اوائل سن کر اور مسلمات خود سنا کر سند عطا فرمائی جس پر اپنے قلم سے دستخط فرمائے اور حرثیت کی۔ اس کو تبرکاً درج کرتا ہوں کہ محفوظ ہو جائے اور حضرت نے حدیث کی اجازت جن علماء کو دی ہے وہ اس کی نقل بھی کر سکیں۔

سند حدیث | بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ رب العلمین۔ والصلوة والسلام علی سیدنا محمد و آلہ و صحابہ و ازواجہ و اولیائہ اجمعین۔ راہبہ
 بقول المفتقر الی رحمۃ ربہ القوی خلیل احمد بن الشاہ مجید علی الانصاری الا یوبی الا ینھتوی
 علی اللہ عنہ۔ ان اخي فی اللہ مولانا الشیخ عاشق الہی میرٹھی قد قرأ علی من اوائل الصحاح
 ستۃ فی جماعۃ و سمع منی المسلسلات لشاہ ولی اللہ المحدث الدہلوی قدس سرہ و طلب منی
 جازتھا۔ و قد حصل لی القراءة و السماع بحمیم کتب الحدیث و غیرھا علی شیخی و استاذی المحر
 کامل و البحر الفاضل الفائض بانوارہ علی النیرین الشمس والقمر مولانا الشیخ محسن مظهر
 بن ارقاضی عبدالمجید صاحب کلرک سرٹریٹ آفس شملہ۔

التاوتوی الصدیقی ثم قرأت بعض الصحاح اعنی الجامع الصحیح للبخاری من اوله الى اخره
والشماثل للترمذی والمسلسلات ومسنده الحسن المسمی بالنوادور والد الدائمین واوراقاً معدودة
من صحیح الامام مسلم وشيئا من مسند الدارمی علی مولانا الشیخ عبد القیوم بن مولانا الشیخ عبد الحق
المرحوم البوفالی ثم البدهاوی فحصل لی منه الاجازة العامة سنة الف ومائین وثلاث وتسعين
من الهجرة النبویة علی صاحبها افضل الصلوة والتحية - وذلك حين كنت مقیما فی بوفال علی
خدمة التدريس بالمدرسة السليمانية ثم لما حضرت خير بلاد الله مكة المشرفة زادها الله
كرامة ونور الزيارة بيت الله الحرام اول مرة سنة الف ومائین وثلاث وتسعين حصل لی
الاجازة العامة من مولانا الشیخ سيد احمد بن زینی دحلان المکی مفتی الشافعية بها - ثم لما
اكتملت بغار طيبة وتشرفت بزيارة قبر سيد المرسلین نبينا محمد النبی الامین علیہ وسلم علی الہ
الصلوة والسلام الی یوم الدین وحضرة عتبة مولانا الشیخ عبد الغنی المهاجر المدنی قرأت علی
سنة ۱۲۹۳ شیئا من اوائل الكتب الستة فاجازنی باجازة عامة - وقد اجزت الاخر المذکور كما اجازنی
مشایخی الاعلام بكل ما يجوز لی رواية من كتب الحديث الصحیح الستة والموطأین للامام
مالك بن انس والامام محمد بن الحسن الشیبانی ومسنده الدارمی والمسلسلات لشاة ولی الله
المحدث الذهلوی قدس سره والمسلسل باجازة الدلاء عند الملتمزم وغيرها من كتب الفقه
والتفسیر والمنقول والمعقول - اجیزه ان یحیز غیره ممن تاهل لهذا الفن الشریف بالشرائط
المعتبرة عند علماء هذه الشأن واوصیه بتقوی الله فی السر والعلانية وان یجتنب عن الامور
المحدثه فی الدین وعن طلب الدنیا ولذا اتهاوان لا ینسانی فی دعواته الصالحة وصلی الله
تعالی علی سیدنا ومولانا محمد وعلی الواصلین وسلم

مها

حرره العبد الحقیر الاثم خلیل احمد وفقه الله للترود لغد

حرم مدینہ میں درس حدیث و اجازت مسلسلات

محرم ۱۳۷۵ھ میں جب آپ مدینہ منورہ
حاضر ہوئے تو علماء مدینہ نے شرف تلمذ

اور سند حدیث کی خواہش کی چنانچہ آپ نے مکان پر درس شروع کر دیا اور وہاں جگہ کافی نہ ہوئی تو مسجد
نبوی میں بعد عصر آپ درس دینے لگے۔ مسلات کی اجازت کے لئے مجمع کثیر ہو گیا اور آپ نے

اس ملازمت بھوپال کے گذشتہ باب میں بندہ نے اپنی لاعلمی ظاہر کی تھی مگر اس مندر سے پتہ چلا کہ آپ بھوپال میں
مدرسہ سلیمانہ کے مدرس ہو کر تشریف لے گئے تھے۔ (مؤلف)

مسلمات پڑھ کر ہر ایک کو باقاعدہ اجازت عطا فرمائی۔ بندہ بھی شریک جماعت تھا اور تقریباً چالیس علماء بصورت طلباء حضرت کے سامنے سماعت کر رہے تھے۔

ایک حاسد بریلوی کی حرکت | ایک حاسد بریلوی نے خدام حرم نبوی کے افسر اعلیٰ کو کہ ایک نڑکی تھا حضرت کی طرف سے اس طرح مشتعل کیا کہ اس وقت

حرم نبوی میں بیٹھا ہوا ایک شخص درس دے رہا ہے جو (معاذ اللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اچھا اعتقاد نہیں رکھتا بلکہ گستاخی کرتا ہے۔ نڑکی افسر سُن کر جھلٹا گیا اور غصہ میں سرخ ہو کر باب الرحمہ کے قریب پہنچا جہاں حضرت درس دے رہے تھے حضرت کا چہرہ مبارک دیکھ کر نڑکی افسر کا غصہ بلیکٹ ٹھنڈا ہو گیا اور وہ کچھ دیکھ کر ہوا درس سنتا رہا۔ پھر بیباختہ بولایا شیخ اس وقت ایک شخص نے مجھ سے اس طرح شکایت کی ہے مگر میں آپ کی صورت دیکھ کر سمجھ گیا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے و ماہذا وجہ کذاب اور آپ کا چہرہ جھوٹوں کا ساتھی ہے۔ حضرت نے فرمایا اولئك يفترون علينا وعلى اکابرنا ويحرفون اقوالنا ونفوض امرهم وامرنا الى الله۔ وہ لوگ ہم پر اور ہمارے اکابر پر بہتان لگاتے اور ہماری باتوں کو الٹ پلٹ کر غلط طور سے شہور کرتے ہیں ہم اپنا اور ان کا معاملہ خدا کے سپرد کرتے ہیں۔

اس کے بعد افسر نے کہا کہ آپ مطمئن رہیں اور اپنا بابرکت درس جاری رکھیں مگر آپ کے مدنی تلامذہ نے کہ خوشحال و نازک مزاج تھے اس قصہ کا اتنا اثر لیا کہ دوسرا بڑا مکان خالی کر کے حضرت کو مجبور کیا کہ ہم کو وہاں درس دیں تاکہ آئندہ ہم اپنے شیخ کے متعلق کوئی لفظ ایسا نہ سُن سکیں جس کی برداشت نہ ہو سکے اور مسجد شریف میں زبان یا ہاتھ سے جواب دینے کی توبت آوے چنانچہ اگلے دن سے حضرت نے وہاں درس دیا اور سب کو اجازت دے دے عطا فرمائی۔

آخر عمر میں بڈل المجدود سے فارغ ہو کر اہل مدینہ کے اصرار پر مدرسۃ الایتام مدینہ منورہ میں درس دینا شروع کیا مگر چند اسباق سے زیادہ نہ ہونے پائے کہ آپ نے داعی حق کو لبیک کہا اور بلا واسطہ سلسلہ درس ظاہری ہمیشہ کے لئے ختم ہو لیا۔

دیگر دینی مدارس کی سرپرستی | چند مدارس دینیہ بھی آپ کی سرپرستی میں تھے اور ان کی علمی و مالی ترقیات کا فکر آپ کے افکار میں ایک مستقل اضافہ تھا چنانچہ

اجڑاڑہ ضلع میرٹھ کا مدرسہ جس کو حافظ حاج محمد حسین صاحب نے متوکلا نہ طریق پر محض اپنی ہمت سے قائم کیا تھا بالخصوص آپ کی سرپرستی میں تھا اور اس کے علاوہ مدرسہ انہیسہ مدرسہ گلاؤٹھی مدرسہ کاندھلہ

اور علاقہ قیووات کے ۲۸ مکاتب جو مولانا محمد الیاس صاحب کی محنت و توجہ سے جگہ جگہ قائم ہوئے اور پھر اس علاقہ جہل و ظلمت کو علم دین سے مالا مال بنا رہے ہیں۔ اور اخیر زمانہ میں مدینہ منورہ کا مدرسہ شریعہ جس کا نام پہلے مدرسۃ الایتام والمساکین تھا آپ کی سرپرستی میں آیا اور شاہانہ خوب پھلا اور پھولا۔

حل شبہات

اصل شبہات میں آپ کی تقریر و تحریر سادہ اور عام فہم ہوتی تھی، مولوی عبدالمعبود چانگامی نے ایک شبہ لکھا کہ شیخ عبدالرحمن فتح آبادی اپنی شنوی گنج راز میں لکھتے ہیں کہ

گر کسے مر پیر خود را باز گوید یاں چراست رشتگاری گہ نماید گرچہ باشد اہل راست
گر بگوید پیر شب را روز طالب شک ندید راست این مثل از پیرست وایماں از مرید
یا کند امرے خلاف شرع سزنا پا خطا سرو نہ تسلیم کن آں کائنات چون و چرا
ارچہ باشد در نماز ویا کہ باشد روزہ دار چوں بخواند پیر آید در گزارد جملہ کار

حالانکہ حدیث میں ہے کہ اطاعتہ لمخلوق فی معصیۃ الخالق اور حضرت مولانا گنگوہی نے ارشاد فرمایا ہے کہ امر ناجائز شیخ کے فرمانے سے کبھی جائز نہیں ہو سکتا اور مولانا تھانوی نے تکفیف میں لکھا ہے۔ شیخ کو خلاف شرع کام کرنا دیکھتے تو مرید اپنے پیر کو نصیحت کرے۔

تقریر جواب

اس کا جواب آپ نے تحریر فرمایا۔ شیخ عبدالرحمن نے جو شنوی گنج راز میں فرمایا ہے اس کا

مطلب یہ ہے کہ جب معلوم ہو جائے کہ پیر کامل مکمل ہے اور اتباع شرعی میں اعلیٰ درجہ پر پہنچا ہوا ہے اس کے بعد اگر اس سے شریعت کے خلاف کوئی امر یا یا جاوے تو اس پر انکار میں جلدی نہ کرے کہ ضرور اس میں کوئی ایسی توجیہ اور عذر ہو گا کہ جس سے وہ فعل خلاف شرع ہی نہ ہو گا۔ اور جو امر کہ قطعاً خلاف شرع ہے اور اس کی کوئی توجیہ و تاویل نہیں ہو سکتی وہ کسی کے لئے جائز نہیں اور نہ کسی کے ہتے سے جائز ہو سکتا ہے۔ فقط خلیل احمد۔ سہارنپور۔ ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ

خط مستقیم کے ہمیشہ دو پہلو ہوں گے کہ ذرا اختلاف سے یا دہائی جانب بعید ہوتا جائے گا یا بائیں جانب دُور پڑتا جائے گا۔ پس رسول کے سوا کسی کا اتباع جائز نہیں، یہ اسلام کا زریں اصول ہے جس کو

لے اگر کوئی اپنے پیر کے لئے لوٹ لوٹ کر کہے کہ یہ کیوں ہے یہ کیوں ہے وہ نجات کس جگہ پاسکتا ہے اگرچہ وہ درست بات والا ہی ہو یعنی جلدی سے تحقیق حکم لگاتا ہو۔ لے اگر پیرات کو دن کہدے تو طالب شک دیکھے پس صحیح ہے یہ مثال پیر کی اور مرید کے اعتقاد کی جگہ تحقیق کامل ہو۔ لے یا پیر کوئی بات خلاف شرع سے پیر تک غلط کرے تو تم سر جھکا دو تسلیم کر لو کیسے اور کیوں کے بغیر مان لو بے تحقیق رد نہ کرو۔

لے اگرچہ مرید نماز میں ہو یا کہ روزہ دار ہو جب پیر بکارے آجائے اور سب کام چھوڑ دے۔ لے کسی مخلوق کی فرمانبرداری خالق کی نافرمانی میں نہیں ہے۔ لے وجہ ہونا جس سے وہ ناجائز نہ رہتی ہو اور چوتھے شعر کا مطلب یہ ہے کہ ان فعل نماز روزہ کا ارادہ کرنا ہو اور پیر حق رسیدہ بلائے تو پہلے اس کی کس لئے ممکن روزہ عبادت کی عمرگی کا سبب بن جائے۔ لے خط مستقیم حضور کی سنت پر اِدھر ادھر ہوتا ہے۔

خطِ مستقیم سمجھو مگر اس پر چلنے کے لئے ضرورت ہے افعال و احوال رسولؐ کے علم کی کہ حضرات صحابہؓ کو حاصل ہوا تھا امتِ ہدہ سے اور ہم کو حاصل ہو گا ناقصین اقوال اور متبعین احوال کے روایات اور اعمال سے۔ بس جس تتبع رسولؐ کا تدبیر و تبحر خواص امتِ محمدیہ کے نورانی قلوب نے تسلیم کر لیا اور رات دن صد ہا امور میں اپنی آنکھوں نے بھی دیکھ لیا اس کے متعلق یہ حکم لگانا کہ جو کچھ بھی کہے یا کرے وہ یقیناً حق ہے گویا اس کو معصوم اور رسولؐ کے مساوی سمجھ لینا ہے جو خطِ مستقیم کا داہنا خط ہے۔ اور کسی امر میں ظاہری مخالفت دیکھ کر فوراً غلطی کا حکم لگا دینا کہ خطا کر گیا گویا اپنے کو معصوم اور رسولؐ کے برابر سمجھ لینا ہے جو کہ خطِ مستقیم کا بایاں خمیدہ خط ہے۔ لہذا فعل رسولؐ کی تحقیق میں خود بھی جدوجہد کرنے اور متبعین رسولؐ کو اس کا واسطہ وآلہ کار بھی بنائے کہ یہی وہ بال سے باریک راستہ ہے جس پر چلنے کا مسلمان مامور ہے اور اسی کی صورت متناہیہ پلصراط ہوگی جس پر چلتا دنیا میں اعتدال پر چلنے کا تمثیل ہوگا جو شخص یہاں اعتدال پر چلنے کا جس درجہ میں عادی و مشاق تھا وہ اسی نے تکلفی سے قیامت کے دن اس پر چلے گا۔ پس محبتِ الہی جس کے امتحان کی خاطر شریعت وضع ہوئی ہے نہ تو متبعین شریعت کا ہر امر میں دامن پکڑ لینے سے بے نیاز بناتی ہے کہ اندھوں کے لئے راہبر اور وکلاء عدالت کی طرح قانون کی سمجھنے والی جماعت یہی ہے، اور نہ ان پر اتنا اعتماد ہونے دیتی ہے کہ ان کو رسولؐ کا منصب دیکر معصوم سمجھ لیں، کہ کوئی بیرسر کیسا ہی قابل کیوں نہ ہو ممکن ہے کہ عدالت میں اس کی فہم و رائے غلط ثابت ہو۔ لیکن اس احتمال پر اپنے نازک معاملات اس کے حوالہ کرنے کو چھوڑا بھی نہیں جاتا جب تک کہ صلی اللہ علیہ وسلم امتِ محمدیہ کے قلوب اس کے راہزن ہوتے پر مجتمع نہ ہو جاویں یہ اجماع امت بمنزلہ رسولؐ کے حکم لگانے اور سند و کالت کے چھین لینے کے قائم مقام ہے۔

دو گونہ رنج و عذاب است جانِ مجنوں را بلائے فرقتِ لیلیٰ و صحبتِ لیلیٰ

حدیث کے بعد درجہ ہے علم فقہ کا اور اس میں آپؐ کی مجتہدانہ استعداد اور وسعتِ نظر فقہ میں درک تمام ہی معاصر علماء میں مسلم تھی کہ جن مسائل میں علماء کے اختلاف ہوتے وہ محاکمہ کیلئے

۱۔ تابع سنت کی دینداری اور علمِ دین کی ہمارت۔ ۲۔ اولیاء وقت۔ ۳۔ غلو ہے سنت سے ہٹنا ہے۔ ۴۔ اپنی رائے کو مضبوط قرار دینا ہوا جبکہ تحقیق نہیں کی گئی۔ ۵۔ کہ اس کے موافق کام دیکھ کر عزت پکڑے۔ ۶۔ قیامت میں تشبیہی شکل جیسے کہ صوفیہ حق نے بتائی ہے۔ ۷۔ مشابہ ہونا۔ ۸۔ کہ بغیر ان کے کام بن کے یہی رہبری و ہدایت کریں گے۔ ۹۔ اور سنت سے نہ پرکھ لیا کریں۔ ۱۰۔ صرف اپنی رائے سے نہیں اولیاء وقت کی پرکھ دیکھنی ہوگی۔ ۱۱۔ مجنوں کی جان کو تو دودھرا عذاب و رنج ہے۔ لیلیٰ کی جدائی کی مصیبت بھی اور صحبت کی نزاکت بھی۔

آپ کے پاس بھیجے جاتے اور جن معجزہ الآرا مباحث میں قلم اٹھاتے اہل علم گھبراتے تھے وہ آپ کی خدمت میں لائے جاتے تھے۔ مدرسہ میں چار ضخیم جلدیں موجود ہیں جن میں کئی ہزار فتاویٰ نقل ہیں اور یہ سب وہ ہیں جو خود حضرت کے لکھے ہوئے یا لکھوائے ہوئے ہیں یا دوسروں کے لکھے ہوئے اور آپ کے تصدیق کئے ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ عام خطوط میں جو مسائل آپ سے پوچھے جاتے اور خط ہی میں آپ ان کا جواب لکھوا دیا کرتے تھے وہ علیحدہ ہیں کہ ان کو جمع کیا جائے تو ایک بڑی کتاب بن جائے مگر چونکہ یہاں مسائل کا استیعاب منظور نہیں بلکہ نمونہ دکھانا ہے اس لئے چند مسائل نقل کرتا ہوں۔

ذبیحہ گاؤ

خلافت کے زمانہ میں ہندو مسلم اتحاد کی کوششوں پر ذبیحہ گاؤ کے ترک کرنے کی تحریک ہوئی اور بہتیرے علماء بھی اس خیال پر چلنے لگے مگر آپ نے بلا خوف و لامتہ قائم ترک کی حرمت کا فتویٰ دیا جو اخبار وکیل امرتسر ۲۶ اپریل ۱۹۱۱ء میں بھی شائع ہوا۔ اس وقت آپ پر بہت سب و شتم ہوا اور مشہور کیا گیا کہ آپ گورنمنٹی آدمی ہیں اور خواہ پاتے ہیں۔ مگر حق آخر حق ہی ہے چند ہی دنوں بعد موافقت کرنے والوں کو رجوع کرنا پڑا اور آخر صادق آبیاع چراکار سے کند عاقل کہ بازار آید پشیمانی۔ وہ فتویٰ بحسنہ درج کرتا ہوں۔

اسلامی شریعت کے قواعد اور اس کے ضروری احکام میں سے یہ ہے کہ ترویج شعار کفر اور اس کی اعانت سخت حرام ہے۔ دیکھو زار پہننا وغیرہ امور کہ جن میں شعار کفر کی ترویج ہو کفر ہی یا حرام۔ اسی طرح شعار اسلام کے ترک کی اعانت بھی حرام ہے۔ خصوصاً جن بلاد میں مخالفت کفر کی وجہ سے جو کوئی امر اگرچہ مباح ہی کیوں نہ ہو عرفاً شعار اسلام قرار پا چکا ہو اس کا بالکل ترک کرنا حرام ہو گا اور اس کے ترک کی اعانت بھی حرام ہوگی۔ مثلاً ہندوستان میں اہل ہندو اپنے لباس میں انگرکھا وہ پہنتے ہیں کہ جن کے داہنے جانب پردہ کھلا ہوتا ہے اور اہل اسلام کے یہاں رفع تشبہ کے لئے یہ امر قرار پایا کہ ایسا انگرکھا پہنیں کہ جس کی بائیں جانب کھلی ہو۔ پس اگر کوئی قوم اس کو ترک کرے کفار کا طریق اختیار کرے اور اہل اسلام کا طریق چھوڑے تو یہ حرام ہو گا اگرچہ فی حد ذاتہ یہ دونوں امر مباح ہیں۔ بناءً علیہ گائے کا ذبح کرنا اور اس کی قربانی گوشتی حد ذاتہ مباح ہے لیکن ہندوستان میں یہ امر بحیثیت ایک اسلامی شعار کے اہل اسلام میں مروج ہے اس لئے کہ گائے کا ذبح نہ ہونا ہندوستان میں شعار کفر میں داخل ہو چکا ہے۔ پس ایسی صورت میں اس کا ترک ہونا

۱۔ سلطان عبد الحمید خاں ترکی کے آخری بادشاہ کی معزلی پر پورے ملک میں خلافت کے لئے ہنگامہ ہوا تھا۔

۲۔ ملامت کرنے والے کی ملامت کے بغیر۔ ۳۔ کیوں غفلت آدمی ایسا کام کرے کہ پھر پشیمانی حاصل ہو۔

۴۔ کفر کی خصوصی باتوں و رواج دیندہ اسلامی خصوصیات۔ ۵۔ اپنی ذات کے اعتبار سے۔

اسلامی شعائر کو یقیناً صدمہ رساں ہے اور شعائر کفر کی ترویج اور اس کی اعانت ہے لہذا ہر ایک مسلمان کو ایسی درخواست پر دستخط کرنا اور اسناد کا گوشتی کے امر میں اعانت کرنا سخت حرام قریب کفر ہے مسلمانوں کو لانا ہے کہ اس سے نہایت پرہیز کریں اور جن لوگوں نے ناواقفیت سے یا طمع نفسانی سے دستخط کر دیئے ہیں یا اور کسی طرح کی اعانت کی ہے ان پر واجب ہے کہ وہ توبہ کریں اور اپنے دستخطوں سے ایک اعلان شائع کریں کہ ہم سر خطا ہوئی اور ہم اس میں شریک نہیں۔ فقط۔

سید شیر محمد صاحب ساکن گھوٹکی نے ایک اہم سوال جس میں علماء ہند کو بڑا اختلاف تھا احکامہ کی غرض سے مع تحریرات علماء کے حضرت کے پاس بھیجا تو آپ نے اس کو مدلل طریق سے حل فرمایا اور وہ المتختم فی ذکوۃ الغنم کے نام سے شائع ہوا۔ اسی طرح ایک مسئلہ مذبح فوق العقدہ کا آیا جس میں علماء کو بہت اختلاف تھا۔ آپ نے اس کا مدلل و مبسوط جواب لکھا جو فتاویٰ دائرہ درسیں درج ہے۔

آپ کو جب تک شرح صدر نہ ہو جاتا اپنی جماعت کے بھی کسی مفتی کی رائے کا اتباع نہ فرماتے تھے چنانچہ حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ اور حضرت مولانا تھانویؒ کی رائے سے آپ نے بارہا اختلاف کیا مگر یہ اختلاف چونکہ عالمانہ رائے کا ہوتا تھا لہذا تعلق محبت و عظمت میں کچھ بھی فرق نہ آتا تھا۔

ریلوے ڈاک کے ملازمین بحال سفر قصر کریں

محمد حنیف بنارسی ریلوے ڈاک میں ملازم تھے کہ لکھنؤ میں قیام رہتا مگر تیسرے دن لکھنؤ سے بنارس جانا پڑتا تھا

نماز کے متعلق ان کا سوال ہوا کہ قصر کریں یا انعام؟ تو آپ نے تحریر فرمایا "ریلوے ڈاک کے ملازمین ہمیشہ مسافر ہی رہیں گے محل اقامت پر جب تک پندرہ روز مسلسل کی نیت نہ ہوگی اس وقت تک نماز قصر پڑھیں گے" اسی طرح سفر شرعی کی مقدار کے متعلق آپ فرمایا کرتے تھے

سفر شرعی کی مقدار حضرت کے نزدیک

کہ میرے نزدیک چھتیس کوس نہیں بلکہ پچھتیس میل پر قصر ہو جاتا ہے لوگ چاہتے تھے کہ سب حضرات کی رائے ایک امر پر متفق ہو جائے۔

چنانچہ حلاج وجیہ الدین صاحب میرٹھی نے مختلف فتوے منگا کر حضرت کے پاس اس غرض سے بھیجے کہ حضرت جواب تحریر فرمادیں۔ مگر حضرت نے لکھا کہ "مسئلہ سفر کے متعلق روایات میں کوئی اختلاف نہیں۔ صرف راویوں کا اختلاف ہے کہ قصر یا ام کے نصف اقل میں متوسط رفتار والا مسلسل کتنا چل سکتا ہے؟ دوسرے حضرات کے نزدیک ۱۲ کوس ہوئے اور میرے نزدیک ۱۲ میل) چنانچہ مشائخ حنفیہ میں بھی رائے کا اختلاف ہوا۔

لے رواج دینا۔ مسئلہ گائے کے ذبح کے بند کرنے میں۔ مسئلہ یہ رسالہ ہر قیمت پر سید شیر محمد صاحب کو گھوٹکی ضلع سکھ (سندھ) کے پتہ پہل سکا کہ گلاب نیا بڑی۔ مسئلہ لکھنؤ وغیرہ کام کی وجہ سے رہنے کے مقام پر جو وطن نہیں تھا۔ ۱۵ سال کے چھوٹے دن کے نصف سے کچھ کم ہیں۔

کہ کسی نے ۵ فرسخ پویمہ لیا کسی نے ۶ فرسخ اور کسی نے ۷ فرسخ اور باہم اتفاق نہ ہو سکا۔ لہذا اتفاق رائے کی کوشش کرنا فضول ہے بلکہ اس کو مبتلائی کی رائے پر رکھنا چاہئے کہ جو شخص سفر کرتا ہے اگر وہ اس کو تین منزل سمجھتا ہے تو قصر کرے اور اگر اس کے نزدیک تین منزل نہ ہو تو قصر نہ کرے۔

اور صاحب رائے نہ ہو تو میرے نزدیک اگر منازل معین ہوں تو ان کا اعتبار کرے ورنہ جس عالم و عقیدے ہو اس پر عمل کرنا کافی سمجھے کہ مجد اشرف سب فقیہ اور اہل حق ہیں اور ترجیح کے لئے اپنا میلان کافی ہے۔ واللہ اعلم۔ امداد الفتاویٰ مع تنمات میں کئی مسئلے حضرت کے محققانہ فیصلہ کے مذکور ہیں جن میں چند خواجہ خلیل کی توضیح میں صاحب المظاہر سہارنپور شائع کر چکے ہیں۔

فتویٰ میں شرح صدر کا اہتمام | فتویٰ میں اعتماد اور شرح صدر کا اہتمام حضرت میں اتنا غالب تھا کہ حضرت گنگوہی قدس سرہ کے فتوے میں بھی اس کے محتاج ہونے تھے پھر اگر موافقت و مخالفت دونوں میں شرح صدر نہ ہوتا تب تو ادباً فتوے دینے میں حضرت ہی کی موافقت فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ فرمایا کہ مامور راجع کے لئے متنع جائز نہیں، اپنے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے اس فتوے میں مجھے شرح صدر نہیں ہوا بلکہ میں اذنِ آمر کے بعد اس کو جائز سمجھتا ہوں مگر حضرت کے خلاف فتوے دینے کی جرأت نہیں ہوتی۔

مولانا ظفر احمد صاحب نے حضرت کی رائے معلوم ہونے کے بعد اس خیال سے کہ مجھے اپنے شیخ کا اتباع کافی ہے۔ تھانہ بھون میں اس کے جواز کا فتویٰ دیا مگر جب تصدیق کے لئے سہارنپور حضرت کے پاس آیا تو آپ نے اس کی تردید لکھی اور تحریر فرمایا کہ جواز کے جو دلائل مجیب نے لکھے وہ سب مخدوش ہیں۔ البتہ اگر خلاف آپ کو روایات فقہی سے محقق ہو جانا تو پھر آپ اس کا اظہار فرض سمجھتے اور یہ فرما کر کہ معصوم بجز رسول کے کوئی نہیں اتباع فقہاء کو اتباع شیخ پر ترجیح دیتے تھے۔

چنانچہ مقیم مقتدی کسی مسافر کے پیچھے دوسری رکعت میں شریک ہو تو کس طرح نماز پوری کرے؟ آیا دو رکعت سکوت سے اور رکعت قرائت سے یا تینوں بالقرآن؟ جیسا کہ مقیم امام کے ساتھ چوتھی رکعت شریک ہونے والا اپنی تینوں چھوٹی ہوئی رکعات ادا کرتا۔ حضرت کو حکم ثانی محقق ہوا اور آپ نے اس کو مدلل قلمبند فرما کر بھیج دیا۔ اپنی جماعت کے تمام علماء پہلی رائے پر جمے ہوئے تھے لہذا خلاف کیا اور یہ بھی لکھا کہ حضرت گنگوہی کی رائے بھی ہمارے موافق ہے۔ وہ فتویٰ پھر حضرت کے پاس آیا تو آپ نے

لے ایک فرسخ تین میل ہوتا ہے۔ ۷۰ جو اس میں مبتلا ہو۔ ۷۰ عام طور سے سو میل روزانہ سے تین دن کے اڑتالیس میل احتیاطی مانے گئے ہیں۔ ۷۰ حضرت تھانوی کا روالہ جو حضرت سہارنپوری کی وفات پر لکھا تھا۔ ۷۰ حج بدل کرنے والے کیلئے۔ ۷۰ حج بدل کرنے والے کی اجازت۔

رسالہ تشبیط الاذان

جمعہ کی اذان خارج مسجد ہونے کا مسئلہ بریلی سے چلا تو آپ نے اس کا فوراً محققاً جواب لکھا جو تشبیط الاذان کے نام سے طبع ہوا اور کوئی اس کا جواب اب تک نہ دیکھ

شامی کے متعلق حضرت کی رائے

فتویٰ لکھنے میں حضرت اکثر شامی ملاحظہ فرمایا کرتے مگر جس قول کے وہ ناقل ہوتے اس کو تو حضرت حجت سمجھتا اور جو صاحب شامی کی ذاتی رائے ہوتی اس کو حجت قرار نہ دیتے بلکہ متفقہ و تحقیق کرتے اور فرمایا کرتے کہ یہ معاصر ہیں ہم رجال و سخن رجال ان کی رائے ہم پر حجت نہیں جب تک کہ اسلاف کے قول سے مؤید نہ ہو۔

بدائع الصنائع کا مطالعہ

اس کے مصنف کو بہت دعائیں دیتے اور فرمایا کرتے تھے کہ واقعی یہ شخص فقیہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو فقہی کے واسطے پیدا فرمایا تھا۔

مولوی ظفر احمد صاحب نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ حضرت فقہ سے مناسبت پیدا ہونے کی کوئی صورت ارشاد فرمادیں۔ فرمایا مفتیوں کی عادت یہ ہے کہ صرف استفتاء آنے کے وقت کتابیں دیکھتے ہیں اس سے کام نہیں چلتا اور جواب میں بہت غلطی ہو جاتی ہے کیونکہ اس وقت جلدی میں ایک جگہ کو دیکھ کر جواب لکھ دیتے ہیں حالانکہ دوسرے مقام میں اس مسئلہ کے اندر تفصیل معلوم ہوتی ہے جس سے اس واقعہ مسئلہ کا حکم بدل جاتا ہے پس فقہ سے مناسبت پیدا کرنے کے لئے شامی اور بدائع کو بالاستیعاب دیکھنا چاہئے۔
حضرت گنگوہیؒ کا شامی کو
 ہمارے حضرت گنگوہیؒ نے شامی کو کئی بار بالاستیعاب ملاحظہ فرمایا ہے اس وقت بدائع مطبوع نہیں ہوئی تھی، اب میں شامی کے ساتھ اس کے مطالعہ کو بھی ضروری سمجھتا ہوں۔
کئی بار بالاستیعاب مطالعہ فرمانا

بدائع الصنائع میں اصول اور فقہ کی لم
 حقیقت میں بدائع عجیب کتاب ہے۔ ایک بار فرمایا کہ جزییات تو زیادہ شامی میں ہیں مگر اصول اور فقہ کی زیادہ بدائع میں کہ اس سے مناسبت ہو جائے تو فقہ میں طبیعت چلنے لگے۔

حضرت کی شان نفقہ
 ایک بار آپ فتاویٰ ہمدویہ مصریہ ملاحظہ فرما رہے تھے اس میں اتفاقاً یہ مسئلہ نظر سے گزرا کہ ”دو ذمی مدعی و مدعا علیہ نے قاضی اہل الزمہ کی عدالت میں

سہ یہمی انسان ہیں یہمی انسان۔ سہ بدائع الصنائع فقہ حنفی مع دلائل کی عجیب و غریب مستند و معتبر قدیم کتاب کچھ جلدوں میں ہے۔
 سہ اسلامی حکومت کی رعیت بن کر نہ بنے والے کافر ذمی ہیں۔ سہ رعایا کافروں کا کافر قاضی جو ان کے مذہب کے موافق فیصلے کرے۔

مرافعہ کیا اور اس نے فیصلہ دیا جو ایک فریق کو ناپسند ہوا۔ اس نے قاضی مسلم کی عدالت میں مرافعہ کیا اور قاضی مسلم نے قاضی اہل الذمہ کے فیصلہ کو توڑ کر شریعت کے موافق فیصلہ کیا۔ اس کے متعلق علماء مصر سے استفتا کیا گیا کہ قاضی مسلم کا یہ فعل یعنی حکم سابق کا توڑنا صحیح تھا یا نہیں؟ ایک عالم نے جواب دیا کہ صحیح نہ تھا کیونکہ قاضی اہل الذمہ بھی سلطان کی طرف سے مقرر کیا ہوا ہے۔ لہذا اس کا فیصلہ اگر اہل الذمہ کے مذہب کے موافق صحیح تھا تو اس کا توڑنا اس کو جائز نہ تھا۔ دوسرے عالم نے جواب دیا کہ توڑنا صحیح تھا کیونکہ قاضی مسلم کے پاس جب مقدمہ آئے گا تو وہ شریعت اسلام کے موافق فیصلہ کرے گا۔ اس کا حکم علامہ ہمدی مفتی مصر کے پاس بھی گیا کہ ان دونوں فتووں میں کون صحیح ہے؟ علامہ نے پہلے جواب کو رد کیا اور دوسرے کی تصویب کی۔

حضرت نے سارا قصہ سنا کر مولوی ظفر احمد سے فرمایا بتلاؤ ان میں کونسا جواب صحیح ہے؟ عرض کیا حضرت بظاہر وہی صحیح ہے جس کی علامہ ہمدی نے تائید کی ہے۔ فرمایا نہیں علامہ نے محاکمہ صحیح نہیں کیا کیونکہ قاضی مسلم اہل ذمہ کے بارے میں شریعت کے موافق فیصلہ اس وقت کر سکتا ہے جبکہ فریقین نے اس کی طرف مرافعہ کیا ہوا اور صورت مسئلہ میں فریقین نے مرافعہ نہیں کیا بلکہ صرف ایک فریق نے مقدمہ قاضی مسلم کے یہاں دائر کیا ہے جس کے خلاف قاضی ذمی نے فیصلہ کیا تھا۔ دوسرے فریق نے فیصلہ سابق سے ناگواری ظاہر نہیں کی بلکہ وہ اسی پر راضی ہے اور وہ قاضی مسلم کے پاس مقدمہ نہیں لایا پس مرافعہ نہیں پایا گیا اس لئے قاضی ذمی کا فیصلہ منقوض نہیں ہو سکتا لہذا جواب موجب اول کا صحیح ہے مگر اس نے دلیل بیان کرنے میں غلطی کی۔ عدم جواز نقض کی یہ وجہ نہیں کہ قاضی ذمی مقرر کردہ منجانب السلطان ہے بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ مرافعہ کا تحقق نہیں ہوا اور جواب ثانی غلط ہے۔ البتہ عجیب ثانی کا یہ قول صحیح ہے کہ جب قاضی مسلم کی طرف اہل ذمہ مرافعہ کریں تو اس کو شریعت اسلامیہ کے موافق فیصلہ کرنا چاہئے مگر اس نے مرافعہ کی حقیقت میں غور نہیں کیا۔ مرافعہ کے یہ معنی نہیں کہ ایک فریق مقدمہ لے آئے بلکہ مدعی و مدعا علیہ دونوں کا اسلامی فیصلہ پر راضی ہو کر مقدمہ لانا شرط ہے بدون اس کے مرافعہ و ترفع کا تحقق نہ ہوگا۔ اہل علم سمجھ سکتے ہیں کہ ایسے مسئلہ کا جس میں علماء مصر کا باہم اختلاف ہو اور مفتی اعظم کے پاس محاکمہ کے لئے بھیجا گیا ہو ایک سرسری نظر میں اس طرح مدلل و مستحکم اور ایسی جلد فیصلہ کر دینا کس شان تفقہ کو ظاہر کر رہا ہے۔

لے دونوں لفظوں میں ایک کا دوسرے کے ساتھ مل کر رفع کرنا لازم ہے اس لئے دونوں مسلمان قاضی کے یہاں لائیں تو شرعی حکم جاری کرنا ہوگا۔ سہ زیادہ احتیاط دانی۔

اختلافی صورت میں حوط قابل ترجیح ہے | عمل کے لئے اختلافی روایات میں ہمیشہ آپ احوط

قرآن مجید ختم کیا تو عمر جوڑہ سال کی تھی میں نے چاہا کہ رواج کے موافق فقہاء مجوزین کی روایت پر اس کا قرآن مجید تراویح میں سنوں مگر حضرت نے تحریر فرمایا "عالمگیریہ میں ہے: واما الصبی العاقل فی التزاد و النوافل المطلقة يجوز عند بعضهم ولا يجوز عند عامتهم کذا فی محیط السرخسی۔ جبکہ اکثر مشائخ عدم جواز امامت کا حکم فرما رہے ہیں تو مناسب نہیں ہے کہ ایسی عبادت کے اندر جو سال بھر میں ایک ہی دفعہ آتی ہے قول ضعیف پر عمل کر کے راجح قول کے بموجب ضائع کیا جائے۔ لہذا اس سال بچہ کا قرآن نوافل میں سن لیجئے سال آئندہ میں اللہ خیر رکھے تراویح میں سن لیجئے گا۔ فقط والسلام۔

حاج شیخ رشید احمد صاحب کے بچوں کے ختم قرآن پر آپ تشریف لائے تو اپنی تراویح علیحدہ پڑھیں ان کا اختیار نہیں کیا۔

ایک بے سند اشتہار پر حضرت کی تنقید | بے سند اور بے دلیل بات آپ کو بہت گراں گذرتی تھی چنانچہ وہاں اشتہار جو فرمان مصطفوی کے نام سے

بار بار جگہ جگہ شائع ہوتا ہے کہ خادمِ روضہ شیخ احمد کو بشارت ہوئی کہ "اتنے لاکھ میری امت میں مرے مگر مجھ پر چند نفر کے سب کا فرم ہے" میری وصیت ہے کہ اعمال درست کریں کہ توبہ کا دروازہ بند ہونے والا ہے اور مسکینوں کو چاول شکر کھلائیں اور یوں کریں یوں کریں۔ ہمیشہ آپ کو گراں گذر کہ توبہ اور اصلاحِ اعمال بیشک ضروری اور مسلمانوں کی حالتوں میں کمزوری بھی مسلم مگر حضرت روحی فداہ کی طرف بے دلیل انتساب کرنے پر سخت وعید آئی ہے اور شیخ احمد کا پتہ نہیں کوئی شخص ہے بھی یا نہیں مسلمانوں کو کیا ہو گیا کہ بغیر تحقیق اس کو فرمانِ مصطفوی سمجھ کر لگے اشاعت کرنے اور کارِ ثواب سمجھتے یہ تو یہودی یا غیر مسلم کی کاروائی ہے کہ غیر مسلموں کو اسلام لانے سے روکے کہ بنے بنائے جدی مسلمان جب اتنے کافر مرے تو غیر مسلم کس توقع پر اسلام قبول کرے۔ اور مسلمانوں کو وحشت دلانا ہے کہ جب اسلام سے کوئی نفع ہی نہیں تو دنیا کا مرہ اور تنعم کیوں چھوڑا۔ یہ بات اگر صحیح بھی ہو مگر حضرت کی طرف منسوب ہونا اس کا صحیح نہ ہو تو اس کو حضرت کی طرف منسوب کرنا حرام ہے اور ثواب سمجھ کر شائع کرنا تو بڑی ہی جرأت کی بات ہے۔

غیر زمانہ میں جب آپ مدینہ منورہ مقیم تھے تو حافظ فخر الدین صاحب نے ایک اشتہار آپ کے پاس

لے زیادہ احتیاط والی۔ لے نابالغ مگر صاحب عقل بچہ کی امامت تراویح اور ہر طرح کی نفلوں میں بعض فقہاء کے نزدیک جائز ہے مگر عام فقہاء کے نزدیک ناجائز ہے جیسے امام سرخی کی محیط میں ہے۔

بھیج کر استفسار کیا کہ اس خواب کی کیا اصل ہے؟ تو آپ نے جواب لکھا کہ یہاں روضہ اقدس کا خادم اس نام کا کوئی بھی نہیں اور تحقیق کر لیا کہ یہاں کسی شخص نے بھی ایسا خواب نہیں دیکھا اور نہ مدینہ منورہ کا کوئی شخص اس خواب یا قصہ سے واقف۔ یا شہار قطعی بے بنیاد ہے اور اس کی بعض باتیں تو بالکل قابل اعتماد نہیں۔ اس تحریر پر آپ نے علماء مدینہ کے دستخط بھی کرا دیئے اور حافظ صاحب کے پاس بھیج دیا کہ کوئی مانے یا نہ مانے مگر تبلیغ کا فرض ادا ہو جائے۔

اپنے کسی ذی علم خادم کو اگر حضرت کی رائے سے خلاف ہوتا تو حضرت اس پر گرائی نہ لاتے اور ایمانہ تقلید میں اپنی موافقت پسند نہ فرماتے تھے بلکہ ان کو بلا کر گفتگو فرماتے۔ ایک بار کسی استفتا کا جواب حضرت نے لکھا کہ دستخطوں کے لئے مدرسین کے پاس بھیج دیا۔ مولوی ظفر احمد صاحب کو شرح صدر نہ ہوا اور دستخط نہ کئے حضرت نے ان کو بلوایا اور فرمایا اپنا شبہ ظاہر کرو ممکن ہے ہم ہی غلطی پر ہوں۔ ایسا ہوا تو ہم رجوع کریں گے ورنہ تم موافق ہو جاؤ گے، عرض کیا کہ حضرت کے سامنے ہم جاہلوں کی ہستی کیا مگر دستخط کا مفہوم چونکہ انہارا طینان ہے اور وہ حاصل ہوا اس لئے میں نے عذر کر دیا تھا۔ فرمایا یہ نوعین مقصود ہے مگر میں نہیں چاہتا کہ کوئی فتویٰ یہاں سے ایسا جاوے جس پر اپنوں ہی میں سے کسی کو اطمینان نہ ہو چنانچہ انھوں نے شبہ عرض کیا اور حضرت نے اس کا جواب دیا۔ دو تین بار پھر اشکال کئے اور حضرت جواب دیتے رہے حتیٰ کہ ان کو اطمینان ہو گیا اور جب دستخط کر دیئے تب حضرت نے فتویٰ روانہ کیا۔

مولوی ظفر نے عرض کیا کہ حضرت اس وقت تو تفقہ حضرت والا پر ختم ہے کہ حق تعالیٰ نے اسی کے لئے حضرت کو پیدا فرمایا ہے۔ بیساختہ فرمایا میاں ظفر یہ سب گنگوہ کی حاضری کی برکت اور اپنے حضرت کی جوتیوں کا صدقہ ہے۔ اگر میں گنگوہ حاضر نہ ہوتا تو نہ معلوم کس کیفیت کا ہتھوڑا ہوتا۔ اس کلمہ کا جو اثر مجھ پر ہوا بس میرا دل ہی جانتا ہے۔

اختلاف میں بھی اخلاقِ کریمانہ کا مظاہرہ | باایں تفقہ آپ کو اپنے کسی کمال پر ناز نہ تھا اور نہ ضد تھی۔ ایک بار آپ ٹھکانہ بھون گئے اور

فساد صلوة بحاذاث النساء کے مسئلہ میں مولوی احمد حسن سنہلی کا حضرت سے مکالمہ ہوا۔ حضرت جنو حنفیہ کے قول کو قوی فرما رہے تھے اور مولوی احمد حسن ضعیف حضرت نے فرمایا تم پہلے میری تقریر سن لو پھر جو کہنا ہے وہ کہنا۔ مگر مولوی صاحب نے درمیان میں آپ کا کلام قطع کرنا شروع کر دیا۔ حضرت کو تکدر ہوا اور جیسے تیزی آگئی۔ مولوی احمد حسن بھی تیزی پر آگئے۔ تب آپ نے تحمل کیا اور خاموش ہو گئے

لے عورت کے برابر ہو جانے سے مرد کی نماز ٹوٹ جاتا۔

جب آپ ریل پر آنے لگے تو آپ نے خود ابتدا بالسلام کی اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا کر فرمایا اگر مجھ سے کچھ گستاخی آپ کی شان میں ہو گئی ہو تو معاف فرمادینا۔ ان بندہ خدا نے اس پر بھی کوئی معذرت نہیں کی۔

دونوں ہاتھوں کی مصافحہ ایک بار آپ ٹونک تشریف لے گئے اور بندہ ہمراہ تھا۔ چند اہل حدیث ملنے آئے اور ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا حضرت نے

مصافحہ میں حسب عادت دونوں ہاتھ بڑھائے اور مسکر کر فرمایا کہ مصافحہ اس طرح سے ہونا چاہئے۔ وہ بولے حدیث میں ہے صحابی کہتے ہیں وکان یدی فی ید یہ صلے اللہ علیہ وسلم میرا ہاتھ حضرت کے دونوں ہاتھوں میں تھا۔ آپ نے بیاختہ فرمایا۔ پھر تنبیح سنت ہم ہوئے یا تم؟ آنحضرتؐ کے ہوتے ہوئے صحابی کے اتباع کی ضرورت؟

نماز میں آنکھیں بند کرنا ایک شخص نے دریافت کیا کہ حضرت! آنکھ بند کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے لیکن بغیر آنکھ بند کیے یکسوئی نہیں ہوتی۔ فرمایا شروع سے آخر تک نماز میں آنکھ بند رکھنا مکروہ ہے اور کبھی آنکھ بند کر لینا کبھی کھول دینا مکروہ نہیں۔

رسول اللہ کے ساتھ لفظ سیدنا کے استعمال پر قاضی مدنیہ سے مدلل گفتگو آپ روضۂ مسجد نبویؐ میں حجاز کے قاضی امیر ابن بلہد کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور سلطان عبدالعزیز ان کے برابر اس زمانے

میں جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کے ساتھ لفظ سیدنا استعمال کرتا نجدی لوگ اس کو مشرک کہتے اور چار طرف حرم نبویؐ میں ہی صداکان ہیں پڑتی تھی حضرت نے موقع غنیمت پا کر قاضی مدنیہ سے سوال فرمایا کہ آپ لفظ سیدنا کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ قاضی صاحب نے تھوڑی دیر سکوت کیا اور پھر فرمایا کہ حدیث میں کہیں نہیں آیا حضرت نے جواباً فرمایا کہ ہاں حدیث میں آیا ہے۔ قاضی صاحب ہمت شکن ہو کر حیرت کے ساتھ پوچھا کہاں آیا ہے؟ آپ نے فرمایا انا سید ولد آدم ولا فخر قاضی صاحب نے کہا ہاں اس طرح تو آیا مگر نام مبارک کے ساتھ کہیں نہیں آیا حضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نام مبارک

سہ ما لاکہ مولوی صاحب حضرت تھانوی سے بیعت تھے اور حضرت تھانوی خود حضرت مہارنجوری کا بے انتہا ادب کرتے تھے۔ بعد ان کا میلان اہل حدیث کی طرف کھل گیا تھا اور تھانوی بھون سے الگ کر دیئے گئے تھے۔

سلسلہ صحابی کا دوسرا ہاتھ کہاں تھا اس کا ذکر میں ہے ذکر نہ ہونے سے یہ دلیل لینا کہ صرف ایک ساتھ کیا تھا صحیح نہیں اختلاف کہ دوسرا ہاتھ ساتھ ہو مگر حضورؐ کے ہاتھوں کے درمیان ایک ہی ہو سکتا ہے دوسرا باز اگر ساتھ ہو اور صحابی نے صرف ایک ہاتھ سے کیا ہو تو فعل صحابی سے حضورؐ کا فعل مقدم ہے۔

سب سے تمام اولاد آدم کا سردار ہوں اور کوئی خیر نہیں۔

کے ساتھ جو تعالیٰ لگاتے ہیں کہیں قرآن شریف میں آیا ہے؟ قاضی صاحب نے کہا نہیں قرآن شریف میں کہیں نہیں آیا۔ حضرت نے فرمایا کون کہا کرتا ہے کہ ہمارے نام کے ساتھ تعظیمی الفاظ استعمال کرو۔ ایک جگہ حدیث میں آگیا کافی ہے۔

سلطان اس مکالمہ کو بغور سُن رہے تھے۔ اب انھوں نے قاضی صاحب سے سوال کیا کہ کہیں اس لفظ کی ممانعت آئی ہے؟ قاضی صاحب نے جواب دیا ممانعت نہیں آئی۔ سلطان نے فرمایا کہ ایک جگہ آگیا اور ممانعت کہیں نہیں آئی، تو اس پر تشدد کیوں کیا جاتا ہے؟ حضرت کی قاضی صاحب اور سلطان سے یہ پہلی ملاقات تھی جس میں حضرت نے اپنا حق ادا کیا۔ اگلے دن نجدیوں میں حضرت کی گفتگو کا شور برپا ہوا۔ پھر مشرک کی صدا کبھی کان میں نہ آئی۔

سلطان عموماً عصر کی نماز میں شریک ہوتے اور اسی جگہ بیٹھا کرتے جو حضرت کا شروع سے بیٹھے کا مقام تھا۔

قاضی القضاۃ کا مسائل میں رجوع کرنا
اس قصہ کے بعد قاضی بن بلیہد کے دل میں حضرت کے تجدد تقویٰ کا ایک خاص احترام پیدا ہو گیا کہ اکثر مسائل میں حضرت سے مراجعت کرتے اور اپنے اساتذہ کے مثل حضرت کا ادب فرماتے تھے۔ کبھی حضرت کے مکان پر بھی تشریف لاتے اور دیر تک علمی مکالمہ ہوتا تھا۔

شافعی امام کے پیچھے نماز اور
دیگر مذاہب کی رعایت کی در خواست
سلطان کی تشریف آوری سے قبل ایک قصہ یہ پیش آچکا تھا کہ شافعی امام نے صبح کی نماز میں سجدہ تلاوت پڑھ کر رکوع کر دیا کہ یہ بھی قائم مقام سجدہ کے ہے۔ سلام پھیرنے کے بعد حضرت نے امام صاحب سے فرمایا کہ یہ سجدہ ہم حنفیوں کے یہاں واجب ہے اور رکوع سے جب تک کہ اس کو سجدہ کے قائم مقام بنانے کی نیت نہ کرے ادا نہیں ہوتا اور بہنیزوں کو معلوم بھی نہیں کہ یہاں سجدہ کرنا ہے اور یہ آیت سجدہ ہے لہذا خائف کے مذہب کی رعایت آپ پر واجب ہے۔ امام نے روکھا جواب دیدیا کہ ہم پر کسی کے مذہب کی رعایت واجب نہیں۔ ہم اپنے مذہب کے موافق عمل کریں گے۔

حضرت نے فرمایا ایسا ہے تو آپ کے پیچھے ہماری نماز نہیں ہوتی اور حضرت نے اعلان فرمادیا کہ جس شخص نے رکوع میں سجدہ کی نیت نہ کی ہو وہ اپنی نماز دوبارہ پڑھے چنانچہ بہنیزوں نے نماز میں لوٹائیں۔ اس کے بعد حضرت نے مدرسہ میں اپنی علوہ جماعت کا اہتمام کر لیا۔ حکومت کو اس کی خبر ہوئی تو امام سے باز پرس کی اور سو نادب پرز چر کیا اور یہ الفاظ کہے کہ حضرت کے مقابلہ میں تمہارے علم کی حقیقت ہی کیا ہے۔ اس کے بعد تمام ائمہ کے نام حکم جاری ہوا کہ جملہ مذاہب کی رعایت کرتے ہوئے نماز پڑھائیں اور حضرت سے معذرت کی

اور اطمینان دلایا کہ آئندہ ایسا نہ ہوگا چنانچہ آپ پھر حرم شریف میں جانے لگے۔

سلطان کے یہاں دعوت

خود سلطان کے دل پر بھی حضرت کے تقدس کا اثر پڑ چکا تھا۔ ایک سلطان نے فرمایا حضرت! کبھی مکان پر تشریف نہیں لاتے؟ فرمایا میری عمر اتنی مسافت پیدل قطع کرنے کی متحمل نہیں ہوتی۔ سلطان نے فرمایا جب حضرت ارشاد فرماویں موٹر حاضر ہو گیا کرے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ پیدل چلنے سے بھی زیادہ مشکل ہے کہ سوال کروں اور موٹر کے انتظار میں بیٹھا رہوں۔ تاہم ایک مرتبہ سلطان نے حضرت کو مدعو کیا اور حضرت تشریف لے گئے۔ سلطان سے فرمایا کہ مجھے کچھ عرض کرنا ہے۔ سلطان نہمتن گوش ہو گئے کہ فرمائیے۔ فرمایا میری سمجھ میں نہیں آیا کہ حجر کے محصول کا جواز آپ کے ہاں کس دلیل سے ہے کہ شریعت تو تمام ملکوں کو ظلم بتاتی ہے۔ سلطان نے سکوت کیا اور پھر جواب دیا کہ حضرت جواز تو کسی طرح نہیں مگر مصارف سلطنت آخر کس طرح نکلیں اور حجاز میں تو آمدنی کا کوئی ذریعہ ہی نہیں۔ حضرت نے فرمایا بس میرا مطلب حل ہو گیا اب ملکی معاملات سے مجھے بحث نہیں یہ میں ان کے سمجھنے کا اہل ہوں۔

حضرت کو امراء اور حکام سے ملاقات میں طبعاً وحشت ہوتی تھی۔ لیکن اگر ملنا ہوتا تو نہ حضرت کبھی مرعوب ہوئے نہ کچے نہ امر بالمعروف سے جو کہ اور نہ دینی نفع اٹھائے بغیر رہے۔ آپ چاہتے تو بھوپال بھاؤ پور اور حیدرآباد سے وظائف کا تقرر کچھ بھی دشوار نہ تھا۔ خطاب یا عہدہ کا وسوسہ تو کیا ہوتا بڑوں کی کسی ملاقات سے آپ نے دنیا کا قلیل فائدہ اٹھانا بھی کبھی گوارا نہیں کیا۔ ایسی ملاقات میں آپ کا مطرح نظر ہمیشہ دینی پہلو پر خواہ مدرسہ کی اعانت یا حضرت اسلام و مسلمین کا دفع، یا شرعی غلطی کی اصلاح اور مردہ سنت کا اجاگر کئے حضرت کی طبیعت صرف موقع کی منتظر اور ہر وقت چشم برادرستی تھی۔

حرم میں جمعہ کی اذانوں کے مابین سنتوں کے لئے وقفہ ایک مرتبہ قاضی بن لمیہد آپ کو ہاتھ پکڑ کر اپنی قیام گاہ پر لے گئے۔ مختلف باتیں ہوتی رہیں جب

انساط نام ہو گیا تو حضرت نے فرمایا قاضی صاحب مسجد مبارک میں جمعہ کی پہلی اذان کے بعد متصل ہی دوسری اذان خطبہ کی شروع ہو کر خطبہ شروع ہو جاتا ہے جمعہ کی سنتوں کے پڑھنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔ مالکی اور حنبلی حضرات ان سنتوں کو ضروری نہیں سمجھتے مگر ہم احناف کے نزدیک تو مؤکدہ ہیں۔ قاضی صاحب نے یہ سن کر حضرت سے پوچھا کہ کس قدر فصل کافی ہے؟ حضرت نے فرمایا دس منٹ۔ قاضی صاحب نے

بلے چوکی بولنے جانے مال لانے بجانے پر ہی جاتی ہے حالانکہ راستے وقف ہوتے ہیں۔ آٹھ ٹیکس تو ان سے یہ کہ شرعی نہیں ہے۔ عہدہ کیونکہ پہلی اذان زوال ہوتی ہی ہو جاتی ہے پھر فوراً دوسری ہوتی تو سنتوں کا وقت یہ پہلی اذان ہی مل سکتا تھا بعد میں۔ (ترجمہ)

نائب الحرام کو جو ہال اتفاق سے موجود تھے حکم دیا کہ پہلی اور دوسری اذان میں امنٹ کا فصل کیا جائے اتفاق سے اگلے ہی روز جمعہ تھا اور نائب الحرام اس حکم کو باقاعدہ جاری نہ کر کے مگر جب پہلی اذان ہو چکی تو خطیب کو منبر پر جانے سے ذرا ٹھہرائے رکھا اور حضرت کو دیکھتے رہے۔ جب حضرت نے چار سنتیں حسب عادت پورے اطمینان سے ادا کر لیں تب خطیب کو خطبہ کے لئے روانہ کیا اور دوسرے جمعہ سے باقاعدہ اس حکم کا اجرا ہو گیا کہ سنتیں پڑھنے والے بڑے سکون سے قبل الخطبہ سنتیں پڑھنے لگے۔

ایسی خلوت اور امراء کی ملاقات پر ہزار خلوت و گوشہ نشینی قربان کہ حج ایس کا راز تو آید و مرداں چنیں کنند، مگر اللہ کی شان کہ اس کی مخلوق میں ایسے بھی سطحی نظروالے تعداد میں زیادہ ہیں جو ہنر کو عیب بتاتے ہیں حالانکہ آپ ٹکوں کی خاطر امر سے تو کیا ملنے آپ کی دقیق نظر نے تو مخلصین کے ہدایا اور تحائف میں بھی پس و پیش کا غلط اثر قائم رکھا اور ذرا شبہ ہوا تو رد فرمادیا۔

مدینہ میں ہدایا قبول کرنے کے گزیر یہ آخری زمانہ اور مدینہ منورہ کا قیام کہ ہند سے جانے والے مخلصین نذر پیش کرتے مگر آپ اکثر انکار فرمادیتے اور کہا کرتے تھے کہ میں کوئی ایسا ہدیہ قبول نہیں کرتا جس سے اہل مدینہ کے نقصان یا حق تلفی کا اندیشہ ہو، لہذا کوئی کچھ نذر کرتا تو فرماتے مجھے ضرورت نہیں کہ بجز اللہ کوئی حاجت بند نہیں اس پر بھی اس کا اصرار ہوتا تو آپ اپنے دل کو ٹسلا کرتے تھے کہ جو رقم آپ کو ہدیہ میں دی جا رہی ہے اگر میں نہ لوں تو اہل مدینہ کو دی جائے گی یا واپس جائیگی در صورت اول آپ اس کو اہل مدینہ کا حق سمجھ کر ہاتھ روک لیتے تھے کہ اہل مدینہ کی نقصان رسانی جبران رسول کو ایذا پہنچانے کے حکم میں ہے۔ ہاں جس رقم میں اطمینان ہوتا کہ اہل مدینہ کو جو دینا تھا وہ دے چکے اور اب میں نے نہ لیا تو دشمنی کے ساتھ گھر واپس لیجائیں گے تو اس کو قبول فرمایا کرتے تھے اللہ سے نظر بآوجود خود مدنی بن جانے کے ہمسایگان محبوب کی اتنی رعایت ہے

کشتہ از برائے دے بارہا خورند از برائے گلے خارہا

قاضی شویل کی ہٹ دھرمی اور عہد سے تنزلی | مدینہ منورہ میں شویل نامی ایک مصری عالم مالکی المذہب ۲۰ گنی تنخواہ پر وکیل قاضی

تھے جو زائرین کو بہت تنگ کرتے تھے کہ جہاں کسی نے دوسری جماعت کی جھٹ اس کو حوالا نہ بھیج دیا ایک مرتبہ قاضی القضاۃ کے مکان پر حضرت نے ان سے فرمایا کہ جماعتِ ثانیہ کو ہم بھی مکروہ کہتے

۱۔ یہ کام آپ اور مدد ایسا ہی کرتے ہیں۔ ۲۔ کہ آپ نے ایس کے تو وہ اہل مدینہ کو دے کر جائیں گے واپس ہمراہ نہ لے جائیں گے اور آپ نے ایس کے تو اہل مدینہ کا نقصان ہوا۔ ۳۔ حضور کے پردیوں کو تکلیف پہنچانا ہے ۴۔ ایک دل کے

ہوتے بہت سے وجہ اٹھاتے ہیں اور ایک پھول کے لئے بہت سے کانٹے کھاتے ہیں۔

اور سمجھتے ہیں مگر جب شوافع کے یہاں اس کا جواز ہے تو اس قدر سختی مناسب نہیں کہ آخر صاحب مذہب ہیں۔ یہ تو یہ مولیاء مدینہ منورہ ہی میں ایک شامی حاجی مقیم تھے جن کا ارادہ دوسرا حج کرنے کے بعد وطن جانے کا تھا۔ شامی شافعی المذہب تھے اور حضرت کے ساتھ ان کو محبت ہو گئی تھی کہ اکثر حاضر ہوا کرتے تھے۔ ایک دن عصر کی نماز سے فراغت کے بعد حضرت حرم میں بیٹھے ہوئے تھے کہ شویل صاحب نے اس شامی حاجی کو کشاں کشاں لاکر حضرت کے سامنے کھڑا کر دیا اور کہا کہ اس نے دوسرا اسلام امام سے پہلے پھر دیا جب اس کو منع کیا تو اس نے کہا میں نے تو حضرت کو ایسا کرتے دیکھا ہے کیا آپ ایسا کرتے ہیں؟ حضرت نے فرمایا ہاں کر سکتے ہیں۔ شامی غریب کا تو بیچا چھوٹ گیا۔ شویل نے کہا کہ نماز کا امام صلی تھا اور حنابلہ کے یہاں دوسرا اسلام بھی واجب ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ حنبلہ ہوتا شافعی ہم نے امام کا اقتدا کیا ہے نہ کہ تقلید۔ اس کے بعد حضرت نے پوچھا اور تمہارے مذہب میں کیا ہے؟ کہا ہمارے مذہب میں تو ایک ہی قول ہے کہ امام سے پہلے اگر دوسرا اسلام پھر دیا تو نماز فاسد ہو گئی دوسرا قول ہی نہیں حضرت نے فرمایا اصول کے بالکل خلاف ہے میں دوسرے علماء سے استفسار کر دوں گا۔ کہا جس سے چاہے پوچھ لیجئے یہ ایک ہی قول ہے۔

حضرت اپنی جگہ سے اٹھے اور مولانا الفاہام عالم مالکی کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے طلبہ میں بیٹھ گئے۔ مولانا اپنی مسند سے کھڑے ہو گئے اور حضرت کو اس پر بٹھانا چاہا۔ حضرت نے فرمایا میں سائل ہو کر آیا ہوں اور سائل کے بیٹھنے کی جگہ یہی ہے۔ مولانا بھی مسند چھوڑ کر برابر آ بیٹھے۔ حضرت نے مسئلہ پوچھا کہ اس بارہ میں آپ کے مذہب میں کیا حکم ہے؟ جواب دیا کہ نماز تو فاسد نہیں ہوئی البتہ اسارۃ ہوئی کہ ایسا کرنا نہ چاہئے تھا۔ حضرت نے فرمایا مجھے کتاب میں دکھا دو۔ وہاں کتاب موجود نہ تھی ایک طالب علم کو حکم دیا کہ گھر سے فلاں کتاب لے آؤ۔ اس کے بعد خود ہی مکان پر گئے اور کتاب لے کر تشریف لائے اور مسئلہ نکال کر حضرت کے سامنے پیش کیا۔ حضرت کتاب لیکر اٹھے کہ مولانا شیخ عمری تشریف لے آئے۔ حضرت نے ان سے بھی یہ مسئلہ دریافت فرمایا اور انھوں نے بھی مولانا الفاہام کے مثل جواب دیا۔

حضرت کتاب سمیت مکان تشریف لے آئے اور اپنے دارالتصنیف میں رونق افروز ہوئے کہ ذرا دیر بعد مولوی شویل ایک رسالہ لے ہوئے آئے۔ حضرت کو اطلاع کی گئی اور حضرت نے ان کو دینا بلایا۔ حضرت نے کتاب کھول کر وہ مسئلہ دکھایا اور دونوں علماء کا قول نقل فرمایا۔ مولوی شویل غیظ میں بھر گئے

اور غصہ میں سرخ ہو کر کہا واللہ عمری اچھل من بھلی۔ اور اپنا رسالہ لیکر وہاں سے چل دیے۔ دو تین روزے
 گزرے اور اس کے بعد مولوی شویل حضرت کے پاس آکر بیٹھے تو حضرت نے نہایت نرمی سے فرمایا ایک
 مسئلہ دریافت طلب ہے ایک شخص نے قسم کھائی واللہ فلاں اچھل من بھلی۔ وہ بعد اٹھ کھلف عا
 ہوا اور کفارہ واجب ہو یا نہیں؟ مولوی شویل اپنا مقولہ بھول گئے ہوں گے کہ میا ختہ بولے ہاں
 حضرت وہ تو حانت ہو گیا۔ اتنا کہتے ہی ان کو اپنا مقولہ یاد آیا اور سمجھے کہ اپنی زبان سے اپنے اوپر حجت
 قائم ہو گئی تو لگے تاویلات کرنے اور غصناک ہو کر جہالت پر اتر آئے حضرت نے محل فرمایا اور خاموش ہو کر
 سب کچھ سنا اور اس کے بعد وہاں سے اٹھ کر دفعتاً کہا کہ اب روضہ شریف میں جھگڑا ہونے لگا آئندہ محراب
 سلیمانی میں نماز پڑھا کریں گے چنانچہ مغرب کی نماز محراب سلیمانی میں پڑھی۔

عشاء کے وقت انجمنی صاحب مدیر حرم جو مولوی شویل کے محکمہ کے تھے حضرت کے پاس آئے اور کہا
 کہ حضرت کو کس نے ایذا دی جو روضہ میں نماز پڑھنا ترک فرمایا۔ اگر مجھے معلوم ہو جانا تو میں اس کا ختم بنتا۔
 حضرت نے فرمایا مجھے کسی نے ایذا نہیں دی۔ روضہ میں زائرین کا ازدحام ہونے لگا اور میں زخمہ کا متحمل نہیں
 ہو سکتا اس لئے یہاں نماز پڑھنے لگا۔ غرض آپ نے فتنہ کو دبا دیا مگر خدا کی شان کہ مولوی شویل اپنے عہدہ سے
 سز دل ہوئے اور ہم گئی پر تنزل ہو کر مدرس حرم بنا دیئے گئے۔

یہ چند واقعات ہیں جن سے حضرت کی حدیث وفقہ کے متعلق وسعت نظر اخلاص بے نفسی تبحر و اتقان
 علم ارشاد توافقی اور اظہار کلمۃ الحق والمنفع للمسلمین کا محض نمونہ کے درجہ میں اظہار کیا گیا ہے درجہ شریف
 کے فقہی علمی ان گنت قصے جو گویا ہر لمحہ نئی صورت میں پیش آتے تھے نہ کسی کو مستحضر اور نہ کسی کی طاقت کہ
 تقریر یا تحریر میں لاسکے۔ میرا یہ دعویٰ نہیں کہ حضرت نے کبھی غلطی نہیں کی کیونکہ نہ میں حضرت کو معصوم سمجھتا
 ہوں نہ بے خطا۔ مگر یہ ضرور کہوں گا کہ حضرت کا وجود باوجود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لگائے
 ہوئے بلغم میں اپنے نزلے انداز کا ایک ایسا پراثر شجر تھا جس کا جڑ سے لے کر پھل تک ہر جزو کا رائد
 اور ہر موسم کے مناسب مجسم منفع تھا۔

آپ حنفی تھے مگر مجتہدانہ شان رکھتے اور یوں فرمایا کرتے تھے کہ اللہ نور سے بھرے امام ابو حنیفہ کی
 قبر کو کہ بڑا کام کر گئے۔ اور فرمایا کرتے کہ اخاف کی ہر جزی مجھے آفتاب کی طرح روشن نظر آتی ہے۔

اور فرمایا کرتے کہ امام اعظم درحقیقت اعظم ہیں اور ان کی زکاوت و حسن ادب اور دقت استنباط تک

لے بخدا عمری میرے فجر سے بھی زیادہ جاہل ہے ۱۲ مولانا شیخ عمری مالکی نے کرم نبوی کے مدرس تھے تبرکاً حضرت سے ابوداؤد شریع
 کی اوائل بنا کر اجازت لی۔
 سہ مقابلہ رکرنے والا۔ سہ ہجوم۔

بڑوں بڑوں کی رسائی نہیں ہو سکتی۔

اور فرمایا کرتے کہ آٹھ مسئلوں کی ظاہری صورت پر کوئی اہل حدیث بن جائے یا غیر مقلد، میرے چل کر حضرت امام کا خوشہ چیں بنے بغیر کسی کو بھی چارہ نہ ہوا۔ اور فرمایا کرتے کہ اشرف العلوم حدیث فقہ ہے کہ نجات کا مدار عمل پر ہے اور عمل کا مدار ان دو پر۔

اور فرمایا کرتے کہ حق تعالیٰ کو دھوکا یا غلطی نہیں ہو سکتی کہ نا اہل کو اپنے محبوب کی امت بنا دے اور تمامی صلحا و اولیا کے قلوب میں ایسے کی عظمت ڈال دے جو اہلیت نہ رکھتا ہو۔

حدیث دانی کی شرط | اور فرمایا کرتے کہ حدیث دانی محض الفاظ کے ترجمہ کا نام نہیں بلکہ اس کے تمامی علوم و فنون کی ہمارت کے بعد ایک وہی مذاقت درکار ہے جس کو آٹھ

کہتے ہیں اور اسی نعمت الہیہ نے فقہ کو شرح حدیث بنا کر دیا ہے تا پیداکار بنادیا کہ صد ہا ضخیم کتابیں بروہو چکیں اور جب دیکھو اخلاف کے لئے اس کی ضرورت قائم۔ واللہ درالقائل

گر مصور صورت آں دستان خواہد کشید | یک حیرانم کہ تازش را چہاں خواہد کشید

صورت سیرت اور عادات و معمولات

شکل و شمائل | حضرت کو حق تعالیٰ نے حسن سیرت کے ساتھ بے نظیر حسن صورت بھی عطا فرمایا تھا کہ قد طول کی طرف مائل رنگ صاف جس میں سرخی جھلکتی تھی۔ بدن دہلا

چہرہ پر اہمیت نرم اور نازک۔ آپ مصافحہ فرماتے تو معلوم ہوتا کہ ریشمی کجواب ہاتھوں میں داب لیا کرتے اور معافہ کرتے تو گویا نرم و نازک روئی نے چھاتی سے لگا لیا۔ آپ کا چہرہ بدر کی طرح چمکتا اور بلابالغہ ایک تازہ گلاب کا پھول معلوم ہوتا تھا۔ آپ کے بدن کا ہر عضو متناسب تھا اور کسی چیز کے متعلق بھی حسن شناس کو حرف گیری کا موقع نہ تھا۔ آپ خندہ پیشانی تھے اور ہر وقت آپ کے دہن مسکراہٹ محسوس ہوتی تھی۔ آواز آپ کی نہایت پیاری اور مردانہ تھی۔ گو ضعف پیری کے سبب میں رعشہ اور خفیف لرزہ تھا مگر تقریر بے تکان اور مسلسل ہوتی تھی۔ کوئی مضمون آپ ادا فرماتے تو معتاد اور تہید کو اول دل نشین کرتے اور پھر مافی الضمیر ادا فرمایا کرتے۔

لے اور اشارہ کے لئے خوبی ہے کہنے والے کی یعنی وہی جزا دیں گے۔ سہ اگر تصویر بنانے والا اس دلربا کی صورت بنا سکتا ہے لیکن میں حیران ہوں کہ اس کے ناز انداز کیسے تصویریں لا سکتا ہے۔

طرز تفہیم اور صاف گوئی آپ کی صاف گوئی مشہور تھی کہ جب کہتے بے لاگ پلیٹ بات کہتے تھے۔ اسی وجہ سے جن لوگوں کو آپ سے زیادہ سابقہ نہیں پڑتا تھا وہ

اچھے اور گہرے سمجھنے والے تھے مگر جو حضرات اس خوبی و کمال کے قدر شناس تھے وہ آپ کے شیدائے تھے اور آپ کی صاف گوئی پر ان کا رونا رواں کھل جاتا تھا۔ حضرت گنگوہیؒ کی وفات کے متصل ہی مولوی محمد احمد کرسوی کا ایک خط آیا جس میں انھوں نے اپنا صدمہ ظاہر کیا کہ مولوی صاحب یہاں اشریف

لائے تو میں پر بھائی سمجھ کر شوق میں بھرا ہوا سخت گرمی اور لو کی دوپہر میں دو میل مسافت قطع کر کے ان کی قیام گاہ پر پہنچا مگر میری کمر ٹوٹ گئی جب میں نے ان کے دربان سے یہ جواب سنا کہ حضرت آرام فرما رہے ہیں۔ شام کو آنا۔ حضرت کو اس پر بہت صدمہ ہوا اور ان کو تو تسلی کا خط لکھ دیا مگر اتفاق

کی بات کہ چند ہی روز بعد مولوی صاحب گنگوہ سے واپس ہوتے ہوئے آپ کی زیارت کے لئے مدرسہ میں آگئے۔ حسب عادت مسکرا کر اور معاف فرما کر آپ نے ان کو اپنے پاس بٹھالیا اور پہلی بات جو

آپ کی زبان مبارک سے نکلی وہ یہ تھی کہ مجھے تم سے رنج پہنچا اور وہ یہ کہ مولوی احمد کرسوی محض اللہ واسطے اپنے پیر کی تم کو شانی سمجھ کر ملنے کے لئے سخت لو میں دو میل چل کر تمہاری قیام گاہ پر آئے اور تمہارے اس

طرز نے کہ دروازہ پر دربان رکھتے ہو ان کو تم تک پہنچنے نہ دیا۔ بھلا کیا جواب دو گے حق تعالیٰ کو جب سوال ہو گا کہ ہمارے رسول کے دروازہ پر دربان نہ تھا تم نے یہ طریق کہاں سے اختیار کیا؟ مولوی صاحب نے

جواب دیا کہ حضرت مجھے تو کچھ معلوم نہیں کون مولوی محمد احمد اور کیسا ان کا آنا۔ فرمایا ہاں ہی تو سوال ہے کہ جب دربان تعینات ہے تو آنے والے کا علم کس طرح ہو؟

مولانا نے فرمایا کہ حضرت بات یہ ہے ہر کہہ دہم سے ملنے پر قلب ظلمت کا اثر لیتا ہے اور اپنے رنگ میں تغیر آتا ہے اس پر حضرت کا غصہ تیز ہو گیا۔ پیشانی پر رگ کھڑی ہو گئی آواز میں رعشہ پڑ گیا اور

آپ نے فرمایا جو اٹھیں میں جائے وہ رنگ جو رسول کے خلاف ہو۔ معلوم وہ کون تار ہے جس کو نور سمجھ بیٹھے اور وہ مسلمانوں سے ملنے پر متغیر ہوتی ہے۔ میان طالب و معتقدین کو کافر بھی آتے تو اس کو عزت

سے لینا چاہئے اور مسلمان تو وہ چیز ہے جس کی دلاری پر رسول نفیس بھی قربان خصوصاً ذکر شاغل مسلمان ہیں تو ہر وقت اس موقع میں رہنا چاہئے کہ خدا جانے کس آنے والے مسلمان کی بدولت بیڑا پار ہو جائے

نہیہ کہ اپنے کو نورانی سمجھ کر دنیا داریوں کا ساطر فیلے لیں اور بدنام کریں حضرت گنگوہیؒ کے مشرب کو بھائی تم ناراض تو ہو گے مگر مجھے یہ طریق پسند نہیں اور بُرا مانو یا بھلا یہ رنگ تمہارا سنت کے خلاف اور

لے اوقات کا مقرر کر دینا الگ چیز ہے وہ خلاف اور بدگمان ظلمت کا شیطانی دھوکا ہے۔

شیطان دھوکا ہے جو نہایت خطرناک ہے۔ مجھ پر حق تھا اس لئے متنبہ کر چکا اب تم جانو تمہارا کام۔
مولوی صاحب کو حضرت کی صاف گوئی اس وقت گراں ضرور گذری کہ خاموش ہو کر چلے گئے مگر
متاثر ضرور ہوئے کہ دوسرے موقع پر حاضر ہو کر حضرت کا ملبوس بخرض تبرک طلب کیا اور حضرت نے
سر وال مبارک ان کے حوالہ فرمادی۔

نصیحت و خیر خواہی ایک مرتبہ بابو غلام محمد صاحب صابری سب پوٹھا سٹریٹ آئے جو خجاب

کے تمام ڈاکخانہ والوں کی کانفرنس کے سکرٹری تھے اور انھوں نے اپنی
کارکردگی جس سے ملازمین ڈاکخانہ کو طرح طرح کا نفع پہنچایا دلچسپ طریقہ سے بیان کی۔ حضرت اس کو
سننے رہے اور مسکرا کر دعا دی اس کے بعد فرمایا۔ بھائی حصول دنیا کے لئے تو اس قدر منہمک ہو کر کچھ کھانا
نہیں مگر کچھ دوسرا بھی خیال ہے کہ مرنے کے بعد کہاں جانا ہے۔ ذرا ادھر بھی رغبت بڑھاؤ۔ کبھی غور بھی کیا کہ
نام تو غلام محمد اور دارلہی کا صفایا۔ اس کے بعد دیر تک مزاح و انبساط ہی کے درجہ میں آپ نے بہت کچھ
نصائح فرمائیں۔ آپ عوام کی جہالتوں کا بہت تحمل فرماتے تھے مگر ان کی خلاف تہذیب حرکت پر زری
متنبہ بھی فرماتے کہ دیکھو ایسا نہیں کیا کرتے۔ ہاں اہل علم کی غلطیوں پر تیشی کے ساتھ اہل اذہن فرمایا کرتے تھے۔
اکثر آپ کا طرز نصیحت نرم اور مزاح آمیز ہوا کرتا تھا۔ شلمہ میں نائب پیش امام نے بعد نماز مسجد کی پلٹش
کی نفاست و عمدگی کا ذکر کر کے حضرت کو اس کا معائنہ کرایا۔ خوشی خوشی پالش پر ہاتھ پھیرتے اور تعریف
کرتے جاتے تھے۔ حضرت نے نہایت منان سے فرمایا پالش تو بہت اچھی ہے مگر یہ تو نیلا و گہرے زرباش
جائز بھی ہے یا نہیں؟ اور کبھی یہ سب چندہ جمع کر کے کی گئی ہوگی۔ بھلا چندہ دھند گان سے ایسا کرنے کی
اجازت بھی لے لی گئی تھی یا نہیں؟ نائب صاحب اور تمام ہماری دنگ رہ گئے۔ ذرا دیر بعد نائب صاحب نے
فرمایا حضرت یہ تو پیش امام جاہل ہیں۔ فرمایا وہ کیا خوب آرائش کی تعریف تو آپ کریں اور جواب دیں مولوی
صاحب۔ مثل ہے ”دھو تا کرے اور دادا چٹی بھرے“

روز و شب کے معمولات حضرت کا معمول بغیر شب میں دس یا بارہ تفلین اور ان میں تقریباً دو بار

تلاوت قرآن کا تھا۔ اس کے بعد آپ چارپائی پر بٹھائی کروٹ لیٹ جاتے
اور کوئی پاس ہوتا تو اس سے باتیں کرنے لگتے تھے۔ آخر میں چائے کا معمول بھی اسی وقت ہو گیا تھا۔ فجر
ہوتے ہی دو سنتیں پڑھ کر در سے بن نشریف لاتے اور حجرہ کے قریب دیوار سے لگ کر خاموش بیٹھ جاتے۔

سے۔ جامعہ گورنمنٹ شولاریہ کہتے ہیں مگر حضرت پا جانہ پنتے تھے جو سر بھی خوب کرتا ہے اور ضرورت سے زائد بھی نہیں ہوتا وہی دیا ہوگا اور
مکس ہے لفظ شال ہو کا تب نے سرال بنا دیا ہو ظاہر لفظوں کہ زیادہ مناسب ہے۔ ان کیلئے ترشی ایک مزاج اصلاح کا اندیشہ تھی اور

مہمان اور خدام بھی حاضر ہو جاتے اور سکوت کے ساتھ بیٹھ جاتے۔ یہ مجلس عجیب پُر انوار ہوتی تھی کہ قلب مبارک سے بقیہ ہائے نوزکل کراہل مجلس کو ڈھانپنے اور سکنہ و رحمت الہیہ کی ٹھنڈی پھواری سب پر برساکرتی تھی کوئی ضروری بات ہوتی تو حضرت مخضرفظوں میں فرمادیا کرتے ورنہ یہ پندرہ بیس منٹ خالص سکوت میں گزرے اور جب اسفار ہو جاتا تو آپ مسجد میں پہلی صف اور میں امام اختیار فرما کر نماز ادا کرتے۔

صبح اور صاف پڑھنے والا امام آپ کو پسند تھا اور اس لئے اکثر قاری عالم کو آپ امام تجویز فرمایا کرتے تھے شروع میں مولانا عبد اللطیف صاحب امام رہے اور پھر مولانا ظفر احمد صاحب قاری عبد العزیز صاحب وغیرہ اور اخیر میں قاری سعید احمد۔ باہر کہیں تشریف لے جاتے تو خدام کے اصرار پر کبھی آپ خود امامت فرمایا کرتے ورنہ اکثر مقتدی بنتے اور ضعف دماغ و عیش صوت کا عذر فرمادیا کرتے تھے۔

مولوی عبدالرشید جان صاحب لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت تیسری عیادت کے لئے میرے وطن لدھیانہ تشریف لائے، حافظ عبد اللطیف صاحب ہمراہ تھے میرے اہل وطن نے یہ سن کر کہ حضرت میرے پیرو ہیں۔ حضرت سر التجا کی کہ نمازیں امامت آپ فرماویں۔ حضرت نے فی البدیہہ جواب دے کر کہ یہ (یعنی حافظ صاحب) تو سہارنپور میں بھی میرے امام ہیں۔ حافظ صاحب کو آگے بڑھا دیا۔ حضرت کے اس جواب سے کہ سچا طبقہ تھا مجھے بہت ہی لذت آئی کہ درحقیقت ان ایام میں امامت حضرت حافظ صاحب کے سپرد تھی۔

حالتِ سفر میں جماعت کا اہتمام | حالتِ سفر میں بھی آپ جماعت کا اہتمام فرماتے اور حتی الوسع ریل

مولوی زکریا صاحب کی امامت کو پسند فرماتے کہ وہ نہایت مخضرفاقت و قیام و قعود کے عادی تھے۔ باہر نماز پڑھنے میں دشواری معلوم ہوتی تو ریل ہی میں جماعت کرتے اور استقبال قبلہ کی ہر حال صورت نکال لیا کرتے تھے۔

مدینہ طیبہ کے راستہ میں نماز کا اہتمام | آپ نے مدنی راستے میں اونٹ کی سواری سے اترنے اور جماعت

مستعد اونٹ سے اترتے ہوئے گھبراتے مگر آپ ہمیشہ وقتِ مستحب پر اترتے اور اتنے وضو کرتے آپ کا اونٹ دُور نکل جاتا تو آپ پلکتے اور اس سے اتنا آگے بڑھ جاتے جتنا وہ وضو کرتے ہیں آگے نکلا تھا۔ وہاں پہنچ کر باجماعت نماز ادا کرتے اور جب دیکھتے کہ اونٹ اب آگے نکل لیا تو پھر لپکتے اور زیادہ آگے نکل گئے مگر ادا فرماتے اور پھر لپک کر اونٹ پکڑتے اور اس پر سوار ہو جاتے تھے۔ اور اگر دوسری نماز کا وقت قریب دیکھتے تو پیدل چلتے رہتے اور وقت پر اس کو بھی باجماعت ادا فرما کر اونٹ پر سوار ہوتے تھے۔ اس طرح کئی کئی میل آپ کو پیادہ چلنا پڑتا مگر آپ تکان نہ مانتے تھے اور فرمایا کرتے قصر کی قدر یہاں آکر ہوتی ہے کہ

دورکت میں جب اتنا بھلا پڑتا ہے تو چار س کیا کچھ ہوتا۔

بڑھاپے میں آپ کی یہ ہمت جوانوں کو غیرت دلاتی اور وہ نیچے اتر کر ساتھ ہو لیا کرتے تھے۔ اپنے لوگوں میں اگر کسی کو کابل پاتے تو غصہ ضبط نہ فرما سکے اور تیزی کے ساتھ نماز کے اہتمام کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔

حافظ سلیمان رانڈیری ایک سفر میں ساتھ تھے جب آپ کے پاس ان کا اونٹ گنڈا تو آپ نے پوچھا کہ حافظ صاحب نماز پڑھ چکے؟ عرض کیا کہ حضرت اوپر ہی پڑھ لی۔ شغف میں میرے ساتھ بوڑھی ماں ہے اور اس کو میرے اترنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ آپ نے بیباختہ فرمایا ماں وہاں تو ساتھ نہ ہوگی جہاں نماز کا سوال ہوگا جوان ہو کر خود ہی ہمت ہار دو تو اس کا کیا علاج، ہم توجہ جائیں کہ پاخانہ کی ضرورت ہو اور ماں کا عذر کر کے شغف میں بیٹھے رہو۔ حج کرنے چلو اور نمازیں کھوؤ، اس سے تو بہتر تھا کہ گھر بیٹھے وقت پر نمازیں پڑھتے۔ بھائی تم کو حضرت گنگوہی سے تعلق ہے اس لئے مجھے تمہاری اس بے احتیاطی سے تکلیف ہوتی ہے، یا تو سفر میں رفیق نہ ہوئے ہوتے اور رفاقت کی ہے تو نماز کا اہتمام کرو چنانچہ وہ اترے اور پھر ہمیشہ اہتمام کرتے رہے۔

تیز رفتاری اس ضعف پیری پر آپ کی رفتار اتنی تیز تھی کہ مجھے باوجودیکہ اپنی تیز رفتاری پر نیاز تھا کہ چودہ منٹ میں پورا ایک میل چلتا ہوں مگر حضرت کے ساتھ چل کر گھبرا گیا کہ حضرت تیز چلتے اور مجھے ساتھ دینے کے لئے دوڑنا پڑتا تھا۔ ایک مرتبہ آپ دیوبند شریف لائے اور بندہ ہمراہ تھا۔ قبیل صبح صادق چلتا تھا کہ ریل قبل طلوع چھوٹی تھی۔ سواری کا انتظار کیا مگر نہ ملی تو حضرت نے فرمایا چلو پیدل کہ ریل نہ چلی جائے مدرسہ کا حرج ہوگا اسٹیشن قریب ایک میل تھا اور گھٹا کی وجہ سے کچھ تاخیر تھی مگر حضرت آگے اور پیچھے چاہتا تھا کہ حضرت کے ساتھ ساتھ رہوں مگر نہ ہو سکا اور آخر اسٹیشن پر پہنچ کر حضرت نے اسفار میں باجماعت نماز فجر باطمینان ادا فرمائی۔

مدنی راستہ میں دوسرے مرتبہ مجھے حضرت کی ہمراہی نصیب ہوئی اور سمجھتا تھا کہ حضرت ہندوستان ہی کی بختہ شرک یا کچی بیابان تیز چل سکتے ہیں مگر معلوم ہوا کہ عرب کا رگستان تو حضرت کی تیز رفتاری کو بڑھاتا اور سنگتانی نشیب و قرار آپ کی رفتار میں کچھ فرق نہیں ڈالتا۔

ایک مرتبہ آپ نے رابع کے راستہ سے سفر کیا کہ سارا قافلہ صرف آپ کے رفتار کے سونڈا اونٹوں کا تھا۔ آپ وضو بھی کرتے تو قافلہ دوڑ نکلتا اور سنان جنگل میں گھرے رہ جاتے تھے جمالین نے ڈرایا کہ یہاں جان کا خطرہ ہے مگر آپ نے پرواہ کی۔ آخر مغرب اور عشاء کے وقت جمال تو نہ رُکے مگر مقوم یہ دیکھ کر کہ رات کا وقت ہے اور شیخ کہنا مانتے نہیں خود اتر کر ساتھ ہوا اور جب جماعت کھڑی ہوئی تو وہ بندوق لئے ہوئے

چار طرف نظر ڈالتا اور پہرہ دیتا رہا۔ حتیٰ کہ آپ غسلے فارغ ہو کر تیز چل کر قافلہ میں آئے اور اونٹ پر سوار ہو گئے مدینہ منورہ تک اس کا یہی معمول رہا کہ نہ بدوں کو قیام پر مجبور کیا اور نہ خود پہرا دینے میں سست ہوا۔ مقوم بھلا آدمی اور ہنس مکھ تھا حضرت کی تیز رفتاری دیکھ کر کہتا تھا الشیخ یطیبر بڑے میاں تو اڑتے ہیں۔

مراقبہ کا وقت فجر سے فارغ ہو کر آپ حجرہ میں تشریف لے جاتے اور اشراق تک مراقبہ میں مشغول رہتے تھے۔ نوافل اشراق سے فارغ ہو کر جب آپ باہر تشریف لاتے تو چہرہ مبارک پر بے انتہا انوار ہوتے اور چاند کی طرح دکھاتا تھا۔ باہر سفر میں بھی آپ کا یہ معمول اکثر قائم رہتا کہ مسجد ہی میں نماز کے بعد مراقبہ ہو جاتے اور بعد اشراق جمع میں تشریف لاتے تھے اس کے بعد قضا و حاجت کو تشریف لے جاتے اور پھر وضو فرما کر درس شروع فرما دیا کرتے تھے۔ اخیر شب میں حضرت کو صرف پیشاب کی عادت تھی کہ بہت مختصر وقت صرف ہو۔

مسواک کا اہتمام مسواک سفر میں بھی کثرت کی جیب یا ٹیکر کے غلاف میں رہتی تھی اور کوئی وضو آپ کا مسواک کے بغیر نہ ہوتا تھا۔ درس گاہ میں تشریف لا کر اسباق متعلقہ کا درس دیتے اور آخر زمانہ میں بدل کی تالیف میں مشغول ہو جاتے تھے۔ اسی دوران میں ڈاک آجاتی اور آپ اس کو ملاحظہ فرماتے سارے درس کی ڈاک کا لانا آپ نے فراش کے ذمہ کر رکھا تھا کہ وہ لا کر آپ کے حوالہ کرنا اور آپ اپنے خطوط نکال کر باقی درسیں و طلبہ کے خطوط ہنتم صاحب کے پاس بھیج دیتے تھے کہ وہ مکتوب الیہم کو پہنچا دیں۔ گرمی میں گیارہ بجے سے کچھ قبل اور سردی میں گیارہ بجے کے کچھ بعد نیچے اترتے اور مکان تشریف لے جاتے تھے جب تک دانت سالم رہے کھانا مہمانوں کے ساتھ کھاتے اور آخر میں جب دانت کمزور ہو گئے تو مکان میں تناول فرماتے تھے کہ چپانی گرم گرم توبے سے اترتی اور آپ کے سامنے آجاتی تھی، ذرا ٹھنڈی ہونے پر چبانا مشکل ہو جاتا اور پھر ہضم نہ ہوتا تھا۔ ہاں کوئی خاص مہمان آجاتا تو اس کے ہمراہ باہر ہی نوش فرماتے اور ایک خادم جلدی جلدی مکان سے گرم روٹی کپڑے میں لپیٹ کر لاتا رہتا تھا۔

مرغوب طبع کھانا شوربہ چپاتی آپ کو سب سے زیادہ مرغوب تھی کہ نوالہ ڈبو کر نرم ہو سکے گھی زیادہ پسند نہ تھا اگر کبھی سالن میں زیادہ تار ہوا تو دوسرے برتن میں آپ نے تنہا رد کیا اور فرمایا گھی ہی گھی ہے مصالکہ کا مہرہ بھی تو نہیں آنا۔ چانولوں سے زیادہ رغبت نہ تھی مگر بلا و کبھی تناول فرماتے بشرطیکہ نرم ہوتا۔ مرجع اول ہی سے مرغوب نہ تھی اور اسفار حج کی کثرت نے تو بالکل ہی پھیرا دی تھی۔ تھوکی اور گاجر کی سویاں مرغوب تھیں۔ خصوصاً آخر عمر میں کہ قبض کی شکایت بڑھ گئی تھی جس سے درد گردہ کا اندیشہ رہتا تھا اس لئے صبح کو چاء کے ساتھ بھی اکثر دی نوش فرمایا کرتے کہ اس سے ہلکی سی تیلیں ہو کر طبیعت صاف ہوتی تھی۔

شروع میں بیٹھے سے زیادہ شوق تھا اور تیز بیٹھا پسند تھا مگر آخر میں رغبت جاتی رہی اور نمکین کی طرف بڑھ گئی تھی۔ مولوی زکریا صاحب کا مذاق مشہور تھا کہ نمکین سے رغبت ہے اور بیٹھے سے وحشت۔ حضرت مولوی ان کے ساتھ اولاد سے زیادہ محبت تھی کہ اجنبی آدمی ان کو حضرت کا بیٹا ہی سمجھتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ کسی نے پوچھا بھی کہ حضرت یہ آپ کے بیٹے ہیں؟ فرمایا بیٹے سے بڑھ کر حضرت دکھانے میں اکثر ان کو بلایا کرتے تھے وہ کہا بھی کرتے کہ حضرت میں تو کھانا کھا کر آپ فرماتے کیا مضائقہ ہے تم تو طالب علم ہو، کباب تو چکھ لو، اس کے لئے تھوک کی ضرورت نہیں۔ لطافت کے درجہ میں یہ بھی فرمایا کرتے میاں زکریا اتنے دلوں سے پاس بیٹھے ہیں ان کو تو بیٹھے کا شوق نہ ہوا مجھے نمکین کا ہو گیا۔ ہاں بھی زور اور قوت کی بات ہے۔

مرغوب بھیل پھلوں میں آپ کو آم سے زیادہ شوق تھا۔ خصوصاً ایسی ٹپکا کہ اس کے سامنے قلمی آپ کے نزدیک کچھ نہ تھا۔ آپ کے جدی بلغم میں چند درخت ایسی آم کے تھے وہ آپ تھوڑا کرنگوٹے اور ان کی پال ڈالی جاتی تھی۔ کھانے کا جتنا شوق تھا اس سے زیادہ کھلانے کا تھا اس لئے ہر موسم پر ایک ناریخ مقرر فرما کر آپ اپنے مخلصین و احباب کو مدعو فرمایا کرتے اور بڑے برتن میں قسم قسم کے پان اور ٹپکے کے آم بھروا کر بیچ میں رکھ دیتے۔ خود بھی کھاتے اور جو آم مزہ کا نکلتا چکھ کر خدام کو عطا فرماتے جاتے کہ لو یہ کھاؤ مزہ کا ہے۔

انہ کے تمام موسم میں کسی دن آپ کا مکان آموں سے خالی نہ رہتا خصوصاً لال پٹری ایک درخت کٹنا تھا اس کا آم آپ کو نہایت مرغوب تھا اور خصوصیت سے آپ اس کو انہٹھ سے منگایا کرتے تھے۔

انجیر اور پیر کا شوق انجیر سے بھی آپ کو رغبت تھی۔ پیر آپ بالخصوص شوق سے کھایا کرتے تھے۔ مجھے شروع میں پیر سے رغبت نہ تھی اس لئے جب مجھے محبت و شفقت کے ساتھ حضرت عطا فرماتے

تو لے لیتا مگر کھانہ نہ سکتا تھا۔ ایک بار عرض کیا کہ حضرت چیز ایسی جس سے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو رغبت تھی مگر میری گندی طبیعت اس سے موافقت نہیں کھاتی اس کا مجھے بڑا افسوس ہے فرمایا اچھا۔ میاں یہ تو بڑی لذیذ چیز ہے کھا کر نو دیکھو۔ حکماً کھایا تو حضرت کی کرامت تھی کہ لذیذ معلوم ہوا اور پھر رغبت بڑھ گئی۔

بل نمک کی چائے چار آپ بے نمک کی پیتے تھے جس میں دودھ غالب اور شکر زیادہ ہوتی تھی بعض جگہ اس میں نمک ملائے ہیں کبھی ایسی چائے سامنے آئی تو پی نہ سکے اور فرمایا چادر کو سالن بنا دیا۔

قبیلہ کی عادت بعد اکل لٹھنہ سوا گھنٹہ قبل فرما کر آپ اٹھتے اور وضو فرما کر سنت ظہر مکان ہی پر بیٹھنے اور نماز کے وقت معینہ سے دس منٹ قبل مدرسہ میں تشریف لا کر حجرہ کے منقل

سلہ کھانا کھانے کے بعد۔ سہ لیٹ کر آرام کرنا سونا ہوتا ہو۔

اپنی جگہ بیٹھ جایا کرتے۔ اور جب نماز کا وقت ہوتا کہ گرمی میں تقریباً ۲۔۳ بجے اور سردی میں ڈیڑھ بجے تو آپ نماز پڑھتے اور بعد فراغ درس میں مشغول ہو جاتے۔ اخیر زمانے میں اس وقت کا تقریباً پون گھنٹہ تلاوت میں صرف ہوتا تھا اور اس کے بعد صبح کے آئے ہوئے خطوط کے جوابات اور فتاویٰ لکھواتے تھے۔ عصر سے قبل چار نفل پڑھنے کا آپ کا اکثر معمول تھا بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ آپ ان کو ترک فرمادیں۔ ہمہ وقت با وضو رہنا آپ ہر وقت با وضو رہتے اور اس لئے عصر سے قبل وضو کرنے کا اتفاق کم ہوتا تھا۔

بعد عصر جلوہ عام بعد عصر جلوہ عام کا وقت تھا کہ گرمی میں صحن مدرسہ اور سردی میں سہ دری کو آپ زینت بخشے اور خدام چار طرف آ بیٹھے تھے۔ تسبیح آپ کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ حاضرین سے ہر قسم کی لطافت و بے تکلفی کے ساتھ باتیں بھی کرتے جلتے اور تسبیح بھی پڑھتے رہتے تھے۔ اسی وقت میں کوئی اخبار آتا تو اس کو دیکھتے یا پوچھتے تھے کہ کو بھی کوئی نئی خبر تو ہیں؟ جنگ کے زمانہ میں اسلامی خبروں کے معلوم کرنے کا آپ کو زیادہ اہتمام رہا اس کے بعد کبھی کوئی خبر دیکھ یا سن لی ورنہ محض سرخیاں دیکھ کر اخبار رکھ دیا کرتے تھے۔

مغرب کے بعد اوایں میں ایک یا سوپا رہ پڑھتے اور پھر کھانا نوش فرمانے کے لئے تشریف لجاتے عشا کی اذان کے بعد ننگ مکان میں رہتے اور جو مستورات ہمان آئی ہوئی ہوتیں ان کی سنا کرتے تھے۔ پھر مدرسہ میں آکر ذرا بیٹھتے اور مسجد میں تشریف لا کر دو یا چار رکعت پڑھتے تھے۔ بعد عشا کوئی خاص ہمان ہونا تو ذرا دیر بیٹھتے ورنہ ہمانوں کے بستر و چارپائی کو دریافت فرما کر کہ کافی انتظام ہو گیا یا کسی چیز کی ضرورت ہے مطمئن ہو جانے کے بعد مکان تشریف لے جاتے تھے۔ نماز عصر ہمیشہ دو مثل کے بعد حنفی متفق علیہ وقت پر پڑھتے اور عشا میں بھی کافی تاخیر فرماتے تھے۔

قاری کے پیچھے نماز اور نقص پر تنبیہ نماز فجر بالعموم طلوع شمس سے ۵۰۔۳۵ منٹ قبل شروع فرماتے چونکہ تجوید سے خاص محبت تھی اس لئے قرا کو امامت کے لئے پسند فرماتے اور قرأت میں کچھ نقص رہتا تو بعد نماز فوراً متنبہ فرماتے۔

ایک بار حکیم امامت مولوی ظفر احمد صاحب کے ذمہ تھی فرمایا کہ مولوی ظفر تم مدرسہ کی کرتے ہو ذرا اور بڑھایا کرو۔ ایک بار فرمایا تم کبھی تو ضاد کو صحیح نکالتے ہو جس سے معلوم ہوتا ہے صحیح مخرج پر قادر ہو اور کبھی دال مخم پڑھتے ہو یہ کیا واپس ات ہے۔ جب قادر علی المخرج ہو تو اس کو ہمیشہ صحیح مخرج سے نکالتے پر قدرت رکھتے ہو۔

کیوں نہیں نکالتے۔ اس کی پوری طرح مشق کرو۔ پھر فرمایا کہ مخرج ضاد حضرت مولانا تھانوی کا بہت صحیح ہے کبھی تو تہاری قرأت میں مولانا کا رنگ آجاتا ہے کبھی ایسی جلدی کرتے ہو کہ ضاد کا مخرج تو بگڑ ہی جاتا ہے اور دوسرے حرف بھی اچھے نہیں نکلتے، حضرت کہ اس کا بھی اہتمام تھا کہ وقف و وصل میں رموز مصحف کا اتباع کیا جائے کہ جہاں آیت یا علامت وقف ہے وہاں وقف کیا جائے اور جہاں وقف منع کیا ہے وہاں نہ کیا جائے اور فرمایا کرتے تھے کہ آج کل قرآن اس کی رعایت نہیں کرتے مگر خیر و برکت اتباع سلف میں ہے۔

ایک مرتبہ مولوی ظفر احمد صاحب نے فلما آتھا تو دی یا موسیٰ انی انار بیک فالخلم تعلیم میں یا موسیٰ پر رد کر کے انی انار بیک سے وصل کر دیا تو بعد نماز حضرت نے فرمایا تم نے یا موسیٰ پر وقف نہیں کیا عرض کیا کہ حضرت یہاں مجھے وصل بھی جائز معلوم ہوتا ہے۔ حضرت نے حامل شریف کھولی اور دیکھنے کے بعد فرمایا ہاں صحیح کہتے ہو۔

حالانکہ تہی پاپ کا دائمی معمول تھا اور نیند کو یا قبضہ کی تھی مگر تراپ عشا کے بعد مسجد ہی میں پڑھتے اور یہ کمال احتیاط تھی کہ آخر شب میں اٹھنے پر اعتماد نہ فرماتے تھے۔ فجر کی سنتیں آپ ہمیشہ گھر میں پڑھتے اور سفر میں ہوتے تب بھی فیامگاہ پر پڑھ کر مسجد میں جاتے تھے کہ کمال اتباع سنت اسی میں تھا۔

نماز میں سنت استحباب کی رعایت

حضرت کو نماز کے ہر جز میں سنت و استحباب کی رعایت اور فقہاء حنفیہ کے اتباع کا اہتمام تھا۔ ایک مرتبہ مولوی ظفر احمد صاحب سے فرمایا مولوی ظفر تم ظہر کی نماز میں طوال مفصل نہیں پڑھتے؟ عرض کیا کہ نہیں بلکہ اوساط پڑھتا ہوں۔ فرمایا کہ فقہاء حنفیہ تو فجر و ظہر دونوں میں طوال کو سنت فرماتے ہیں اس کی رعایت کیا کرو۔ اس روز مولوی صاحب نے نماز ظہر میں سورۃ ق پڑھ دی جو نمازیوں پر بار ہوئی۔ بعد نماز حضرت نے فرمایا میرا یہ مطلب نہ تھا کہ فجر و ظہر کی قرأت برابر ہو بلکہ فجر کی اطول ہونا چاہئے اور ظہر کی کم۔ دیکھو طوال میں سورۃ التکویر اور سورۃ الانفطار بھی تو ہے ظہر میں طوال کی ایسی ہی سورتیں پڑھا کرو۔

ایک بار فرمایا کہ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ الم تنزل الجودہ اور سورۃ الدھر پڑھا کرتے تھے شافعیہ نے تو اس کا واجب کی طرح التزام کر لیا کہ کبھی نزہ کی نہیں کرتے اور حنفیہ اس کے ترک التزام کر لیا کہ کبھی نہیں پڑھتے۔ دونوں فعل سنت کے خلاف ہیں اولیٰ یہ ہے کہ جمعہ کے دن ان کو اکثر پڑھا جائے، اچاناً نزہ

سہ جب طور پر آئے تو تورا دیئے گئے اے موسیٰ بیشک میں ہی تمہارا رب ہوں تو تم اپنے جوتے نکال دو۔ آیت آگے تک ہے۔

سہ سورۃ حجرات سے سورۃ بروج تک طوال مفصل ہیں جو فجر و ظہر میں مستحب ہیں بعض سنت بھی کہتے ہیں۔

سہ زیادہ طویل۔

سہ کبھی کبھی تاکہ واجب ہونے کا کلیہ نہ ہو سکے اور بدعت نہ ہو سکے۔

بھی کر دے۔ مولانا نے کہا حضرت میرے نہ پڑھے کا سبب یہ ہے کہ مجھے سورۃ الم تزل حفظ نہیں ہنس کر فرمایا پھر حفظ کرو کوئی بڑی سورت نہیں ہے تنہا ہی آیتیں ہیں، غرض حضرت کو نماز کی تعدیل و تخمین کا خاص انتہا تھا جس کی وجہ سے حضرت کی نماز قابلِ دید تھی جس کو ہر وارد و صادر تعجب سے دیکھتا اور سبق لیا کرتا تھا کہ نماز ایسی ہونی چاہئے۔

نماز میں حضور اور خشوع و خضوع

مولوی عبداللہ جان لکھتے ہیں ایک خاص واقعہ جو میں نے حضرت کے متعلق ہمیشہ نوٹ کیا اور وہ میرے دل پر نہایت موثر رہا ہے یہ ہے کہ ادارہ نماز کی حالت میں بمصداق کائنات تیراہ حضرت پر وقار اور خشوع و سکینہ کی ایک خاص حالت طاری رہتی تھی۔ بجز اللہ سبحانہ سے میری تعلیم و تربیت اور نشست برخواست علماء کرام کی صحبت میں رہی ہے مگر حضرت کے سوا میرے ذہن میں اور کوئی مثال نہیں جس کو حضرت کی نماز کے مثال نہ سکوں بدن میں کھلبلی لگے تو ہر شخص کو کھانے دیکھا ہے۔ مگر حضرت کو یوں معلوم ہوتا تھا کہ نماز کی حالت میں کوئی خارجی ضرورت ہی پیش نہیں آتی بلکہ میں نے تو یہ بھی دیکھا ہے کہ کبھی حضرت کو زکام یا کھانسی کی شدت ہوتی تو نماز کے شروع کر دینے کے بعد ختم نماز تک حضرت کو کبھی کھانسی بھی نہیں آتی۔

بارہا دیکھا کہ فارغ ہونے کے بعد حضرت کو فوراً کھانسی اٹھی اور حضرت اٹھ کر نالی پر جا بیٹھے وہاں خوب کھانے بلغم تھوکا اور سب ضروریات کو دفع کیا لیکن جب پھر نماز شروع فرمادی تو معلوم ہوتا تھا کہ کسی مرض کا کوئی اثر آپ پر نہیں ہے۔ میں ہمیشہ سوچا کرتا تھا کہ حضور قلب اس کا نام ہے۔ اس کیفیت کا جب ابتداء مجھے احساس ہوا تو اس کے بعد میں ہمیشہ حضرت کی نماز کا غور سے مشاہدہ کیا کرتا اور برسوں اس کا نظارہ یکساں کرتا رہا کبھی حضرت کو صحت و علالت میں بیٹھ کر نماز پڑھتے بھی میں نے نہیں دیکھا بجز ایک دفعہ کے کہ دو آدمیوں نے پکڑ کر حضرت کی خواہش کے موافق مغرب کی نماز ادا کر دوائی۔ اس وقت حضرت ایسے علیل تھے کہ جانبر ہونے کی ظاہری توقع بالکل جاتی رہی تھی۔

ہاں یہ بالکل صحیح ہے کہ حضرت کی نماز جس نے دیکھی وہ کہہ سکتا ہے کہ شاید عمر بھر میں ایسی نماز نہ دیکھی ہوگی قیام کی حالت میں کیا مجال کہ ادھر ادھر میلان ہو۔ میرے ایسے سکون کے ساتھ کھڑے ہونے تھے کہ حرکت نام کو نہ تھی پھر قیام بھی طویل ہوتا تھا اور عمر بھی ضعیفی و پیری کی تھی مگر آپ کا سکون دیکھ کر جوانوں کو شرم آتی تھی یہ ہر خند پیر و خستہ و بس نا تو اس شرم ہر گز نظر نہ سوتے تو کردم جواں شرم

لے ٹھہر کر ادا کرنا اور عذرہ بنانا۔ لے آئے جانے والا۔ لے حدیث شریف میں کہ نماز ایسی پڑھو گویا تم حق تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو۔ لے فقہاء نے لکھا ہے کہ جہاں تک ہو سکے روکا کرے۔ لے دل کا حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنا۔ لے اگرچہ دل خواستہ اور بہت کمزور ہو گیا ہو

اس کے بعد کوئے بھی موافق سنت سجدہ بھی موافق سنت ہر کن میں پوری تعدیل اور ہر جز میں کامل سکون، سنن و آداب و سختی کی پوری رعایت کہ جی چاہتا تھا حضرت کی نماز کو دیکھ جاؤ اور کتابوں میں جو تفصیل پڑھی ہے اس کا مجموعہ مفصل نظر میں ڈال لو۔

آپ کی نماز دیکھ کر کفار کو بھی اس کا احساس ہوتا تھا کہ حضرت نماز میں ایسے مکھڑے ہوتے ہیں جیسے خدا کے سامنے کھڑا ہونا چاہئے۔ چنانچہ ایک بار آپ سفر میں تھے اسٹیشن پر ظہر کی نماز کا وقت ہوا اور جماعت کا انتظام کیا گیا۔ آپ نے ظہر کی سنتیں حسب عادت کمال اعتدال کے ساتھ پڑھیں اور پھر فرضوں کی جماعت ہوئی۔ چند انگریز بھی نماز کے منظر کو دیکھ رہے تھے جماعت سے فارغ ہو کر سب نے سنتوں کی نیت باندھی اور جب اس سے فارغ ہو گئے تو ایک انگریز نے ایک نمازی سے پوچھا کہ تم کس کی نماز پڑھ رہے ہو؟ کہا خدا کی نماز پڑھتے تھے۔ انگریز نے حضرت کی طرف اشارہ کر کے پوچھا اور یہ کس کی نماز پڑھ رہے ہیں؟ کہا یہ بھی خدا کی نماز پڑھتے ہیں تو وہ انگریز بے ساختہ بولا کہ ہاں یہ پادری تو بیشک خدا کی نماز پڑھتا ہے مگر تم خدا کی نماز نہیں پڑھتے معلوم نہیں کس کی پڑھتے ہو۔

ایک بار آپ نے خود فرمایا کہ نماز پڑھنے ہوئے نہ مجھے شور و غل پر التفات ہوتا ہے نہ گلے بجانے پر البتہ اگر کوئی قرآن پڑھنے لگے تو مزاحمت ہونے لگتی ہے اور اس طرف التفات میں منحصر ہو جاتا ہوں۔ اس کا راز حب کلام اللہ تھا کہ اس کو سن کر خود بخود طبیعت کھیتی اور مالی نازع القرآن کی حقیقت کا انکشاف کیا کرتی تھی۔

جمعہ کے دن بعد اشرق کوئی خاص خط یا مسئلہ یا مضمون جو تہفہ کے دوران میں آیا ہوا ہوتا تو اس کو تحریر فرماتے اور پھر خط بنواتے اور غل کیا کرتے تھے۔ عموماً آپ کی عادت شریفہ حلق راس کی تھی اور اس میں جانب راست کی تقدیم ملحوظ رہتی تھی۔ لبوں کا بھی آپ حلق کرتے اور کبھی مقراض سے اتنی باریک کہ گویا حلق کی ہوئی ہیں۔ ٹوٹا بھی آپ کی گنجائش اور بھری ہوئی نہ تھی مگر اس میں بھی آپ کنگھا کرتے اور قبضہ سے زائد تر وادیا کرتے تھے۔ ناخن ترشوانے میں ترتیب سنون کا پورا لحاظ فرماتے کہ داہنے ہاتھ کی انگشت شہادت سے شروع فرما کر چھنگلیا تک پہنچتے اور پھر بائیں ہاتھ کی چھنگلیا سے انگوٹھے تک پہنچ کر آخر میں داہنے انگوٹھے کا ناخن ترشوانے تھے کہ ابتدا و ختم بیٹیں پر ہوتا تھا۔ پاؤں کے ناخن جب بڑھ جاتے تو وہ بھی ترشوانے اور رغل کا حلق کرایا کرتے تھے۔

ابو حنیفہ شریف میں جو آیا کہ مقتدیوں کو پڑھنے پر حضور نے فرمایا تھا کہ مجھے کہا کہ قرآن میں مزاحمت کیا جاتا ہوں۔ اب حقیقت کھلی کہ قرآن شریف کی محبت کی وجہ سے التفات ہو کر مزاحمت ہوتی تھی دوسری کسی چیز سے نہ التفات ہوتا تھا نہ مزاحمت۔

سہ مرتبہ نہانے کی۔ سہ داہنی جانب کے پہلو کرنے کی رعایت۔ سہ خفیہ کی تحقیقات میں یہی سنت ہے۔

سہ داہنے پر۔ گواس کی روایت ضعیف ہے مگر موضوع نہیں ہے۔ حدیث شامی جلدہ میں ہے۔

غسل اکثر نیم گرم پانی سے فرماتے اور سخت گرمی میں ٹھنڈے پانی سے۔ بعد غسل کھانا تناول فرما کر قیلولہ کرتے اور بارہ بجے اٹھ کر وضو فرما کر مدرسہ میں تشریف لاتے۔

عطر سے رغبت کپڑے بدلتے چوغہ پہنتے اور اعلیٰ سے اعلیٰ عطر لگاتے، کوئی ہیمان ہوتا تو مختلف قسم کے عطر کی شیشیاں اس کے سامنے کر دیتے کہ جو پسند ہو وہ لگائے عطر آپ کو غنہ کا زیادہ پسند تھا۔ اس کے بعد گلاب مشک کی خاں اور اگر ایک بجے کے قریب مسجد دارالطلبہ میں تشریف لے آتے اور صف اول میں امام کی دائیں جانب منبر کے سامنے کھڑے ہو کر سکون کے ساتھ اول نچتہ المسجد اور پھر جمعہ کی چار سنتیں پڑھتے اور پھر تسبیح پڑھا شروع فرما دیتے تھے۔

غسل اور کپڑے بدلنے کا اہتمام اس قدر تھا کہ بچہ نہ اگر سفر فرماتے تو دھلے ہوئے کپڑوں کا جوڑہ اور جبہ ساتھ رکھتے تھے اور قیامگاہ پر غسل فرما کر بدلا کرتے تھے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اول مغسول اور پھر مستعمل کپڑے باندھنے کی دشواری سمجھ کر کپڑے بدل کر سفر کیا ہو۔

لباس لباس آپ کا سادہ تھا کہ نیچا کرتے، ٹخنہ سے اونچا پا جامہ اور صدری مگر نظافت زیادہ پسند تھی اس لئے سفید شفاف کپڑا پہنتے تھے۔ موٹا کپڑا بھی آپ کی نزاکت بدن برداشت نہ کر سکتی تھی اس لئے یار یک ملل یا تن زیب کا کرتہ ہوتا تھا اور ٹھنڈا کا پا جامہ۔

سفر میں بستر کا اہتمام سفر میں بستر ساتھ رکھنے کا آپ کو اہتمام تھا کہ میران کو فکر و پریشانی نہ ہو۔ بالخصوص تنیکہ آپ بہت نرم رکھتے تھے کہ ذرا سخت ہوتا تو نیند نہ آتی تھی اس چھوٹا تنیکہ سنبھل کی روٹی کا اور مصلیٰ چارے میں قالین ایرانی کا اور گرمی میں سوئی ضرور ساتھ ہوتا تھا۔

سودیشی خربک سودیشی کی خربک میں آپ نے ولایتی کپڑے کا استعمال کبھی حرام نہیں فرمایا۔ ہاں ملکی نفع کی خاطر سیاسی درجہ میں کوئی ترجیح دینا تو برا نہ سمجھتے تھے۔ جو لوگ دین کی محنت سے محروم اور نصرا نیت سے انس کی طرف مائل ہیں ان کی یہ حرکت کہ اپنی ہر چیز کو دین کی چادر پہنانے کی کوشش کرتے ہیں آپ کو ہمیشہ ناپسند ہوئی کہ سوڈا واٹر کی اُپہان یا پھونس کی آگ کی طرح دینے والا ہوتا ہے چنانچہ بارہا تجربہ ہوا کہ وہ لوگ کل جس چیز کو اپنی زبانوں سے فرض کہہ رہے تھے آج وہی اس کو حرام کہنے لگے اس لئے آپ نے کسی شورش کے وقت بھی حقیقت الامر اور اعتدال سے باہر قدم نہیں رکھا۔ خود کسی کی پھٹی چادر میں پاؤں ڈالنا بھی پسند نہ کیا کہ نفاذ خانہ میں طوطی کی آواز نہ تھی۔

ہلہ دھلے ہوئے پھر بد بدلنے کے مستعمل باندھنے کی۔ یہ خلاف کیٹی کے زمانے میں یہ تحریک چلی تھی کہ انگریزی فیکٹریوں کے بنے ہوئے حرام اور دینی حلال ہیں جس کی کوئی شرعی دلیل نہ تھی گو سیاسی مصلحت ہو۔

حق گوئی و بیباکی

اسی طرح جس وقت گائے کے ذبح کا ترک شروع ہوا اور بہتیرے مولویوں نے بھی اس کو مباح قرار دے کر مصالح دینیہ ترجیح ترک پر فتوے دیدیئے تو آپ نے سکوت پسند نہیں کیا اور شعارِ اسلام ہونے کے لحاظ سے اس کی ضرورت علماً و عملاً محقق فرمائی۔ اُس وقت آپ پر سب و شتم ضرور ہوا مگر جذبہ ہی روزِ بعد اس کا نتیجہ دیکھ کر ممانعت کا فتوے دینے والے خود فرضیت کا فتوے دینے لگے بغرض اس اصول کے ہمیشہ آپ پابند رہے کہ ہر کارے و ہر مردے۔ دنیوی ضروریات پر جس طرح اول نظر لیڈران قوم کی جائے گی۔ اسی طرح دینی ضروریات پر اول نگاہ پڑنا علما و مشائخ کا منصب ہے کہ لیڈران قوم کا فتویٰ جس میں وہ علما کو متفق کرنے کی کوشش کریں کسی طرح دین نہیں ہو سکتا۔ ایک بار آپ نے افسوس کے ساتھ فرمایا مسلمان اس شورش میں ہلاک ہو جائیں گے کہ لیڈران کو کر لیا آگے اور مولوی ہوئے ان کے پیچھے۔

سرپرستِ عامہ آپ کی اکثر عادت تھی اور زیادہ گرمی میں ہلکی ٹوپی کم قیمت سرے مڑھی ہوئی اور تھتے تھے جو اکثر میرٹھ سے تیار کرنا کر بھیج دیتا تھا جو غنہ آپ کا ادنیٰ کشمیری بیش قیمت تھا اور جاڑے میں اکثر اس کو پہنا کرتے تھے۔ پاجامہ میں کمر بند خاص بناوٹ کا ہوتا تھا جس کا بٹنا آپ نے مولوی زکریا کی اہلیہ کو کہ بیٹی کے برابر سمجھتے تھے سکھلویا اور وہ بُن کر حضرت کی خدمت میں پیش کیا کرتی تھی۔ اچکن پہنے ہوئے میں نے حضرت کو کبھی نہیں دیکھا۔

جو تہ سادہ یا ایک پھول کا پہنتے تھے مگر نہایت نرم جو اکثر لیڈر ہیانہ یا انبالہ سے آجاتا تھا۔ بڑا رد مال ہاتھ میں رکھنے کی عادت تھی اور اخیر زمانہ میں لالٹھی بھی رکھتے تھے۔

ہمت آپ کی نہایت وسیع تھی اور استقامت کا اثر دنیا کے ہر کام پر بھی پڑتا تھا کہ جن کام کا جس طریق پر عزم فرمایا اس سے ہٹتے نہ تھے جس وقت پر کہیں پہنچنے کا وعدہ کر لیا اور جس وقت کے متعلق واپسی کا گھر والوں سے ذکر فرما گئے کتنا ہی کسی کا اصرار ہو مگر اس میں سہ ہر کام ہے اور ہر موقعی اس کے اہل۔ قوی کام علمائے دین کا ہے نہ کہ لیڈروں کا۔

سہ اچکن شیردانی مراد ہے گو وہ مسلمانوں کا لباس ہے مگر صلی کا لباس نہیں ہے اس لئے اُس سے بھی بزرگوں نے پرہیز کیا ہے۔ ہاں چھکلی کا انگوٹھا جو عام تھا قاضی فاجروں کا لباس نہ تھا وہ بارہا پہنتا ہے۔ اور جو تانگری بوٹ گرگانی چپل وغیرہ بھی صلی کا طور نہیں ہے گو عام ہو جانے کی وجہ سے وہ خصوصیت کفار سے اور بعض خصوصیات فساد سے بھی نکل چکے ہوں اس لئے وہ بھی استعمال نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ احقر کو انگریزی جوتا پہنے دیکھ کر فرمایا تھا یہ کیا کھونٹے سے پہن رہا ہے پچاس برس ہو گئے دل میں ایسا چھکا کہ کبھی سلیپر یا چپل بھی نہیں پہنا حضرت گنگوہی کی طرح حضرت بھی اظہارِ نعمت میں خوش لباس تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نہایت سادہ سے کسی نے حضرت گنگوہی کی خوش لباسی کا ذکر کیا تو فرمایا اس شخص کا نفس ایسا ہے کہ وہ جو بھی پہن لے اثر نہیں لیتا۔

تخلف نہیں ہوتا تھا کہ دوسروں کو انتظار کی تکلیف ہوگی، اور اس بارے میں حضرت کو پس نے اتنا تشدد پایا کہ صد ہا واقعات پر نظر رکھی اور برسوں مشاہدہ میں کبھی ایک دفعہ بھی خلاف نہیں ہوا۔ ناواقف ناقدین اس کو ضد یا رکھاؤٹ و بے مروئی سمجھتے تھے کہ شتاؤں کی الحاح پر بھی نہیں پیچھے مگر جو سمجھتے تھے کہ عزم و صدق اور وفاء وعدہ کی حقیقت کیا ہے وہ حضرت کے اس عمل سے سبق لیا کرتے تھے۔

ایک بار آپ نے صوفی محمد علی صاحب کی طلب پر پوٹھ تشریف لانے کا وعدہ فرمایا مگر راستہ میں گاڑی کا میل نہ ہونے کے سبب آپ نہ پہنچ سکے دوسری گاڑی سے تشریف لانے مگر ہم خدام انتظار دیکھ کر واپس ہو گئے تھے۔ ہاپوٹھ کے اسٹیشن پر کہ پوٹھ وہاں سے تین میل تھا حضرت کی زیارت ہوئی اور مجبور چند گھنٹہ وہیں ایک مسجد میں قیام کیا۔ اتفاق سے وہاں کے تھانا دار میرے دوست تھے ان کو معلوم ہو کہ میں اور میرے حضرت مسجد میں مقیم ہیں تو فوراً حاضر ہوئے اور اصرار کیا کہ مکان پر کھانا تناول فرما کر جائیں حضرت نے مان لیا اور فرمایا کہ واپس جانا اسی گاڑی سے ہے انھوں نے کہا بہتر اور اسباب اٹھو اگر مکان پر لے آئے کھانے کا اہتمام شروع کر دیا کہ کئی قسم کا ہو، اس میں دیر ہوئی اور حضرت نے گھڑی دیکھی کہ وقت قریب آیا۔ دین بار حضرت نے تقاضا فرمایا کہ بھی جو پکا ہو وہ لے آؤ گاڑی ہاتھ سے نہ جاتی رہے۔ مگر وہاں حضور ابھی آنا ہے کہہ کر ٹلاتے رہے کیونکہ طیارہ نہ ہوا تھا۔ جب وقت بہت حضور آ رہا گیا تو حضرت سے ضبط نہ ہو سکا اور میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا چلو بستر اٹھاؤ کہ اب وقت میں گنجائش نہیں ہے۔ میں ایسی صورت میں دوست کی رعایت کیا کرتا تو فوراً اٹھ کھڑا ہوا کہ بہتر میزبان نے یہ دیکھا تو کچا پکا جو کچھ تھا جلدی سے لا کر سامنے کر دیا حضرت بیٹھ گئے اور تناول فرماتے ہوئے کہا کہ تمہارے اس تکلف ہی نے تو ہمیں اور میں دونوں کو پریشان کیا۔ ایک شخص کی خاطر اس کو انتظار میں پریشان کرنا مجھے پسند نہیں خصوصاً جب عرض کر دیا تھا کہ اس ہی گاڑی سے جانا ہے تو محبت و اخلاص کا تقاضا یہ تھا کہ وقت کی گنجائش دیکھ کر جتنا ہو سکتا و سنا پکواتے۔ شریعت نے اسی سادگی کی تعلیم دی ہے نہ کہ دوسروں کو حرج میں ڈالنا کہ اسی کا نام تکلف جو ممنوع ہے۔

ایک مرتبہ آپ اجاب کی درخواست پر منصور پور تشریف لے گئے جو اسٹیشن منانی سے تین میل تھا۔ مولوی ظفر احمد صاحب ساتھ تھے۔ حسب وعدہ ایک دن قیام فرما کر اگلے دن واپسی کا قصد کیا تو گاؤں والے مزید قیام پر مصر ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ بس اتنا ہی قصد کر کے چلا تھا مگر رسد کا حرج ہو گا اور آنے والے جہان پریشان ہوں گے۔ گاؤں والوں نے ایک نہ سنی اور سوارن کا انتظام نہ کیا۔ جب ریل کا وقت آیا تو حضرت نے مولوی ظفر احمد صاحب سے فرمایا چلو بھی سامان اٹھاؤ اور کچھ مجھے دیدار و ویریل ہی چلو۔ انھوں نے سارے اور جہاں جس وقت کی اطلاع ہے ان کا انتظار اور خلاف ہونے پر تکلیف کس قدر ہے۔

عرض کیا حضرت سامان کچھ نہیں صرف ایک بستر ہے وہ میں لے لوں گا چنانچہ حضرت نے گاؤں والوں سے کچھ نہ فرمایا اور پیدل چل پڑے۔ گاؤں والوں نے دیکھا کہ حضرت روانہ ہوئے تو جلدی جلدی سواری کا انتظام کیا اور پیچھے ہوئے مگر اس وقت پہنچے جبکہ حضرت تین میل کی مسافت قطع فرما کر اسٹیشن پر پہنچ گئے۔ حضرت نے فرمایا اب سواری کس کے لئے لائے میں تو ریل پر بھی آیا اور دیکھو اس طرح کسی کو تکلیف نہیں دیا کرتے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آئندہ یہاں آنے کی مجھے ہمت نہ ہوگی۔

بے تکلفی و سادگی | آپ نشست و برخاست اور حرکت و سکون میں سادہ اور بے تکلف تھے مجلس میں جہاں جگہ پاتے بیٹھ جاتے۔ کوئی صدر پر بیٹھے کا اصرار کرتا تو اس میں بھی تکلف نہ تھا اور سب کے پیچھے جگہ ملتی تو اس میں بھی گرانی نہ تھی۔

بدوؤں کے مشاعرہ میں شرکت | رزی انجہ کو منیٰ میں مجھے اطلاع ملی کہ یہاں بدوؤں کا مشاعرہ اور قومی مفاخرہ جو کبھی جاہلیت میں ہوا کرتا تھا اب بھی ہوتا ہے مجھے شوق ہوا کہ عرب کی فصاحت و ادبیت جس کا قرآن مجید سے مقابلہ کیا گیا ہے کاش دیکھتا کہ کیا رنگ چنانچہ حضرت سے عرض کیا اور عشا کے بعد حضرت بھی میرے ساتھ ہوئے جبکہ دریافت کرتے ہوئے بستی سے دو مقرر اسماعیل کے مقابل کھلے میدان میں بدوؤں کا اجتماع دیکھا اور اجنبی تماشائی بنے ہوئے اس میں گھس گئے، بدو دائرہ بنائے ہوئے کھڑے تھے اور وسط میں درری کا فرش تھا جس پر چند سرداران بدو بیٹھے ہوئے تھے، ان میں حقہ کا دو چل رہا تھا اور دو مختلف قبیلوں کے جن میں مفاخرہ ہونا تھا دس دس بدو بالمقابل کھڑے تھے۔ ایک بدو آگے بڑھا اور اس نے عربی شعر پڑھا اور اس کی قوم نے اس کو متفقہ آواز میں گانا شروع کر دیا۔ یہ گویا دعویٰ اور سوال تھا کہ فریق مقابل سے اس کے جواب کا مطالبہ ہے۔ اس شعر میں اپنی قومی شرافت کا بلیغ تذکرہ کرتے ہوئے دوسرے پر طعن کیا گیا تھا۔ دو منٹ نہ گزرنے پائے تھے کہ فریق مقابل کا ایک بدو اپنے جھٹے سے نکل کر آگے آیا اور چھڑی ہلائی۔ اس کے نکلنے ہی سارے بدو خاموش ہو گئے اور اس نے اسی بکر اور اسی قافیہ میں شعر پڑھا جس میں خصم کے لعن کا بلیغ جواب دیتے ہوئے اپنے قومی مفاخرہ کا تذکرہ اور نزہت جی تھی، اب اس کی قوم اس شعر کو متفقہ زبان میں گاتی اور گویا بار بار خصم سے مطالبہ کرتی تھی کہ جواب لاؤ۔ چنانچہ جماعتِ اولیٰ میں سے پھر کوئی شخص جلد از جلد آگے بڑھ کر چھڑی ہلاتا اور سب کو خاموش کر کے اُسی بکر اور اسی ردیف میں جواب الجواب سنانا اور اس کے جھٹے والے اس کو گانا شروع کر دیتے۔ وسط میں بیٹھے ہوئے سردارانِ قوم گویا حکم و سرترج تھے کہ شعر قابلِ مدح ہوتا تو نچ کر کہہ کر تحسین کرتے اور مذموم و ناقص ہوتا تو تھو تھو کر کے تہجین و تنقیص کر دیتے تھے۔

حضرت دس مہری کے عالم میں عامی بنے ہوئے دیزنگ بندہ کے ساتھ جھڑپ میں کھڑے رہے اور حیرت سے دیکھ رہے تھے کہ نہ پہلے سے کوئی مضمون دیا ہوا ہے نہ بحر معین کی ہوئی ہے نہ ایک فریق کو یہ معلوم ہے کہ خصم کیا طعن دیکھا اور اپنا کونسا فقر ظاہر کرے گا جس کے لئے تیار ہو کر آئے ہوں۔ فوراً سوال اور فوراً ہی اسی طرز میں جواب اور پھر جواب الجواب اور پھر اس کا جواب کہ یہ سلسلہ چلتے ہوئے گھنٹہ بھر سے زیادہ گزر گیا۔ جواب میں کسی فریق کو دیر ہو جاتی تو پیچوں کی طرف سے عجلت کا تقاضا شروع ہوتا ورنہ ہارا اور مغلوبیت سمجھی جاتی تھی۔ کیا حال ہو گا پہلی فصاحت کا جس کے متعلق سنا ہے کہ فی البدیہہ کھڑے کھڑے پچاس ساٹھ شعر بنا دینے کوئی بات ہی نہ تھی، گویا پہلے سے بنائے ہوئے سنا رہے ہیں اور اشعار بھی وہ جن سے جنگ میں شراب کا کام لیا جاتا کہ سامعین مست و بخود ہو کر جانیں لڑا دیا کرتے تھے۔ اب اتنا ضعف ضرور ہے کہ دعویٰ اور جواب کے لئے ایک شخص کی تحدید نہیں ہے بلکہ قوم کے دس شاعر ایک کے حکم میں ہیں کہ جس کی طبیعت جلد رسائی کر جائے وہ جواب دیدے۔ مگر شعر میں صرف وزن و قافیہ ہی نہیں بلکہ نہ تمام رعایتیں ضروری ہیں کہ الفاظ بہذب ہوں بندش دلربا ہو مضمون سلیس ہو مفہوم بے بغار اور آسان ہو، پھر اس میں مدعی کے دعوے کا نفقہ مدلل ہو، اس کے طعن و اعتراض کا جواب ہو، اس کی مفاخرت کی تردید ہو اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اپنی مفاخرت کسی واقعہ سے مبرہن اور خصم پر طعن باقاعدہ ہو۔ اتنی کثیر رعایتیں اور چند منٹ کی تاخیر یہ خصم کا اپنا جواب شعر کو بار بار دگاتے ہوئے اس پر زبان حال طعن کرنا کہ بس جواب بن نہ پڑا۔ اوٹ چرانے والے ان پڑے بدوؤں میں یہ ایسا دلکش نظارہ تھا کہ قرن اولیٰ کی دشواریاں یاد دلا کر محم حیرت بنائے ہوئے تھا۔ آخر وقت ختم ہو گیا اور مفاخرہ آئندہ شب پر ملتوی ہوا کہ فیصلہ کے لئے تیسری شب یعنی وہ رات ہے جو ۱۲ تاریخ گذر کر آئے گی۔ میں نے دیکھا کہ گھنٹہ بھر میں حضرت نے بیٹھے کا بھی قصد نہیں فرمایا، نہ جہنیت محض سے اکتائے اور نہ اُجڑے دروؤں کی دھکا پیل سے گھبرائے۔ جب تمک گئے تو فرمایا چلو بھی اب رات زیادہ ہو گئی اور مخدوم و خادم دونوں اُسی راستے سے قیام گاہ پر واپس آ گئے۔

سفر حج میں آپ پیدل چلنے پر سواری کو ترجیح دیتے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہاں کی سواری میں آرام تو زیادہ ملتا نہیں بلکہ ہچکولوں سے ہڈیاں تنگ دُکھنے لگتی ہیں۔ اس لئے مالی اور بدنی مشقت مجتمع ہو جاتی ہے جس کے لئے حج کی وضعیت ہوئی ہے۔ اور پیدل چلنے میں نہ مالی مشقت ہے نہ زیادہ بدنی۔ ہاں سواری ساتھ لے ہوئے کبھی آپ پیدل بھی چلتے بالخصوص مدنی راستہ میں نمازوں کیلئے یا آخری منزل میں دارمحبوب کے قریب پہنچ کر۔ آخری سفر میں مدینہ سے چار میل ورے ایک کنوئیں پر قافلہ کو روکا، غسل کیا کپڑے بدلے خوشبو لگائی اور آستانہ محبوب پر حاضری کے لئے تیار ہو کر اونٹ پر سوار ہوئے۔ چند قدم چلے تھے کہ مولوی سید احمد صاحب نظر آئے

جو استقبال کے لئے یہاں تک آگے تھے ان کو دیکھتے ہی آپ اونٹ سے اتر لئے اور خاص رفقا نے بھی ساتھ دیا مگر جب دیکھا کہ جگہ دور ہے تو اکثر لوگ تو دوبارہ سوار ہو گئے مگر حضرت نے یہ چار میل نہایت بشارت کے ساتھ پیدل ہی قطع کئے کہ جو رفیق ساتھ رہ گیا تھا جگہ پر پہنچ کر بد حال ہو گیا اور بیٹھ کر اٹھنا مشکل پڑ گیا مگر حضرت نے باوجود زمانہ پیری کے کچھ بھی ٹکان نہ مانا۔

زکوٰۃ آپ پر بھی آخری چند سال کے کبھی فرض نہیں ہوئی کہ کبھی صاحب نصاب ہی نہیں ہوئے بلکہ مفروض رہتے تھے۔ اور جب کچھ حصہ جائیداد وغیرہ کی یکمشت رقم مل جاتی تو حاضری حرمین میں خرچ فرمادیا کرتے تھے یا صدقات میں۔

مرحومہ دختر کے ترکہ میں آپ کو حصہ ملا تو آپ نے سب کا سب مدرسہ میں دیدیا۔ مرحومہ کی کوئی چادر یا استعمال شدہ کوئی اور کپڑا جس کے متعلق داخلہ مدرسہ کے بعد اس کی ماں کو خیال آیا کہ یادگار کے درج میں خود رکھ لیتی مگر حضرت نے فرمایا اب تو اس کی ملک بن چکا مجھے واپسی کا حق نہیں ہے۔ والدہ نے اپنے بھائی کی معرفت ہتھم صاحب سے کہلویا تو انھوں نے بھی صاف جواب دیدیا کہ واپسی نہیں ہو سکتی۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ نیلام کرتے وقت قیمت بڑھا د اور لے لو۔ بھائی نے کہا بھی کہ نیلام میں جو قیمت قرار دے وہ ہم دیدیں مگر ہتھم صاحب حد سے زیادہ محتاط تھے فرمایا مجھے قیمت کا انداز کرنے میں غلطی کر جانا ممکن ہے کہ شاید اس سے زیادہ مل سکے اور مدرسہ کی چیز ہے جس میں مجھے رعایت جائز نہیں۔ ان کو غصہ بھی آیا اور حضرت سے کہا بھی کہ ہتھم بہت ہی بے مروت ہیں مگر حضرت نے فرمایا ان کا منصب یہی ہے اور آخر اس میں کیا حرج ہے کہ نیلام کے وقت تم جاؤ اور لینا ہو تو اجتہاداً حیثیت سے جس قیمت پر پہنچے بڑھا کر لو۔ چنانچہ نیلام ہوا اور بولیاں بولی گئیں۔ اتفاق کی بات کہ ان کی بولی پر چند پیسے کسی نے بڑھائے تھے کہ یہ سوچتے ہی رہے اور کہاں ایک دو تین ہو گیا۔ ان کو بہت ہی رنج ہوا مگر حضرت نے دی جواب دیا جو ہتھم دے چکے تھے کہ اس میں کسی کا کیا قصور؟ کوتاہی تمہاری تھی کہ جب لینا تھا تو قیمت کیوں نہ بڑھائی، اب خریدار سے نہیں کہا جاسکتا کہ تمہاری بہن کی رعایت میں تم کو دیدے۔

ماہ رمضان میں آپ کی نقیض طعام زیادہ بڑھ جاتی تھی مگر معمولات میں کوئی فرق نہ آتا تھا نہ فتاوے بند ہوتے تھے نہ خطوط

ماہ رمضان میں حضرت کے معمولات

کی آمد کرتی تھی نہ زائرین کی ملاقات میں کمی آتی تھی۔ ہاں مدرسہ کی تعطیل رہتی تھی اور درس کا وقت تلاوت کلام اللہ کی نذر ہو جاتا تھا آپ اخطا میں تعجل فرمایا کرتے تھے اور سحر میں نایتیہ و طلوع فجر کے پندرہ منٹ قبل نوافل معمولہ سے فارغ ہو کر کھانا تناول فرماتے اور پانچ منٹ قبل پہلے گولے کی آواز پڑی کر لیا کرتے تھے، روزہ

کی حالت میں آپ کے چہرہ یا آواز سے کسی کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ آپ روزہ سے ہیں یا بھوک پیاس کی تکلیف سے۔
 افطاریں آپ تمر مدینہ یا بزرگ مزہ سے کرتے اور کبھی ٹھنکی دال وغیرہ کچھ افطاری بھی مکان سے آتی
 اور سب کو ساتھ بٹھا کر آپ کھاتے تھے۔ مغرب کی نماز کو اتنا مؤخر فرماتے تھے کہ روزہ دار اطمینان سے
 کچھ کھاپی لیں کہ اس حدیث کا صحیح محل اور قدر و منزلت سب پر واضح ہو جائے جس میں ارشاد ہے
 کہ نماز پر کھانے کو مقدم کرو۔

مختصر افطار کے بعد آپ باجماعت فرض پڑھتے اور پھر اس تطویل کے ساتھ صلوٰۃ الاوابین جس کے
 آپ عادی تھے باطمینان فارغ ہو کر مختصر سا کھانا کھاتے اور پھر وضو فرما کر عطر وغیرہ لگا کر تراویح کے لئے
 تیار ہو جاتے تھے۔ رمضان کے لئے جانماز بھی عمرہ نکالی جاتی تھی اور خوشبو کا بھی اکثر زیادہ استعمال فرمایا کرتے تھے۔
ختم قرآن کا اہتمام ختم قرآن کا بڑا اہتمام تھا مگر یا خود پڑھتے یا صحیح پڑھنے والے خوش الحان کا
 سننے اور یالی قدر میں اور راتوں سے زیادہ جاتے تھے۔ ایک سال ۲۱-۲۳

۲۵-۲۶-۲۹ کی پانچ راتوں میں آپ نے مولانا محمد یحییٰ صاحب کا پورا قرآن تہجد کی نفلوں میں سنا
 مگر جماعت میں تین چار آدمی سے زیادہ نہ ہوتے تھے کہ مکروہ ہے۔ اور جماعت شروع ہونے سے پہلے دو
 دو رکعتیں ہلکی پڑھ لیا کرتے تھے۔

اعتکاف کا اہتمام عشرہ اخیرہ میں اعتکاف کا آپ کو بڑا اہتمام تھا کہ ہجر آخری ایک دو سال
 کے جس میں آپ پر ضعف کا زیادہ غلبہ تھا کبھی آپ کا اعتکاف نہیں چھوٹا۔
 معمولات کے متعلق جو آپ کی سادہ اور دائمی ایک عادت تھی بس وہ ایک عجیب چیز تھی کہ نہ رمضان میں
 بدلتی تھی نہ شوال میں۔ کسی خاص یوم یا جیسے میں کوئی خاص اضافہ ممکن نہ تھا مگر دائمی حالت میں ترمیم
 مفقود کہ نہ اس میں کوئی شے کم ہوتی تھی نہ وقت بدلتا تھا۔ ضرورت ہوتی تو آپ رمضان میں بھی سفر کیا کر
 مگر حافظ کو ضرور ساتھ لے جاتے تھے کہ تراویح یا تہجد پڑھیں تو وہ سامع بنیں ورنہ ان کو امام بنا کر
 سنیں کہ ختم قرآن یا اس کی ترتیب میں فرق نہ آوے۔

شیخ رشید احمد صاحب سے آپ کو بہت محبت تھی ان کے بچوں کے ختم قرآن کی خوشی میں آپ تشریف
 لائے۔ اپنی تراویح تو علیحدہ پڑھیں مگر ختم کے وقت مسجد میں تشریف لا کر بیٹھ گئے۔ اپنے خدام کی خوشی اور غمی
 میں شریک ہونے کا آپ کو زیادہ اہتمام تھا اور اس لئے ولادت عقیقہ بسم اللہ نکاح دکان بنیاد مکان
 ختم قرآن وغیرہ کی جس خوشی میں آپ بلائے جاتے تو شرکت فرماتے اور کوئی مصیبت دیکھتے تو روکتے
 ورنہ خندہ روئی کے ساتھ بیٹھے رہتے تھے۔

ایک شادی کی تقریب میں آپ کی تقریب نکاح میں میرٹھ صدر تشریف لائے۔ لڑکے والے نے درخواست کی کہ تبرگ دو لھا کو کپڑے حضرت پہنا دیں۔ آپ وہاں تشریف لے گئے جہاں دو لھا غسل کے بعد کپڑے پہنے کا منتظر کھڑا تھا، بندہ بھی

ساتھ تھا۔ کرتہ پا جامہ تو آپ نے اٹھا کر دیدیا۔ لیکن کانبرا یا تو آپ نے کہا دیکھنا کیا ریشم کی ہے؟ میں نے غور سے دیکھ کر عرض کیا کہ جی حضرت ریشم ہی معلوم ہوتا ہے آپ نے اس کو رکھ دیا اور فرمایا اس کا پہننا اور پہننا حرام ہے۔ پھر ٹوپی دیکھی تو وہ بھی مغرق۔ اس پر حضرت نے تبر لہجہ میں فرمایا یہ بھی حرام۔ لڑکے والے کچھ مختا نہ تھے انھوں نے حضرت کے انکار کی پروا نہ کی اور خود اٹھا کر دو لھا کو پہنا دیا حضرت کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا مگر تحمل فرمایا اور مجھ سے یہ کہہ کر چلو“ وہاں سے واپس ہو گئے۔

آپ قیامگاہ پر بھی نہ آئے اور رنج و افسوس میں بھرے ہوئے حاجی و جیم الدین صاحب کے مکان پر آ بیٹھے فرمایا یہ کیا تعلق ہے کہ معصیت میں شریک کرنے کو بلاتے ہیں۔ اس نکاح میں شریک ہونے والے سب گنہگار ہوں گے جہاں دو لھا حرام لباس پہنے بیٹھا ہو کہ کوئی عامل ہے اور کوئی اس پر راضی۔ یہ سکر سب میں ہل چل مچ گئی کہ برادری کا قصہ تھا اور حضرت کے ساتھ کئی لوگوں کو تعلق تھا کہ نہ حضرت کو چھوڑ سکیں برادری روڑے ہوئے گئے کہ کسی طرح دو لھا کے کپڑے بدلوادیں مگر بہتر یہ تھے جن کو نہ حضرت سے تعلق تھا نہ اتباع شریعت کا اہتمام اس لئے وہ تبدیل لباس کو نحوست اور بدشگونی سمجھتے اور کہتے تھے کہ جو دہن کے ہاں سے جوڑا آیا ہے وہی پہننا ضروری ہے۔ مگر یہ دوڑ دھوپ کرنے والے سر برآوردہ اور بدتر تھے آخر کامیاب ہوئے اور حاجی و جیم الدین صاحب مصری کپڑے کی بیش قیمت اپنی لیکن نکال کر جلدی سے پہنچے کہ اس سے بہتر تو دو لھا کو یہ جوڑا لیا ہندوستان میں بھی کہیں نصیب نہ ہوگا۔ وہ پہنا کر اور ٹوپی کے بجائے غلامہ بندھوا کر حضرت کے سامنے لے آئے کہ حضرت اب تو تشریف لے چلیں، اس وقت آپ اٹھے اور شریک عقد ہوئے۔

ایسا ہی ایک قصہ دہلی میں پیش آیا کہ بندہ اس وقت بھی ساتھ تھا اور گو ایک اور تقریب دہلی میں عقد کی شرکت میں مدعو ہو کر حضرت نہیں گئے تھے مگر قیام دہلی میں اس عقد کا

اتفاق ہوا اور دو لھا کے اعزہ نے شرکت پر اصرار کیا۔ وہی دو لھا کے کپڑے پہنے کا وقت آیا تو حضرت کو بلایا گیا اور حضرت نے ریشمی لباس دیکھ کر اس کو جھٹک جھٹک دیا۔ یہاں اتنا اضافہ اور ہوا کہ حضرت نے جب کپڑا جھٹک دیا تو فوراً دوسرے نے کھڑے ہو کر پہنا دیا حضرت وہاں سے اٹھ کر حکیم جمیل الدین صاحب کے مطب میں آ بیٹھے اور مجھ سے فرمایا کہ تانگہ لاؤ کہ چلیں اسٹیشن پر یہاں صرف چند ہی تھے جو قوم اور شریعت کے

لے زری کے کام سے بالکل غرق کہ کپڑا نظر نہیں آتا تھا ایسی جاہل تھیں اگر زری یعنی سونا یا چاندی ہو۔

مقابلہ کے امتحان میں پختہ اترے کہ وہ برادری کو چھوڑ کر حضرت کے پاس آ بیٹھے ورنہ اکثر دیندار صورتوں نے کوشش ضرور کی کہ کپڑے تبدیل ہو جاویں مگر فرقہ ثانی کا پلہ بھاری تھا اور حضرت پر طعن و تشنیع ہونے لگا تو وہ بھی چپ ہو گئے، آخر دھماکے ساتھ ہوئے۔ اللہ جزائے خیر دے حاج اسماعیل پٹنہ والوں کو کہ ایسا باہمت عالی حوصلہ شخص میری نظر سے نہیں گذرا۔ ہر چند کہ ان کے قریبی رشتہ دار کا قصہ تھا مگر ذرہ برابر پروا نہ کی۔ میں دیکھ رہا تھا کہ اسی ادب و انصاف کے ساتھ حضرت کے پاس بیٹھے حضرت کا دل بہلا رہے تھے گویا کوئی قصہ ہی نہیں ہوا۔ حضرت نے کمال تاسف کے ساتھ فرمایا ہم لوگ اسی لئے امراء کی تقریبات میں شرکت کے قابل نہیں ہیں۔ وہ لوگ اپنی رسومات میں اتنے پختہ کہ حلال حرام کا لحاظ نہ کریں اور ہم شریعت پر پختہ ہو کر ان کی خوشی و نارا رضی کی پروا نہ کریں تو ہم کو طعن کرتے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے ہم دعوتوں کے بھوکے نہیں اور نہ کسی کی تقریب میں شرکت کی امنگ۔ دلدار کو کبھی جی چاہتا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ معصیت کے قریب ہوں جس کا دل چاہے ہم کو چھوڑنے مگر ہم سے توقع نہ رکھے کہ خدا و رسول کو چھوڑ کر ان سے ملاپ کی خواہش رکھیں گے۔ حاجی اسماعیل صاحب اپنی عادت کے موافق مسکراتے اور عرض کرتے تھے کہ حضرت بالکل صحیح ہے اور یہ نئی پود تو ایسی آزاد اٹھی ہے کہ قوم کے بڑوں کا بھی ان کو لحاظ نہیں رہا جہاں شریعت کا احترام کیا و صندوقاری کا بھی نام جانا رہا۔ ان سے کوئی درخواست ہی کرنا حرام ہے۔ میں نانگ لینے اٹھا تو حاجی صاحب نے فرمایا سواری موجود ہے حضرت اس میں جائیں گے حضرت نے فرمایا نہیں آپ کو تکلیف ہوگی عرض کیا کہ حضرت میرا گھر تو اسٹیشن کے راستہ میں ہے میں ساتھ چل کر وہاں اتروں گا اور حضرت اسٹیشن پر چلے جائیں گے چنانچہ ریل کا وقت جب قریب آگیا تو حاجی اسماعیل صاحب حضرت کو اور مجھے لیکر اپنی گاڑی میں سوار ہوئے اور خود مکان کے قریب سڑک پر اتر کر کوچان سے کہا اسٹیشن پر لے جاؤ۔

حضرت کی یہ شرکت و دلداری اکثر جگہ بہتیری خرافات کی اصلاح کا سبب بن گئی اور جہاں ضد ہوئی وہاں اقل درجہ تبلیغ اور امر بالمعروف کے ساتھ اس کی تعلیم ضرور ہو گئی کہ دیندار کو کس بچنگی و استقلال کا بڑاؤ کرنے کی ضرورت ہے اور وہ مستحب معاشرت و دلداری کو نہی چیز ہے جس پر اجر کی توقع ہو اور مدد مانت و کمزوری سے ممتاز ہے۔

معاشرتی تقریبات متعلق حضرت کا حکیمانہ طرز عمل | نوشی کے مواقع پر مٹھائی وغیرہ کی تقسیم اجاب و اعزہ کے جمع کرنے کو آپ منع

نہ فرماتے اور سرور کی ان صورتوں پر آپ کو تشدد نہ تھا۔ یوں فرمایا کرتے تھے کہ جس بات کو دین سمجھ کر کیا جائے اسے کم از کم درجہ۔ سٹہ چکنا پن یعنی گناہ کو دیکھ کر خاموشی۔

حالانکہ وہ دین نہیں اس کا نام بدعت ہے اور اس پر تشدد ضرور ہے۔ مگر جن باتوں کو دنیا ہی سمجھ کر کیا جاتا ہے ان کو بدعت کا درجہ دینا فرق مراتب سے غفلت ہے۔

نیز فرمایا کرنے کے شرعی گنجائش پر عمل کر کے بلا جھلار ہنا صلہ رحمی کو بھی قائم رکھتا ہے اور اکثر اصلاح کا بھی سبب بن جاتا ہے ورنہ اس زمانہ میں آزادی ایسی آگئی کہ ہم علیحدہ ہو کر بیٹھیں تو دوسروں کو پرواہ بھی نہ ہوگی۔ وہ کہیں گے تم روٹھے ہم چھوٹے۔ اور اس طرح معاصی میں اور زیادہ ڈوبیں گے۔

اور فرمایا کرتے کہ پہلے زمانہ میں عوام محتاج تھے اور نابین رسالت محتاج الیہ کہ جتنا بھی ان پر تشدد ہوتا وہ اس کا اثر لیتے پریشان ہوتے اور توبہ و رجوع کیا کرتے تھے۔ مگر اب تو وہ زمانہ ہے کہ خود طالب بن کر لگے لپٹے رہو اور کچھ کام اصلاح کا نکال لو تو نکال لو ورنہ عوام کو اصلاح کی پروا تو کیا جس بھی نہیں ہے۔ پس اصلاح امت کے لئے اللہ و رسول کی خوشی کی خاطر سب ہی رنگ بدلنے پڑیں گے کہ اب ہم اندر عاشقی بالائے غمہائے دگر ہاں محصیت کا از نکاب کسی حال جائز نہیں۔

اور فرمایا کرنے کہ پہلا سارنگ اختیار کرے تو آج کوئی پاس بھی نہ پھٹکے۔ اس لئے ہمارے حضرت نے رسمی امور میں کبھی تشدد نہیں برتا۔ ذرا بھی کسی میں طلب پائی تو اپنے سے چٹلے رکھا کی کوشش فرمائی۔ ہاں اپنے امور میں کسی خاص صورت کے پابند نہ تھے موقع ہوا خرچ بھی کیا دعوت بھی دی زیورات اور کپڑے بھی دیئے اور اگر نہ ہوا تو سادہ طریق پر نکاح کر دیا۔ خدام آپ کی اس سادگی کا نظارہ کرتے اور اس اہل کو سمجھایا کرتے تھے کہ انسان دنیا میں اپنے اللہ کی طاعت کے لئے آیا ہے اور یہی ایک شے ہے جو ہر طرح مواظبت و اہتمام و پابندی کی صلاحیت رکھتی ہے۔ باقی دنیا محض اس لئے ہے کہ بقایا جسم اور حصول انبساط کا آکہ بن کر طاعت کی ماندگی و کسل کو کھودے۔ اس کا کوئی جزو بھی اہتمام کے قابل نہیں جیسا وقت پائے کر گذرے اور مزاج و خوش طبعی کے درجہ میں کوئی خوشی بھی منائے تو مصافقہ نہیں مگر طاعت کا معمول ترک نہ ہوا ورنہ قلب کا سکون جس پر جلاوت و لذت دینی کا مدار ہے جانے نہ پائے کہ آکہ آکہ بنا رہے اور مقصود مفقود۔

مولوی ظفر احمد کانکاح مولوی ظفر احمد صاحب کانکاح ہوا تو آپ نے فرمایا مولوی ظفر تنہا رہے گھر سے تو شاید رسم کو نہ بلایا جائے گا کہ کسی کو بھی نہیں بلایا گیا مگر ہم ولیمہ کے دن خود ہی آئیں گے چنانچہ جمہ کو نکاح ہوا اور شبہ کو حضرت خود ہی تنہا بھون پہنچ گئے یہاں ولیمہ بھی نہ تھا کہ دینی مصالح کی بنا پر حضرت مولانا تھانویؒ کا رنگ ان امور میں بھی تشدد کا ہے جیسا کہ ہمیشہ اکابر میں

لے عاشقی میں اور دوسرے بہت غموں کے ساتھ ایک یہ بھی ہے۔ سہ کہ ان رسوم میں نرمی برتنا ہمیشہ جاری رہنے کا سبب ہو جاتا ہے جس قدر سختی سے روک سکیں بالکل بند کر دیں اور آج کل ولیمہ بطور سنت نہیں نام دینا کی رسم بن گئی ہے۔

رنگ کا اختلاف رہا ہے۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا میاں ولیمہ تو سنت تھا یہ بھی نہ ہوا عرض کیا حضرت ولیمہ بھی آجکل سنت کے موافق نہیں ہوتا اس لئے عملاً ظاہر کیا ہے بھی ضروری نہیں ہے۔ ہاں خوشی کے طور پر معنائی تقسیم ہوئی تھی وہ حضرت کے لئے خاص اہتمام سے الگ لایا ہوا۔ مولوی ظفر احمد صاحب شادی کے لئے جب سہارنپور سے چلنے لگے تو حضرت نے ان کو ایک صدی عطا فرمائی جو ان کے شادی کے لباس سے بھی زیادہ قیمتی تھی۔

ابراہیم خاں کے نکاح میں شرکت کیلئے ٹونک کا سفر | مولوی ابراہیم خاں نے آپ کو اپنے نکاح کی شرکت کے لئے ٹونک بلایا تو آپ تشریف لے گئے۔ وہاں رسم ہے کہ جب دو گھانا نکاح کے لئے دہن کے گھر جاتا ہے تو دونوں والے ساری بارات کو روک کر کھڑے ہو جاتے ہیں کہ جب تک منہ مانگا حق نہ دو گے جانہ سکو گے۔ چنانچہ حضرت بھی روک لئے گئے۔ بندہ ساتھ تھا مسکرا کر فرمایا بھی بیہمانوں کی اچھی قدر ہے کہ دو تو رہائی لے ورنہ قید۔ ایک بوڑھے بزرگ عالم بھی ساتھ تھے وہ آگے بڑھے اور دہن والوں سے کہا حضرت کو تو چھوڑو اور تم دونوں فریق نکلے رہو چنانچہ حضرت اور بندہ تو رہائی پا کر مکان پر آ بیٹھے اور دو ہلایا بیچارہ گھنٹہ بھر بعد پہنچا۔ یہ واپس باتیں حضرت کو ناگوار ضرور گذرتی تھیں مگر ہنس کر نالایتے اور ان کا خرافات ہونا ظاہر فرما دیا کرتے تھے۔

حاج احمد حسن صاحب کی دعوت پر آپ انبالہ گئے اور لڑکے لڑکی کا نکاح جو بہت ہی سادہ ہوا تھا خود پڑھایا۔ اسی طرح آپ دوستوں کی غمی میں شرکت فرماتے اور صرف تحریر پر اکتفا کرتے بلکہ جلد از جلد تشریف لانے کا اہتمام فرماتے کہ اس سے مصدق کوئی بھی زیادہ ہوتی تھی اور اس کو حضرت سے تعلق بڑھ جاتا تھا جس کی وجہ سے تدریجاً رسومات میں بہت کچھ اصلاح ہو جاتی تھی۔

میری اہلیہ کا جس زمانہ میں انتقال ہوا تھا تو وہ باپھیلی ہوئی تھی۔ حضرت خود علیل تھے اور جگہ جگہ سے اعزہ و اجاب کی وفات کی اطلاعیں آرہی تھیں۔ آپ فوراً تشریف نہ لاسکے مگر آپ کا دل لانا یا گرامی نامہ | مکرم و محترم مد فیوضکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آج فجر نشی حمید الدین کی زبانی اطلاع حادثہ انتقال والدہ محمود الہی مرحومہ معلوم ہو کر مجھ کو جب کلفت ہوئی۔ اس کے بعد ڈاک میں آپ کا خط پہنچا اور جس قدر خطوط ڈاک میں پہنچے کوئی بھی ایسا خط نہیں تھا جس میں کسی عزیز یا دوست کے حادثہ کی اطلاع نہ ہو۔ خطوط پڑھ کر طبیعت اس قدر بے حس ہو گئی کہ کچھ صدمہ کا بھی احساس نہ رہا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ میری حالت یہ ہے کہ ہر وقت بخار کی تہارت رہتی ہے جس کی وجہ سے

چلتا پھرتا کیا اٹھنا بیٹھنا بھی دشوار ہے ورنہ کیا ممکن تھا کہ میرٹھ نہ آتا۔ اب سب کچھ سن رہا ہوں اور افسوس کہ ہل نہیں سکتا۔ بچوں کو سخت صدمہ ہوگا۔ ابھی آپ تشریف آوری میں جلدی نہ کریں اور سب عزیزوں کو دعوتِ سلام فراویں۔ والسلام۔

فراست و ذکاوت آپ کی بے نظیر تھی۔ خدام اپنے تجارتی صنعتی معاملات اور طرح طرح کے مقدمات میں آپ سے مشورہ لیتے تو آپ یہ لکھ کر کہ بندہ ان معاملات میں کیا مشورہ دے جن سے مناسبت و واقفیت نہیں ان کی تسلی کے لئے تحریر فرما دیتے کہ میرے خیال میں یوں کر لو۔ بارہا تجربہ ہوا کہ حضرت کی رائے ہمیشہ صائب ہوئی اور انجام کار اسی میں فلاح و منفعت نکلی کہ اچھے اچھے تجربہ کار و عقلا حیران ہو گئے۔ یادداشت آپ کی اتنی قوی تھی کہ پچیس پچیس سال قبل صرف ایک مرتبہ ملاقات کرنے والے کو صورت دیکھتے ہی فوراً آپ نے پہچان لیا۔ ایک بار بندہ حاضر تھا کہ ایک عرب آئے آپ ان کو دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے اور بغلیگر ہو کر ملے۔ پھر تعجب کے ساتھ مجھ سے فرمایا مولوی عاشق الہی پہچانا بھی؟ میں نے ان کو بغور دیکھا اور عرض کیا کہ حضرت میں نے نہیں پہچانا۔ فرمایا بھائی فلاں ہے جو ۱۳۲۷ء کے سفر حج میں فلاں جگہ ہم سے ملے تھے۔ وہ خود بھی حیران ہو گئے اور عرض کیا حضرت آپ نے خوب پہچانا حالانکہ اس وقت کی سرسری ملاقات کے بعد حج پچیس برس میں ملنا ہوا ہے۔ فرمایا ہاں بھی بعض کو ایک دفعہ دیکھ لیا تو عمر بھر نہیں بھولتا اور بعض کو بیس مرتبہ دیکھتا ہوں مگر بھول جاتا ہوں۔

مزاح خدام کے ساتھ آپ بہت بے تکلف رہتے ان کو ہنساتے قصے سناتے خوشدل بناتے اور کبھی کبھی مزاح بھی فرمایا کرتے تھے۔ ایک بار فرمانے لگے ہمارے ایک چچا تھے بڑے زندہ دل اور مسخرے۔ زمین کے متعلق اپنے رشتہ داروں سے مقدمہ تھا۔ عدالت سہارنپور میں مقدمہ ان کے حق میں فیصل ہو گیا کچھ سے باہر نکلے تو ایک شخص جو فریقِ ثانی کا خیر خواہ تھا انہیں جانا ہوا مالا اس نے دریافت کیا پیر جی آج مقدمہ میں کیا ہوا؟ سوکھا سامنہ بنا کر کہا میاں ہمارے گھر جا کر کہہ دیجو کہ جو اللہ کی مرضی تھی وہ ہو گیا صبر کریں۔ وہ سمجھا کہ یہ مقدمہ ہار گئے۔ دل میں بہت خوش ہوا اب تہیہ پہنچ کر ان کے ہاں پیام پہنچا دیا کہ مقدمہ ہار گئے اور فریقِ ثانی کے ہاں جا کر مبارکباد دیدی۔ ان کے ہاں تو رونائیں شروع ہو گیا اور فریقِ مخالف نے اگلے دن دعوت کا سامان کر کے دیگیں چڑھوا دیں۔ ہمارے ہوتے فریقِ جو گھر پہنچے تو دیگیں دیکھ کر حیران۔ لوگ آ کر مبارکباد دیتے تھے اور یہ ان کو گالیاں دیتے تھے۔ اور ہمارے چچا کھڑے ہلتے تھے۔

ایک دعوت میں حضرت کے ہمراہ بعض مخلصین کھانا کھا رہے تھے۔ ایک صاحب تبرک کے زیادہ شوقین تھے کہ جہاں حضرت نے ایک نشتری میں سے ذرا سا کھا کر دوسری نشتری کی جانب توجہ کی انھوں نے

حضرت کے سامنے سے جھٹ نشتری اٹھا خود کھانا شروع کر دیا اور کہا حضرت کا تبرک "اس طرح زردہ پلاؤ
ذیرنی کئی تشریوں پر انھوں نے ہاتھ صاف کیا۔ آخر میں حضرت نے دال کی نشتری بھی انھیں کے آگے سرکادی
اور فرمایا دال کا تبرک بھی تو کھاؤ۔

مولوی ظفر احمد صاحب کے لڑکا نولد ہوا تو حضرت نے فرمایا مولوی ظفر ہم نے تمہارے بچہ کا تاریخی نام
سوچا ہے مرغوب احمد، مگر حساب کر کے تم خود دیکھ لو کتنے عدد ہوتے ہیں۔ انھوں نے حساب لگایا اور عرض کیا
حضرت آٹھ عدد زیادہ ہیں۔ بسا ختہ فرمایا بس ب اور و کو حذف کر دو مرغ محمد تاریخی نام ہے۔ لوگ اس پر
ہنسنے لگے تو فرمایا میاں کلب علی سے تو مرغ محمد ہر حال اچھا ہے۔

شعر تصنیف کرنے کی باپڑھنے کی آپ کو عادت نہیں تھی حالانکہ ادب میں آپ کو مہارت کاملہ تھی کہ
صد ہا اشعار عربی کے آپ کو یاد تھے۔ ایک بار عمرہ لانے کے لئے آپ پیدل مسجد بنیم تشریف لے گئے اور مجھے ساتھ
لیا۔ راستہ میں آپ نے بیسیوں اشعار حسانہ اور متنبی کے سنانے اور ادبیت و فصاحت عرب کا کمال بیان فرماتے
چلے گئے۔ مجھے حیرت تھی کہ یوں بھی حضرت کو شعر پڑھتے تھے میں سنا مگر اشعار حضرت کو خوب یاد ہیں۔

نحوی اور بدوی عربی زبان پر قدرت
عربی بولنے پر حضرت کو پوری قدرت تھی اور کمال تھا کہ علماء
واشراف سے نحوی عربی بولتے تھے اور برووں سے بدوانی۔

آپ کو کسی تعب کے بعد بدن دہانے کی عادت تھی اور وہ بھی نور و فوٹ کے ساتھ کہ جو شخص دہانا جانتا
تھا بس وہی دہا سکتا تھا ورنہ بجائے راحت کے تکلیف ہوتی تھی۔ ایک بار سبزہ نے بدن دہانا شروع کیا
فرمایا بھی نہیں بدن دہانا نہیں آتا رہے دو۔ میں نے عرض کیا حضرت مجھے معلوم ہے کہ بدن دہانا نہیں
آتا مگر برکت کے لئے ہاتھ مس کرنے کو اور اس زمرہ میں شامل ہونے کو دل چاہتا ہے۔ فرمانے لگے ایک
ملا تھے اپنے شاگردوں سے بدن دہانے کے بڑے عادی تھے، وہ حج کو گئے اور جب واپس آئے تو خادموں نے
پوچھا حضرت ہمیں یاد بھی رکھا تھا؟ فرمایا ہاں نہیں تو کسی وقت بھی نہیں بھولا۔ عرض کیا حضرت ہمارے
لئے دعا بھی فرمائی؟ کہا ہاں دعا بھی کرتا تھا اور کوسا بھی تھا عرض کیا حضرت یہ کیوں؟ فرمایا جب بدن
میں درد ہوتا اور کوئی دہانے والا نہ ملتا تو کوسا تھا کہ نہ تم عادی بناتے نہ تکلیف ہوتی۔

سلہ یہ لفظ مرغوب محمد ہو گا کسی کی غلطی سے مرغوب احمد بن گیا ہے کیونکہ اسی میں ب و حذف کر کے مرغ محمد بنتا ہے اور اسی
کے عدد ۱۳۴۰ یعنی ۱۳۳۷ سے ۸ تاثر رہے ہیں۔ مگر قدرت تھی کہنے کی بھی اور اصلاح کی بھی۔ ابن الجہود کی تالیف
کے زمانہ میں کچھ غصہ لکھنے کا کام کیا ہے تو ایک قصیدہ تاریخیہ لکھا وہ کتاب میں تھا شیخ الحدیث مولانا زکریا کے سفر جانے سے
والسی تک ہوتا تھا جب دوسری دفعہ حاضری ہوئی کام کیا تو اس قصیدہ پر جگہ جگہ حضرت کی اصلاح تھی رعشہ والا خط
تھا مگر میں نے طبع کے ناقابل قرار دیگر پیش نہیں کیا تھا۔

مزاج میں نفاست | آپ اسپرٹ آمیز چیزوں سے وحشت کھاتے تھے جب آپ کے دانت گر گئے اور تلاوت و درس میں صبح الفاظ نکلنے دشوار ہو گئے تو آپ نے مصنوعی دانت بنوائے

سانچہ دین کا لینے کے بعد آپ کو معلوم ہوا کہ یہ اسپرٹ سے پکا یا گیا ہے۔ تو آپ نے نفرت ظاہر فرمائی اور پانی منگا کر کلیاں کیں۔ آپ آپ بہت کم کھاتے تھے اور وہ بھی نہایت کم چونہ کا۔ ہاں الاچی آپ کو زیادہ مرغوب تھی کہ بعض دفعہ چھالیا کی جگہ اس کے دانے استعمال فرماتے اور جب خطبہ نکاح پڑھتے یا کسی کو بیعت کرتے تو ٹکڑی ضرور لیا کرتے۔ پان کھائے ہوئے ذکر اللہ آپ کو پسند نہ تھا۔ طبیعت آپ کی اس درجہ لطیف تھی کہ تمباکو کھانے والوں سے بات کرنا آپ کو مشکل ہو جاتا تھا کیونکہ دہن سے نکلنے والی بو برداشت نہ کر سکتے تھے اور زبان سے بھی کچھ نہ فرما سکتے تھے۔

قبولہ کا بھی آپ کو زیادہ اہتمام تھا کہ اس سے شب کے جلگے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ امانت کی حفاظت آپ کی مشہور تھی کہ مجنسہ پوٹلی یا پوڑی میں باندھ کر مالک کا نام اس پر لکھ دیتے اور کہیں سفر میں مدرسہ کے لئے کچھ ملتا تو جلد از جلد اس کو مدرسہ میں داخل فرما دیتے تھے۔ مدینہ منورہ میں آپ کو کسی نے ہدیہ پیش کیا۔ آپ نے فرمایا مجھے تو بحیرہ ضرورت نہیں ہاں مدرسہ کو بیشک ضرورت ہے۔ عرض کیا بہتر مدرسہ میں دیدیجئے۔ مجلس سے اٹھتے ہی آپ اول مولوی سید احمد صاحب کے پاس آئے اور رقم عطا فرما کر کہا اس کو جمع کر لو۔

وعظ و تقریر کرنے کی آپ کو عادت نہ تھی۔ میں نے آپ کا صرف ایک وعظ سنا ہے جو مسجد دھن میں خدام کے اضرار پر گھنٹہ بھر ہوا تھا۔ ہر امر میں اتباع سنت آپ کی عادت تھی کہ کسی وقت بھی ذہول نہ ہوتا تھا۔ مدرسہ کی ایک ضرورت کے لئے آپ نے بندہ کے ساتھ ایک بار مولوی یحییٰ صاحب ہمسرامی کو کلکتہ بھیجا تو میرے نام تحریر فرمایا۔

مکتوب گرامی | السلام علیکم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسر اولا تعسرا و بشرا و لا تنفرا و تطاوعا و لا تخطفا۔ فقط والسلام خلیل احمد عفی عنہ

کاندھلہ میں کسی خادم نے اپنے بلوغ کے درخت کا پہلا پھل آپ کو پیش کیا تو آپ نے حدیث کی دعا پڑھی اور چھوٹا بچہ سامنے کھڑا دیکھا اس کو عطا فرمایا۔ آپ کی نواسی کی عمر تین سال کی تھی گھٹنیوں

سے تمباکو کھانے کی کراہیت ہے اگر اس کو سواک اور خوشبو سے زائل کر لیا جائے تو نہ رہے گی اور حقہ و سگریٹ میں دوسری دھواں کھانے سے وضرع والوں سے مشابہت کی کراہیت ہے جوہ کی طرح زائل ہی نہیں ہو سکتی اور غریب معاف ہے۔

عہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے آسانی یا کر تو سگی نہ کیا کرو خوشخبری دیا کرو نفرت نہ دلایا کرو اور ایک دوسرے کی تابعداری کیا کرو

چلتی تھی۔ کسی نے گھر میں سے لاکر اس کو درہمیں فرش پر بٹھادیا اور وہ گرتی پڑتی لڑھکتی آپ کی طرف چلی۔ آپ نے اُسے بڑھ کر اس کو اٹھایا اور گود میں بٹھا کر خوب پیار کیا پھر گود میں لے کر اس کو مکان لے گئے۔ شب کو سمر آپ اپنا نام سے لگتے اور ہر آنکھ میں تین تین سلائی یک رخ استعمال فرماتے تھے۔ حجرہ میں آپ کے بخور روشن کی جاتی اور کواڑ بند کر دیے جاتے تھے۔ یہ آپ کو عطر سے زیادہ پسند تھی کہ کسی کئی دن حجرہ مہکتا رہتا تھا۔

بچوں کو آپ بے تکلف گود میں بٹھاتے اور وہ پیشاب کر دیتے تو غصہ نہ ہوتے تھے۔ رحمتی آپ کی خادم گھر میں روٹی پکاتی تھی۔ اس کا شیر خوار بچہ روتا تو آپ اس کو پاس بٹھا لیتے۔ وہ روٹی پکانے میں رہتی اور آپ بچہ کو ہلایا کرتے۔ گھروالے کہتے بھی کہ پیشاب کر دے گا فرماتے کیا مرج ہے دھو ڈالیں گے۔ ایک بار آپ مصلے پر بیٹھے ہوئے تھے اور بچہ کو پاس بٹھا رکھا تھا کہ اس نے پیشاب کیا اور کپڑوں کے ساتھ مصلے پر بھی چھنٹیں پڑیں۔ کسی نے بچہ کو دھمکایا اور تیزی سے کہا بھلا اب قالین کا مصلے کیسے دھلے گا۔ آپ کو یہ غصہ گراں گزرا اور فرمایا بچہ کیا جانے کہ مصلے ہے یا ناٹ۔ تم کیوں پریشان ہوتے ہو میں خود دھو لوں گا۔ کھانے کے اول کوئی ہاتھ نہ دھوتا اور کہتا کہ میرے ہاتھ پاک یا دھلے ہوئے ہیں یا ابھی وضو کر کے آیا ہوں تو فرماتے یہ تو کھانے کی سنت ہے۔ طہارت یا نظافت کے لئے نہیں ہے مسلمان جب کھانا کھاوے تو یہ سنت اور سنت اول بھی ہاتھ دھوے اور بعد میں بھی۔

اسی طرح پانی یا چاء کوئی بائیں ہاتھ سے پیتا تو آپ کو بہت گراں گذرتا اور وہ عذر کرتا کہ حضرت داہنا ہاتھ کھانے میں ملوث تھا تو اور زیادہ خفا ہوتے کہ عذر گناہ بدتر از گناہ وہی کھا رہے ہیں اور اسی کا گلاس کو لگنا عیب سمجھتے اور گھبراتے ہیں۔

دستر خوان آپ کا چمڑہ کا تھا یا مدنی گول چٹائی کا جس کو سفرہ کہتے ہیں اور اسی پر کھانا آپ کو مرغوب تھا۔ سبب انگوڑیابی یا اور کوئی پھل کوئٹہ وغیرہ کی طرف سے آتا تو آپ دوستوں کا انتظار دیکھتے اور باہر سے مخلصین آتے تو باہتمام گھر سے لاکر ان کے سامنے رکھتے۔ کبھی خود چھیلے اور تراش کر دوستوں کو دیتے اور بحبت دیبا و اصرار کے ساتھ کھلاتے۔

ہمیشہ سوتے وقت چراغ لگ کر دیتے اور دیبا سلائی کا بکس سر ہانے رکھتے تھے۔ مٹی کے تیل کی بونا گوار تھی اس لئے صرف راتے میں آتے جاتے اس سے کام لیتے اور آخر شب میں موم کی بتی روشن فرمایا کرتے تھے۔

سب خوشبو آگ میں جلائی جاتی ہے۔ سٹہ پاکیزگی۔ اس سنت سے بہت لوگ غفلت کرتے ہیں۔ سٹہ حدیث میں بھی لکھ کر نے کو فرمایا ہے در نہ خطرات ہیں بجلی میں بھی یہی چاہئے۔

سفر میں استنجہ کچھ ڈھیلے اور تین کا ہلکا سفری لوٹا ضرور ساتھ ہوتا تھا اور ناواقف کو لوٹا دینا آپ کو ناپسند تھا۔

ایک دفعہ ریل کے سفر میں آپ وضو کر رہے تھے کہ کسی نے لوٹا مانگا۔ آپ نے فرمایا میں آپ کو کہاں تلاش کرتا پھروں گا۔ یہ کہہ کر آپ نے لوٹا تپائی کے نیچے رکھ دیا اور نماز کی نیت باندھ لی۔ وہ ناک میں تھے اور جب دیکھا کہ نماز شروع کر دی تو تپائی کے نیچے سے لوٹا اٹھایا۔ آپ نے نیت توڑ ان کا ہاتھ پکڑ لیا کہ یہ کیا بے عنوانی ہے؟ وہ بولے واہ واہ خدا لوٹا دینے میں اتنا بخل کہ نماز توڑ دی۔ قربا یا نماز تو ٹوٹنے کے بعد پھر بڑھ جائے گی مگر لوٹا جانے کے بعد آنا مشکل ہے اور اس کے بغیر سارے سفر میں مجھے جو تکلیف ہوگی وہ مجھی کو بھگتنا پڑے گی۔ بخل کا طعن سننا منظور مگر وضو نماز کی تکلیف منظور نہیں آخر کھسیانے ہو کر بڑبڑاتے چلے گئے اور آپ نے پھر نماز کی نیت باندھ لی۔

ملاقات میں اکثر آپ معاف فرمایا کرتے اور سکرانے ہوئے اٹھ کر آنے والے کو چھاتی سے چٹا لیتے تھے سلام میں ابتدا اکثر آپ کی طرف سے ہوتی اور کوئی اس کا جواب آہستہ سے دیتا کہ آپ نہ سنتے تو ناراض ہوتے۔ . . . اور فرماتے کہ سلام کا جواب دینا واجب ہے۔ ایسا تو ہو کہ دوسرا سن لے۔ کوئی بچہ سلام کر کے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھانا تو آپ اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیتے اور دعا دیتے بارک اللہ وعملک اللہ واصلمک اللہ۔

گھر میں تشریف لے جاتے تو اس خیال سے کہ شاید کوئی اجنبی عورت ہو دروازہ پر کھڑے ہو کر فرماتے میں آؤں، اور جب پردہ ہو جاتا تو اسلام علیکم کہتے ہوئے اپنے کوٹھے میں تشریف لے جاتے۔ عورتوں میں اس منون سلام کا رواج بہت کم ہے اس لئے آپ اس کی اصلاح فرماتے اور کہتے کہ کسی نے ہمارے سلام کا جواب نہ دیا؟ ایک نے کہا کہ شرم آتی ہے فرمایا دین میں کیا شرم۔ یہ تو ضعف ایمان ہے اس کا نام شرم کس نے رکھا۔ چنانچہ رواج چل نکلا اور عورتیں بھی وعلیکم السلام سے جواب دینے لگیں۔

ایک مرتبہ آپ سلام کرتے ہوئے گھر میں تشریف لائے تو عورتوں نے بجائے وعلیکم السلام کے اسلام علیکم کہا۔ گویا پیر کو خود سلام کیا۔ فرمایا کیوں ہمارا سلام قابل قبول نہیں تھا جو اس کا جواب نہیں دیا؟ عرض کیا حضرت چھوٹوں کو سلام میں ابتدا کرنا چاہئے۔ ہم کوشش کرتے ہیں کہ حضرت آتے ہی

سہ نقبانے لکھا ہے کہ ایک دہم کے نقصان کے خطرہ پر نماز توڑ دینا جائز ہے جس کی قیمت آجکل ۸-۱۰ آنے ہوگی۔
 سہ گو خود سلام کرنا سنت ہے مگر جواب بخیر و سلم واجب ہے۔ سہ ہاں دو مرتبہ سلام سے جواب دیکر ہاتھ سے اشارہ کر دینا چاہئے۔ سہ اللہ تعالیٰ تمہاری زندگی اور حالات میں برکت دے۔ عمر دیں۔ نیک بنائیں۔
 سہ ہاں نوجوان تاجروں میں نہ ہونا چاہئے فقہ میں مکروہ ہے۔

خود سلام کریں گے مگر حضرت اس کا موقع ہی نہیں دیتے اور ہم اپنے عزم پر جلدی سے السلام علیکم کہتے ہیں۔
 فرمایا اس میں چھوٹا بڑا کیا تھا سنت تو یہ ہے کہ آنے والا اول سلام کرے اس لئے اس کا جواب دو علیکم السلام۔
 آپ کو پردہ میں تشدد تھا اور جب گھر میں عورتوں کا جمع ہوتا تو یا وجود پردہ ہو جانے کے آپ مجھ پر
 رومال ڈال کر لاتے اور پیٹھ پھیر کر بیٹھا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ عورتوں نے حضرت کی اہلیہ سے کہا کہ حضرت
 تو اطلاع کر کے اور پردہ کر کے آتے ہیں پھر پردہ کے پیچھے پیٹھ پھیر کر کیوں بیٹھتے ہیں؟ یہ بات حضرت کے
 کان میں بھی پڑی تو آپ نے فرمایا بعض جاہل عورتوں کا خیال ہونا ہے کہ پیر کی صورت دیکھنا ضروری ہے
 اور ثواب ہے۔ بلکہ بعض تو دلیل بھی لاتی ہیں کہ صورت نہ دیکھی تو قیامت کے دن پیر کو پچاس
 کیسے؟ اس لئے میں احتیاط کرتا ہوں۔ اور اب تو اس کا ثبوت بھی مل گیا کہ میرا خیال ٹھیک ہے ورنہ بغیر
 جھانکے انھیں خبر کیسے ہوئی کہ میں پیٹھ پھیرے بیٹھا ہوں؟ ہاں پردہ کے پیچھے سے بات کر لینے کی اجازت
 تھی اس لئے جو کچھ کہنا یا مسئلہ پوچھنا ہوتا تو وہ حضرت سے خود کہہ لیتیں مگر اس میں بھی اتنی احتیاط تھی کہ کیا ابائی
 پاس ہوتی تب آپ بات کرتے یا عورت کا محرم حضرت کے پاس بیٹھا ہوتا۔

عورتوں کو وعظ و تفہیم فرمانا | عورتوں کو بات سمجھانے میں حضرت ان کے فہم کی رعایت زیادہ
 فرماتے اور بہت سادہ و صاف لفظوں میں گفتگو کیا کرتے تھے۔
 عورت کا بغیر محرم کے سفر کرنا کھڑا جوتا یا مردانہ صدری پہننا اور نامحرم کے سامنے آنا حضرت کو بہت ناگوار
 گذرتا تھا۔ ایک دفعہ کسی نے کھڑا جوتا پہننے کی بابت دریافت کیا آپ نے فرمایا حرام ہے۔ انھوں نے بہترے عند
 پیش کئے کہ سفر میں پھڑی جوتی سے چلنا مشکل ہے کہ پاؤں سے نکل نکل جائے۔ مگر حضرت نے ایک نہ سنی۔
 آخر میں فرمایا اچھا میں تم سے پوچھتا ہوں اگر ایڑی میں زخم ہو جائے تو کیا کرو گی؟ عرض کیا وہ مجبوری یا ایڑی
 دبا کر دھجی سے باندھ لیں گے فرمایا پھر آخرت کا عذاب تمہارے خیال میں دنیا کے الم سے بھی کم ہے۔ حدیث میں
 آیا ہے ایک شخص ایسا ہو گا کہ قیامت کے دن اس کو صرف آگ کے جوتے پہنائے جائیں گے اور دونوں رخ میں
 نہ ڈالیں گے۔ اس کا حال یہ ہو گا کہ دماغ اس کا مثل ہانڈی کے پکے گا اور وہ سمجھے گا کہ میرے برابر کسی کو بھی
 تکلیف نہیں۔ یہ مضمون حضرت نے اس طرح بیان فرمایا کہ سننے والیاں رونے لگیں اور توبہ کی کہ آئندہ
 مردانہ جوتا کبھی نہ پہنیں گی۔ اس کے بعد واسکٹ اور مردانہ صدری کا ذکر ہوا۔ آپ نے فرمایا یہ بھی ناجائز ہے
 اور جس میں بھی مردانہ صورت وضع حاصل ہو وہ عورت کے لئے حرام ہے۔ کسی نے ایک عالم کی بیوی کا حوالہ
 دے کر فلاں کو ہم نے پیسے خود دیکھا ہے۔ فرمایا کسی کا نام لینے سے کیا حاصل جو چیز ناجائز ہے وہ کسی کے بھی
 پیسے سے جائز نہیں ہو سکتی۔ اگر دنیا میں ایک نفس بھی حلال و حرام پر عمل کرنے والا نہ رہے تب بھی جو چیز حلال ہے

وہ حلال ہے اور جو حرام ہے وہ حرام ہے۔ صرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل اور عمل البتہ حجت ہے۔ آپ کی پیروی کا فعل بھی حجت نہیں۔ پھر مولانا کی بی بی اور میری بی بی کی تو ہستی کیا ہے۔ انہیں کے سامنے کوئی یہ کہہ کر سرخرو نہ ہو سکے گا کہ میں نے ازواجِ مطہرات کے فعل پر عمل کیا تھا۔

پردہ کے ایک شبہ کا مؤثر جواب

ایک عورت نے مسئلہ پوچھا کہ حضرت پھوپھی اور خالہ کی زندگی میں تو پھوپھا اور خالو کے سامنے آجانے میں کوئی حرج نہ ہونا چاہئے کیونکہ پردہ تو ان سے کرنا چاہئے جن سے نکل کر جائز ہو۔ حضرت نے فرمایا اچھا اگر سارے مرد چار چار نکاح کر لیں کہ ان کے ہوتے ہوئے پانچویں سے نکل کر اسے ناجائز ہے تو ان سب کے سامنے آنے لگو گی؟ عرض کیا نا حضرت یکس طرح ہو سکتا ہے؟ فرمایا پھر اسی طرح یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ خالو اور پھوپھا کے سامنے آؤ۔

عورتوں کو کون سے سر باز رہنے کی تاکید

زبان سے جب کوئی لفظ نکالو تو اچھا لفظ نکالو۔ بد دعا اگر پوری ہو گئی تو سر پکڑ کر روؤ گی عورتیں عرض کرتیں کہ حضرت جب بچے کساتے ہیں تو کونسا ہی زبان سے نکلے ہے۔ فرمایا تمہیں بھی تمہاری ماؤں نے پالا ہے وہ تم کو کونشیں تو اس نے تم زہر ہوئیں نہ اولاد کی صورت دیکھنا نصیب ہوئی۔ اور موت زندگی تو اللہ کے اختیار ہے مثل مشہور ہے کوؤں کے کونے سے ڈھور نہیں مرتے مگر بڑی بات زبان سے بکنے کی جب عادت ہو جاتی ہے تو اس کی نحوست سارے گھر کو گھیر لیتی ہے اور ایسی بد زبان عورت کبھی خوش حال نہیں رہ سکتی۔

شوہر کی اطاعت کی ہدایت و تاکید

شوہر کی اطاعت کا آپ عورتوں کو خاص طور پر امر فرماتے اور اس کی زیادتیوں پر صبر و تحمل کی تلقین فرما کر کہتے کہ صبر کا پھل ہمیشہ میٹھا ہوتا ہے یہاں نہیں تو آخرت میں اس کا مزہ پاؤ گی۔ عورتیں اکثر آپ سے اپنے دکھ درد کی لمبی چوڑی کہانیاں گھنٹوں کہتی تھیں۔ آپ سب کی سنتے اور سلی و تسکین دلاتے۔ بلکہ خاص تعلق والوں کے نام لے کر خود پوچھا کرتے کہ کہو بیٹی کوئی بات تو کہنا نہیں۔

آخری سفر سے قبل جگہ جگہ سے حضرت کی خادوات حاضر ہوئیں اور آپ نے شفقت پدرا نہ کے ساتھ رخصتی و صیتیں ان کو فرمائیں میری اہلیہ بھی حاضر تھی مگر خاموش۔ بعد ہی اس کو حضرت نے پردہ کے پیچھے بلا کر فرمایا بھی تم نے کچھ نہ کہا تم بھی تو کچھ کہہ لو۔ عرض کیا حضرت مجھے تو کچھ کہا نہیں اور کہتا ہے بھی تو ہمت نہیں۔ حضرت نے باصرار فرمایا کہ نہیں ضرور کہو۔ عرض کیا حضرت کہنا یہ ہے کہ یہاں تو آپ کی پدرا نہ شفقت دیکھ کر ماں باپ کو بھول گئی کہ جب چاہتی ہوں بے تکلف آتی اور میکہ سمجھ کر رہتی ہوں، اب اپنے اللہ سے ملنے کا

وقت قریب آگیا بس یہ دعا فرمادیجئے کہ وہاں بھی اس قابل رہوں کہ جب چاہوں اسی بگائنت کے ساتھ حضرت کے محل میں آسکوں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کہیں ہوں اور میں کہیں۔ یہ سن کر حضرت پر ایک کیفیت طاری ہو گئی چشم نم ہوئے اور چہرہ منٹ خاموش بیٹھ رہے۔ اس کے بعد فرمایا: بھی خدا کرے دونوں کو ایمان کے ساتھ دنیا سے اٹھنا نصیب ہو تو انشاء اللہ وہاں بھی ایک ہی جگہ رہیں گے؟

چھوٹی لڑکیاں آپ کے پاس آجائیں تو آپ ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر ان کو پاس بٹھالیتے نام پوچھنے اور بیٹھی بیٹھی باتیں کیا کرتے۔ ان کے لباس میں کوئی غیر مشروع یا لُصْرانیت کی وضع پانے تو انھیں سے فرماتے یہ کپڑے تمہاری اماں نے پہنائے ہوں گے؟ ہاں بری وضع ہے اماں سے کہو ہمیں مسلمانوں کے سے کپڑے پہناؤ۔ پھر مٹھائی وغیرہ کوئی چیز مونی تو آپ ان کو دینے اور یہ لینے میں جھجکتیں تو ماں سے کہتے بھی انھیں اجازت دو ہماری درخواست تو منظور نہیں ہوتی۔

لڑکیوں کو آپ بیعت نہ فرماتے البتہ حامد یا رِخاں بریلوی کی لڑکی نفیسہ کو جس کی عمر چھ برس تھی جب والدین کے ساتھ مدینہ منورہ حاضر ہوئی تو یہ فرما کر کہ میں نے لڑکیوں کو کبھی بیعت نہیں کیا مگر تجھے ضرور کر دوں گا بیعت میں شامل فرمایا جس پر وہ فخر کیا کرتی ہے۔

عملیات حضرت کو مناسب نہ تھی | عملیات سے آپ کو مناسب نہ تھی ہاں کوئی درخواست کرتا تو تعویذ لکھ دیا کرتے اور رسائل کی ضرورت کے موافق جوابت شریف یا حدیث اس وقت ذہن میں آتی وہ کاغذ پر تحریر فرما کر ان کو دہرتے تھے کہ موم جامہ کر کے گلے میں ڈال لو یا بازو پر باندھ لو۔

ایک دفعہ کوئی صاحب آئے اور عرض کیا گھر والی کو چھاتی ہیں دودھ رک جانے کی وجہ سے کل تمام دن اور رات بھر تکلیف رہی اور اس وقت تو درد و کرب کا ٹھکانا ہی نہیں حضرت کوئی عمل بتادیں فرمایا بھائی مجھے عمل وغیرہ تو آتا نہیں صرف اللہ کا نام آتا ہے کہ تو پٹھ دوں ورنہ کسی عامل کو تلاش کر لو۔ انھوں نے معافی مانگی اور عرض کیا حضرت غلج میں زبان سے نکل گیا مقصود صرف دعا کرنا ہے۔ آپ نے پانی منگا کر اس پر دم کیا اور ان کو دیدیا۔ وہ کہتے تھے کہ دوہی وقوعہ کے پلانے سے مریضہ کی تکلیف رفع ہو گئی اور دودھ جاری ہو گیا۔ پانی پر دم کرنے کے بعد آپ اس میں سے ایک گھونٹ خود پی لیا کرتے تھے کہ سورج جاے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شفا فرمایا ہے۔

اکثر آپ بچوں کی بدخواہی و دودھ نہ پینا اور زیادتی گریہ وغیرہ کی شکایت پر یہ لکھا کرتے تھے :-

اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد والہ وبارک وسلم
اور عام امراض کے لئے اکثر آپ حروفِ سریانی کا یہ مشہور تعویذ لکھتے تھے ۵۱۱۱۱ ۱۱۱۱۱ ۱۱۱۱۱
جس کو عامل ۵ کا تعویذ بتاتے اور اس رباعی سے ادا کرتے ہیں ۔

صفر و سہ الف سائبانے بر سر جمیم کج و کو زرد بانے بد و در
چہار الف مساوی ہا و وا و معکوس این ست ز اسماء اللہ اکبر
کبھی قولِ جمیل سے کوئی گزہ بھی بناتے یا اجازت دیدیا کرتے تھے کہ ہمارے خاندان میں یہی معمول
ہے اس کو دیکھ کر خود گنڈا بنا لو۔

ایک مرتبہ ردِ سحر کے لئے خصوصیت کے ساتھ آپ نے مجھے اس کی اجازت دی۔ کوئی شخص موعظین
براہنِ شب بہ نیتِ زکوٰۃ پڑھا اور تین روزہ بھی رکھے۔ اگر ان ایام میں ایک اندج کھاوے تو اچھا ہے۔ بعد
زکوٰۃ صبح و شام بہ نیتِ ردِ سحر تین بار پڑھ کر مریضہ پر دم کرے انشاء اللہ سحر دفع ہوگا اور ساحر ہلاک۔
آپ خود پڑھیں یا کسی محتاط سے پڑھوائیں نیز اس کے ساتھ دوسرا عمل تحریر فرمایا سبحان اللہ القادر
القاهر القائم الکافی اعوذ من شر عدو و هوا قوی منی برب هوا قوی منہ۔ یہ دعا اگر مریضہ پڑھ سکے
قبہا ورنہ آپ پڑھ کر اس پر دم کریں۔ تعداد ۱۱۱ بوقتِ دفع ہر بار اور ردِ سحر کیلئے بھی نافع ہے فقط۔

میرا تجربہ تو یہ ہے کہ حضرت کا وجود یا جو مستقل تعویذ تھا اور کوئی مشکل کسی ہی ان حل ہو جب
آپ کی خدمت میں پیش کی جاتی اور آپ کا اس سے دل دکھتا تو ایسی جلد حل ہوتی تھی گویا بادل پھٹا اور
غبار صاف ہوتا گیا۔

میرا تیس سال کا تجربہ ہے کہ جب کسی پریشانی میں مبتلا ہوتا تو کچھ نہ سوچتا۔ بجز اس کے کہ حضرت کو
صاف صاف لکھوں۔ بارہا ایسا ہوا کہ خط لکھ کر ڈاک میں ڈالا اور قلب کو سکون ہو کر بادل پھٹا شروع
ہو گیا۔ ورنہ حضرت کا جواب آنے پر امن و سیر نصیب نہ ہی جاتا تھا۔

ایک مرتبہ اہل وطن شیعہ میں میرے خلاف شورش برپا ہوئی اور اتفاق سے کوئٹہ شہر شیعہ آگیا جس پر
نازاں ہو کر انھوں نے کوشش کی کہ مجھ پر آفت آئے میں نے پریشان ہو کر وطن چھوڑنا چاہا اور حضرت کو لکھا

الہ میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کے پورے حکمت کی ان تمام چیزوں کی ہدی سے جو میرا فرمائی ہیں اور اللہ تعالیٰ رحمت نازل فرمائیں
ساری مخلوق کے بہترین حضرت محمد پر اوطن کی آل پر اور برکت اور سلامتی نازل فرمائیں۔ سہ نقطہ اور تین الف ۱۱۱۔ اور
ایک سائبان سر پر سہ جمیم نہ دگھوا ہوا۔ بیڑھی دھو دے کی ۱۱ چار الف برابر ۱۱۱۔ پھر اور الٹی داؤکا۔ بیاشر تعالیٰ کے ناموں میں
سے ہے۔ سہ حضرت شاہ ولی اللہ کا رسالہ ہے۔ سہ پاک ہے اشرف قدرت والا ہے غلبہ والا ہے سب کا ذمہ دار ہے کافی ہے
میں پناہ مانگتا ہوں اس دشمن کے شر سے جو مجھ سے قوی ہے ایسے رب کی جو اس سے بھی زیادہ قوی ہے۔

تو جواب آیا بالکل نہ ڈر ڈش اگر قوی ست نگہاں قوی تر است۔ وطن کیا محلہ بھی چھوڑنے کی ضرورت نہیں۔ میں دعا کرتا ہوں انشاء اللہ مال بھی بیک نہ ہوگا۔ اور دشمن خائب و خاسر ہوگا۔ بس میرے لئے تو لاگہ تعویذ کا یہی ایک تعویذ تھا کہ دل کو اسی وقت سکون ہو گیا اور چند ہی روز گزرے تھے کہ کو تو ال کا بدنامی کے ساتھ تباد لہ کا حکم آگیا۔

مولوی لطیف احمد صاحب لکھتے ہیں بندہ جب سترہ میں ضلع سورت میں ملازم ہو کر آیا تو ایک دیندار شخص حافظ عبدالرحیم نام آئے اور کہنے لگے تم مولانا خلیل احمد صاحب سے بھی واقف ہو؟ میں نے کہا خوب اچھی طرح۔ کہنے لگے مولانا کی ہستی اس وقت بے نظیر ہے۔ بارہ سال ہوئے مجھے ایک مصیبت پیش آئی اور میں گھبرا گیا غیبی مدد کہ ایک ردی کا غڈ پڑا پایا۔ اس کو اٹھا کر دکھا تو اس میں لکھا تھا مولوی خلیل احمد مستجاب الدعوات ہیں اور ان کی کوئی دعا رد نہیں ہوتی۔ اس وقت میں نے مولانا کو جوابی خط لکھا اور اپنی مصیبت کا اصل چاہا، ادھر جواب آیا اور ادھر میری شکل حل ہو گئی۔ اس وقت مجھے پھر حضرت کو خط لکھوانا اور دعا کرانی ہے۔ چنانچہ میں نے ان کی طرف سے خط لکھا اور چونکہ میں بھی اس وقت سخت مشکلات میں مبتلا تھا اس لئے وہ بھی لکھیں۔ حالانکہ اس وقت تک مجھے حضرت سے بیعت کا تعلق نہ تھا مگر حضرت کا جواب مسرت بخش آیا اور اس کے آنے کی ہی دیر تھی کہ ان کا اور میرا کام ایسا ہوا کہ خود مجھے بھی تعجب ہے۔ پھر بندہ بیعت بھی ہوا اور کچھ مدت بعد حضرت راندر پرنسرف لائے تو حضرت نے اتنی شفقت فرمائی کہ آدمی بھیج کر مجھے اطلاع دی اور یاد فرمایا۔ بندہ زیارت کے لئے حاضر ہوا اور اس علاقہ کی بدعات و حشت کا تذکرہ کیا۔ فرمایا بھائی تم لوگ تو اب بڑے آرام میں ہو، پہلے اس علاقہ میں ہو کر کم لوگوں کا جانا بھی مشکل تھا۔

بے روزگاری یا قرض کی شکایت پر آپ ۱۱۱ بابریا معنی پڑھنے کو فرمایا کرتے کہ اول آخر گیارہ بار درود شریف اور مقدمہ وغیرہ کی پریشانی پر حسبنا اللہ ونعم الوکیل بعد عشاء ۵۰ بار۔ مرض لاعلاج کے متعلق فرماتے کہ سفید طشتری پر سورہ فاتحہ مع بسم اللہ لکھ کر یا حی یا قیوم فی دیمومۃ ملکہ وبقائہ یا حی۔ لکھا جائے اور آب جاری یا زرم میں گھول کر قبل طلوع آفتاب چالیس دن متواتر میں کو پیلا جائے۔ ایک شخص پر کوئی سنگین مقدمہ تھا آپ نے فرمایا کچھری میں جانے سے قبل تین یا سات دفعہ سورہ قریش پڑھ کر سینہ پر دم کر دو اور پھر بسم اللہ کہہ کر اندر قدم رکھو۔ آپ کا کسی کو کچھ بتا دینا ہی علامت تھی کہ انشاء اللہ

سلاہ دشمن اگر طاقتور ہے تو حفاظت کرنے والا بہت ہی طاقتور ہے۔ سلاہ جس کی دعائیں مقبول ہوتی ہوں۔

سلاہ غنی بنانے والے۔ سلاہ ہم کو اللہ تعالیٰ کافی ہیں اور وہی بہترین ذمہ دار ہیں۔ سلاہ اے زندہ کہ جس وقت کوئی زندہ نہ ہوگا اس کے ملک اور بقا کی ہیشگی میں اے زندہ

کامیابی مقدر ہے اور ان سب کی اصل آپ کی دعا و توجہ تھی کہ ایک مقبول بندہ اپنے آقا سے عرض کرتا اور قبولیت اس کا استقبال کیا کرتی تھی۔

حافظ فخر الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں ایک جوان لڑکا اپنے والدین سے بیزار ہو کر نکل گیا اور مدت سے پتہ نہ تھا کہ کہاں ہے۔ اس کی ماں بید پریشان تھی میں نے حضرت کی خدمت میں لکھا تو آپ نے ایک آیت تحریر فرمادی کہ اس کو مکان میں کسی اونچی جگہ پر لٹکا دیں یا رکھ دیں۔ چنانچہ ایسا کیا گیا اور دوسرے تیسرے دن لڑکا آگیا اور کہنے لگا دو روز سے طبیعت بے چین تھی کہ کسی طرح گھر چل کر ایں سے ملوں۔ آج بازار میں کسی ضرورت سے نکلا تھا کہ بے اختیار اسٹیشن کی طرف کو ہولیا۔ اسی وجہ سے نہ کوئی سامان سفر ساتھ ہے نہ کپڑے بدل سکا۔

ایک شخص اپنی عورت کو بہت مارتا اور تکلیف پہنچاتا تھا۔ بندہ نے حضرت کی خدمت میں لکھا حضرت نے ایک تعویذ روانہ فرمایا کہ عورت اس کو بازو پر باندھ لے۔ یکدم شوہر کی حالت بدل گئی اور ہر طرح کا پیا یا خلاص ہونے لگا مگر عرصہ گزر جانے پر عورت نے وہ تعویذ بے پروائی سے گم کر دیا تو پھر وہی حالت لوٹ آئی اور رات دن بیچاری کی درگت ہونے لگی۔

ایک بار میں نے اپنے ایک عزیز کی اہلیہ سے ناموافقیت کا تذکرہ کر کے حضرت سے دعا کی درخواست کی مگر حضرت نے جواب دیا کہ بھائی! اپنے ہی قلب پر قابو نہیں ہے دوسرے کے قلب کو کوئی کیونکر پھیر سکے جو مقدر ہے وہ ہو کر رہے گا۔ یہ سن کر بندہ بالکل مایوس ہو گیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ بالآخر طلاق و انقطاع کلی کی نوبت پہنچی۔

حضرت کے ایک ذاکر شاعری خدام ایک مدرسہ میں مدرس تھے ان کو امر دہلے سے تعلق ہو گیا کلاس کی صورت دیکھ کر بغیر چین نہ آتا تھا ہر چیز کہ معصیت کا و سوسہ بھی نہ تھا مگر رات بھر گھر سے باہر یا جنگل میں ٹہلا کرتے کہ اس تصور نے ان کے قلب کو گھیر لیا۔ میں نے ان کو میرٹھ بلایا اور اتفاق سے وہ میرے جبر اور اصرار پر عین اس وقت پہنچے کہ حضرت تشریف فرما تھے۔ شرم و خوف کے مارے وہ حضرت کے سامنے نہ گئے اور اپنی ہمت غم کیا۔ میں نے ان کو نیچے مسجد میں بٹھایا اور طرح طرح کی ملاطفت کی۔ پھر حضرت کو سارا حال سنایا اور بالآخر عرض کیا کہ حضرت ان کے ساتھ مجھے محبت ہے اور مرض لاعلاج ہے اور واسطے خاص توجہ فرمادیں بار بار عرض کیا مگر حضرت ملتے رہے آخر ارشاد فرمایا تمکن ہو تو میرے پاس بھیج دو کہ چند روز سہارنپور رہیں چنانچہ

لے آئے۔ اصل بات یہ تھی لیکن بکت آج بھی موجود ہے ان پر عمل انشاء اللہ مفید ہوگا۔ ۲۔ بے ڈارھی والا اس مرض سے بہت احتیاط کی ضرورت ہے اسی لئے امام اعظم درس میں اس کو سامنے نہ بیٹھے دیتے تھے جس کے ڈارھی نہ ہو۔ ۳۔ اصرار سے۔

ہزارند میں تھے ان کو سہارنپور پہنچایا اور آخر مہینہ بھر بعد حضرت نے ان کو رخصت کیا کہ وہ مطلوب کو دیکھتے اور وحشت کھاتے تھے چند روز بعد وحشت بھی جاتی رہی اور وہ بھی ایسا ہو گیا جیسے سب لوگ۔
الحاصل اکل و شرب سکوت و تکلم بول و برآز نوم و یقظہ اور ہر حرکت و سکون آپ کا سا پختہ اتباع سنت میں گویا ڈھلا ہوا تھا اور اس بنا پر طاعت کے حکم اور عبادت کے تحت میں داخل تھا۔
شریعت پر عمل آپ کی طبیعت ثانیہ بلکہ فطرتِ اصلینہ بن گیا تھا کہ کبھی ذہول بھی ہوتا تو فطرت کا نور آپ کو فوراً متنبہ کر دیا کرتا تھا۔

عدن پر جہاز ٹھہرا تو کشتی والے طرح طرح کی چیزیں فروخت کرنے کے لئے لائے۔ میزک جیسا ایک جانور جس کو بیچ میں سے چاک کر کے گوشت کا عضلہ سانا لیتے ہیں بکثرت فروخت ہوتا اور عرب اس کو خاص رغبت سے کھاتے ہیں۔ حضرت کو مچھلی سے رغبت تھی اور عرب نے شوق دلایا کہ اس کو کھا کر دیکھئے مچھلی سے زیادہ لذیذ ہوتا ہے۔ آپ نے اس کو خریدنے کے لئے مجھ سے فرمایا چنانچہ میں نے سرکشی میں ڈال دیا کہ جتنا آوے دیدے۔ وہ جہاز پر آنے نہ پایا تھا کہ آپ دفعۃً گھبرائے اور فرمایا مولوی عاشق الہی ذرا ٹھہر میرے خیال میں تو یہ حرام ہے کہ مچھلی نہیں ہے کوئی دریائی جانور ہے۔ مگر احاف کے نزدیک سوائے مچھلی کے کوئی بحری جانور حلال نہیں ہے۔ چنانچہ تحقیق ہوا کہ حضرت کا خیال صحیح ہے اور عرب چونکہ زیادہ تر شافعی المذہب ہیں اس لئے اس کو حلال سمجھتے اور ان کی دیکھا دیکھی سب خرید کر بے تکلف کھاتے ہیں کہ حلت حرمت کی تحقیق کا داہمہ بھی نہیں ہوتا۔

ایک بار حرم شریف میں تلاوتِ قرآن مجید کی آواز آئی جس کی طرف بے اختیار دل کھنچتا تھا۔
ذرا دیر میں ڈھٹ لگ گئے آپ بھی چلتے چلتے رک گئے اور سننے لگے مگر شاید ایک منٹ پورا نہ ہوا تھا کہ آپ یہ فرما کر پڑھنے والی عورت معلوم ہوئی ہے سنا جائز نہیں ہے وہاں سے چل دیئے۔ منہ پر چونکہ نقاب تھا اس لئے عورت مرد کی شناخت ناممکن تھی۔ مجھے حیرت ہوئی اور میں نے عرض کیا حضرت نے کیسے سمجھا کہ یہ عورت ہے؟ فرمایا اس کی ٹنگری بتا رہی ہے کہ مرد کی آواز نہیں ہے۔ مجھے کہید ہوئی اور معلوم ہوا کہ بیشک وہ عورت مصریہ تھی۔

غرض قدرت نے آپ کو عاداتِ طبیعیہ اور معمولاتِ جسمیہ کا کچھ ایسا بہترین مشغلہ نصیب فرمایا تھا کہ حاضرین و زائرین علماء و عوام کو آپ کے ہر لمحہ اور ہر آن کے حرکت و سکون میں اس کا علمی و علمی سبق

لے اس لڑکے کو۔ عہ تخلیق الہی کا جو عجوبات اور ریاضتوں سے حاصل ہو جاتا ہے۔ ۳۰ شریعت میں ڈھلا ہوا یہ تو ظاہر تھا اور باطنی نور بے انتہا تھا۔

ملتا تھا کہ انسان دنیا میں کس غرض کے لئے آیا ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس حیات طیبہ کی تعلیم کے لئے یہاں تشریف لائے تھے۔ آپ کے مشاغل حسد دیکھ کر غبطہ ہوتا اور بے اختیار زبان سے نکتہ تھا کہ کل امری فی امور الدھر مشبغل وانت عن کلھا فی احسن الشغل

کمالات و کرامات^۳

حضرت کے کمالات کا بیان کرنا میری طاقت سے باہر ہے کہ ان کا ادراک مجھ جیسے ناکارہ کی تو کیا حقیقت ہے بڑوں کو بھی مشکل تھا۔

مولوی ظفر احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں حضرت مولانا تھاغوی نے ایک بار فرمایا کہ جب حضرت مولانا گنگوہی کا وصال ہو گیا: پیر نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے عرض کیا کہ مجھے اب تک جو کچھ کبھی دریافت کرنا ہوتا تھا حضرت مولانا گنگوہی سے دریافت کر لیا کرتا تھا حضرت کے بعد اب جو کچھ مجھے دریافت کرنا ہو گا وہ جناب والائے دریافت کیا کروں گا اور حضرت والا کو جواب کی تکلیف کرنا ہوگی۔

اور مولانا محمد یحییٰ صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ میاں ظفر آج جتنے بھی تمہارے سامنے بزرگ ہیں گنگوہی میں ان سب کے ساتھ میری دل لگی اور ہنسی رہا کرتی تھی بجز حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے کہ ان کا ادب میں اس وقت بھی بہت کرتا تھا حالانکہ خود حضرت مولانا مجھ سے بہت بے تکلف تھے مگر میں کبھی بے تکلف نہیں ہوا۔

ایک بار فرمایا تم سمجھ سکتے ہو کہ میں حضرت مولانا گنگوہی کی خدمت میں بارہ سال رہا ہوں اور حضرت کے ساتھ جو تعلق مجھے اور جو حضرت کو مجھ سے تھا وہ بھی سب کو معلوم ہے۔ اس صورت میں غور کرو کہ مجھے حضرت گنگوہی کی معرفت کس قدر ہو سکتی ہے۔ اس پر جو میں نے حضرت کے بعد مولانا خلیل احمد صاحب کو اپنا شیخ بنایا اور ان کی طرف رجوع کیا ہے اس سے جو کچھ نتیجہ نکلتا ہے تم خود سمجھ سکتے ہو۔ میاں ظفر بات یہ ہے کہ

لہ یہ شوق کہ ہم بھی ایسے ہی ہوجائیں۔ سہ ہر آدمی زمانہ کے طرح طرح کے امور میں مشغول ہے اور آپ ہیں کہ ان امور میں بہترین شغل میں منہمک ہیں۔ سہ کمال تو علم و عمل کا پورا ہونا ہے صحیح معیار پر ٹھیک اترتا ہے۔ اور دیا صرف وہی ہے جو حق تعالیٰ نے دین کی شکل میں بھیجا ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لائے اور خود ہر بات میں نمونہ بنا کر دکھائے اس سے ہٹنے والا ناقص ہے۔ اور کرامت غیر نبی صالح شخص کے وہ معمول و عادت عام سے بالا ہوں دوسرے اس سے قاصر ہوں بزرگوں نے استقامت دینی کو سب سے بڑی کرامت قرار دیا ہے۔ سہ حضرت تھاغوی نے قائم مقام شیخ حضرت کو ہی منتخب کیا تھا اس سے کمال کا اندازہ ہوتا ہے جو حضرت کے دادا پیر سے اجازت یافتہ تھے اور وقت کے مجدد ہوئے ہیں۔ سہ کمالات کی پہچان۔

خدا کے نزدیک مراتب کا کم زیادہ ہونا تو کسی کو معلوم نہیں لیکن میرے نزدیک معرفت و سلوک میں مولانا خلیل احمد صاحب کا درجہ سب سے بڑھا ہوا ہے۔

جلالتِ قدر | میں نے اعلیٰ حضرت حاجی صاحب کا ایک والا نامہ حضرت کی بیاض میں خود دیکھا ہے جس میں حضرت کی نسبت تحریر فرمایا تھا تمام میرے سلسلہ کے فخر ہو مجھے تم سے بہت خوشی اور شرف۔

جج پنجم میں جس وقت حضرت ”مسجد اکرام میں طواف قدم کے لئے تشریف لائے تو احقر مولانا محب الدین صاحب کے پاس رجوع اعلیٰ حضرت حاجی صاحب کے خاص خلفا میں تھے اور صاحب کشف مشہور تھے بیٹھا تھا۔ مولانا اس وقت درود تشریف کی کتاب کھولے ہوئے اپنا ورد پڑھ رہے تھے کہ دفعۃً میری طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے اس وقت حرم میں کون آگیا کہ دفعۃً سارا حرم انوار سے بھر گیا۔ میں خاموش رہا کہ اتنے میں حضرت طواف سے فارغ ہو کر باب الصفا کی طرف سعی کے لئے چلے تو مولانا محب الدین صاحب کے پاس آئے کہ وہی جگہ مولانا کے نشست کی تھی۔ مولانا کھڑے ہو گئے اور منہ کر فرمایا میں بھی تو کہوں آج حرم میں کون آگیا۔ یہ کہہ کر مصافحہ و معانقہ ہوا اور حضرت سعی کے لئے آگے بڑھ گئے۔ مولانا محب الدین صاحب اپنی جگہ بیٹھ گئے اور مجھ سے فرمایا میان ظفر مولانا خلیل احمد صاحب تو نور ہی نور میں ان میں نور کے سوا کچھ نہیں۔

پھر فرمایا کہ میں نے مولانا رشید احمد صاحب کو نہیں دیکھا اور مجھ سے کہا گیا ہے کہ وہ قطب الارشاد تھے مگر میں نے مولانا کے خلفاء کو دیکھ کر سمجھ لیا کہ واقعی وہ قطب الارشاد تھے جو ایسے ایسے کامل بنائے۔ میں نے جرات کر کے دریافت کیا کہ مولانا عبد الرحیم صاحب کیسے ہیں؟ فرمایا بڑے قوی النسبت ہیں کہ ان کے پاس چاہے کوئی کیسا ہی دل لے کر آئے سب جھاڑ جھنکار کو ایک دم صاف کر دیتے ہیں۔

مولوی عبدالرشید جان صاحب جرم انگلستان مصر حجاز وغیرہ ممالک دیکھے ہوئے سہا پور کے مشہور وکیل اور مردم شناسی اور استقلال رائے میں امتیازی شان رکھتے ہیں۔ برسوں حضرت کی خدمت میں آتے اور درجہ میں کچھری سے شام کو فارغ ہو کر مدرسہ پیچھے کے عادی رہے ہیں۔ فرمانے ہیں کہ مولوی محمد یحییٰ صاحب کے ماموں ڈپٹی علاء الحسن صاحب میرے دوست تھے جو میرے ہی پاس قیام کیا کرتے اور ان کی وجہ سے مولوی محمد یحییٰ صاحب کا آنا جانا میرے مکان پر ہو گیا پھر یہاں تک مرا م بڑھے کہ مولانا کا معمول ہو گیا جموں کی شام کو میرے مکان پر تشریف لاتے اور رات یہیں گزارتے۔ وقتاً فوقتاً مجھے ترغیب دیتے رہتے تھے کہ میں مولانا خلیل احمد صاحب سے بیعت ہو جاؤں مگر ان کی تلقین کا میرے دل پر کبھی کچھ اثر نہیں ہوا۔

ایک مرتبہ ڈپٹی علاء الحسن صاحب تشریف لائے اور مولانا محمد یحییٰ صاحب نے اپنے سلسلہ کے ایک بزرگ سے ان کو بیعت کرایا۔ میں نے معترفانہ لہجہ میں مولانا سے کہا کہ اپنے ماموں کو تو آپ نے ان بزرگ سے

بیعت کرایا اور مجھے آپ ہمیشہ یہ تلقین فرمایا کرتے ہیں کہ میں مولانا خلیل احمد صاحب سے بیعت کروں مولانا نے ایک جوش کے ساتھ جواب دیا تم نے تو میری ساری محنت پر پانی پھیر دیا۔ ارے میاں یہ ناموں تو ابھی بند ہی ہیں۔ میں نے ان کو اسکول کی ابتدائی جماعت میں جس کے قابل ان کو سمجھا داخل کر دیا اور تم کو تو میں اپنے ساتھ ہی اے کا طالب علم سمجھ کر کالج میں داخل کرانے کا ساعی ہوں۔ تم نہیں دیکھتے کہ میں گھر بار چھوڑ کر حضرت کی خدمت میں پڑا ہوا ہوں اور تمہیں بھی اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں۔ میں مولانا کے اس حوصلہ افزا جواب سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔

بیعت کی حقیقت اور اگلے دن جمعہ کو اپنے زعم میں رسم بیعت کی مخالفت پر تیار ہو کر حسب معمول در رسہ میں پہنچ کر حضرت سے پوچھا کہ حضرت بیعت کی حقیقت اور

ضرورت کیا ہے؟ میں نے تو خیال میں مخالفت پر کمر باندھ کر یہ سوال کیا تھا مگر حضرت نے اس کو نہایت معمولی سوال قرار دے کر جواب دیا کہ بیعت میں مرید اللہ تعالیٰ سے اجتناب منہیات اور تعمیل اوامر شریعہ کا خیر کرنا ہے اور مراد اس خیر کا گواہ بنتا ہے اور بس۔ مراد کا لفظ پیر کے مضمون میں اسی روز میں نے پہلی دفعہ سنا۔ اس جواب پر میں مبہوت سا ہو کر دم بخود رہ گیا مگر دل میں یہ خدشہ گذرا کہ خداوند کریم کو جس کی شان ہے یحکم خائستہ الاعین وما تخفی الصدور کسی گواہ کی کیا ضرورت ہے مگر فوراً ہی منجانب اللہ یہ آیت کریمہ ذہن میں آئی الیوم نختتم علی افواہہم ونکلتنا ایدہم وتشد ارجلہم بما کاذا یکسبون اور خیال ہوا کہ وہ ذات پاک فعالی لما یرید ہے اگر وہ قیامت کے دن انسان کے ہاتھ پیروں سے استشہاد کرے گا تو یہاں اس کے ساتھ معاملہ کرنے میں کسی صالح شخص کا استشہاد کیوں بیجا ہو۔ یہ سوچ میں چپ ہو گیا اور میرے سارے خیالی اوہام و اعتراضات کا خاتمہ ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد میں نے حضرت سے عرض کیا کہ آج جمعہ ہے اور قبل مغرب میں حضرت سے بیعت کر لینا چاہتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا میرے خیال میں تو اس کی زیادہ ضرورت معلوم نہیں ہوتی، بیعت سے جو مقصود اصلی ہے ان میں اکثر چیزیں اللہ تعالیٰ نے وہی طور پر تم کو عطا فرما رکھی ہیں مگر میں اپنے ارادہ پر ٹٹلا بیٹھا تھا میں نے عرض کیا کہ حضرت میں نے تو کبھی کوئی کام ضرورت دیکھ کر نہیں کیا۔ انگریزی معاشرت رکھتا ہوں انگریزی لباس پہنتا ہوں انگریزی کھانا کھاتا ہوں کوٹھی بنگلہ میں رہتا ہوں انگریزوں سے بہت زیادہ

لے وہ جانتے ہیں آنکھ کی خیانت کو اور ان باتوں کو جن کو سینے چماتے ہیں۔ شہ آج ہم ہر لگتے ہیں ان کے مونہوں پر اور ہم سے کلام کریں گے ان کے ہاتھ اور گواہی دیں گے ان کے پیراس کی جو کچھ وہ کیا کرتے تھے شہ بہت کرنے والے ہیں اس کے جو ارادہ کرتے ہیں۔ شہ گواہی دلوایا یعنی گواہ کو سب کچھ معلوم ہے مگر ہاتھ پیر سے پھر بھی گواہی دلوایں گے تو کسی بزرگ کی گواہی کیوں نہ ہو۔ شہ خود عطائی۔

ملتا جلتا ہوں یہاں تک کہ ایک مہم سے بلا ضرورت شادی بھی کر لی تھی۔ جہاں اور سہراؤں کام بلا ضرورت کرتا ہوں ایک بیعت بھی یہی مگر آج اس کا سراجام کر لینا ضرور ہے حضرت خاموش ہو رہے۔

نماز عصر کے بعد صحن میں حسب عادت تشریف فرما تھے اور احباب کا مجمع جمع تھا کہ حضرت اٹھے اور اشارہ سے مجھے طلب فرمایا میں پیچھے پیچھے ہو گیا۔ حضرت مسجد میں تشریف لائے اور میں ساتھ تھا۔ حضرت نے فرمایا آؤ پھر وہ کام کر لیں۔ چنانچہ بالکل تنہائی میں حضرت نے مصافحہ کے طور پر میرے اور اپنے ہاتھ ملا کر مجھے بیعت کیا اور آخری جملہ یہ کہہ کر کہ میں بیعت کرتا ہوں (حضرت مولانا) غلیل احمد کے ہاتھ پر اپنے ہاتھ کھینچ لے اور فرمایا کہ بس یہ ہے بیعت۔

میرے دل پر دوران بیعت میں مطلق کوئی اثر کسی قسم کا نہ تھا مگر اس آخری جملہ پر دفعۃً میری آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے چہرہ پر ہوا بیاں اُڑنے لگیں اور مجھے خود محسوس ہونے لگا کہ میرا چہرہ بالکل زرد پڑ گیا ہے۔ حضرت فوراً مدرسہ میں اپنی جگہ تشریف لے آئے اور پیچھے پیچھے میں چلا آیا مگر میری صورت دیکھ کر احباب نا اذ گئے کہ بیعت کر کے آیا ہوں۔ پھر مولوی محمد کبھی صاحب کے اصرار پر جب میں نے حضرت سے ورد و وظیفہ پوچھا تو فرمایا تم کو اور کسی ورد و وظیفہ کا وقت کہاں ہے، تم صرف اسم ذات باری تعالیٰ کو جب بھی وقت ملا کر ورد کیا کرو اور اشراق و اوایں وغیرہ جو نوافل مسنون ہیں جو چاہو شروع کر لو مگر شروع کرنے سے پہلے اپنی حالت کا اندازہ کر کے یہ مصمم عزم کر لو کہ جن نوافل کو شروع کرو ان کو مرتے دم تک نہایت التزام اور ثبات و استقلال سے نباہ دو۔

مولوی عبد الشرحان صاحب کی شہادت کوئی عالمانہ شہادت نہیں مگر دنیا چھلانے ہوئے اور اکثر ممالک دیکھے ہوئے تھے۔ عدم تقلید کی طرف مائل بلکہ تشدد لئے ہوئے تھے۔ کتب بینی کے عادی و خوراک کی ذہیم تھے کہ ہر مذہب کی کتابوں کو دیکھتے اور پرکھتے تھے اپنے پیشہ اور زمانہ کے رنگ سے متاثر انگریزی معاشرت میں غرق تھے اور تصوف کے ہر پہلو کو محافل و معرضانہ نگاہ سے دیکھتے تھے لہذا ان کی عقیدت و بیعت اس درجہ میں ایک واقع شہادت ہے کہ الفضل دانشمدت بہ الاعلاء۔

تقریر فرماتے ہیں کہ مجھے سب سے اول حضرت کی خدمت میں حاضری کا موقع اپنے پیشہ میں کسی مقدّم کی پیروی کے لئے مسئلہ طلاق کے متعلق روایات فقہیہ کی پوچھ گچھ کی ضرورت سے نصیب ہوا کہ میرا مولیٰ حضرت کا رشتہ دار تھا اور میں اپنے اشکالات حل کرنے کے لئے مدرسہ مظاہر علوم میں پہنچا حضرت نے جس اطمینان و یثاقت کے ساتھ میرے ہر سوال کا جواب دیا اور اس کی سند کے طور پر مختلف اور مستند کتب فقہیہ سے نقل وہ ہے کہ دشمن بھی گواہی دیں۔

اس کی تائید ثابت کر کے دکھائی اس سے حضرت کے بحر علمی اور صدق نیت کا میرے دل پر ایسا گہرا اثر ہوا کہ عین اسی صحبت میں حضرت کی عظمت و محبت کا میرے دل میں گویا سچ بویا گیا۔ میری اور میرے مکرمل کی غرض و غایت صرف یہ تھی کہ جس طرح ہوسم کو مقدمہ میں کامیابی حاصل ہو مگر حضرت نے ہماری ایسی تمام کوشش کی مخالفت فرمائی جس کو حضرت اعانت علی الاثم والعدوان یا برسرِ ناقہ سمجھتے تھے اور ہم کو ہر قسم کی جیلہ جوئی اور واقعاتِ اصلیلہ کے اخلا سے یہ فرما کر روک دیا کہ یہ صداقت کے خلاف ہے حضرت کی محبت و عظمت کا یہ اثر ہوا کہ میں روزمرہ عادی ہو گیا کہ کچھری سے واپس پر سیدھا حضرت کی خدمت میں پہنچتا تھا: مکان و ضعف پیری اور مرض کی وجہ سے مجھے لیٹنے کی ضرورت ہوتی اور حضرت میری یہ حالت دیکھ کر فرطِ شفقت سے مجھے تکیہ دیدیا کرتے تھے کہ اس پر آرام کرو میری جبارت کا یہ عالم تھا کہ بلا تکلف تکیہ پر لیٹ کر اپنا دامن پیر یا پس گھٹنے پر رکھ لیا کرتا شام کو چاء معمولاً حضرت کے یہاں سے ملتی اور میں بلا حجاب پی لیا کرتا کبھی کبھی یہ بھی ہوتا کہ حضرت نماز مغرب کے بعد فرمایا کرتے کہ ذرا ٹھیر جاؤ میں ٹھیر جاتا اور اس روضات کا کھانا حضرت کے ہمراہ کھا کر گھر آتا ہوتا جب اس معمول کو میں نے اکثر اور متواتر دیکھا تو حضرت کے اس ارشاد پر کہ ذرا ٹھیر جاؤ میں فوراً سمجھ لیتا تھا کہ آج یہیں کھانا ہوگا۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے میں نے شاید صرف دو دفعہ حضرت کی دعوت کر کے حضرت کو اپنے یہاں بلانے اور کھانا کھلانے کی تکلیف دی ہے اور میں نے بہت ہی دفعہ حضرت کے ہاں کھانا کھایا ہے جس کی تعداد سینکڑوں تک پہنچی ہوگی۔ فقط

کمالِ استقامت و علوہمت

بندۂ ناچیز نے جہاں تک غور کیا حضرت میں بڑا کمالِ استقامت اور عزم و علوہمت پایا کہ موسمِ پلٹتے تھے کبھی جاڑہ کبھی گرمی اور کبھی برسات حالات بدلتے تھے کبھی صحت کبھی مرض کبھی سفر کبھی حضر کبھی خلوت کبھی جلوت کبھی عشر کبھی سیر کبھی اشتغال کبھی فرصت زمانہ گردش کرتا تھا کبھی جوانی کبھی بڑھاپا کبھی ضعف کبھی قوت، انقلاباتِ حوادث اپنا اثر دکھلاتا تھا کہ کبھی خوشی کبھی رنج کبھی کسی کی ولادت کبھی کسی کا مرنا غرض سب ہی کچھ ہوتا تھا مگر آپ کے معمولاتِ شرعی میں کوئی فرق نہ آتا اور کسی ایک امر پر کبھی کوئی اثر قوی نہ پڑتا تھا۔ مجھے آپ کے ساتھ سفر

لے گاہ اور زیارتوں پر ارادہ۔ لے تنگی کبھی فراغت۔

عہ مولوی عبدالرشید جان دیکل لدھیانہ کے رہنے والے تھے۔ بہار پور میں اسٹیشن کے قریب ایک عرصہ درمیں مقیم کے صحن میں ہم لوگ ان کے پاس بیٹھے تھے۔ دورانِ گفتگو میں کہنے لگے کہ تفسیر کبیر کا میں نے سات بار مطالعہ کیا ہے۔ یہ بات سن کر ہم لوگ حیران رہ گئے کہ یہ انگریزی میں تو بڑا عالم ہے جس مقدّمہ طلاق کا مولوی صاحب نے ذکر کیا ہے وہ جینہ بنت مولوی سلطان احمد کہے۔ ان کے شوہر نے غصہ میں تین طلاقیں دینے کے بعد بیوی کی بازیابی کے لئے عدالتی چارہ جوئی کی تھی۔ عدالت نے شوہر کی موافقت میں فیصلہ کیا جو غیر شرعی تھا اس لئے مجبوراً جینہ کو کھانا دیا اور بیچ دیا گیا جہاں ان کی شادی کرنی عبدالرشید سے ہوئی۔ (اخلاق احمد غفرلہ)

میں بارہا معیت نصیب ہوئی۔ ریل اور جہاز اونٹ اور پہل سب آپ کے معمولاتِ لیلیہ و یومیہ کے لئے ایک حکم رکھتے تھے۔

انسان ایک مٹی کا پتیل ہے جس کی مٹین کے پُرزے ہاتھ پاؤں ایک خاص عادت اور سکون و راحت کے محتاج ہیں کہ جب اس عادت و راحت میں فرق آئے گا تو ان کی رفتار سے جس کا نام عمل ہے ضرور فرق آئے گا۔ اچھی اچھی قابلِ اعتماد مٹینیں کسی غیر معتاد حادثہ پر بند ہو جاتی ہیں۔ اور بڑے بڑے منتظم محکمے اور کارخانے اتفاقیات کے ہاتھوں چلتے چلتے رک جاتے ہیں۔ قوی سے قوی ہستیوں کو بھی آرام کرنے کے لئے تعطیل کی ضرورت ہوتی ہے اور متعدد سے متعدد نوجوانوں کو بھی راحت حاصل کرنے کے لئے اپنے معمول میں فرق ڈالنا پڑتا ہے مگر نہیں فرق دیکھا تو حضرت کے معمولات میں کہ چھ چھ مہینے منواتر مسلسل سفر میں ساتھ رہنے کا صحیح اتفاق ہوا مگر میں نے ایک دن بھی نہیں دیکھا کہ نماز یا جماعت ترک یا وقت مستحب مٹی ہو یا ایک شب بھی تہجد کے لئے وقت معمول پراٹھے میں چند منٹ کی تاخیر ہوئی ہو۔

قرنطینہ کا مران میں شب کو میری آنکھ کھلی اور میں نے گھڑی دیکھنے میں غلطی کھائی کہ دو بجے کو چاہے سمجھ لیا۔ گرمی کا موسم تھا چاندنی رات تھی میں سمجھا صبح صادق ہوا چاہتی ہے اٹھ کر حضرت کو دیکھا کہ بے خبر سو رہے ہیں۔ سمجھا کہ آج داخلہ قرنطینہ میں کامل اٹھ گھنٹے نعب کا اثر حضرت نے لیا ہے اس لئے آنکھ نہیں کھلی اس خیال سے کہ برسوں کا معمول ترک ہونے کا حضرت کو قلق زیادہ ہو گا اٹھ کر حضرت کے پاؤں دبانے لگا کہ حضرت کو جگانے کا طریق یہی تھا۔ پاؤں کو ہاتھ لگاتے ہی حضرت نے آنکھ کھولی اور گھڑی اٹھائی جس کو حضرت ہمیشہ تنکے کے پاس رکھ کر سویا کرتے تھے۔ کیا بتاؤں کہ اس وقت میری شرم کے مارے کیا حالت ہوئی جب حضرت نے گھڑی دیکھ کر فرمایا کہ ابھی تو ڈھائی گھنٹہ رات باقی ہے، شاید چاندنی سے نم کو دھو کا ہوا اور یہ فرما کر پھر سو گئے۔

تیند موصوف کے اختیاری تھی یہ بات حضرت کے پاس چند روز رہنے والے کو بھی محقق ہو گئی تھی کہ حضرت کی تیند اختیاری تھی کہ پانچ منٹ کے لئے سونے کا ارادہ فرمائے تو پانچ ہی منٹ میں آنکھ کھل جاتی اور آپ اٹھ بیٹھتے تھے یہ

جہاز میں بندہ نے اپنا بستر حضرت کے سامنے اور متصل بچھایا تھا کہ آخر شب میں وضو کے لئے پانی

لے کر مران جزیرہ میں حاجیوں کو کچھ دیر کے لئے روک دیا جاتا تھا وہ قرنطینہ کہلاتا تھا۔

عے باوجود کہ حضرت کو اپنے سونے اور جاگنے پر کافی قابو تھا لیکن تہجد کے لئے الارم ٹائم پیس کو کوک دیکر پلانگ کے قریب یا اس کے نیچے ضرور رکھا کرتے تھے۔ (اخلاق غفر)

دیسکوں میں نے بار بار دیکھا کہ حضرت کی آنکھ کھلی اور گھڑی دیکھ کر یہ فرمایا کہ ابھی تو پانچ منٹ باقی ہیں پھر فوراً سو گئے اور دوبارہ آنکھ کھلی تو شاید چھٹا منٹ شروع ہو گیا ہو مگر ختم نہ ہوتا تھا۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے سونے کے لئے صرف ارادہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ بعض دفعہ نیند کا ارادہ کرنے کے بعد نیک پر سر رکھنے کی بھی مجھے خبر نہیں ہوتی۔ آپ نے شب کو سفر حجاز جاتے ہوئے ریل کا سفر کیا اور جبکہ جگہ اسٹیشنوں پر خدام کا زیارت و مصافحہ کے لئے ہجوم تھا مگر اسٹیشن آتے ہی گاڑی ٹھہرتے نہ پاتی تھی کہ آپ اٹھ جاتے اور اکثر نیچے اتر کر حاضرین کو چھاتی لگاتے اور حال پوچھتے اور جو ضروری بات کہتا ہوتی وہ کہہ کر ریل میں سوار ہو جاتے اور پھر ریل اسٹیشن کو چھوڑنے نہ پاتی تھی کہ سوجانے تھے۔ رات میں دس دس مرتبہ ایسا جاگتا اور سونا ہوتا مگر آپ پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔ رفقا سے فرما دیا کرتے تھے کہ مجھے جاگنے میں تعب نہیں ہوتا اور نہ پھر سونے میں دیر لگتی ہے اس لئے جب ضرورت ہوئے تکلف جگا لینا سفر میں ایسا بھی اتفاق ہوا کہ نا وقت کھانا کھایا اور کئی کئی راتیں مسلسل ایسی گزریں کہ گھنٹہ سوا گھنٹہ سے زیادہ آپ کو سونا نہیں ملا اور وہ بھی متفرق بار بار جاگ کر۔ مگر صبح صادق سے دو گھنٹہ قبل اٹھنے کا آپ کا جو معمول تھا اس میں کبھی فرق نہیں آیا۔

نوجوان بیٹے اور بیٹیوں کی وفات کے متواتر تین صدے آپ کو پیش آئے اور محتسب داری بھی ہوئی کہ گھر میں یا آپ تھے یا آپ کی اہلیہ مگر تہجد کا معمول نہ بیمار داری میں چھوٹا نہ موت کی شب میں۔ مدنی راستہ میں آپ کو بخار ہوا اور شدید ہوا کہ بدن پر ہاتھ رکھنا مشکل تھا۔ آپ شغوف میں تھے اور فرط حرارت سے گویا بیہوش تھے مگر نصف شب میں بخار ہلکا ہوا اور آخر شب میں حسب معمول آپ ہمت کر کے اٹھ کھڑے ہوئے، کچھ کھڑے ہو کر اور کچھ بیٹھ کر نفیس ادائیں اور لیٹ رہے۔ شب میں قافلہ چلتا تو آپ شغوف ہی پر دھو کرتے اور پورے نوافل ادا فرماتے۔ رات کے باہر ایک بجے آپ کو ریل میں بیٹھا ہوا کہ نہ ادھر اطمینان سے سونے کا وقت نہ ادھر آرام کا کافی وقت۔ مگر نصف شب کے بعد کا وقت ریل میں ہوتا تو اندر و نہ باہر اسٹیشن پر آپ اٹھ دس نوافل ادا فرماتے اور ریل آنے پر اس میں سوار ہو جاتے۔ اگر میری آنکھوں کا اور وہ بھی بیسیوں دفعہ کا مشاہدہ نہ ہوتا اور کوئی مجھ سے لاکھ کہتا کہ ایک ایسا بھی انسان ہے جس کی نیند اختیار ہی ہے اور اس پر تغیرات عادت کا کوئی اثر نہیں ہوتا تو مجھے ہرگز یقین نہ آتا اور میں کہتا کہ ناممکن و محال ہے عادت کے خلاف تغیر ہوا و طبیعت اس سے متاثر ہو کر معمولات میں فرق نہ ڈالے۔ مگر حضرت کے متعلق اس مشاہدہ نے میرے دعوے کو توڑ دیا اور اب تک جب تصور آتا ہے میں حیران ہو جاتا ہوں کہ آخر وہ کون قوت اندرونی تھی جو طبیعت انسانیہ پر غالب آگئی تھی۔

لے مگر یہ سب خدام کا مشاہدہ رہا ہے۔

ایک مرتبہ شب کو ۱۲ بجے بغیر اطلاع آپ میرٹھ تشریف لائے اور میرے مکان کے سامنے مسجد سے اس کے فرش پر لیٹ رہے۔ آخر شب میں مجھے خواب نظر آیا کہ حضرت کنوئیں پر کھڑے اپنے ہاتھ سے پانی کھینچ رہے ہیں فوراً آنکھ کھلی اور ڈول کے پانی پر پڑنے کی آواز آئی سمجھ رہا تھا کہ خواب ہے مگر جلدی سے اٹھ کر باہر آیا تو دیکھا واقعہ ہے کہ حضرت پانی کھینچ رہے ہیں، جلدی سے لپک کر میں نے رسی تھام لی پانی کھینچا اور حضرت سے خواب عرض کیا کہ بھی کیا عجیب اور سچا خواب ہے، اور حضرت نے نہ تشریف آوری کی اطلاع دی نہ آواز ہی دی کہ حاضر ہو جانا۔ مسکرائے اور فرمایا خواب مبارک ہو۔ سفر میں میرٹھ کو عبور ہوا تو دل نے نہ چاہا کہ ملے بغیر جاؤں اور جگانے کی تکلیف کیوں دیتا گرمی کا موسم تھا فرش پر لیٹ کر خوب نیند آئی کہ خمار رفع ہو گیا۔

ایک مرتبہ لاہور جلسہ میں جانا تھا اور ڈاک گاڑی کا سفر تھا جو شب کو ۱۲ بجے چل کر صبح ۷ بجے لاہور پہنچی تھی۔ رخصت بھی تھا اور گرمی بھی مگر حضرت ذرا سی جگہ میں پاؤں سمیٹ کر سوئے اور اپنے وقت پر اٹھ کر وضو کر کے اس تنگ جگہ میں نفیس پڑھنے لگے۔ مولوی اسحاق مرحوم حضرت کے خادم ساتھ تھے اور معلوم تھا کہ حضرت کو نوافل سے فارغ ہو کر چاہ پینے کی عادت ہے، دودھ مصری اور خشک چاہ و سماوار ساتھ لائے تھے خدا ان کو غرق رحمت کرے آفرین ہے ان کی ہمت پر جس کا سبق حضرت سے لیا تھا کہ تیز چلتی گاڑی میں اٹھو لے اپنا بلند کھول کر کوئلہ سلگایا اور سماوار گرم کیا اور پوری مقدار چاہ تیار کی کہ حضرت کے فارغ ہوتے ہی انھوں نے فحان بچھا دیئے اور حضرت نے مع چار پانچ رفقا کے چاہ نوش فرمایا۔ لاہور میں دن بھر جلسہ کے اندر گذرا کہ دن کو بھی لیٹنا نہ ملا مگر شب کو بچھو وہی وقت تھا اور وہی معمول۔

نوافل پر مداومت | نوافل پر جس کو اتنی مواظبت ہو اس کے سن و واجبات کے اہتمام کا کیا پوچھنا۔ مولوی ظفر احمد صاحب جو مدت تک مدرسہ میں مدرس رہے ہیں لکھتے ہیں کہ میں حضرت کی خدمت میں چھ سال رہا ہوں مجھے یاد نہیں کہ حضرت کی تکبیر تحریر یہ کبھی فوت ہوئی ہو۔ البتہ ایک دن صبح کو وضو کرتے کرتے ہوئے آپ کے دانتوں میں سے خون آنے لگا اور دیر تک اس کا سلسلہ چلتا رہا تو مسجد میں خادم کو بھیجا کہ نماز میں میری وجہ سے دیر نہ کی جاوے میرے دانتوں سے خون جاری ہے جو بند نہیں ہوتا۔ اس روز بیشک عذر کی وجہ سے حضرت کی تکبیر تحریر یہ فوت ہوئی مگر رکعت اس روز بھی فوت نہیں ہوئی۔ احقر کو اس چھ سال میں حضرت کے ساتھ سفر و حضر کا بارہا اتفاق ہوا مگر میں نے حضرت کا ہنجر ناغہ ہونے کبھی نہیں دیکھا۔ ایک بار آپ کو بخار تھا

مہ حضرت کے سامان سفر میں بستر تکیہ کے علاوہ ایک کٹدی ضرور ہوتی تھی جس میں ضرورت کی کئی چیزیں رکھی جاتی تھیں۔ مولوی اسحاق مرحوم حضرت کے سفروں میں سب چیزوں کا انتظام رکھتے تھے۔ (اخلاق غفرلہ)

اور گھر میں مہمان مستورات کی وجہ سے حضرت نے مدرسہ ہی میں آرام فرمایا تھا۔ اس بخار کی حالت میں بھی آپ نے ہجرت پڑھا کہ کچھ رکعتیں کھڑے ہو کر اور کچھ بیٹھ کر۔

حاجی احمد حسن ڈپٹی مجسٹریٹ انہارنگنگ جو حضرت مولانا راپوری سے بیعت اور ایشاء اللہ نہایت سلیم القلب صالح الاحوال شخص ہیں جس طرح اپنے فرائض دنیوی میں ضرورت سے زیادہ مستعد اور محتاط و ہوشیار ہیں کہ قردان افسروں نے صوبہ کا منتخب کارگزار سمجھ رکھا ہے اسی طرح دینداری و معمولات شرعیہ میں صاحب استقامت اور ہر شعبہ میں متورع و مستعد ہیں کہ دنیا داروں یا مخصوص ان ملازم پیشہ مسلمانوں کو ان کی پابندی جماعت و تہجد و وظائف و زکوٰۃ و صوم و حج سے سبق لینا چاہئے جو فرائض کے متعلق بھی غور کر دیتے ہیں کہ ملازم بن کر ادا، فرائض شکل ہے۔ ان کو سہارا پور میں ڈپٹی مجسٹریٹ پر کئی سال تک حضرت کے قریب ہی کرایہ کا مکان لیکر رہنے کا اتفاق ہوا وہ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت کے پاس خلوت میں جلوت میں حضر میں سفر میں حاضر رہنے کا اکثر اتفاق پیش آیا ہے لیکن کبھی ایک دفعہ بھی ایسا نہیں ہوا کہ حضرت کے معمولات میں ذرا بھی فرق پایا ہو۔ میں نے اپنی عمر میں نماز اس وقار کے ساتھ پڑھے کسی کو نہیں دیکھا جیسا حضرت پڑھا کرتے تھے۔ ایک موقع پر میں نے اپنا یہ خیال حضرت کے سامنے ذکر کر دیا میا خاں فرمایا ہمارے حضرت اس سے بھی زیادہ وقار سے نماز پڑھا کرتے تھے۔ (یعنی حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ)

مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندی کو اخیر سفر میں حضرت کے ساتھ معیت کا مدینہ منورہ میں اتفاق ہوا وہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ مجلس میں تذکرہ ہوا کہ سفر حجاز یا مخصوص مدنی راستہ میں نماز پڑھنا دشوار ہے کہ بدو اونٹوں کو ٹھیراتے نہیں اور اونٹ سے اُترنا کارے دارد۔ حضرت نے فرمایا الحمد للہ میں نے ہمیشہ اونٹ سے اُتر کر جماعت نماز پڑھی ہے۔ احقر نے عرض کیا حضرت آپ کی وجاہت کے سبب سے آپ کو سہولت رہتی تھی فرمایا میں نے اس زمانے میں بھی تو سفر کیا ہے جب کوئی خصوصیت اور وجاہت نہیں تھی۔

نیز فرماتے ہیں احقر جس زمانے میں مدینہ منورہ میں مقیم تھا گرمی نہایت شدید تھی اور مسجد نبوی کی پہلی اور دوسری صف میں نماز پڑھنا نہایت دشوار تھا مغرب اور عشاء بلکہ فجر کی نماز میں بھی ہزار ہا نمازی اندرون مسجد کو چھوڑ کر صحن مسجد میں نماز ادا کرتے تھے لیکن میں نے دیکھا کہ حضرت ہمیشہ پنجوقتہ صف اول میں منبر مبارک کے متصل نماز ادا کرتے تھے نماز کے بعد جب احقر مکان پر حاضر ہوتا تو بطور خوش طبعی و لطافت کے فرماتے کہو سید صاحب آج کو کئی صف میں نماز پڑھی؟ احقر مطابق واقعہ جو تھی یا پانچویں صف میں نماز پڑھنا بیان کرتا اور کہتا تھا کہ حضرت پہلی اور دوسری صف میں گرمی ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔ فرماتے کہ بھائی یہاں تو ضعف اور بڑھاپے کی وجہ سے گرمی کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ یہ حضرت کی لطافت طبع تھی کہ احساس

نہ ہونے کا سبب صنف و پیری کو قرار دیا ورنہ شوق و محبت اور استحضار فضائل کثیرہ احساس نہ ہوتے
دیتا تھا یا باوجود احساس کے برداشت اور تحمل تکالیف پر مستعد کرتا رہتا تھا۔

ایک مخلص ہندوستانی نے جو موٹر کینیس کا رکن تھے ایک موٹر لاری عصر کی نماز کے بعد ایک روز
ہواخوری کے لئے حاضر کی سب متوسلین ہمراہ ہوئے۔ مدینہ منورہ سے باہر سپرہ میں میل نکل گئے۔ ایک باغ
میں ٹھوڑی دیر ٹھہرے، واپسی میں خلاف امید اتنی تاخیر ہو گئی کہ مسجد نبوی میں جماعت شروع ہو گئی۔ کچھ
بازار کے ہجوم کی وجہ سے مسجد تک پہنچنے میں دقت ہوئی بلکہ احقر نے ہاتھ پکڑ کر احتیاط سے جماعت تک پہنچایا
دور کتبیں رہ گئیں اور صرف تیسری رکعت امام کے ساتھ ملی۔ اگلے روز احقر نے عرض کیا حضرت پہلے
بھی کبھی ایسا اتفاق ہوا ہے؟ فرمایا کبھی نہیں (یعنی بیماری کی وجہ سے بعض مرتبہ مکان پر نماز پڑھنے کی
نوبت تو ضرور آئی مگر یہ نہیں ہوا کہ مسجد میں آنا ہوا اور کوئی رکعت رہ گئی ہو) احقر نے عرض کیا کہ بمقتضای عجز
و عذرت ایک واقعہ ایسا بھی ہونا چاہئے تھا۔ تبسم فرما کر خاموش ہو گئے۔

آپ مرض کی وجہ سے جب مسجد میں حاضر ہونے سے معذور ہوتے تو مولانا سید احمد صاحب جہا جہا
نماز کے وقت طلب فرما کر گھر میں جماعت سے نماز ادا فرماتے۔ وارد و صادر و غیر جہا جہا لوگوں کے لئے حاضری
مسجد کو ضروری سمجھ کر خاص طور سے خیال رکھتے یہاں تک کہ حاجی مقبول احمد صاحب کو بھی اپنی جماعت کیلئے
گھر میں نہیں روکتے تھے کیونکہ انھوں نے اس وقت تک ہجرت کی نیت نہیں کی تھی۔

آپ کو حتی تعالیٰ نے سات حج نصیب فرمائے جن میں پہلا سفر حج ۱۲۹۳ھ میں تنہا
بمبھوپال سے اور دوسرا ۱۲۹۷ھ میں بمبخت مولوی مس الدین صاحب بمبھوپال سے
مذکور ہو چکا۔ باقی پانچ حج آپ کے ملازمت مظاہر علوم کے زمانے میں سہارنپور سے ہوئے۔

پہلا ۱۲۹۳ھ میں اہل کو ساتھ لیکر کہ ان کے پاس شوہر اول کا عطیہ زیور تھا جس تقریباً
تیسراج ڈیڑھ سو روپیہ میں فروخت کر کے زمین خریدی تھی اور پھر ۱۲۹۳ھ میں اس کو بعض پانچو
روپیہ فروخت کر دیا۔ بیع کا تمام ہونا تھا کہ حضرت نے فرمایا تم میرے فرض ہو گیا اس کے ادا کرنے کا اہتمام
کرو۔ اگرچہ محرم بن کر صرف حج آپ بھی اس رقم میں کر سکتے تھے مگر آپ کے لئے سفر حج کا محرک جب کبھی ہوا وہ
آستانہ محمدیہ کی حاضری کا شوق ہوا ہے اس لئے آپ نے مطرۃ الکرامہ کے نسخے یکمشت فروخت کرنے کی
سعی کی کہ صرف وہی آپ کا اس المال تھا اور اس کی رقم لیکر آپ مع اہلیہ اور اپنی بڑی لڑکی کے کہ شوہر کے
مجنوں ہو جانے کے سبب محزون و مضطرب زیادہ رہتی اور اپنے بدن کا زیور فروخت کر کے والدین کے ساتھ عرب
لے بندہ کے عاجز اور بندگی کے تقاضے سے۔ لے آئے جانے والے۔

جانے کو تیار ہو گئی تھی آخر سوال میں روانہ ہوئے اور بعد چھ تیس دن مدینہ منورہ میں قیام فرما کر صفر میں واپس وطن تشریف لے آئے۔

چوتھا حج ۱۳۲۸ھ میں جب حضرت مولانا راپوری کو آپ نے دہلی تک متابعت فرما کر حجاز روانہ کیا تو شون حاضری حرمین کا پھر غلبہ ہوا اور شاہ زاد ہرچین صاحب ریس بہت نے آپ سے خواہش کی کہ ساتھ تشریف لے چلیں تو آپ نے منظور فرمایا اور مولوی یحییٰ صاحب کو اپنا قائم مقام بنا کر اہلیہ کو مکان پر چھوڑ کر وسط ذیقعدہ میں بمبئی روانہ ہو گئے۔ ۶ ذی الحجہ کو آپ مکہ پہنچے اور ۱۲ محرم کو براہ ربیع مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ بائیس دن قیام فرما کر وطن کو مراجعت فرمائی اور آخر صفر میں مہارپور تشریف لے آئے۔ ان دونوں سفر میں بندہ کو ہم کابی کا شرف نصیب ہوا اور دوسرے سفر میں میرٹھ سے حافظ فیض الدین صاحب مرحوم مع اہل اور ان کے بھائی حاج وجیہ الدین مع والدہ و اہل و دیگر حضرات تقریباً سولہ نفر حضرت کے ساتھ ہوئے جنھوں نے حضرت کا فوری قصد سن کر دفعۃً ارادہ کیا اور چل کھڑے ہوئے تھے مولانا ظفر احمد صاحب و مولانا عبد اللطیف صاحب بھی مکہ مکرمہ میں حضرت کے ساتھ ہو گئے کہ رائی دونوں صاحبوں کی راپوری قافلہ سے بھی قبل ہو چکی تھی حکیم حافظ یعقوب صاحب اور آپ کی والدہ محترمہ تھرا علی حضرت گنگوہی نے جو حضرت مولانا راپوری کے ساتھ گئی تھیں مکہ مکرمہ سے حضرت کی میعت اختیار کی۔

پانچواں حج تیسرا سفر ۱۳۳۰ھ میں بمبہ شوال اس وقت ہوا جبکہ ترکی و برطانیہ میں جنگ عظیم برپا تھی اور طرح طرح کے فساد رونما تھے۔ دہلی سے آپ کے پاس ایک استغاثہ آیا تھا جس میں ملتان ہندکا ٹرکی سے جنگ کرنا جائز لکھ کر حضرت سے نصیب چاہی گئی اور آپ نے دستخط کرنے سے صاف انکار کر دیا اور آپ نے خاص لوگوں سے کہا کہ اگر یہ دھکی صحیح ہے اور گورنمنٹ مجبور کرتی ہے کہ اسلام کے خلاف فتویٰ دیں تو ہندوستان میں رہنا جائز نہیں اور ہجرت کرنا فرض ہے۔ اپنے اس خیال کو آپ نے شائع تو نہیں کیا مگر خود ارادہ پختہ کر لیا کہ میں ایسی حالت میں ہندوستان کو دارالامن نہیں سمجھتا حضرت مولانا محمد حسن صاحب بھی سفر کا ارادہ فرما چکے تھے اور حضرت کا قصد مولانا کی میعت کا تھا مگر مولانا کے سفر میں کچھ تاخیر ہوئی تو حضرت نے بابر اندیشہ کہ دستخط کرنے سے انکار کرنے پر کوئی فتنہ پیدا نہ ہو جائے انتظار کو پسند نہ کیا اور وسط شوال میں روانہ ہو کر ۲۲ ذیقعدہ کو مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ بعد حج ۱۲ محرم کو مدینہ منورہ پہنچ کر قیام فرمایا مگر وقت اتنا نازک تھا کہ آپ کے ساتھ خفیہ پولیس کی نگرانی تھی جو ہر حرکت و سکون کو قلمبند کرتی رہتی تھی اور ادھر گورنمنٹ ٹرکی ان حضرات کی طرف سے برطانوی رعایا ہونے کی بنا پر بدگمانی ہوئی۔ چنانچہ آپ نے ترکی افسر سے فرمایا بھی کہ ملہ جوانگرہ نے علماء کے پاس بھجوا دیا تھا کسی نے انگریزوں کو خوش کرنے کے لئے بھجوا دیا تھا۔

عجیب بات ہے برطانوی حکومت ہم کو بحیثیت اتحاد مذہب ترک کا خیر خواہ سمجھ کر بدگمان ہے اور ترکی حکومت محض ہندی باشندہ ہونے کے لحاظ سے ہم پر مطمئن نہیں پھر آخر مسلمان اپنی مذہبی زندگی عافیت کے ساتھ گزارنے کے لئے کونسا ملک چھوڑیں؟ مگر اس کا کوئی جواب نہ ملا اور آخر آپ کو نوچیںے بعد شوال ۱۳۳۵ میں ہندوستان واپس آنا پڑا بمبئی سمندر پر اترے تو آپ کو روک لیا گیا اور سیاسی تحقیق کے لئے مع اہلیہ کے بالابالا بمبئی تال بھیج دیا گیا۔ وہاں آپ سے طرح طرح کے سوالات ہوئے اور یہ بھی پوچھا گیا کہ کیا آپ نے ہندوستان کو دارالحرب بتایا ہے کہ یہاں رہنا مسلمانوں کو حرام اور ہجرت کرنا واجب ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں ضرور کہا مگر اس وقت جبکہ دہلی سے اطلاع ملی کہ گورنمنٹ ہم کو ہمارے مذہب اسلام کے خلاف حکم دینے پر مجبور کرتی ہے مفتش نے کہا یہ آپ کو غلط باور کر دیا گیا، نہ وہ استقفا گورنمنٹ کی طرف سے تھا اور نہ گورنمنٹ کسی کو خلاف مذہب پر مجبور کرتی ہے آپ اس کا اعلان کر دیں کہ یہ خبر غلط تھی اور مسلمانوں کو اطمینان دلادیں کہ وہ خلاف مذہب قول یا فعل پر یہ گرجہ پور نہ کئے جائیں گے۔ چنانچہ ہرقسم کی صفائی کے بعد آپ کو آزاد کر دیا گیا اور آپ بعافیت وطن تشریف لائے کہ آپ کی گرفتاری سے خدام کو خصوصاً اور عام مسلمانوں کو عموماً جو اضطراب تھا وہ رفع ہوا۔ دفعۃً یہ خبر سن کر کہ آپ کو گرفتار کر کے بمبئی تال بھیج دیا گیا خدام میں کہرام مچ گیا اور بعض باوجاہت ذی مقدر متوسلین نے وہاں پہنچا چاہا مگر آپ نے بذریعہ تحریر سب کو تسلی دے کر موافقت لکھی کہ یہاں آنے کا کوئی صاحب قصد نہ کریں مقدر پر شا کر رہیں۔

حضرت کی مراجعت چونکہ براہ میرٹھ ہوئی اس لئے بندہ بھی سہارنپور تک کے لئے ہمراہ ہو گیا تھا جس وقت حضرت اسٹیشن سہارنپور پر پہنچے ہیں تو سارا پلیٹ فارم ناظرین سے بھر چکا کہ تل دھرنے کو جگہ نہ تھی میں نہیں کہہ سکتا کہ اس ہزار کا مجمع تھا یا بیس ہزار کا مگر مجھے یہ اندیشہ تھا کہ ازدحام میں دوچار کا پس جانا بعید نہیں۔ میری تو کیا ہمت تھی کہ زخمہ کے دھکوں کا تحمل کرتا اس لئے الگ کھڑا ہو گیا مگر اللہ رے حضرت کا استقبال کہ سفر پر سفر کا تعب اٹھاتے آ رہے تھے مگر سب ہی سے مسکرا کر مصافحہ و ماعت کیا اور باہر سواری میں بیٹھے وقت اسی طمانیت سے دریافت کیا کہ میرے رفتار بھی سوار ہوئے یا نہیں۔ اور جب اطمینان ہو گیا کہ سب بیٹھ گئے تب آپ کی سواری آگے بڑھی، دوسرے دن آپ نے بھرے مجمع میں اپنے واقعات سفر و گرفتاری مفصل سنائے اور سٹریٹن کا پیام کہ اس دھکی کا انتساب گورنمنٹ کی طرف غلط تھا تمام حاضرین کو پہنچایا۔ اس قصہ میں بھی آپ پر بہت کچھ بدگمانیاں اور گورنمنٹ سے تنخواہ لینے کی بہتان بنائیاں ہوئیں جن کا تذکرہ فضول ہے کہ ہر شخص اپنے افعال و اقوال کا جواب دہ ہے اور جزا و سزا مرتب ہونے کا وقت قریب آ لگا ہے۔

یہ بھی عجیب بات تھی کہ حضرت کو خفیہ کا ملازم کہنے والوں سے جب پوچھا جانا کہ تم کو علم کیونکر ہوا تو ان کا راوی صرف خفیہ پولیس ہی ہوتی تھی۔ پس اگر خفیہ میں ہونا ثقاہت و صداقت پر اثر نہیں ڈالتا تو حضرت پر کیا الزام؟ اور اگر اس سے ثقاہت و دیانت و صداقت باطل ہوتی ہے کہ اس عہدہ کا دہریہ اخفاء حال و کتمان حقیقت پر ہے تو پھر ان کی روایت و نقل کیونکر معتبر ہوئی؟ چہ جائیکہ اس پر اتنا یقین کہ ایک بری و مقدس ہستی کے علمی و عملی غرض تمامی کارنامے یکلخت حرف غلط کی طرح مٹ گئے۔ ایک وقت تھا کہ شبہ کا نفع مجرم کو دیا جانا اور مسلمان کو پری کرنے کے لئے احتمال و شک بھی کافی سمجھا جانا تھا اور ایک یہ وقت تھا کہ ذہنی اختراع اور شیطانی افواہ کو وحی ربانی کے حکم میں لاکر اس کی پروا بھی نہیں کی جاتی کہ یہ بے دلیل بہتان کس مقدس پر باندھا جا رہا ہے۔ مگر آپ کا استقلال عجیب تھا۔ جب آپ کے سامنے ذکر ہوتا کہ لوگ یوں کہتے ہیں تو آپ ہنس دیا کرتے، زیادہ سے زیادہ آپ کا جواب یہ ہوتا تھا کہ میان معاملہ بندہ کا خدا سے صاف ہونا چاہئے دنیا کو کہنے دو جو چاہے کہے میرا کیا بگڑنا ہے کچھ گناہوں میں ہی کمی ہوگی۔

چھٹا ج چوتھا ج ۳۳۵ میں ہوا کہ آپ شعبان میں روانہ ہوئے اور شہرت ہو گئی کہ بنیت ہجرت تشریف لے جا رہے ہیں۔ اس لئے عام بے چینی پھیل گئی اور مہمانوں کی وہ کثرت ہوئی کہ لالان مولوی محمد زکریا صاحب مولوی منظور احمد صاحب قاری عبدالعزیز صاحب اور مولوی لطیف الرحمن صاحب نے بھی غم کر لیا۔ مولوی محمد اسحاق مرحوم مولوی حبیب احمد رانا بھی ساتھ ہوئے اور حضرت مع اہلیہ و حلاج مقبول احمد اپنے قافلہ کو لیکر شعبان میں بمبئی روانہ ہو گئے شیخ محمد حسین صاحب بریلوی بھی بمبئی میں جا ملے۔ یہ صاحب داروغہ آبکاری تھے اور انگریزی لباس و وضع کے دلدادہ۔ ہیٹ لگاتے پتلون پہنتے تھے۔ بیعت ہونا تھا کہ کایا پلٹ گئی۔ نوکری بھی چھوڑی اور لباس بھی چھوڑا اچھے خاصے ملائین گئے بمبئی میں اتفاق سے ایک پرانے دوست مل گئے غور سے دیکھ کر بولے کیا آپ مسٹر محمد حسین صاحب ہیں؟ بولے اب تو مسٹر نہیں صرف محمد حسین ہوں۔ حضرت کی روانگی سن کر بیتاب ہو گئے اور چل کھڑے ہوئے۔ قصد تھا کہ رمضان مکہ مکرمہ میں گزاریں مگر جہان کی روانگی میں تاخیر ہوئی کہ جہازیں چاند نظر آگیا اور ار رمضان کو مکہ مکرمہ پہنچے۔

یہ زمانہ شریف حسین کی حکومت کا آخری نازک زمانہ تھا کہ استبداد و خودداری اپنا سکہ چارہی اور علم و اہد کی مقتدر ہستیاں مشتبہ نظروں سے دیکھی جاتی تھیں۔ مولانا محمود حسن صاحب گرفتار ہو کر الٹا پیچ لے گئے اندرون ملک میں عام ناراضی پھیلی ہوئی تھی اس لئے آپ نے اپنے قافلہ کو بدینہ منورہ بھیج دیا کہ معلوم کیا مقدر ہے تم لوگ پہلی مرتبہ آئے ہو زیارت آستانہ سے محروم نہ جاؤ اور خود کہ مکہ مکرمہ ٹھہرے رہے۔

ایک دن حرم شریف میں نماز کا سلام پھرا اور ایک شخص نے کہ نہ معلوم مجنوں تھا یا مغلوب الحال شور مچانا شروع کیا "قیامت ٹوٹے اور آسمان پھٹے اس حکومت پر کہ مولوی خلیل احمد جیسے محترم مقتدی ہوں اور یہاں اور یہاں شخص امام بنے" وغیرہ وغیرہ جو منہ میں آیا کہا۔ اس شخص کے نواگئے دن مرنے کی اطلاع ملی اور حضرت کے متعلق اندیشہ ہوا کہ شریف کو سب اطلاع ملی چکی ہے عجب نہیں آپ پر بھی ہاتھ صاف ہو۔ آپ کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ مسلمان حاکم کی شکایت انگریزی فضل سے کر کے پناہ لیں اور یہ سکون سے رہنا نصیب تھا کہ خدا جانے اس کے بعد کیا فتنہ برپا ہو۔ اس لئے مولوی محبت الدین صاحب کے اصرار پر کہ ہندوستان جلد جاؤ آپ آخر محرم ۱۳۹۹ء میں روانہ ہو کر شروع صفر میں سہارنپور پہنچ گئے۔ آپ کا شوق وفات فی المہینہ میں بار بار حجاز جانا اور بنیت الہیہ غوارض پیش آنے پر واپس ہندوستان آنا آپ کے امتحان رضا پر قضا کا عجیب حیرت بخش منظر تھا کہ کبھی آپ ادا اس ہو کر فرماتے بھلا اس قابل کہاں کہ اس ٹی میں لوں۔ اور کبھی منامی بشارات پر آپ کو امید بندھتی کہ قدرت کے نزدیک کیا بعد ہے وہ اہلیت بخشنے اور خوش نصیب بناوے۔

جہاں ان واپسیوں میں آپ کی یہ ترقیات باطنی مضمین تھیں وہیں یہ برکات مستتر تھیں کہ یہاں کے قیام میں علمی و عملی عام نفع کے علاوہ بیسیوں ناقصین سلوک کی تکمیل اور صد ہا محرومین کو داخل سلسلہ ہو کر ہدایت و تلقین ہوتی تھی۔

۱۳۹۵ھ میں ساتواں حج | حتیٰ کہ آپ پانچویں حج کو جو کہ عمر شریف کا ساتواں حج تھا ۱۲ شوال کو حیدرآباد ہوئے ہوئے بمبئی پہنچ گئے اور تقریباً دو سو فقہاء کے امیرین کے زبانی جہاز میں حجاز روانہ ہوئے۔ بعد حج ۱۲ محرم کو مدینہ منورہ میں داخل ہوئے اور یہ داخلہ وہ تھا جس کے بعد خروج کا صرف وہی وقت ہے جبکہ سرور عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پڑوسیوں کے امیرین کے صلہ و انعام دلانے کے لئے بارگاہ و امب العطیات کی طرف قدم اٹھائیں گے۔

ان ساتوں حج میں حضرت کے ساتھ صد ہا خدام و متوسلین کا مجمع رہا جن کو حضرت نے حج مبرور و منون کا عمل سبق پڑھایا، زیادہ تر حضرت کے رفیق سفر علما ہوئے اور یہ دیکھ کر کہ حج جیسی عبادت میں جو کہ عمر بھر میں ایک دفعہ فرض ہے حضرت کو ان جزئیات کا ہر وقت اور تمامی سن و سبغات کی پوری رعایت کا اہتمام رہتا ہے جن کی طرف اچھے اچھے مولویوں کی نظر بھی نہیں جاتی وہ حیران ہو جایا کرتے تھے۔ طواف کی دور کعبت کے بعد اسلام حجر اسود گویا آج کل منزوک ہے مگر فقہاء نے اس کے استحباب کی تصریح کی ہے

لے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب خلیفہ بڑے صاحب کشف تھے۔ لے حق تعالیٰ کے فیصلہ پر راضی ہوتا۔ لے ترقیات کا۔

لے تمام عطا ہیں بے عوض کرنے والے۔

میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ حضرت نے ترک فرمایا ہو۔ ۱۳ روزی الحجہ کو منیٰ سے واپسی میں محصب پر نزول حضرت کا کبھی نہیں چھوڑا حالانکہ اکثر حجاج محصب سے واقف بھی نہیں کہ کہاں ہے۔ وروکنی سے چلنے میں آپ کی نظر شیر پر رہتی اور جب سورج کی شعاع اس پر چمکتی اور اشرق شہید کا مصداق نظر آتا تو آپ عرفات کی طرف متوجہ ہوتے۔ اسی طرح واپسی میں مزدلفہ پر صبح کی نماز غلّس میں پڑھتے اور بیٹھے رہتے حتیٰ کہ اسفار ہو جاتا اور اس وقت آپ منیٰ ہو کر سیدہ حمزہ العقبہ پر رمی کے لئے پہنچتے تھے۔

ایک مرتبہ باب مکہ کے قریب پہنچ کر آپ نے فرمایا کہ مسنون راستہ حجون کا ہے چلو سنت ادا کر نی چنانچہ آپ نے قافلہ چھوڑ دیا اور پہاڑیوں کو قطع کرتے ہوئے جنت المعلیٰ کے متصل مکہ کریم اب السفلی سے مکہ میں داخل ہوئے۔ مجھے اسی دن علم ہوا کہ حجون کیا ہے اور اس کا راستہ کونسا ہے۔ دخول کے لئے غسل کا آپ نے اہتمام فرمایا اور شہر سے باہر قبوہ خانہ میں ٹھہر کر ایک کنستریانی خرید فرما کر غسل کیا۔ ۹ روزی الحجہ کو عرفات میں بھی غسل کا اہتمام فرمایا اور روزہ تو رکھا نہیں مگر ایک پیالی چائے کے ساتھ کچھ کھایا بھی نہیں کہ صوم عرفہ اور افطار فی عرفات کو جمع فرمایا۔ رمی جمار کے بعد آپ کاوقوف دعا کے لئے باوجود اتنی دھکا پیل کے کہ جانوں کا پاؤں جمناس شکل تھا ہمیشہ ہوا اور مسنون مقدار تک ہوا کہ کسی نہیں آئی۔ فتنہ و سکون اور قلت و کثرت حجاج گرمی سردی برسات غرض ہر موسم میں اور مختلف طبیعت والے اشراف و والیان کے زمانہ حکومت میں آپ کو اسفار حج پیش آئے مگر یہ امر مشترک کہ حج بطریق مسنون ادا ہو کسی وقت کے کسی حج میں بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ نماز تو آپ کی ہر جگہ آپ کی قرۃ العین تھی کبھی کبھار پوچھنا نماز مسجد احرام کا کہ آپ کے صدر باقیوں میں کوئی ایک بھی نہیں بنا سکتا کہ فلاں نماز میں آپ کی تکبیر تحریمہ یا صاف اول یا امام کی جانب میں آپ سے فوت ہوئی ہو سخت گرمی میں جبکہ فرش صحن پر پاؤں رکھنے سے چھالے پڑتے تھے آپ ٹھہریں انگلیوں کے بل تیز چل کر مصلے خفی پر پہنچتے اور صاف اول میں امام کا قرب لیا کرتے تھے۔

مجھے خوب یاد ہے ایک مرتبہ بعد مغرب بارش خوب زور کی ہوئی اور رفقاء کی زبانوں پر آیا کہ الا صلواتی الرجال پر عمل کا وقت حق تعالیٰ نے دکھایا مگر حضرت نے اذان کی آواز کان میں پڑتے ہی مجھ سے فرمایا چلو بھی نماز کو۔ ہر چند کہ میری ہمت بھی پست تھی مگر لائین ہاتھ میں لیکر ساتھ ہو لیا اور حضرت نے پانی بھرا ہوا لے شیر پاز چمک گیا۔ ۵۰ مکہ شریف میں داخل ہونے کے لئے غسل مستحب ہے۔ ۵۰ عرفہ یعنی ۹ روزی الحجہ کا روزہ ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کا کفارہ ہے مگر عرفات کے قیام میں نہیں ہے۔ ۵۰ آنکھوں کی ٹھنڈک جیسے حضور نے فرمایا ہے۔ ۵۰ حدیث شریف کا جملہ خبر دار گھروں میں نماز پڑھ لو۔

۵۰ یہ شیر پاز مزدلفہ کا ہے اور وقت بتانا مقصود ہے یہ نہیں کہ حضرت نے یہ لفظ فرماتے ہوں۔ بخاری کی حدیث میں یہ جملہ کافروں کا ہونے سے شبہ نہ کیا جائے (شرح الحدیث)

لوٹا ہاتھ میں اٹھایا میں بالکل نہ سمجھا کہ با وضو ہوتے ہوئے اس کی کیا ضرورت ہے مگر حضرت نے فرمایا ممکن ہو پاؤں کو کچھ لگے اس لئے دروازے پر پاؤں دھولیں گے کہ حرم شریف مُلغَط نہ ہو۔ اس سے قبل مجھے مکہ کی کچھ اور بارش کا منظر دیکھنے کا بھی اتفاق نہ ہوا تھا۔ نیچے اتر کر سڑک پر آئے تو زمین پاؤں کو پکڑے لیتی تھی۔ ہر قدم پر میری متنبہ ہوتی تھی کہ کاش حضرت رخصت پر عمل فرماویں اور سمجھتا تھا کہ حضرت بھی اس تکلیف کو برداشت نہ کر سکیں گے مگر ہر قدم حضرت کا مجھ سے آگے رہا۔ ہر ایک کے سر پر چھتری جدا تھی اور میرے ہاتھ میں لائین تو حضرت کے ہاتھ میں پانی کا بھرا ہوا لوٹا۔ باز ختم ہوا تو سڑک پر نلادوار مسجد الحرام چپیں تیس فٹ پھاٹ کا دریا بہہ رہا تھا اور اس زور سے پانی چل رہا تھا کہ دیکھ کر ڈر معلوم ہوتا تھا۔ یہاں حضرت ٹھہرے اور میں سمجھا کہ اب واپسی کا حکم فرمایں گے۔ مگر حضرت بولے چھتریاں تو اب بند کر لو اور پانی نیچے لو چڑھا جوتے لے لو بغل میں اور ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال لو کہ سنا ہے رو میں پتھریاں آتی ہیں اور گر جانے کا ڈر منسلب ہے۔ وہ پیارا منظر بھی ہاتھ نظر کے سامنے ہے کہ برہنہ پا گھٹنوں تک پانی نیچے چڑھائے پینچی کی طرح با ہم ہاتھ ملائے چھتریاں بازو پر لٹکا چلے اور بسم اللہ پھر بھا کہہ کر نوں قدم ڈال دیئے۔ چونکہ نشیب کا رخ تھا اس لئے چھوٹی بڑی کنکریاں پانی کے ساتھ بہتی ہوئی اس زور سے آتی تھیں جیسے ٹھیاں بھر کر کوئی گولیاں مارتا ہے۔ آگے بڑھے تو گھٹنوں تک پانی آگیا اور قریب تھا کہ میرا پاؤں پھسلے مگر حضرت نے بازو تھام رکھا تھا کہ گرنے نہ دیا اور خدا خدا کر کے باب الصفا پر چڑھے۔ وہاں پہنچ کر پہلی سیڑھی پر اول پاؤں دھوئے اور تو اب کی الماری میں جوتے رکھے اس کے بعد بسم اللہ اللھما فتح لی ابواب رحمتک پڑھ کر حضرت نے مسجد میں قدم رکھا اور میں حضرت کا اتباع کرتا رہا۔

مکہ کی ہر چیز میں تغیر آگیا مگر حجر اسود، غار ثور نماز چنگا نہ کے اہتمام کی خاطر حضرت کبھی جبل ثور پر نہیں گئے حالانکہ شوق ظاہر فرماتے اور کہا کرتے تھے کہ بھی ہر چیز بدل گئی اور تیرہ سو برس میں وہ زمین جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک پڑا کرتے تھے خدا جانے گے گز نیچے دب گئی مگر دنیا میں دو چیزیں ابھی موجود ہیں جن کو جسد محمدی کے مس کی عزت حاصل ہوئی ہے۔ ایک حجر اسود دوم غار ثور کے پتھر کہ یہی حجر اسود ہے جس کو خباب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لہائے مبارک لگے تھے اور غار ثور کے پتھر بھی

سے آلودہ و خراب۔ سہ اللہ کے ہی نام سے ہے اس کا جاری ہونا۔ سہ مسجد میں داخل ہونے کی دعا۔ میں اللہ کے نام کے ساتھ داخل ہوتا ہوں لے اللہ میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔
عہ یہاں مولانا عاشق الہی سے ایک چیز شمار سے رہ گئی وہ غار حرا ہے (چشتی)

ابھی تک وہی پتھر ہیں جن سے مس کرتا ہوا آپ کا بدن غاریں پہنچا تھا۔ مگر جگہ دُور ہے اور فجر کے بعد چل کر نظر
تک آجانا کہ حرم شریف کی نماز فوت نہ ہو طاق سے باہر ہے اس لئے ہمت نہیں ہوتی؟ میں نوجوان تھا اور
سمجھتا تھا کہ تیز چلنا کون دشوار ہے ایک قدم رکھا اور دوسرا اٹھایا اس لئے حضرت سے عرض کیا کہ مجھے
اجازت ہو تو میں ہواؤں۔ حضرت کو معلوم تھا کہ تیز رفتار ہوں اس لئے ذرا سکوت فرما کر کہا بہتر ہے مگر دیکھو
ایک لکھ نماز کا ثواب نہ جاتا رہے۔ میں نے کہا نہیں حضرت انشاء اللہ سویرے واپس آؤں گا۔ غرض صبی کو
راضی کیا کہ رابہرین کر چلے اور دس بارہ نوجوان مستور دفعا ساتھ ہوئے تو ان سے بھی کہہ دیا کہ فجر نافعی کا سلام
پھرتے ہی چل پڑیں گے۔ مگر صبح ہوئی تو صبی نہ ارد۔ چونکہ غم کر چکا تھا اس لئے بنام خدا رفقاً کو ساتھ لے خود
نکل کھڑا ہوا۔ کہیں کہیں راستہ پوچھا اور آخر انصاف دیکھ کر سمجھ لیا کہ میرا وہ ٹوکے علامات ہیں تو قدم تین میل
چل کر تین ہی میل جبل کی چڑھائی ختم کی اور نصف گھنٹہ غاریں لیٹ بیٹھ کر واپس ہوا اور اپنی انتہائی وقار
پر قدم ڈالے کہ ایک رفیق بھی ساتھ نہ رہ سکا۔ مگر افسوس کہ دروازہ حرم پر قدم رکھتے ہی مکتب کی آواز آئی
السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ گھٹے ٹوٹ گئے اور وہیں بیٹھ گیا۔ بعد میں حضرت سے ملا تو فرمایا اس اسی اندیشہ
سے تو میری ہمت کبھی نہ ہوئی۔

مکہ کی گرمی مشہور ہے اور ایسی گرمی کا زمانہ حضرت نے وہاں گزارا ہے جو ناقابل برداشت تھی۔ ہر خیز
آپ کے مطوف اور نقلانے اصرار کیا کہ چند روز کے لئے طائف تشریف لے چلیں۔ مگر آپ نے جب فرمایا یہی
فرمایا کہ بھئی ہندوستان چھوڑ کر تو مسجد الحرام ہی کی خاطر آتے ہیں، اس کو چھوڑ کر طائف جائیں تو ہندوستان
ہی چھوڑنا کیا ضرور تھا۔ سیر کے لئے تو وہاں بھی شملہ و منسوری موجود ہے۔ ہم تو کہیں جاتے نہیں۔ دکھ سکھ
گندہ ہی جائے گی؟

میں نے یہ بھی دیکھا کہ حضرت حرم شریف میں داخل ہوتے وقت اعتکاف کی نیت فرماتے اور اس کو
نہایت ہی برا سمجھتے تھے کہ حرم شریف کو راستہ بنایا جائے کہ چکر سے بچنے کے لئے مثلاً باب العمرہ کے پاس والے
مسجد میں عبور کر کے سوق شامی یا باب السلام کے راستہ نکل کر بازار میں جائیں۔ اسی طرح کسی مسجد کو تماشا گاہ
بنا کر حضرت کو بہت ناپسند تھا۔ دارالطلبہ کی مسجد کلثوم تیار ہونے پر بعض عورتیں پردہ کر کے دیکھنے آئیں تو آپ نے
فرمایا جو وہاں جلے تختہ المسجد ضرور پڑھے۔

جیپو میں بعض احباب کے اصرار پر آپ مشہور قلعہ جوہاڑ پر ناپا ہوا ہے دیکھ کر تشریف لے گئے اس کے قریب

سہ مطوف یا سلام کا لازم۔ سہ عام طور سے حاجی صاحبان اس کی رعایت نہیں رکھتے اس سے کم وجہ کی چیزوں کے
دیکھنے میں یہ دولت ضائع کر دیتے ہیں ان کو سبق لینا چاہئے کہ محبت کا کام اتنے بڑے ثواب سے کم ہے۔

ایک پرانی یادگار شاہی مسجد ہے اس میں آپ نے قدم رکھا تو فرمایا
مسجد عبادت کے لئے ہے | مولوی عاشق الہی وضو کر لو کہ دو رکعت نجات مسجد اکر لیں کیونکہ
 مسجد کو تماشہ گاہ بنانا جائز نہیں۔ یہ عبادت کے لئے ہے نہ کہ
 یادگار سمجھ کر دیکھنے کیلئے نہیں یادگار سمجھ کر دیکھنے کے لئے۔

ہر سفر میں ایک دو دن کا اعتکاف منون بھی آپ مسجد الحرام میں ضرور کرنے اور زمزم شریف خاص
 رغبت و احترام کے ساتھ چاہ پر حاضر ہو کر ڈل سے چمک کر پیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ مولوی محمد الدین صاحب کے خلوہ میں معتکف تھے اور بندہ ساتھ تھا کہ تہجر سے
 فارغ ہو کر فرمایا چلو آج زمزم کا سب سے پہلا ڈول پیس گئے، سب اس میں خالص کچے دودھ کا مہرہ آنا
 چنانچہ چاہ پر پہنچ کر دینک انتظار کیا اور قفل کھلتے ہی اندر تشریف لے جا کر پہلا ڈول اول خوب شکم سیر ہو کر
 خود پیا اور پھر مجھے پلایا۔

حرم میں زمزم پلانے کی اجرت | زمزم پلانے والے جو مسجد میں پھرتے تھے کہ پلا کر پیسے مانگتے
 تھے ان سے پانی لینا آپ کو پسند نہ تھا اور فرمایا کرتے کہ یہ تو

بیع و شراب جو مسجد میں حرام ہے خصوصاً مسجد الحرام میں کاش جبر نہ کیا کریں کہ پلانا ان کے لئے ثواب ہو
 اور صدقہ دینا معطلی کے لئے سبب اجرت۔ مگر جب کی صورت نے اس کو خرید و فروخت بنا دیا جس سے معطلی بھی
 غافل ہیں کہ نیکی برباد گناہ لازم کے مصداق بنتے ہیں۔ اپنے دوستوں کو صاحبزادہ مولانا محمد حسن کی طرف
 متوجہ فرماتے کہ مسائل حج میں جو کچھ پوچھنا ہو صرف مولانا سے پوچھنا اور خود بھی پابندی کے ساتھ مولانا
 کے پاس آئے اور کسی مسئلہ میں کوئی اشکال پیش آتا تو حل فرمایا کرتے تھے۔ یہ بھی فرمایا کہ مولانا کو مسائل حج کے
 جزئیات اتنے مستحق ہیں کہ حج کوئی نظیر نظر نہیں آتی۔

رسالہ غنیۃ الناسک | مولانا نے مناسک حج میں سات برس کے اندر ایک رسالہ غنیۃ الناسک
 تالیف فرمایا تھا۔ حضرت نے اس کو تقاضہ کے ساتھ نقل کروایا اور جب بندہ

حاضر حرم ہوا تو تاکید فرمائی کہ نقل اپنے ساتھ ضرور لیتے آنا۔ چنانچہ بندہ نے نقل کا خود مولانا کے ساتھ
 ۹ ص ۱ سے مقابلہ کیا اور ساتھ لاکر حضرت کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت نے بعض اجاب کو ترغیب دے کر
 سو سو نسخے کا حصہ دار بنایا اور ایک حصہ خود لیا اور اس کو طبع کرایا کہ محفوظ و نافع بنے کیونکہ موجودہ

۱۰ حضرت مجدد روح علاقہ سوات کے باشندے حضرت گنگوہی کے شاگرد عرصہ سے ہاجرہ مقیم مکہ تھے۔ فقہیں بالخصوص
 مناسک حج کی واقفیت میں بے مثل تھے۔

ضروریات کے لئے مناسک حج میں اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں حضرت فرمایا کرتے تھے کہ حج میں مسلمان اتنا روپیہ خرچ کرتے اور اتنی مشقت اٹھاتے ہیں مگر فوس ہے کہ حج کو بطریق سنون ادا کرنے کی کوشش نہیں کرتے کہ بار بار روپیہ اور محنت ٹھکانے لگے۔ عوام جب حج کو جاتے تو حضرت تاکید فرماتے کہ کسی دیندار فقیر عالم کی مرافقت تلاش کرو، اور علماء جاتے تو آپ وصیت فرماتے کہ یہ جدید مطبوعہ مناسک ضرور اپنے ساتھ رکھو اور شروع سے جس نسک کا وقت قریب ہو اس کا باب دیکھنا اور بار بار مطالعہ کرنا لازم کرلو۔

مولانا محمد حسن | مولانا محمد حسن صاحب کا زہد کہ سال بھر میں غصہ سے زیادہ خرچ نہیں رکھتے اور توکل کہ کسی سے بطع ملنا بھی پسند نہیں کرتے اور استقامت کہ باوجود ضعف بصرا و زبانتہ پیری کے نماز کی تکمیل تحریمہ فوت نہیں ہوتی تھی۔ حضرت کی نظروں میں بڑا سیال تھا اور حضرت فرمایا کرتے تھے کہ میں ہجرت تو ایسے لوگوں کی ہے حضرت کے کچھ ہی دنوں بعد مولانا نے بھی وصال فرمایا اور غنیۃ الناس کی اپنی یادگار باقیات الصالحات چھوڑ کر جنت المعلیٰ میں دفن ہوئے فرحما للہ واطاب ثراہ۔

حضرت نے باوجودیکہ حج سات کے مگر اس لحاظ سے کہ آپ کا دل ہر سال حاضری حسین شریفین کا متمنی و شاق رہتا اور زندگی کا ہر لمحہ اسی تمناء و شوق میں گذرتا تھا گویا آپ کا بدن بھی دل کی طرح بیت اللہ و بیت الرسول ہی پر پڑا رہتا تھا۔ آپ کے واقفین میں جب کوئی حج کو جاتا تو آپ اس کو اجازت دیتے اور بکثرت فرماتے کاش مجھے بھی یہ دن نصیب ہوتا۔

جب کبھی سنتا ہوں جاتا ہے کوئی حج کیلئے حسرت آتی ہے کہ یہ شخص ہمیں کیوں نہ ہوئے بندہ نے سنگم میں جب مع اہل کحج کا قصد کیا اور حضرت کی اجازت کے بعد دعا کی درخواست لکھی تو حضرت کا جواب آیا۔ آپ اس مبارک سفر میں جارہے ہیں اب بھی دعا کرتا ہوں اور انشاء اللہ ناواپسی آپ کے لئے دعا کرتا رہوں گا اللہ تعالیٰ شانہ آپ کو دینی اور دنیوی مکارہ سے محفوظ رکھے اور صحت و عافیت و استقامت مرقی بناوے اور تمام اعمال قبول فرماوے۔ بمبئی میں جب میں میاں ضیاء الاسلام وغیرہ سے ملنے گیا تھا جہاز طیارہ دیکھ کر بے اختیار دل چاہتا تھا کہ ساتھ ہوں۔ اب آپ کی روانگی پر بھی طبیعت میں یہی رغبت ہوتی ہے۔ خوابوں میں بھی یہی خیالات ہیں لیکن جب کش ہوگی اسی وقت ظاہری حاضری ممکن ہوگی بہر حال آپ جارہے ہیں اور بے اختیار آپ کے ہمراہ دل بھی کشاں کشاں جارہا ہے۔ اللہ معکم حیث ما کنتم۔

لے غنیۃ الناس اردو میں معلم الحلاج مفتی مظاہر علوم کی لکھی ہوئی بہترین کتاب ہے۔ ۱۰
۱۰ منافع و فوائد۔ ۱۰ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہوں جہاں بھی آپ ہوں۔

آپ کو اپنے متبعین کے ساتھ باپ سے زیادہ شفقت تھی کہ سفر میں بالخصوص آپ کا دھیان انھیں میں
 پڑھتا تھا حافظ فخر الدین صاحب مع اہلیہ رمضان شریف مکہ مکرمہ میں گزارنے کی نیت سے اسی سال حج کو
 روانہ ہوئے مگر جہاز نہ ملنے کی وجہ سے مسافر خانہ بمبئی میں اتنا قیام کرنا پڑا کہ اہلیہ کا دل گھربایا اور قصد کیا کہ
 یہاں پڑے رہنے سے کیا حاصل گھر ہی چلیں کہ بچوں سے مل کر بعد خیر جہاز جانے کے وقت آجائیں گے حضرت
 نے منع کیا اور تحریر فرمایا کہ تم سفر حج میں ہو گویا حج ہی میں ہو واپسی کا قصد نہ کرو اور میں انشاء اللہ تم سے
 وہیں آکر ملوں گا۔ چنانچہ آپ کو راندریکا سفر پیش آیا اور آپ گنجائش نکال کر بمبئی پہنچے۔ حلاج ضیاء الاسلام
 کا نہرہلوی بھی جارہے تھے اور انھوں نے ڈاک کے جہاز کا ٹکٹ لے لیا تھا۔ بمبئی اسٹیشن پر اترتے ہی آپ کے
 اطلاع ملی کہ ضیاء الاسلام جہاز پر روانہ ہوئے چنانچہ آپ سیدھے بندر پر آئے اور بعد کوشش و تندریر جہاز
 پر پہنچ کر ان سے ملے۔ جب جہاز چھوٹ لیا تو آپ مسافر خانہ میں آئے اور حافظ فخر الدین صاحب سے مل کر
 ان کی اہلیہ کو تسکین دلائی اور بچوں کی طرف سے ہر طرح مطمئن و مسرور بنا کر دیر کے بعد اپنی قیام گاہ
 پر آکر آرام فرمایا۔

وہ سال کچھ زیادہ شور و بد امنی کا تھا کہ ہمارا قافلہ مدینہ منورہ جانا ہوا منزل خیف میں محبوس ہو گیا
 اور پورے اٹھائیس دن ہم پانچ سوا دنوں کے مسافر کھلے میدان میں قید رہے کہ جب تک دس گئی فی شہد
 نہ دیں گے آگے نہ جاسکیں گے۔ قافلہ میں چار طرف سے غورتوں کے نوحہ دین کی آوازیں آئیں اور اچھے اچھے
 مرد سراپیمہ دکھائی دیتے تھے۔ میں سمجھتا تھا کہ ہندوستان میں میری وجہ سے سب میں زیادہ پریشان ہونے والا
 صرف روحانی باپ کا دم ہے کہ خلاف عادت خط نہ پہنچنے سے خدا جانے کیا کیا واسطے لائے گا مگر مجبور تھا
 کہ خود گرفتار تھا پھر خط لکھنا نہ میں کیسے پہنچاتا۔ خط لکھنا پہلے ہی دن شروع کر دیا اور دو روزانہ کے حالات
 قلب بند کرتا رہتا تھا مگر حضرت تک پہنچا نا فابو کی بات نہ تھی۔ ایک ساڈنی سوار بدو کو معاوضہ دیکر خط بھیجا
 کہ مینج کے ڈاکخانہ میں ڈال دے مگر واپسی کے بعد معلوم ہوا کہ وہ خط نہیں پہنچا۔ میرا خیال صحیح نکلا کہ حضرت کو
 جب ولایتی ڈاک میں یکشنبہ کے دن کوئی خط نہ ملا تو پریشان ہو گئے اور ہفتہ میں ہی بار فرمایا اس ڈاک سے
 عاشق الہی کا خط نہیں آیا معلوم کیوں۔ دوسرا ہفتہ خالی گیا تو اور پریشانی برپا ہوئی کہ تیسرے ہفتہ حجاز کی خبر
 افواہ کے درجہ میں پھیلی کہ مدنی قافلہ کو بدوؤں نے قید کر لیا اور بہت آدمی مارے گئے۔ اس خبر پر تو حضرت کی
 پریشانی کا کچھ ٹھکانا نہ رہا۔ حضرت اکثر مغرم و متفکر بیٹھے رہتے اور کبھی کبھی ٹھنڈے سانس بھر کرتے تھے
 میرے مکان پر بھی اعزہ کو پریشانی تھی اور انھوں نے تین ہفتہ خط نہ آنے پر حضرت کو لکھا کہ حضرت کے پاس کوئی
 خط ضرور آیا ہوگا ہم لوگوں کو خیریت سے مطلع فرماویں۔ اس کا جواب حضرت نے فوراً دیا اور لکھا کہ میں خود

نہایت پریشان ہوں اور اس افواہ نے نوکر توڑ دی۔ بجز اس کے کہ اپنے اللہ پر بھروسہ کئے بیٹھا ہوں کچھ نہیں کر سکتا۔ دل گواہی دیتا ہے کہ سخت جگر انشا اللہ بخیریت ہے لیکن آنکھ مقدسہ یہ نہیں بتا سکتا میں بھی دعا کر رہا ہوں تم بھی دعا کرو۔

میری اہلیہ اس وقت سخت بیمار تھی کہ شغف سے نیچے اترنا بھی دشوار تھا اور اس کی زندگی و یاوسی تھی مگر الحمد للہ اس قدر مستقل مزاج تھی کہ ایک لمحہ کو بھی اسے ہراس نہ ہوا۔ ہاں جب بدوول کا اصرار ہوا کہ لاؤ اور قافلہ کا انکار ہوا کہ پیسہ بھی پاس نہیں تو دفعۃً اعلان ہوا کہ حملہ ہو کر قتل عام ہوا چاہتا ہے۔ اس خبر نے چار طرف گریہ و بکا کا کھرام مچا دیا اور اس وقت اس کے بھی آنکھوں میں آنسو بھڑائے اور یہ کہہ کر یا اللہ عصمت و آبرو تیرے ہاتھ ہے، کاش شوہر سے پہلے مجھے قتل ہوتا نصیب ہو۔ وہ رونے لگی، اس پریشانی میں اس کی آنکھ لگ گئی اور اس نے خواب دیکھا کہ حضرت موجود ہیں اور اونٹ کی جہاز تمام کر پہاڑ کے اوپر چڑھ رہے ہیں۔ اور بندہ نے خواب دیکھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور غایت حزن میں گردن جھکائے بیٹھے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صدیقہ سے کوئی قصہ ہوا ہے اس لئے میں اس سعی میں ہوں کہ صفائی کر دوں تاکہ حضرت کا ملال رفع ہو۔

آنکھ کھلی تو رہائی کا سامان شروع ہو چلا اور آخر سعی میں مجھے اٹھنا پڑا کہ بدوول اور اہل قافلہ میں سمجھوتہ اور محرم کا محسوس قافلہ ۱۰ صفر کو مدینہ میں داخل ہو لیا۔ وہاں سے بقیہ حالات کا ڈالا ہوا خط حضرت کو ملا مگر ایسے وقت کہ چوتھے دن میرا نارہنچ گیا کہ میں براہ سہارنپور آ رہا ہوں۔ کیا اٹھنا تھا حضرت کی مسرت کا کہ گاڑی آتی تھی ایک بجے مگر حضرت مدرسہ سے فارغ ہو کر بارہ بجے اسٹیشن پر پہنچ گئے اور پوری دعوت کا تیار کھانا ساتھ گاڑی آئی تو ادھر حضرت مجسم انتظار ایک ایک گاڑی پر نظر ڈال رہے تھے اور ادھر میں کھڑکی سے منہ نکالے حضرت کی صورت کا متمنی تھا کہ دفعۃً آئنا سامنا ہوا اور میں کھڑکی ہی سے نیچے کود پڑا۔ حضرت نے پک کر چھاتی سے لگایا مگر آنسو میری آنکھوں میں بھی تھا اور حضرت کی آنکھوں میں بھی۔

ایک مرتبہ بندہ حضرت سے اجازت لے کر مدینہ منورہ سے حجاز ریلوے میں دمشق چلا گیا۔ مدنی اسٹیشن تک حضرت پہنچائے آئے اور جس وقت گاڑی اٹھانے پرخصتی معاف فرمایا تو اس حالت کو میں عمر بھر نہیں بھول سکتا کہ حضرت کی آنکھوں میں آنسو تھے اور قلب میں غیر معتدل حرکت۔ گرمی نامہ دست مبارک کا لکھا ہوا ہے پیچھے پیچھا جو مجھے بیت المقدس میں ملا اس میں تحریر فرمایا تھا آپ انشا اللہ مع انجیر منزل مقصود پر پہنچنے لگے ہوں مگر آپ کے چلے جانے سے میں توبیکارہ محض ہو گیا عازد مدبرہ برحق و رفیق زدل ریش۔

لے آنکھ سے تو تم دور چلے گئے مگر زخمی دل میں سے نہیں جا سکے۔

واپس وطن آیا تو حضرت ۲۵ دن قبل وطن پہنچ لئے تھے مگر میرے اعزہ کو لکھ چکے تھے کہ تارائے ہی مجھے خبر دینا کہ اسی دن ملنے کے لئے آسکوں۔ چنانچہ حضرت تشریف لائے اور واپسی کے وقت فرمایا اب سہارنپور پہنچ کر اقامت کی نیت کروں گا کہ اب تک تیرے انتظار میں کہ خدا جانے کس دن آجاوے مسافر ہی بنا رہا اور نیت اقامت نہ کر سکا۔

میری ہی خصوصیت نہیں بلکہ حضرت کو اپنے خدام و متبیین کے ساتھ بالعموم اس درجہ محبت تھی کہ ہر شخص یوں سمجھتا تھا میری برابر حضرت کو کسی سے بھی تعلق نہیں ہے مگر اب اس شفقت و سیاست و صلاح سے غفلت نہ ہوتی تھی کہ کسی سے کوئی عجب و تازیا کو تا ہی دیکھتے تو زبان سے تو بہت کم غبراتے مگر بے رخی و اعراض کا بزنا و زیادہ فرماتے جس سے طالب بے چین ہو کر یا ہی بے آب کی طرح تر پتا اور بزبان حال کہتا تھا ۵

آزراق تلخ سے گوئی سخن ہرچہ خواہی کن ولیکن اس میں میرے متعلق بھی ایسا پیش آیا کہ بعض حاسد لوگوں نے حضرت کے کان میں میرے متعلق کچھ ڈالا اور میں نے اپنے ضعف قلب کی وجہ سے اس معاملہ کی صفائی سے وحشت کھائی جس پر یہ گمان صحیح ہو گیا کہ میری طرف جس خطا کا انتساب ہوا وہ بجا اور ٹھیک ہے۔ چنانچہ حضرت نے خط بھیجا بند کر دیا اور بندہ نے مسلسل تین خط نہایت بے چینی میں لکھے مگر حضرت نے ایک کا بھی جواب نہ دیا۔ آخر پریشان ہو کر چوتھا خط لکھا تو جواب تیز آیا کہ اول معاملہ کی صفائی کرنا ضرور ہے۔ چنانچہ حاضر خدمت ہوا اور بالموافقت و اقبال سے دعوے کی ثبوت و صفائی ہوئی۔ حضرت کو جب علم ہو گیا کہ مجھ پر بے وجہ الزام اور اس کو سچ ثابت کرنے کے لئے ایک گہری چال چلی گئی تھی تو حضرت کی شفقت کا کچھ ٹھکانہ نہ رہا اور پہلے سے بدرجہا زیادہ توجہ و کرم فرمانے لگے اور فرمایا غلطی سے دنیا میں کوئی بشر خالی نہیں مجھ سے بھی غلطی ہوئی اور اب بالکل اطمینان رکھو انشاء اللہ بندہ ایسی نوبت کبھی نہ آئے گی۔ دو ہفتہ کا وہ تلخ زمانہ مجھ اب بھی یاد آتا ہے تو طبیعت پریشان ہو جاتی ہے مگر اس کے ثمرات و برکات پر نظر ڈالنا ہوں تو شاک کی کوپنا محسوس سمجھتا ہوں کہ حق تعالیٰ نے اس کو میرے لئے وسیلہ فیرات بنایا

حضرت ہمارے بطی الغضب اور سریع العفی تھے کہ غصہ بدیر آتا اور جلد اتر جاتا تھا۔ مجھے حیرت

۱۔ چونکہ سہارنپور وطن نہ تھا مدرسہ کے کام سے وہاں قیام تھا اس لئے سفر سے واپس آنے پر چند روز کے قیام سے قصر ختم ہوتا تھا یہ نیت نہ ہوتی تو سفر قصر ہی رہا۔ ۲۔ سخت و کڑوی جدا ہونے کی جوابات آپ کرتے ہیں میں چوچا ہے کیجئے لیکن یہ کیجئے کہ جدا کر دیں۔ ۳۔ نیک کیفیات کا ذریعہ۔ ۴۔ دیر میں غصہ ہونے والے اور جلد بے غصہ ہوجانے والے جس کی حدیث میں تعریف ہے۔

ہوتی تھی جب میں دیکھتا تھا کہ حضرت کو غصہ آیا اور تیز لہجہ میں دھمکا رہے ہیں مگر جس وقت مغلوب نہ گردن
جھکا کر زبان سے اتنا لفظ نکالا کہ حضرت بیشک مجھ سے خطا ہوئی اور آئندہ انشاء اللہ ایسا کبھی نہ ہوگا تو گویا
حضرت کو غصہ آیا ہی نہ تھا، نہ آواز میں تیزی رہی نہ چہرہ پر سرخی۔ یہ فرما کر کہ بس بہت اچھا اسی محبت کے ساتھ
باتیں کرنے لگے جو آپ کا معمول تھا ہاں اگر اس کو ندامت نہ ہوتی تو حضرت پر اس کا اثر بڑھ جاتا اور اگر
کسی کی قسمت میں شقاوت مقدر ہوتی تو وہ حضرت کے غصہ کو جو کہ محض اس کی اصلاح نفس کے لئے ہوتا تھا
ناگواری کے ساتھ دیکھتا اور کشیدگی اختیار کرتا تھا اول اول حضرت اس کا تذکرہ تاسف کے ساتھ اپنے
دوستوں سے فرماتے اور آخر خالی الذہن ہو کر ہمیشہ کے لئے یکسو ہو جاتے تھے مگر ایسا بہت کم شاید ایک یا دو
ہی کے ساتھ پیش آیا ہو ورنہ حضرت کا شفقت امیر غصہ ہمیشہ بار آور مخرجات ہوا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے
اپنی مخلوق کی اصلاح کے لئے نعمت و نعمت کو تمام بنایا اور ہر دو ابتلائیں ثابت قدم رہنے کو اخلاص اور
بے نفسی جانچنے کی کسوٹی قرار دیا ہے جس سے کسی زبان میں کوئی مرشد و مصلح حتیٰ کہ وجود باوجود سرور عالم و عالیاں
صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی خالی نہیں رہا۔

حضرت کی سخاوت بھی حیرت بخش تھی کہ اکثر خدام تبرک کے خواہشمند ہوتے تھے اور اس وقت سائل کی
حیثیت کے موافق جو کچھ بھی پاتے بے دریغ عطا فرمایا کرتے تھے مولوی حبیب الرحمن سہاروی شرم کی وجہ سے
حضرت کی خدمت میں نوعرض نہ کر سکے مگر حلاج مقبول احمد سے کہ حضرت کے سارے تھے کہا کہ حضرت سے ایک

سلطہ برہم تھی۔ ۱۰۰ الگ ہو جائے اور میں پھنسا رہتا۔ ۳۰ افسوس کے ساتھ کہ ممکن ہے کوئی اس کو سمجھا کر راہ پر لے آئے یہ بھی کمال
شفقت تھا۔ ۲۰ نیک کیفیٹوں کا پھل دینے والا کہ اس سے وہ اصلاح برہماتی جو برسوں کے مجاہدہ سے نہ ہوتی تھی انعام و مہر کو
جو وہ ان بچے کے ساتھ والے۔ ۳۰ امتحان۔ ۴۰ اصلاح کے لئے صفحہ نے بھی ناراضی ظاہر فرمائی تھی۔

۵۰ ایک روز کا واقعہ ہے کہ دو پہر کے وقت حضرت اپنے چہرے جہاں آرام فرما رہے تھے باہر آئے اور استخارہ کرنے کے لئے پانی لینا چاہا میں
دیکھا تو دوڑ کر کونین سے ڈول کھینچا اور لوٹا بھر کر پیش کر دیا حضرت استخارہ کے لئے غسل خانہ میں چلے گئے میں نے دوسرا ڈول بھر کر بطور کھیل کے
اس لوٹے کا پانی بہانا شروع کر دیا اتنے میں حضرت تشریف لے آئے میری یہ حرکت دیکھ کر حضرت کو غصہ آیا اور ایک چپت رسید کیا کہ پانی فناء
کر رہا ہے۔ ۶۰ ینا دیب میرے لئے عمر بھر کا سبق بن گئی اس وقت میری عمر گیارہ بارہ سال کی ہوئی۔

جب میں فارسی درجہ میں شش فیاض علی صاحب سے پڑھتا تھا میرے چھوٹے بھائی اسحاق احمد نے روتے ہوئے حضرت کے پاس
جا کر میری شکایت کر دی وہ بے جی مجھے بھائی نے بہت سنا یا ہے حضرت سے ہی فارسی درجہ میں جو مدرسہ قدیم کے دروازہ کی چھت پر
واقع ہے غصہ میں بھرے ہوئے آئے اور فحشی بیکر میری خوب پٹائی کی۔ یہ دعا پڑھتے خود مجھ پر بیٹے ہیں۔ ان کے علاوہ میں نے کبھی نہیں
دیکھا کہ حضرت نے غصہ ہو کر کسی کی پٹائی کی ہو۔

علاوہ ہمانداری کے حضرت کے یہاں کنبہ پروری بھی کافی ہوتی تھی میں نے اپنے بچپن سے یہ سنا دیکھا ہے کہ حضرت کے یہاں
حضرت کے سارے حاجی مقبول احمد اور مظہر علی خاں مسعود علی خاں (حضرت کی زوجہ کے دو بچے) مستقل رہتے تھے۔ نیز حضرت کے اپنے
قرابتدار یعنی بڑی بہن محمود النساء اور ان کے پوتے پوتے (حسینہ خاتون، احسان احمد، اخلاق احمد، اسحاق احمد، ادبی احمد) (باقی صفحہ ۳۶۱)

عربی روایات سے لگاتار۔ چند روز بعد یہ رات کی گاڑی سے سہارنپور آئے اور حضرت سے قبیل فجر ملاقات ہوئی جبکہ حضرت حسب معمول مکان سے تشریف لائے۔ مصافحہ و مزاج پرسی کے بعد اول ہی حضرت نے فرمایا حافظہ جی تم نے حاجی جی سے روایات کو کہا تھا اور اتنا فرما کر فوراً سہارا کے سے روایات انار کران کو عطا فرمادیا کہ بیش قیمت بھی تھا اور حضرت کا مستعمل ہونے کے سبب توبہ بہا ہو گیا تھا۔

ایک بار مجھے بھی شوق ہوا کہ حضرت سے کوئی تبرک لیتا اور دینی زبان سے عرض کیا حضرت نے فوراً ہی چادر مبارک جس کو اوڑھ رہے تھے اتار کر لپیٹی اور خادم سے فرمایا بھئی یہ ان کے بیگ میں رکھ دو۔

مولوی عبد اللہ جان صاحب فرماتے ہیں کہ رمضان کا حیدر تھا اور اتفاق سے میری ساری گھڑیاں مرمت کے لئے گئی ہوئی تھیں جس کی وجہ سے گوشت تکلیف تھی حضرت کے پاس حاضر ہوا تو سرسری طور پر اس کا ذکر آگیا۔ حضرت خاموشی کے ساتھ اٹھے اور حجرہ میں سے ایک جیسی گھڑی لا کر مجھے کو دیدی، اس وقت تو میں نے بیطب خاطر لی کہ مستوا سمجھا تھا اور ضرورت بھی تھی مگر عید کے دن جب اس کو واپس کرنا چاہا تو حضرت نے فرمایا کیا واپس لینے کے لئے دی تھی؟ تب مجھے معلوم ہوا کہ یہ عطا تھی اور میں نے اس کو اپنی ملک بنا لیا مگر اس کو معمولی گھڑی سمجھا۔ کچھ دنوں کے بعد گھڑی ساز میرے مکان پر گھڑیاں دیکھ کر آیا تو میں نے یہ گھڑی

دقیقہ صفحہ گذشتہ میں طویل عرصہ تک محنت کے یہاں آکر رہے۔ احقر میرا انداز کی تعلیم کا زمانہ حضرت ہی کے گھر میں گذرا ہے۔ میزان شعب کا پہلا درس مجھے حضرت نے خود دیا۔ پھر مولوی محمد حسن کو (برادر اکبر مولانا عبد اللہ عالم) اور حضرت مولانا محمد الیاس سے فرمایا کہ اس کو سبق دیدیا کہ حضرت نے مدرسہ دارالتجود کا آغاز فرمایا قاری قاسم یا قاری حیدر الدین اس کے پہلے استاد مقرر ہوئے اور اس درجہ کے پہلے معلم مسعود علی خاں اخلاق احمد ندیم حسن اور جہاں نگر یاد ہے مولانا محمد حامد مولانا عبد اللہ عالم وغیرہ تھے۔ اکثر ایسا ہونا کہ باہر سے کوئی مہمان آتا تو حضرت ہم لوگوں کو بلا کر قراوت سنا دیتے جس سے وہ لوگ بہت متاثر ہوتے۔ مذکورہ بالا دو قاریوں کے بعد قاری عنایت اللہ اعظم گڑھی بھی یہاں معلم قراوت رہے۔ ان کے بعد قاری عبد العزیز صاحب جو نوپوری تشریف لائے اور طویل مدت تک مدرسہ میں کام کرتے رہے موصوف بڑے جبر الصوت اور خوش آواز قاری تھے قدیم مدرسہ کی مسجد میں اکثر نمازیں اور جمعہ کی نماز دارالطلبہ کی مسجد کلوں میں قاری صاحب ہی پڑھایا کرتے تھے۔

۱۹۱۷ء سے ۱۹۱۸ء تک کا زمانہ میں نے حضرت مولانا فاروق احمد صاحب کی زیر نگرانی مدرسہ میں بیانات بجا دیے جو میں گزرا ہوا میں کثرت شریع تہذیب دیوان علی تک تعلیم پائی کہ پھر مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ کیلئے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ شرف مشغوری حضرت نے کارڈ ارسال فرمایا اس کا آغاز محنت جگرم سے تھا اس کے بعد طالب علی اور مدرسہ کے طویل زمانے میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بے پایاں الطاف اور شفقتوں سے مستفید ہوتا رہا۔ — بڑا نا طالب علی مجھے خرچ کی سخت تکلیف پیش آئی زبانی عرض کرنے کی ہمت نہ ہوئی پرچہ لکھ کر ڈاک کے ساتھ ملائیر کے ذریعہ حضرت کے پاس بھیج دیا۔ عمر کی نماز کے بعد حضرت نے مجھے بلایا اور مجھ کے سامنے والی سدری میں الگ بجا کر بیٹھے اور بڑی شفقت سے فرمایا تم مجھ سے ہر مہینے تین روپے لے لیا کرو چنانچہ میں کئی مہینے تک حضرت سے یہ عطیہ حاصل کرتا رہا۔

ایک بار حضرت نے اپنے دو سفید لٹے کے چوٹے مجھے مرحمت فرمائے۔ حضرت سردی کے زمانے میں استسبوی جامہ دار کا ایک بہت خوبصورت انگرکھا پہنا کرتے تھے جو حضرت کے صین قد و قامت پر بہت زیب دیتا تھا۔ ایک دفعہ میں شام کے وقت حاضر تھا مجھ میں تشریف لے گئے وہ قیمتی انگرکھا مجھے عطا فرمایا۔ جس کو میں کبھی بھی پہن کر بڑا فخر محسوس کرتا تھا۔

بھی اس کو دکھائی، اس نے کہا کہ تمہاری جتنی بھی گھڑیاں ہیں اس کے سامنے سب کھلونا ہیں اور یہ گھڑی اصلی انگلش لیور ہے جو بدرجہ اقل سو روپیہ کے لگ بھگ قیمت کی ہے۔ تب تو میری آنکھیں کھلیں اور اس گھڑی کی وقعت میری نظروں میں ہو گئی۔ پھر میں نے مختلف گھڑی سازوں کو دکھایا اور سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ یہ تو بڑی نادر الوجود گھڑی ہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں نے غصہ میں ناراض ہو کر باہر صحن میں بیٹھے ہوئے بہت زور سے یہ گھڑی نوکر کے مارنے کے لئے اس کی طرف پھینکی جو رات وہ میں کھڑا تھا۔ نوکر کے تو لگی نہیں بلکہ دیوار سے ٹکر کھا کر زمین پر گر گئی۔ میں نے جی میں سمجھ لیا کہ گھڑی تو ٹوٹ ہی گئی مگر یہاں مرمت نہ ہو سکے گی کسی انگریزی کارخانہ میں بھیجوں گا۔ اگلے دن جو دیکھتا ہوں تو گھڑی چل رہی ہے اور وقت صحیح دے رہی ہے میں حیرت سی بہوت ہو کر رہ گیا، وہ دن ہے اور آج کا دن کہ گھڑی بدلتو چل رہی ہے اور مرمت کا نام بھی نہیں آنے دیتی۔

ایک مرتبہ کوئی بزرگ تشریف لائے اور ان کو تعلیم کی ضرورت تھی جیسے ہی حضرت کو معلوم ہوا حضرت نے اٹھ کر اندر سے جوتوں کا ایک نیا جوڑا لا کر نکدیا اور ان بزرگ نے اسی وقت اس عطیہ کو لیکر سر پر رکھ لیا۔ شیخ محمد یعقوب صاحب نائب تحصیلدار پشاور مولف عشرہ کاملہ ایک بار حاضر خدمت ہوئے اور خود عرض کی ہمت نہ پا کر صلاح احمد حسن صاحب کی معرفت مستعل بلبوس کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت مسکرائے اور سب پوچھا عرض کیا کہ حضرت کچھ طبیعت ہی کا تقاضا ہے۔ بلل کا کرتہ زیب بدن تھا حضرت نے فرمایا اچھا ابھی یہ ہمارا حاجی کرتہ ہے جو گذشتہ سفر حج میں پہنا تھا یہی لے جانا گاڑی کا وقت قریب تھا انھوں نے عرض کیا حضرت میں اسی گاڑی سے جا رہا ہوں۔ آپ اٹھ کر حجرہ میں تشریف لے گئے اور دوسرا کرتہ پہن کر پہلا کرتہ ان کو عطا فرمادیا۔ حضرت کے بدن کا بالائی حصہ بھی کبھی کشوف نہیں ہوتا تھا۔ الا بضرورت خاص کہ کبھی جمعہ کے دن گرمی میں کسی خادم سے سکر ملواتے تو تنہائی میں کرتہ اتار دیا کرتے ورنہ غسل کے بعد باہر تشریف لاتے تو اندر ہی کپڑے پہن کر تشریف لایا کرتے تھے۔ علامہ حضرت متوسط طول کا باندھے تھے مگر نہایت خوبصورت۔ شملہ دو سواد بابت پیچھے چھوڑتے اور اکثر مشروع بھگپوری کا سبز یا کاہی ہوتا تھا۔ ہمیشہ آپ کھڑے ہو کر عمامہ باندھتے اور اس کے پیچ داہنی طرف سے بائیں جانب جاتے تھے۔

سفر میں اجاب کے لئے ہدایا | آپ کہیں سفر میں جاتے تو آپ کا معمول تھا کہ تمامی مخلصین کے لئے ہدایا اور سوغات لایا کرتے تھے جس میں اس پر بھی نظر رہتی تھی کہ کس کو

عہد حضرت کے عمامہ دندہ مال میں ایک لطیف قسم کی خوشبو آتی تھی مجھے جب کبھی گھر سے مدرسہ یا مدرسہ سے گھر لیجانے کا اتفاق ہوتا تھا تو میں راستہ بھر اس ہلکے کا لطف اٹھاتا تھا۔ اس خوشبو سے ہم اکثر حضرت کے کپڑوں کو پھپھان لیتے تھے (اخلاق احمد غفرلہ)

کیلئے مرغوب یا کس چیز کی ضرورت ہے چنانچہ رنگون سے آپ واپس تشریف لائے تو دوڑے کس آپ کے ساتھ تھے تمام مدرسین کے لئے ایک ایک جوڑہ کا کپڑا ان میں بندھا اور کسی کیلئے بیان تھا کسی کے لئے ٹوپی مجھے اونچی ٹوپی پہننے کی عادت تھی جب حاضر ہوا تو حضرت ایک خوبصورت بید کی بنی ہوئی ٹوپی اور ایک رنگین خوبصورت کھڑاؤ نکال کر حجرہ سے باہر تشریف لائے اور فرمایا ہمیں اونچی ٹوپی مرغوب ہے اس لئے تمہارے لئے یہ لایا ہوں اور گھر میں کے لئے کھڑاؤں۔

ذیرہ غازیجاں سے حضرت کی تشریف آوری پر حاضر ہوا تو حضرت نے وہاں کے بنے ہوئے خوبصورت پنکھے عطا فرمائے کہ موسم گرمی کا تھا غرض اتباع سنت کے علاوہ یہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ حضرت کو کسی وقت بھی اپنے مخلصین سے دہول و نسیان نہیں ہوتا۔

سفر حج سے واپس تشریف لائے تو چار چار کنستریٹزم اور کچھ کے لاتے اور عرصہ تک آپ کے پاس خدام کی آمد رفتی مگر کوئی بھی حضرت کے تبرک سے محروم نہ جاتا۔ مدرسہ کے طلبہ و مدرسین کی کثیر جماعت تو حضرت کے قریبی روحانی رشتہ دار تھے ہی کہ ایک ایک طالب علم کو خالص نرم عطا ہوتا تھا۔ پھر باہر سے جو کوئی بھی جب کبھی آپ پہلا لفظ حضرت ہی فرماتے کہ کبھی ان کو نرم بلاؤ اور مدنی کھجور رکھلاؤ۔ اس کے علاوہ مخصوص خدام اور محترم دوستوں کے لئے عمدہ تسبیح شامی روپال جامہ واریا اور کوئی قیمت پر حیرت۔ وہاں کی ہوالگی ہو خرید کر لاتے۔

مخلصین کے ہدیے حضرت اپنے مخلصین کے ہدایا نہایت مسرت سے قبول فرماتے تھے مگر حقدار بھی پیش نہ آتی ہو اس کے ساتھ ہی حضرت چونکہ صاف گوشت تھے اس لئے بے تکلف خدام سے ہدیہ کا عیب ظاہر بھی فرما دیا کرتے تھے۔ ایک بار کسی نے لکھنؤ کے خرپے بھیجے جو شیریں نہ تھے۔ آپ نے تحریر فرمایا تم پیسے خرچ کر کے چیز بھیجو اور مجھے شیریں معلوم نہ ہوں اس سے کیا فائدہ۔ ایک صاحب نے آم بھیجے اور جب انھوں نے حاضر ہو کر دیا فت کیا کہ حضرت آم کیسے تھے؟ بیاختہ فرمایا کچھ نہیں۔ تم نے تکلیف اٹھائی اور مجھے پسند نہ آئے ترشی غالب تھی۔

دنیا داروں کے ہدایا سگریں دنیا داروں کا ہدیہ قبول کرنے میں آپ کو دریغ ہوتا اور جس ہدیہ میں اخلاص نہ ہوتا اس کو آپ رد فرماتے تھے۔ بمبئی میں ایک سیٹھ نے آپ کے حج کو جانے وقت ملازم کے ہاتھ سو روپے بھیجے کہ مجھے حاضری کی فرصت نہیں اس لئے روپے آدمی کے ہاتھ بھیجتا ہوں قبول فرماویں۔ آپ نے واپس فرما دیا کہ بحمد اللہ مجھے ضرورت نہیں۔ آخر وہ خود آیا اور

معذرت کی تب آپ نے قبول کیا۔ اگر کسی غریب کا کوئی ہدیہ ہو تو آپ اس کی بڑی عظمت فرماتے اور ایسے قبول فرماتے تھے گویا اس کے محتاج ہیں۔

ایک شخص نے ٹوپی پیش کی جو شاید ۸ سے زیادہ کی نہ ہوگی آپ نے مسکرا کر اس کو لے لیا اور اسی وقت اوڑھ کر اپنی ٹوپی کو بکس میں رکھوا دیا۔

آپ قاضی عبد المجید صاحب کی درخواست پر شملہ تشریف لے گئے جس نے بھی دعوت کا اصرار کیا آپ نے فرما دیا کہ ہماری دعوت تو عبد المجید نے سہا زپور میں کر دی تھی اس لئے ہمیں تو دوسرے کی دعوت منظور کرنے کا حق رہا نہیں دعوت کے ذمہ دار تو یہ ہیں ان سے کہو یہ اپنے ہاں کھلائیں یا دوسروں کے ہاں ہمیں تو کھانے سے بحت ہے۔ ان سے کہاجاتا تو یہ منظور کرتے نہ تھے کہ دونوں کے لئے تو یہ دولت نصیب ہوئی جو کچھ بھی برکت ہو وہ گھر میں رہے۔

بیوہ کی دعوت

کچھ دیر بعد ایک لڑکا آیا اور اس نے اپنی بوڑھی ماں کا سلام پہنچا کر درخواست دعوت پیش کی۔ استفسار حال سے حضرت کو معلوم ہوا کہ وہ بیوہ ہیں اور حضرت گنگوٹی سے بیعت ہیں اور اسی تعلق پر دعوت کر رہی ہیں حضرت نے بڑی خوشی سے منظوری بخشی اور یوں فرمایا کہ میرا سلام کہنا اور یہ کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ راستہ ہے پہاڑ کا جس کے آثار چڑھاؤ دونوں مصیبت خیز پھرات کا وقت ہوگا اور جگہ ہے دور اس لئے خوشی سے یہ گوارا فرماؤں کہ صرف میرے لئے کھانا پکائیں اور مجھے یہیں بھیج دیں۔ انھوں نے اس کو قبول کر لیا اور حضرت نے قاضی عبد المجید سے فرمایا کہ قاضی جی ان کی دعوت رد نہ کر سکا کہ عورت ذات ہیں اور پھر بیوہ، ناحق ناراض ہوتیں اور طرح طرح کے دساؤں لائیں کہ غریب بیوہ کے ہاں کا کھانا کیوں کھاتے جبکہ بڑے لوگ خاطر تواضع کے لئے موجود ہیں۔ چنانچہ مغرب کے بعد ہی حضرت مکان پر تشریف لے آئے اور کھانے کا انتظار فرمایا، دیر ہو گئی اور کھانا نہ آیا حتیٰ کہ عشا کی اذان کان میں پڑی تو آپ نے فرمایا قاضی جی کھانا تو خدا معلوم کس وقت پہنچے میں نے تو ان کو کہلا کر بھیج دیا تھا کہ میں یہاں پر دوسروں کا ہمان ہو کر اور ان کا بلوایا ہوا آیا ہوں تم کیوں ناحق درد سری کرتی اور بلا لٹھاتی ہو تم تو خود بیوہ ہو تمہاری تو امداد ہونی چاہئے نہ کہ اُلٹی تمہیں تکلیف دی جائے مگر وہ نہ مانیں اور اصرار رہا تو اس اندیشہ سے کہ ناراض ہو جائیں دعوت منظور کر لی، اب کیا کرنا چاہئے؟ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت وقت زیادہ گزر گیا اور نماز کا وقت بھی قریب آ گیا۔ بھوک بھی زیادہ لگ رہی ہے مگر اتفاق سے اس وقت گھر میں صرف خشک اور دال پکا ہوا، اور وہ بھی دن کا کہ اتفاق سے میرے ایک دوست کا لڑکا چار منزلی مکان کی چھت سے گر گیا اور میری گھڑی اس اطمینان پر کہ حضرت تو دعوت منظور فرما چکے وہاں چلی گئی سوچ رہا ہوں کہ اس تنگ وقت میں کیا چیز

پیش کروں حضرت نے شفقت و سخیہ کی سے فرمایا یہ تو میرا اپنا گھر ہے جو کچھ بھی ہو بے تکلف کھانا میرا فرض ہے۔ اور بھی خشک تو بڑی لذیذ نعمت ہے خصوصاً جبکہ اس کے ساتھ دال ہو جو جلدی سے نکال لاکھ پھر نماز کو چلیں گے۔ چنانچہ وہ دال خشک لائے اور حضرت نے نہایت ہی رغبت اور شاشت کے ساتھ کھایا کہ بار بار اکر کھندہ فرماتے اور آخر میں کہا کہ آج تو خوب ہی سیر ہو کر کھایا۔ برتن سمٹ ساٹ نماز کی عجلت میں مکان سے باہر نکلے کہ لڑکا کھانا لیکر آ پہنچا حضرت نے فرمایا واہ واہ خوب وقت پر آئے۔ اچھا ہوا ہماری موجودگی میں آگے ہم نے تو بہت انتظار کیا، اب تو نماز کا وقت ہو گیا مسجد کو جا رہے ہیں۔ اور قاضی عبدالمجید سے فرمایا بھی کھانا لے کر گھر میں رکھاؤ۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت واپس ہی نہ کر دیا جائے کہ اب تو ضرورت نہیں رہی۔ فرمایا نا بھائی واپس نہیں کر سکتے بلکہ لاؤ اس میں سے ایک لقمہ لڑکے کے سامنے کھا لوں چنانچہ ایک لقمہ کھا کر کلی کی اور یہ فرما کر کہ صاحبزادے اپنی والدہ سے کہہ دیجو کہ میرے سامنے ایک لقمہ کھایا تھا اور بہت خوش ہوئے تھے؟ لڑکے کو رخصت کر کے تیز قدم مسجد کو روانہ ہوئے۔ راستہ میں فرمایا بیوہ اور غریب کا دل تھوڑا ہوتا ہے اس لئے میں نے لقمہ کھالیا کہ بچہ خوش ہو گیا اور اب یہ جا کر اپنی ماں سے کہے گا۔ ورنہ بیچاری کو خیال ہونا کہ خرچ بھی کیا تیار کرنے میں تکلیف بھی اٹھائی اتنی دور بچہ لے کر بھی گیا اور پھر بھی نہ کھایا۔

خدام کی دلداری | خدام کی دلداری کا حضرت کو خاص اہتمام تھا بعض مخلصین انہی یا رسول کے موسم میں حضرت کو تشریف آوری کی تکلیف دیا کرتے اور حضرت اس کو بخوشی منظور فرماتے بلکہ جہاں غایت بے تکلفی ہوتی تو اپنے خواص مخلصین کے نام لے کر فرماتے کہ فلاں فلاں کو بھی دعوت دیدو۔ چنانچہ مولوی محمد جلیل اور حاج ریاض الاسلام کی دعوت پر ہر سال آپ کا مدہلہ ضرور تشریف لے جاتے اور مجھے بھی تاریخ کی اطلاع کے ساتھ دعوت ضرور آتی اس لئے حاضر ہوا کرتا تھا۔ حضرت آم اور دعوت کھانے سے اتنا خوش نہ ہوتے جتنا اپنے دوستوں کو ایک جگہ بے تکلفی کے ساتھ جمع ہوتا دیکھ کر خوش ہوتے تھے سب کو ساتھ لے کر آپ بیٹھے خوش طبعی فرماتے مسکراتے اور جوام شیریں کھلتا بھی اِدھر کبھی ادھر خدام کو دیتے اور فرماتے میاں تم نے تو آم کھانے کا نام ہی کیا۔ ایک صاحب کہا کرتے تھے کہ جنگ پلنگ پر بیٹھ کر اتنے آم نہ کھائے کہ پٹنی تک چھلکے آجائیں تو اس نے کیا آم کھائے۔ اور ایک جگہ تو مشہور ہے فلاں شخص نے ایک لنگی آم کھائے اور فلاں نے دو لنگی کسی نے عرض کیا حضرت اس کا کیا مطلب؟ فرمایا کھاتے کھاتے دست آنے لگیں کہ لنگی خراب ہو جائے۔

مولوی حبیب الرحمن صاحب لکھتے ہیں حضرت بہت قریب نیشکر ہر سال سیوہارہ تشریف لایا کرتے مگر کمال

یہ تھا کہ نہ کبھی گنا کھاتے تھے نہ رس پیتے تھے نہ راب کا شوق تھا نہ گڑ کا۔ کبھی بھی شاید ایک دو چھپوٹا نوش فرماتے ہوں مگر اخلاق و شفقت کا یہ حال تھا کہ حرام کی دعوت کبھی رد نہ فرماتے۔ آخری سفر سے کچھ قبل جب آپ سیوہ راف تشریف لائے تو میرے والد حافظ مختار احمد صاحب نے آپ کے لئے ایک من برد تیار کر لیا کہ رمضان اور سفر حج میں کام آئے گا حضرت کے عزم واپسی کے وقت بورتیار ہو سکا تو والد صاحب نے اصرار کیا کہ حضرت ایک گاڑی اور رک جائیں بورتا بھی تیار ہو جائے گا اچھا ہے حضرت کے ساتھ چلا جائے۔ فرمایا میں سہارنپور لاسی گاڑی میں واپسی کو کہہ آیا ہوں، اگر میں نہ گیا تو وعدہ خلافی ہوگی، گھر والوں کے علاوہ مہمان بھی انتظار کریں گے۔ دوسرے یہ کہ میں تو آپ حضرات سے ملاقات کو آیا ہوں نہ کہ بورتا لینے کے لئے۔ بس ملاقات کا مقصد حاصل ہو گیا۔ آخر جب زیادہ اصرار ہوا تو آپ حاجی مقبول کو چھوڑ گئے مگر اپنے عزم میں فرق نہ ڈالا اور اس ضعف میں تنہا سفر فرمایا۔

ایک بار مدینہ منورہ میں میرے سامنے ایک صاحب نے جائے نماز پیش کی جس پر خوبصورت نقوش تھے اور سزا بہ بیغالباً حضرت کا نام یاد اور کچھ لکھا ہوا تھا حضرت نے بخوشی قبول فرمایا مگر یہ کہہ کر کہ جائے نماز پر لکھا منع ہے تمہاری دلکاری کی بنا پر قبول تو کرتا ہوں مگر اس لکھے ہوئے کو مٹا دوں گا اس کو باتی نہ رکھوں گا۔

سفر میں رفقا کی راحت کا خیال | سفر میں حضرت اپنے رفقا کی راحت کا بہت خیال رکھتے اور ایسے بے تکلف بن جاتے تھے جیسے برابر کے دوست۔ سامان اٹھانے میں خود دیکھتے اور اکثر ایسی چیز اٹھانے کی کوشش فرماتے تھے جس کے اٹھانے میں دوسروں کو جھوک ہو کامران سے چلنے کا وقت آیا تو سامان اٹھا کر کشتی تک لانا پڑا حضرت نے اٹھ کر جلدی سے وہ دیکھ اٹھایا جس میں کھانا پکا تھا کہ اوپر سے سیاہ ہو رہا تھا اور اندر سے چمکا۔ پھر مزید خدام عرض کرتے کہ آپ رہنے دیں آدمی بہت ہیں سب اٹھالیں گے مگر ایک دو چیز حضرت لے ہی لیتے اور فرماتے بھئی مجھے بھی تو کچھ اٹھانا چاہیے کیا تم مجھے آدمی نہیں سمجھتے۔

ایک بار مجھے لاہور ساتھ لے گئے اور میں نے عرض بھی کیا مگر نہ مانا اور کرایہ آمد رفت خود ادا فرمایا۔ حافظ فخر الدین صاحب کو بھی چند مرتبہ ساتھ لیا اور کرایہ دیا۔ بالخصوص عرب کے سفر میں امیر ہوں یا غریب تمام رفقا سفر کی ضروریات کا خود دھیان رکھتے اور ہر ایک کی دلجوئی فرمایا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ خلاف عادت مجھے دورانِ سفر اور میں چادر سے منہ ڈھانپ کر انجن کے قریب پٹری پر لیٹ رہا کہ تپ لڑہ کا اثر بھی محسوس ہو رہا تھا۔ کچھ غنودگی آگئی اور مجھے معلوم ہوا کہ کوئی میرا بدن باقاعدہ لے متبرک الفاظ زمین پر اور پاؤں کے برابر ہوتے ہیں اور کبھی پاؤں بھی پڑ جاتا ہے۔

داب رہا ہے۔ چادر ہٹا کر دیکھتا ہوں تو حضرت میں شرم کے مارے پسینہ آگیا اور حضرت نے فرمایا کہنا تو ذرا لیٹے رہو کہ میں بدن دبا دوں کسل رفع ہو جائے گا مگر مجھ سے نہ ہو سکا اور میں اٹھ بیٹھا۔

ایک مرتبہ آپ کے مطوف نے آکر کہا کہ حضرت آپ کے بعض رفقا شکایت کرتے ہیں کہ تم حضرت کا خیال زیادہ رکھتے ہو اور سواری وغیرہ کا انتظام پہلے کر دیتے ہو اور ہماری خبر بعد میں لیتے ہو حالانکہ سب تمہارے حاجی ہیں۔ آپ نے فرمایا آئندہ اس کا خیال رکھو کہ ان کا انتظام پہلے ہو اور ہمارا سب کے بعد چنانچہ مدینہ منورہ جانے کے لئے جب سارا قافلہ تہذیب میں پہنچ لیا تو آپ اور آپ کے خاص رفقا سب کے اخیر میں روانہ ہوئے۔ رفقا میں کوئی بیمار ہو جاتا تو اہتمام کے ساتھ آپ اس کے پاس جلتے اور دوا کا انتظام فرماتے تسلی و شفای دیتے۔

اخیر زمانہ میں آپ کو فالج کے اثر سے چلنا مشکل تھا کہ حرم شریف آنے میں بھی جوتہ کو ذرا کھینچ کر چلنا پڑتا تھا مگر کسی خادم کو معمولی بیمار بھی سنا تو خود تشریف لے جاتے۔

ایک سفر میں بیچ پہنچا کربش کو میرے پیٹ میں خرد ہو گیا بیتاب ہو گیا۔ حضرت فوراً تشریف لائے اور پیٹ پر ہاتھ رکھ کر پڑھتے اور دم کرتے رہے حتیٰ کہ سکون ہو گیا تب جا کر لیٹے۔ ایک طالب علم بیمار ہوا اور حضرت تمام رات اس کو کچھاتی سے لگائے بیٹھے رہے کہ اس کو اپنی ماں بھی یاد نہیں آئی۔

اہل عرب کا احترام اہل عرب کا آپ احترام بہت زیادہ فرماتے تھے بالخصوص اہل مدینہ کا۔ آپ کے رفقا اور کسی جمال میں نزاع ہوتا تو آپ جمال کی طرف داری کرتے اور حسرت کے ساتھ فرمایا کرتے کہ لوگوں کو ان کی قدر نہیں معلوم بھی ہے کہ یہ کون لوگ ہیں؟ یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہانے پر پہنچانے والے ہیں، یہ محبوب کے ہم وطن ہیں۔

حضرت شاہ عبدالغنی صاحب کے نواسہ مولوی عبدالکریم کو حضرت اصرار کے ساتھ صاحبزادی صاحبہ لے کر اپنے ساتھ لائے کہ بحر العلوم کا خاندان علم دین سے بے بہرہ ہو جاتا تھا۔ مولانا پانچ سال مدرسہ میں رہے مگر حضرت نے بیٹا بنا کر رکھا کہ ساتھ کھلانے اور قریب ہی کا حجرہ قیام کے لئے تجویز فرمایا۔

ایک بار معاملات عرب اور تبدیل حکومت کے متعلق حل مقبول احمد صاحب نے کوئی ناملائم لفظ کہہ دیا جس کا ان کو بہت صدمہ ہوا۔ حضرت کو خبر ہوئی تو اس قدر غم ہوئے کہ شاید اس سے زیادہ صدمہ کا اثر حضرت پر کبھی نہ ہوا ہو۔ مولوی عبدالکریم کی دلجوئی فرمائی اور بار بار موعظت کی۔ انہوں نے کہا حضرت حاجی صاحب نے مجھے گالی دی، فرمایا تمہیں گالی نہیں دی مجھے گالی دی۔ آخر جب مولوی صاحب کے راضی کر لیا تب سکون ہوا۔

مدنی فتنہ کے زمانہ میں جب سید عبدالنواب صاحب فرور پرنشان ہو کر ہندوستان آئے تو حضرت ان کو خاص مہمان بنا کر رکھا اور جگہ جگہ ان کی سفارش فرما کر معقول رقم نقدان کے لئے فراہم کی اور عیشہ ماہوار کا تقرر کیا جب تک بھی وہ ہندوستان میں رہیں۔

حرمین میں سخاوت حرمین شریفین میں حضرت کی سخاوت بہت زیادہ بڑھ جاتی اور اتنی وسعت و فراخی سے صدقات فرماتے تھے کہ مارا بھی حیران ہو جاتے تھے۔ جالوں کو جہاں حجاج ۴۰ یا ۸۰ بخش دیتے ہوئے منہ بناتے ہیں حضرت ہر ایک جال کو ایک روپیہ یومیہ دیتے۔ اپنے ساتھ بٹھا کر ان کو کھانا کھلاتے اور خوش طبعی فرمایا کرتے تھے۔ کسی جال نے ذکر کیا کہ حضرت ہمارا حاجی تو سر دیتا ہے یا کچھ نہیں دیتا تو حضرت کو افسوس ہوتا اور گنجائش پاتے تو حاجی کو نصیحت فرماتے کہ ان کے دینے میں بخل نہ کرو۔

عرب کی ہر چیز محبوب ہے عرب کے آدمی ہی نہیں بلکہ ہر چیز یا مخصوص مدینہ منورہ کی مٹی تک آپ کو بہت پیاری تھی۔ نابین کو آپ ابیاسیعہ کا پانی اور تراب مدینہ لے جانے کی ترغیب دیا کرتے اور فرماتے کہ ان میں شفا ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی فرماتے کہ مٹی کھانا نہیں کیونکہ ناجائز ہے ہاں لب و غیرہ میں استعمال کر لینا۔

بندہ حضرت کی معیت میں تھا اور میرے چچا صاحب مرحوم تھے۔ مدینہ منورہ پہنچ کر وہ مرض ماشرہ میں مبتلا ہو گئے کہ طبیب نے حرکت کرنا اور ہوا لگنا سخت مضر بتایا۔ واپسی کا وقت قریب تھا حضرت ان کے پاس آئے اور فرمایا حافظ صاحب گھبرانا نہیں جب تک تندرست نہ ہو جاؤ گے میں سفر نہ کروں گا قافلہ جائے چلا جائے میں تمہارے ساتھ ہیں ٹھہروں گا۔ مرحوم کا دل کمزور تھا اور وہ طرح طرح کے خیالات فٹیتے تھے۔ کہنے لگے حضرت پاس خرچ بھی کم رہ گیا ہے اور موسم نکل چکا پھر اونٹوں کا انتظام بھی دشوار ہوگا۔ فرمایا خرچ کا کیا فکر جو لوگ واپس ہوں گے وہ مکان پر اطلاع دیکر روپیہ کا حوالہ کر دیں گے اور ہاؤنٹوں کا انتظام سوچ چاہیں گے ہو جائے گا۔ مگر مرحوم ٹھہرنے پر راضی نہ ہوئے اور کہا کہ نہیں حضرت جیسے بھی بن پڑا سفر کروں گا۔ مجھے زیادہ فکر تھا کہ حضرت کی معیت میں اول تو اکثر حصہ حضرت کے پاس گذرتا ہے پھر بدوائی عربی زبان کی جہارت کے سبب قافلہ کا زیادہ بوجھ بار مجھ پر رہتا ہے کہ بدوا و حاجی کا نزاع دور کرنے میں گھنٹوں اپنے اونٹ پر بیٹھا نصیب نہیں ہوتا ایسی حالت میں چچا صاحب کی دیکھ بھال اور اونٹ پر ان کا ردیف بن کر بیٹھا بہت مشکل ہوگا۔ مگر کیا کر سکتا تھا۔ تیسرے دن قافلہ چل دیا اور حکیم رفاقت علی مرحوم سے کہ فوجی ڈاکٹر تھے راستے کے لئے دوائیں وغیرہ لے کر لے ساتوں کنوئل کا پانی اور مدینہ کی مٹی۔ ۷۰ ساتھ کا سوار۔

بشکل تمام چچا صاحب کو شغف میں لٹایا۔ ڈاکٹر صاحب نے سخت تاکید کی کہ منہ پر ہر وقت روٹی
 لپیٹی رہے کہ ہوا نہ لگنے پائے ورنہ جان کا خطرہ ہے۔ پہلا پڑاؤ مناخ میں ہوا کہ شہر سے ایک میل ہے۔ نماز
 کے لئے حضرت مسجد نبوی کو چلے اور مجھے ساتھ لیا۔ میں نے راستہ میں اپنی پریشانی عرض کی کہ حضرت میرا قلب
 بہت ضعیف ہے۔ چچا صاحب تو آج ہی کے برائے نام سفر میں کچھ کے کچھ ہو گئے دیکھئے مفخر کیا پیش لائے
 اور کس طرح دور دراز کا سفر اونٹوں پر طے ہو۔ ذرا سکوت کے بعد فرمایا ابھی اللہ کی مشیت میں کسی کا حارہ
 نہیں اور غیب کی خبر کسی کو نہیں کیا ہو نا ہے۔ ہاں اس کا مجھے بھی فکر ہے کہ سفر میں ہوا سے بچنا بہت مشکل
 اور تیمارداری اس سے زیادہ مشکل۔ مگر گھبراؤ نہیں اللہ سب آسان فرمائے گا۔ میرا خیال یوں کہتا ہے کہ
 اب واپسی میں آستانہ شریف کی مٹی لے لو اور وہ منہ پر ملو۔ میں نے کہا حضرت وہاں مٹی کہاں۔ فرمایا قالین
 کے نیچے زمین پر جو بھی گرد غبار ہو وہ ہاتھ کو لے لیں اور سمیٹ لیجو مگر روضہ شریف کے قریب کی لیجو۔ چنانچہ
 میں نے ایسا ہی کیا اور بعد نماز واپس آ کر اپنے ہاتھ سے ان کے چہرہ پر مل کر روٹی پلیٹ دی۔ نماز عصر کیلئے
 حضرت کے ساتھ پھر حرم شریف میں آیا اور اب حضرت عشاء سے فارغ ہو کر واپس ہوئے کہ چاکر واپس آنے
 کی گنجائش نہ تھی اور مسجد نبوی کی نماز سے زیادہ حضرت کو کوئی چیز سیاری نہ تھی۔ بعد عشاء واپس آیا تو ڈر
 رہا تھا کہ چچا صاحب غما ہوں گے اور کہیں گے یہیں پروا نہیں کرتا گھسٹوں غائب رہتا ہے آگے کیا امید
 نہ کر پاس آ کر مزاج پوچھا تو چچا صاحب نے مسرت کے ساتھ فرمایا ذرا میرا منہ کھول کر دیکھو مجھے تو نصف
 مرض گیا ہوا معلوم ہوتا ہے کہ نہ وہ سوزش ہے نہ کرب۔ اس تراب نے تو اکیر سے زیادہ کام دیا۔ بس
 دوائیں سب پھینک دو اور آب جائد تو تھوڑی سی مٹی اور لیتے آنا کہ ایک دفعہ پلنے کی اور حاجت ہے میری
 مسرت کا کچھ ٹھکانا نہ رہا اور فوراً حضرت کے پاس حاضر ہو کر قصہ سنایا۔ نوافل سے فارغ ہوتے ہی اندھیر
 میں جب حضرت نماز فجر کے لئے حرم شریف کو چلے تو پھر ساتھ ہوا اور خصی صلوٰۃ و سلام کے بعد قافلاً آستانہ
 اچھی مقدار میں فراہم کر کے ساتھ لایا۔ یہاں واپس آئے ہی قافلہ اٹھ کھڑا ہوا اور حق تعالیٰ نے ساری
 پریشانی کا اس طرح خاتمہ فرمایا کہ دوسری منزل پر چچا صاحب شغف سے خود اتر گئے اور فرمایا بھوک زیادہ
 لگ رہی ہے کچھ کھانے کا انتظام جلدی کرو۔ تیسرے پڑاؤ پر بالکل نندرست تھے کہ مارے سرخ دانے
 مرجھا کر سیاہ پڑ چکے تھے اور بجز نفامت کے مرض کا نام نہ رہا تھا۔

نمردینہ سے حضرت کو گویا عشق تھا اور ہر نوع رغبت سے کھاتے تھے بالخصوص برنی۔ اور ہر نوع
 سے پوری واقفیت رکھتے تھے کہ یہ فلاں کھجور ہے اور اس کا یہ نام ہے اور اس کی یہ خاصیت ہے۔ آخری
 قیام میں چونکہ آپ کو کھجور کا پورا موسم دیکھنا نصیب ہوا اس لئے ابھی کچی ہی تھی کہ آپ نے ایک ڈبہ میں تازہ

کھجور بند کر کے کپڑا سلوا کر نام اور پتہ لکھوا کر یہاں بھیجا کہ تو تم بھی کھاؤ۔

کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ روضہ مطہرہ میں روشن ہونے والا موم خدام روضہ سے تبرکاً لینا کیسا ہے؟ فرمایا بڑا موجب برکت ہے مگر مال وقف ہے کہ یہیں کے استعمال کے لئے بھیجا جاتا ہے اس لئے یوں کر دے کہ اپنے طور پر یا زار سے موم بتی خرید کر خدام کو دیدہ کہ وہ روشن کر دیں اور پھر اس کو لے لو۔

آستانہ محمدیہ پر حاضری کے وقت حضرت کی عجیب کیفیت ہوتی تھی۔ آواز نکلتا تو کیا مواجہہ شریف کے قریب یا مقابل بھی آپ کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ خوفزدہ مودبانہ دبے پاؤں آتے اور مجرم و قیدی کی طرح دور کھڑے ہوتے بکمال خشوع و سلام عرض کرتے اور چلے آتے تھے۔ زائرین جو بیباکانہ اونچی آواز سے صلوٰۃ و سلام پڑھتے اس سے آپ کو بہت تکلیف ہوتی اور فرمایا کرتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جات ہیں اور ایسی آواز سے سلام عرض کرنا بے ادبی اور آپ کی ایذا کا سبب ہے۔ لہذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہئے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ مسجد نبوی کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں۔ ایک صاحب نے اس پر اشکال پیش کیا کہ جبرید مبارک تو چند دیواروں میں محفوظ ہے پست آواز کس طرح مسموع ہوگی۔ فرمایا اشکال تو پیچھے چلانے کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے اس وجہ سے کفر کے اندر تو کتنا ہی کوئی باہر سے چلائے اور پکارے مگر آواز نہیں پہنچے گی۔ بھئی یہ تو خصوصیات ہیں سے جس پر یہاں کا قاعدہ جاری نہیں ہو سکتا۔

تیرانہ بازی کا اس زمانہ میں صرف نام ہی رہ گیا ہے مگر میں حیران ہو گیا جبکہ ایک دفعہ حضرت نے کمان اور نیزہ کا نقشہ کھینچ کر اس کے ایک ایک جز کی حقیقت بیان فرمائی کہ اس عربی لفظ کا مصداق یہ ہے اور اس اسم کا سہمی یہ حصہ ہے اور اس کا یہ۔ گویا آپ نے برسوں تیرانہ بازی سیکھی ہے۔ بندوق شاید کبھی چلائی ہو مگر اچھی بُری کی شناخت اتنی زیادہ تھی کہ دہلی شیخ رشید احمد صاحب کی دکان اسلمہ پر تشریف لے گئے تو سپتول رائفل اور مختلف کارخانوں کی برج لوٹ اور کار توپی بندوقوں کا بڑے شوق اور غور کے ساتھ ملاحظہ فرمایا اور ان کے وہ جن وضع بیان فرماتے رہے جن کو سن کر شیخ صاحب بھی حیران تھے۔

میں نے بندوق کا لیسن لیا تو بڑے شوق سے فرمایا اپنی بندوق دکھاؤ اور ملاحظہ فرما کر طریقہ تعلیم فرمایا کہ یوں اٹھانا اور یوں رکھنا چاہئے۔ آپ کا کبھی شکار کھیلنا بھی مجھے یاد نہیں مگر شکار کا گوشت بُری رغبت سے کھاتے تھے۔ ایک دفعہ اجڑاڑہ ساتھ گیا اور بندوق ساتھ لے لی تو بعد ظہر فرمایا بھی جنگل ہو آؤ دیکھو موریہ کبوتر مل جائے تو شکار ہی ہو جائے۔

یہی حالت نباتات سے واقفیت کی تھی کہ ایک بار آپ نے گاؤں کے راستے میں جتنی خود رو جڑی بوٹیاں

پڑتی گئیں بیان فرماتے رہے کہ یہ فلاں گھاس ہے اور اس کا یہ نام ہے اور یہ خاصیت ہے۔
طب میں آپ کو بہارت نہ تھی مگر نبض شناسی میں کمال تھا کہ خفیف حرارت نبض پر ہاتھ رکھتے ہی
بتا دیتے تھے۔

مزارات پر حاضری کے لئے سفر کرنا آپ کو پسند نہ تھا۔ ہاں کسی سفر میں اپنے بزرگانِ سلسلہ کا مزار پر تانا تو
حاضر ہو کر روحانی استغاضہ کا جو اصل طریق ہے اس پر عمل فرما لیتے اور منکرات پر تکبر فرمائے بغیر نہ رہتے۔
ایک مرتبہ آپ مولانا رحیم بخش صاحب کے ساتھ ایک بزرگ کے مزار پر حاضر ہوئے وہاں کے سجادہ نشین
نے مولانا کے ساتھ حضرت کو بھی چاروشی کے لئے مدعو کیا چارے فارغ ہو کر اٹھے اور باہر نکلے تو سجدہ حاصل نہ
دوسرے روباہلوں میں مزار شریف کا چڑھاوا اٹھائی اور نقل پیش کیا۔

مولانا رحیم بخش صاحب کو حضرت گنگوہی سے بیعت تھی مگر عقیدت و محبت کا تعلق حضرت سے اتنا
تھا کہ گویا حضرت ہی سے بیعت ہیں۔ ہر چند کہ حضرت کو بھی مولانا کے ساتھ بیعت تھی اور احترام بھی فرمایا
کرتے تھے مگر مولانا حاضر ہوتے تو بس حضرت کا منہ ٹکا کرتے اور زیارتِ جلال میں محو و مستغرق ہوجاتے تھے مجھے
یاد ہے جب حضرت کا آخری سفر ہوا تو مولانا جید آباد جا کر حضرت سے ملے اور پھر بمبئی کے ساتھ گئے اور تین دن
قیام فرما کر آخری رخصت ہوئے۔ حضرت ان کو سوار کرانے کے لئے اسٹیشن پر آئے تو بندہ ساتھ تھا جس وقت
ریل نے سیٹی دی تو وہ منظر بھی عجیب تھا۔ مولانا ایک کر حضرت کو چمٹ گئے اور حضرت نے آغوش میں دیا لیا
چلتی ریل میں مولانا سوار ہوئے کہ آنکھوں میں آنسو اور ادھر ہلیٹ فارم پر حضرت چشم نم تھے۔ ڈاک
گاڑی تیز جارہی تھی مگر دو نظروں کی ٹنگی بندھی ہوئی تھی حتیٰ کہ نگاہ سے اوجھل ہو گئی اور وہ نظارہ دنیا
کا آخری نظارہ بن کر چشمِ زدن میں ختم ہو گیا۔ عرض مولانا کا ادب جو کہ عادت بن گیا تھا گوارا نہ کرتا تھا کہ کسی
امر میں حضرت سے تقدیم کریں اس لئے آپ نے پھر حضرت کی طرف اشارہ فرما دیا۔ سجادہ صاحب حضرت کی
طرف بڑھے اور حضرت رُکے۔ فرمایا کیا ہے؟ عرض کیا حضرت صاحب صاحب کا تبرک ہے۔ حضرت کی صداقت کوئی
تو دنیا میں بے نظیر تھی بے ساختہ فرمایا سجادہ صاحب آپ کو معلوم بھی ہے کہ ما اهل لغير الله ہے اس کا
لینا بھی حرام اور کھانا بھی حرام۔ یہ فرما کر حضرت چل دیے کہ پیچھے پیچھے مولانا رحیم بخش صاحب تھے اور سجادہ
صاحب خاموش حجرہ میں تشریف لے گئے۔

خواجہ اجیمیریؒ کے مزار پر ایک بار حضرت راندرجاتے ہوئے اجیمیر تھے کہ شیخ الطائفؒ کے مزار پر حاضر
ہوں۔ حضرت مولانا تھا نوای اور بندہ ساتھ تھے۔ میزبان چونکہ مزارین کے

ملہ وہ چیز جو اللہ کے سوا کسی کے نام پر بتائی گئی ہو یہ آیت شریفہ ہے حرام چیزوں میں سے ایک ہے۔ یہ تمام جماعت کے بزرگ۔

حالات سے واقف تھے کہ طواف اور سجدہ کراتے ہیں اس لئے حسن تدبیر کے ساتھ کام کیا اور بعدِ عمر کا وقت تجویز ہوا۔ ہم سب حاضر ہوئے اور اندر کھڑے کے قریب کھڑے ہو گئے۔ حضرت توجاتے ہی بیٹھ گئے اور مراقب ہو کر ایسے مستغرق ہو گئے کہ خبر ہی نہ رہی کہاں بیٹھے ہیں۔ چونکہ بیٹھنا وہاں کمال بے ادبی سمجھا جاتا ہے اس لئے چار طرف سے حضرت پر تیز اور زبردستی نظریں پڑنے لگیں۔ بیچارے حیزبان کے منہ پر ہواٹیاں اڑنے لگیں کہ کوئی شورش برپا نہ ہو جائے۔ گھبرا کر انہوں نے مولانا تھا تو ہی سے کہ حضرت کے پاس کھڑے تھے چپکے سے عرض کیا کہ حضرت کو اٹھا دیجئے اندیشہ ہے کہ فتنہ نہ اٹھ کھڑا ہو۔ مولانا نے فرمایا اس حالت میں میری ہمت نہیں کہ محل بنوں اور حضرت کو اٹھنے کے لئے کہوں اور میری طرف اشارہ کیا کہ اس سے کہو یہ حضرت کی خدمت میں زیادہ جری ہے۔ وہ میرے پاس آئے اور گویا رو کر کہا کہ میرا دم ہوا ہو رہا ہے حضرت سے ہو جلدی اٹھ بیٹھیں دیکھو مجھ اور ول کارنگ بدلا جاتا ہے اور پھر میرے سنبھالے نہ سنبھالے گا۔ میں نے کہا کہ حضرت مولانا کی ہمت نہیں ہوتی تو میں کیسے ہمت کروں مگر وہ اس درجہ سراسیمہ تھے کہ ہوش باختہ تھے کہنے لگے خدا کے واسطے جلدی کرو ایک دوسرے پر مثالو۔ آخر میں نے حضرت کے شانہ مبارک پر ہاتھ رکھا اور عرض کیا حضرت بس تشریف لے چلیں۔ فوراً حضرت کو افاقہ ہو گیا اور اٹھ کر ساتھ ہوئے۔ راستہ میں حضرت کو قصہ سنایا مگر حضرت نے فرمایا مجھے کچھ خبر نہیں اور ایسا تھا تو پہلے ہی مجھے اطلاع کیوں نہ کر دی۔

فراست حضرت کی فراست قابلِ حیرت تھی حضرت گنگوہی قدس سرہ کے وصال پر مخلوق پریشان تھی جمعہ کا وقت تھا آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ آہ و زاری کر رہا اور حضرت کا عاشق و دلدادہ بنا ہوا پکار رہا ہے ہائے مجھے حضرت کی زیارت تو کرادو۔ لوگوں کو نماز پڑھنا مشکل ہو گیا مگر اس کو حضرت کا جاں نثار محب سمجھتے تھے اس لئے کچھ نہ بولے۔ حضرت نے مسجد میں جا کر مولانا محمود حسن صاحب سے کچھ آہستہ آہستہ باتیں کیں اور پھر باکر تشریف لا کر غصہ کے ساتھ اس کو ڈانٹا کہ میں جانتا ہوں تجھے بہت صدمہ ہے میں جانتا ہوں تو حضرت کا عاشق ہے، پھر فرمایا اس کو مسجد سے نکال دو، یہ نہ حضرت کا خادم ہے نہ اس کو حضرت کی محبت ہے۔ حاضرین کو تعجب تھا کہ ایسے عاشق و مینا بد کے متعلق کیا فرما رہے ہیں مگر اے بابا اہلس آدم روئے ہست۔ بعد میں تحقیق ہوا کہ کوئی بدعتی تھا جو ہاتھ میں اس قسم کا پوڈر لگا کر آیا تھا کہ چہرہ پر ملنے سے سیاہ ہو جاوے حضرت گنگوہی کی کرامت تھی اور حضرت کی فراست کہ وہ اپنی رویا ہی کی چال نہ چل سکا اور مسجد سے نکال دیا گیا۔

لے اے شخص بہت سے شیطان آدمی کی شکل میں ہوتے ہیں۔

صبر و تحمل

صدقات میں حضرت کا صبر بے نظیر تھا۔ آپ کے اکلوتے صاحبزادے ابراہیم مرحوم کی شہادت عیالات سن کر عبادت کے خیال سے بندہ چلا تو اسٹیشن مہارنپور پر اترتے ہی نظر ڈالی کوئی مل جائے تو حال پوچھوں۔ لکھنؤ جانے والے ایک دوست نے جو حضرت ہی کے پاس سے آرہے تھے دریافت کرنے پر انھوں نے اطلاع دی کہ انتقال ہو گیا اور مغرب سے قبل دفن بھی کر چکے۔ نیز کہنے لگے مجھے تو بیماری کا بھی علم نہ تھا میں حضرت کے پاس حاضر ہوا تو حضرت حسب معمول مجھ کے پاس بیٹھے تھے اسی محبت سے معاف فرما کر باتیں کرنے لگے اور میں اپنی ضروریات پیش کرتا رہا۔ دو گھنٹہ بعد آدمی نے آکر کہا حضرت چلے جنازہ طیارہ ہے حضرت اٹھے اور اتنا فرما کر روانہ ہوئے گھر میں سے ابراہیم کا جنازہ لے آؤں آپ تشریف رکھیں۔ میں نے حاضرین سے دریافت کیا جنازہ کس کا؟ اور یہ معلوم ہو کر کہ صاحبزادہ کا ذکر ہے جسم حیرت بن کر اپنے کو نفرت کرنے لگا کہ ایسی حالت میں حضرت سے فضول باتیں کرتا رہا مگر کسی انداز سے پتہ ہی نہ چلا کہ گھر میں بیٹے کو غسل و کفن دیا جا رہا ہے اور حضرت باہر اپنے مہمانوں سے باتیں کر رہے ہیں چنانچہ حضرت جنازہ لے کر تشریف لائے کہ دوسروں میں اور حضرت میں کوئی فرق معلوم نہ ہوتا تھا۔

صلہ رحمی اور عزیزوں کو مصیبت کے وقت تسلی دینا اور مال سے مدد دینا آپ کی فطرت تھی۔ آپ کے چچا زاد بھائی مولوی انوار احمد صاحب پرہر دوئی میں انجینئر کی طرف سے ایک

فوجداری مقدمہ دائر ہو گیا جس میں ان کی ٹھیکیداری کی ساری کمائی خرچ ہو گئی اور پریشان ہو گئے تھے۔ میں نے بار بار خط سے تسلی دی اور دعا کا وعدہ فرمایا اور وہ ان کے حقیقی بھائی مولانا صدیق احمد صاحب نے بھی جو اعانت کے لئے تھے نہ کہ قرض۔ حالانکہ زمانہ وہ تھا جبکہ آپ کی گذران بھی تنگی و عسرت سے ہوتی تھی۔ ان معنوی کمالات کے سامنے حتیٰ کہ امتوں کی نہ کچھ وقعت ہے اور نہ کبھی اس پر نظر گئی کہ آپ کی کراماتِ حسیہ کو ضبط کیا جائے ورنہ آپ کے خدام میں ہر شخص کے ساتھ آپ کا معاملہ جدا تھا اور اس کی ضروریات و پریشانی میں آپ کے ظلِ عاطفت و برکات توجہ سے منجانب اللہ ہر طرح کی مدد ہوتی رہتی تھی کہ اسی کا نام کرامت ہے۔

۳۷۴ میں جب حضرت نے سفر حج کیا تو دارالطلبہ زیر تعمیر تھا۔ آپ نے چلتے وقت مستری سے بتا کر فرمایا کہ غریب دیوار کے شمالی گوشہ میں جو حجرہ بنایا جائے اور اس کی دیوار پختہ نہ کرنا اور نہ اس میں الماریاں زیادہ بنانا بلکہ پشت کی جانب دروازہ کی محراب رکھ دینا۔ حضرت کے اس ارشاد کی وجہ کسی کے سمجھ میں نہ آئی اور وہ حجرہ بھی دیگر حجرات کی طرح پختہ بنا دیا گیا واپسی پر حضرت نے حجرہ کو دیکھا تو فرمایا تم نے یہ کیا کیا۔ میں تو تاکید کر گیا تھا کہ پشت پر دروازہ لگا کر چھوڑ دینا عرض کیا کہ حضرت میں بالکل

مصول گیا کیونکہ میرے ذہن میں اس ارشاد کی کوئی وجہ آئی نہیں۔ فرمایا کوئی بات بلا وجہ بھی مان لیا کرتے ہیں مدت کے بعد اس کی وجہ اس وقت سمجھ میں آئی جبکہ پشت کی افتادہ زمین خلد آتشاں کلثوم جہاں بیگم جاگیر دار بھوپال نے خرید کر وہاں عالی شان مسجد بنوادی اور اسی حجرہ کو توڑ کر دارالطلبہ سے مسجد میں جانے کا دروازہ رکھا گیا۔

دعا کی برکت سالانہ جلسہ میں ایک دفعہ دیہاتی مہمان امید سے زیادہ آگئے کہ کھانا تیار شدہ نصف کو بھی بخش کافی ہوتا۔ کارکنان مدرسہ گھبرا گئے کہ نہ تیار کرانے کا وقت ہے کیونکہ جلسہ سے ایک بجے فراغ ہوا تھا اور نہ کوئی انتظام جنس وغیرہ کا فراہم ہو سکے۔ حافظ عبداللطیف صاحب نے حالت حضرت سے عرض کی اور یہ بھی کہ باوجود بھی تھک گئے ان میں پکانے کی ہمت بالکل نہیں حضرت نے فرمایا کھانے کو چادروں سے ڈھانک دو میں آتا ہوں چنانچہ حضرت نے تشریف لا کر کچھ پڑھا اور کھانے پر دم کر کے دعا برکت فرمائی اور حکم دیا کہ کپڑا دیگ کے منہ سے نہ ہٹایا جائے اور نیچے سے کھانا نکال کر کھلانا شروع کر دیا جائے۔ الحمد للہ کہ سب مہمان فارغ ہو گئے اور کھانا بہتر ارج رہا۔

۱۔ حضرت کے کشف کے واقعات بہت خدام کو پیش آتے تھے مگر اصل کمال تو اجتماع سنت ہے اس پر کسی کی توجہ ہوتی تھی۔ طالب علمی میں قربات کی وجہ سے حضرت نے اپنے مجاہد کے برابر کے مجاہدین اور تھانوی کا قیام کرایا تھا۔ مدرسہ سے مسجد میں جانے کے دو دروازے تھے، مؤذن کو حکم تھا کہ فجر کے وقت ایک کی اندر کی زنجیر لگائے دوسرے میں بائیں قفل لگائے مگر مؤذن قفل تو لگاتا اور دوسرے کی زنجیر نہ دیکھتا تھا۔ بچپن کی شراعت ایک دن جاتے ہوئے میں نے اس کی زنجیر قصداً کھول دی کہ آج مؤذن پڑھنا پڑے اور سارے بعد ابھرے آہستہ سے اس میں ہاتھ لگایا گاڑا قفل گئے ابھی قفل کے انتظار میں سب تھے حاجی مقبول احمد صاحب نے زور سے کہا ملاجی دیکھو کون اندر دھکیا جو بدیں نکلا ہے میں دلی خوش کہ اب ملاجی پڑھنا پڑی مگر حضرت نے فرمایا کہ نہیں کچھ نہیں اور سب خاموش ہو گئے میری شرمندگی کی کوئی انتہا نہ رہی۔

۲۔ فجر کے بعد حضرت مجاہد میں تشریف لے جاتے سر دی میں کواڑ بند کر دیں اور کھلے رہتے اشراق پڑھ کر باہر تشریف لایا کرتے تھے ایک روز میں صبح کی گاڑی سے گھر جا رہا تھا مجاہد میں جانے سے پہلے ملانہ تھا باہر آنے کے وقت گاڑی کا وقت نہ رہتا تھا نہ بغیر ملے جانے کو جی چاہتا تھا پریشان مجاہد میں بیٹھا تھا کہ حضرت مجاہد سے باہر تشریف لائے آواز دی حاضر ہوا فرمایا اور تو کیا نہیں عرض کیا اب جا رہا ہوں مصافحہ کیا والدہ کو سلام کہنے کو فرمایا خود میرا اندر تشریف لے گئے مجھے شرمندگی ہوئی کہ نماز میں ملاوتمولات ترک کر کے آگے ملے۔

۳۔ میں بعد تعطیل شہان احقر بیعت ہوا اگر حرامت نہ ہوئی کہ اوراد و مولات کو پوچھوں اور نہ تعطیل میں اس کے بغیر جانے کو جی چاہا۔ دو دن بعد ایک اور صاحب بیعت ہوئے انھوں نے ویدو و طیتھ پوچھا تو فرمایا فلاں وقت آجانا اور جیل کو بھی لے آؤ وہ اسی انتظار میں رکھا ہوا ہے۔

ایک مرتبہ ایک طالب علم کو بخار ہو گیا بعد مغرب حضرت کو اطلاع ملی حکم فرمایا کہ اس کے گھر ناز دیدو کہ فوراً آؤ۔ سب حیران تھے مگر ان کے پیچھے تک یہ ختم ہو چکا تھا

ہر شخص کو بہت بہت واقعات دیکھنے سننے میں آئے مگر اصل کمال نہ ہونے کی وجہ سے زدن کو بہت بالشان نہیں قرار دیتا۔

ایک مرتبہ ایک بزرگ مع خدام کے ہمراہ ہوئے مگر یہ شرط کر لی کہ کھانا ریل ہی پر کھاؤں گا درہم
 نہ آسکوں گا چنانچہ کھانا اسٹیشن پر بھیج دیا گیا مگر ان بزرگ نے کھانا تھوڑا دیکھ کر واپس کر دیا اور فرمایا کہ واپس
 کرنے میں مصلحت یہ ہے کہ اگر مامانے دیا ہو گا تو گھروالوں کو معلوم تو ہو جائے گا کہ مامانے کیسی حماقت کی کرتے
 آدمیوں میں اتنا ذرا سا کھانا بھیجنا۔ کھانا واپس آیا تو حضرت پر بہت گراں ہوا اور فرمایا جیسے یہ احتمال ہوا کہ
 مامانے کھانا کم اتارا یہ احتمال بھی تو ہونا چاہئے تھا کہ شاید میزبان کا اندر تعالیٰ سے کہی خاص معاملہ ہو کہ
 وہ اس کے تھوڑے کھانے میں بہت برکت دیتے ہوں۔ پھر فرمایا بھائی ہمارا کا۔ تو برکت ہی سے چلا اور
 چل رہا ہے ورنہ جتنے ہمراہ آتے ہیں ان کے لئے میری آمدنی کافی نہ تھی۔ پھر فرمایا برکت کا احتمال
 نہ ہوا تھا تو کم از کم یہی احتمال ہونا چاہئے تھا کہ شاید آج گھر میں آنا کم ہو کہ ایسا اتفاق بھی ہو جاتا ہے اور
 میزبان کا یہی فرض ہے کہ اس کے گھر میں جو کچھ ہو وہاں کے سامنے رکھے تھوڑا ہو یا بہت۔ اور جو کھانا
 بھیجا گیا تھا اس کو دسترخوان پر رکھ کر بسم اللہ کر کے کھایا جاتا تو انشاء اللہ سب کو کافی ہو جاتا۔

ملیوی حبیب الرحمن صاحب سہاروی لکھتے ہیں رجب ۱۳۵۷ء میں ہندو نے حضرت کی خدمت
 میں عرض کیا کہ حضرت دعا فرما دیں کہ میں شریفین نصیب ہو۔ حضرت کا جواب آیا
 کہ تم۔ لکھو کہ مدینہ منورہ حج سے پہلے آؤ گے یا بعد کو میں دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ شانہ تم کو مع اپنے
 رفقاء خاندان کے میری زندگی میں یہاں پہنچا دے تاکہ ایک مرتبہ بھی ملاقات ہو جائے۔ مجھے یہ جواب
 پڑھ کر بڑا تعجب ہوا کہ نہ انک میرا ارادہ سفر عرب کا ہوا نہ میں نے حضرت کو اپنا ارادہ لکھا اور حضرت
 کے انداز تحریر سے ظاہر ہو رہا ہے گویا ارادہ کر چکا اور صرف تعین باقی ہے کہ مدینہ منورہ پہلے جاؤں
 یا بعد میں۔ پھر میرا یہ نہیں بلکہ خاندان اور دوستوں میں رفقا بھی حج و زیارت کی نعمت سے ملنا مال
 ہونے والے ہیں۔ خدا کی شان کہ دو مہینے بعد دفعۃً ایسے سامان مہیا ہوئے کہ میں اور میرے ساتھ وطن
 اور خاندان کے بعض اعزاء و احباب سفر کے لئے تیار ہوئے اور حضرت کی بھی آخری زیارت نصیب ہوئی
 کہ پھر دوبارہ مفرد نہ ہوا۔

انتظام کا غلبہ تھارنگ الگ الگ۔ سہ تجربہ یا الہام سے معاملہ مذکور ہوا۔

۱۳۵۷ء میں بغیر حضرت کے بزاد سے جوابات منکشف ہو جاتے تھے۔ میرے ہونی حضرت کی اہلیہ ثانیہ کے بھانجے ملیوی
 مظہر علی خاں ایک غیر مقلد اکثر کی ملازمت اور بحثوں سے غیر مقلدین کے تیر طبعیت تھے آریوں قادیانیوں سے مناظرے
 کرتے اور خبیثوں سے بھی تھے حضرت ایک دفعہ وہاں تشریف لے گئے تھے واپسی میں وہ اسٹیشن آئے تو فرمایا میں مظہر علی
 چلو، وہ کہتے ہیں میں نے پوچھا کہ آیا خدا سامان ساتھ نہ جانا مناسب تھا مگر اس وقت نہ معلوم کیوں زبان سے اس کے سوا کچھ
 نہ نکلا کہ بہت اچھا کہتے ہیں کہ سہارنپور پہنچ کر حضرت نے ایک دن بلا کر فرمایا کہ تم کو جو شبہ ہو وہاں بیان کر دو (باقی مرقعہ مندرہ)

پانچویں سفر چ سترہ میں حضرت کا جہاز عدن پہنچا تو وہ نازک زمانہ تھا جبکہ جنگ عظمیٰ کے سبب جگہ جگہ سنسرا اور بحری سفر میں طرح طرح کی دشواریاں تھیں۔ جہازوں کو عدن سے کوئلہ بھرنا پڑتا تھا اور وہاں کوئلہ کے ساتھ مزدوروں کا بھی بڑا ٹکھٹا تھا۔ آپ کے جہاز سے قبل اسی کمپنی کا جہاز جہانگیر چارڈن عدن بندر پر پڑا رہا اور جب اس کو کوئلہ مل سکا تو مجبور وہ کوئلہ لینے کے لئے پورٹ سوڈان روانہ ہوا۔ رفقا کو پریشانی ہوئی کہ دیکھئے کہ دن پڑے ہیں اور پھر کوئلہ کے لئے کہاں جانا پڑے۔ حضرت نے فرمایا ابھی پریشانی سے کیا نتیجہ خدا کا ساز ہے۔ خدا کی شان آپ کے جہاز نے ایک شب عدن سے باہر ننگر اندازہ کرانگے دن گودی میں قدم رکھا کہ علی الصبح ایک سیئر کوئلہ کی دو بڑی کشتیاں بھری ہوئی کھینچا لایا اور کپتان سے کہا یہ کوئلہ لو۔ کپتان نے کہا لاؤ مگر پہلے مزدور لے آؤ۔ چند منٹ میں مزدور بھی آگئے اور کپتان یہ حکم دیکر کہ کوئلہ جلد جہاز میں داخل کر دو ایک بوٹ میں سوار ہو عدن چلا گیا۔ کوئلہ بھر جا رہا تھا کہ نورنگ جہاز کا کپتان گھبرا ہوا آیا اور کہا کہ یہ کوئلہ تو ہمارا ہے تم نے اپنے جہاز میں کس کے حکم سے لیا۔ ہم نے تو چارڈن میں اپنے غلامیوں سے بوٹ میں بھرا کر مزدوروں کا بمشکل انتظام کیا تھا کہ آج جہاز میں لا دیں۔ نائب کپتان نے کہا ہمیں کچھ معلوم نہیں خود بوٹ والا ہمارے پاس آیا اور بولا یہ کوئلہ لو ہم نے کہا لاؤ۔ نورنگ کے کپتان نے کہا اب کام روک دو باقی کوئلہ ہمارے جہاز پر چلے گا۔ نائب نے کہا ہمارے کپتان کو بولو وہ حکم دیکر تو ہم روکیں گے۔ کپتان شام تک غائب رہا اور آخر ایک ٹی مہملے کر آیا تو اس وقت جبکہ سارا کوئلہ جہاز پر چڑھ لیا قیمت و مزدوری کا حساب کر کے اس نے فوراً ننگر اٹھا دیا اور چوتھے دن جدہ بھی پہنچ گیا نورنگ اپنے دس رنگ دکھانے کو عدن کی گودی ہی پر کھرا ہوا۔

دعا کا فیضان ڈپٹی احمد حسن صاحب کے دادا میاں عبدالحمیم پروفیسر لاہور نے جب ایس اے وی کا پرائیویٹ امتحان پنجاب یونیورسٹی میں دیا تو اتفاق ایسا ہوا کہ یہ امتحان کی تیاری کچھ نہ کر سکے اور پرچے آئے ایسے سخت کہ تیاری کرنے والے طلبہ بھی گھبرا گئے۔ انھوں نے جوابات لکھے مگر ایسے کمزور کہ خود کامیابی سے یابوس تھے۔ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ پرچوں کی وجہ سے تو

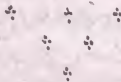
(بقیہ صفحہ گذشتہ) میں نے سب قوی مسئلہ رفیع الدین کا لیا حدیث پیش کی حضرت جواب دیا اور کوئی نیا جواب نہ تھا مناظروں میں اس جواب پر خوب بحث کئے ہوئے تھے لگاب لگاب جو کہنا چاہتا ہوں فوراً دل میں آجاتا کہ اس کا جواب دیدیں گے دوسری تیسری غرض ہر دلیل پر پوری جواب آگئے اور خاموش دل دل میں مناظرہ ہوا حضرت نے فرمایا ابھی کہ اور کوئی گریا ہوں فرمایا اجماع دوسرا مسئلہ لے لو وہاں بھی ایک دلیل کے بعد یہی ہوا پھر تیسرا چوتھا پانچواں سب ایسے ہی رہے۔ کہتے ہیں میں سوچا اب تو حقیقت بتانی پڑے گا دو چار دن کو دل چل کر احادیث والی نمازیں پڑھ لوں اجازت مل گئی اور چلا آؤ خوش خوش نماز پڑھئے گئے مگر جرت ہوئی کہ رفیع الدین کرنا چاہتا ہوں تو ہاتھ نہیں اٹھے بلند آواز میں کہنا چاہتا ہوں تو آواز نہیں اٹھی احمد دوسرے دن واپس سرسرا گیا۔

ناکامی یقینی ہے لیکن حضرت دعا فرماویں تو شاید پاس ہو جاؤں۔ چونکہ ان کی دائرہی اور وضع قطع خلاف شرع تھی حضرت نے ملادیا اور نصیحت فرمائی کہ مسلمانوں کی سی وضع رکھو اور صوم و صلوٰۃ کے پابند بنو۔ یہ باپوں ہو کر وطن آگئے۔ حسن اتفاق سے حضرت انبالہ گئے اور دو تین دن قیام ہوا۔ عبدالحکیم نے موقع کو غنیمت سمجھا اور لگے حضرت کی خدمت میں ہر لحظہ وہر آن حاضر رہنے اور جہاں موقع ملتا بہت بجا جت سے عرض کرتے کہ حضرت میری کامیابی کے لئے دعا فرماویں۔ آخر ایک دن حضرت نے خوش ہو کر فرمایا کہ اچھا جاؤ انشاء پاس ہو جاؤ گے لیکن بھی اپنا معاملہ حق تعالیٰ سے درست کرو۔ خدا کی قدرت کہ نتیجہ نکلا اور یہ بہت اچھے نمبروں پر کامیاب ہوئے، اپنے خسر کو لکھا میرا فیل ہونا تو یقینی تھا مگر حضرت نے دعا کر کے پاس کرا دی۔

ڈپٹی صاحب کے بڑے صاحبزادے میاں سید احمد کہ ماشاء اللہ اسم باسمیٰ اور بایں جاہ دیوی باپ کی طرح صورت اور سیرت دونوں میں مسلمان ملانے ہوئے ہیں دشمنی محکمہ ڈاک میں ملازم تھے کہ ترقی کا دروازہ بہت تنگ تھا۔ حضرت کو اس جوان صالح سے محبت تھی کہ قدرت نے سعید بنایا تھا۔ شمشہ جاتے ہوئے آپ نے دشمنی ترک کر ڈیرہ دن قیام فرمایا اور میاں سید کی بہنری کے لئے دعا فرمائی۔ دو ہی جیسے گزرے تھے کہ ان کے افسر نے از خود ان سے کہا کہ اس محکمہ میں ترقی بہت محدود ہے عنقریب گورنمنٹ آف انڈیا میں مقابلہ کا امتحان ہونے والا ہے جس میں مائی پست اور لوئر ڈویژن کے لئے امیدوار لئے جائیں گے تم اس امتحان میں قسمت آزمائی کرو انھوں نے عذر کیا مگر افسر نے اصرار کیا اور زبردستی ان کی جانب سے درخواست بھجوا دی۔ اب یہ حیران کہ ٹائپ

لہ دعا تو دعا لفظ لفظ میں اللہ تعالیٰ نے تاثیر عطا فرمائی تھی ایک تاثیر لفظوں کی آج میرے دل میں قائم ہے۔ میرے والد صاحب نے علی گڑھ میں جوتے کا کارخانہ کیا تھا۔ جوتے گھر کے اندر عمرہ سے عمرہ مفت تھے قرابت اور نابالغی کی وجہ سے حضرت کے گھر میں آنا جانا کھانا پینا تھا ایک روز حضرت کھانا تناول فرما رہے تھے پانی مانگا میں لے کر حاضر ہوا جوتوں پر نظر پڑ گئی فرمایا یہ کیا کھونٹے سے پہن رہا ہے اس دن سے آج تک دل میں ہر انگریزی جوتے وغیرہ سے نفرت پیدا ہو گئی اور حیدر آباد دکن کے ایک قصبہ میں عبد پر سوائے انگریزی یاد بہائی جوتے کے کچھ نہ ملتا تھا مگر دل نے گوارا نہیں کیا۔ اس برکت سے عید سے ایک دو دن پہلے اللہ تعالیٰ نے دہلی کا جوتہ مفت بھجوا دیا جو ایک صاحب کسی دکان سے تلاش کر لائے۔

مجھے غربت کی وجہ سے طالب علمی میں سفروں کا اتفاق نہیں ہوا۔ حضرت نے ملازمت دلوئی تو حیدر آباد دکن کے ایک قصبہ میں دل پر اس قدر فکر اور سہم سوار کہ حرارت سی معلوم ہوتی مگر نگار کر دین تو گھر کے کئی نفوس کا ذمہ دار خرچہ کہاں سے لاؤں یہ سب تو دل پر بن رہی ہے جس روز بہار پور سے تین بجے روانہ تھے رات کو احقر لاہ میں لے کر حضرت کے ساتھ دروازہ تک گیا فرمایا اچھا توکل جا رہا ہے عرض کیا جی ہاں گلے لگا یا دعا دی۔ بس اس کے بعد دل کا وہ سارا اثر غائب اور مسلسل چار دن کا سفر ایسا طے ہوا کہ خطرہ یا فکر پاس نہیں آیا۔



جانتا نہیں۔ گورنمنٹ کے دفتر کے کام سے بالکل ناواقف۔ امتحان کا وقت اتنا تنگ کہ باوجود ہم تن کو شش کے تیاری ناممکن، چہ جائیکہ روزمرہ ڈاکخانہ کا کارمندی بھی انجام دیتا رہوں۔ عجب پریشانی تھی کہ افسر نام بھیج چکے شرکت امتحان کی منظوری آپ کی تاریخ امتحان سر پر آگئی مگر یہ ابھی ہی دریافت کرتے پھرتے ہیں کہ امتحان کس کس مضمون میں ہوگا۔ ایک معمولی سا ٹاپ مشق کے لئے ایک دوست سے مستعار لیا مگر کب؟ جبکہ دلگشائی سے امتحان دینے کے لئے دہلی روانہ ہوئے۔ راستہ میں سہارنپور آئے اور سارا ہی قصہ حضرت کو سنایا۔ حضرت نے بہت خوش ہو کر فرمایا بھئی گھبراہٹ کی کیا بات ہے حق تعالیٰ شانہ کو سب قدرت ہے اللہ پر اعتماد رکھو اور اس کے بعد آپ نے کچھ پڑھنے کو بتایا اور تاکید فرمائی کہ جس دن جس مضمون کا امتحان ہو اس سے ایک دن پہلے اس مضمون کا نام اور امتحان کے وقت سے بذریعہ خط مجھے اطلاع دیتے رہنا۔ غرض حضرت کی دعا و توجہ نے کر دہلی روانہ ہوئے۔ امتحان کا کوئی نصاب مقرر نہ تھا۔ دنیا بھر کی معلومات علماء اور اس کے ساتھ قدیم و جدید تاریخ و جغرافیہ ریاضی و ہندسہ اور نامی و فرائض کے سیمینہ مسائل غرض ہر شعبہ کے سوالات جن کی طرف وسوسہ و خیال بھی جاتا مشکل۔ میاں سعید کہتے تھے کہ پرچہ امتحان پڑھتا تو معلوم ہوتا تھا کہ ایک سوال کا جواب بھی ہندو سکول کا مگر قلم اٹھاتے ہی مضامین کی اس قدر آہٹ ہوتی تھی کہ گھبراتا تھا پہلے کو کسی بات لکھوں۔ شرح صدر کی یہ کیفیت تھی کہ مشکل سے مشکل سوال پانی بن جاتا تھا کہ غلطی کا وہم بھی نہ ہوتا تھا۔ امتحان ختم نہ ہونے پایا تھا کہ کامیابی کی توقع ہو چلی اور امنگ بڑھ گئی تھی۔ دیکھتا تھا کہ تمام ہندوستان کے قابل لوگوں کا مقابلہ ہے جن میں ہندوستانی بنگالی مدراسی پنجابی ہندو مسلمان اور انگریز سب ہی تھے کہ سیکڑوں کی تعداد میں ایم۔ اے۔ اس کثیر تعداد میں تحریری امتحان نے غالباً صرف انہی کو پاس کیا جن میں میر انبیر نمایاں تھا مگر ضرورت تھی صرف چالیس کی، اس لئے چوتھے دن تقریری امتحان کا نمبر آیا۔ یہ تحریری سے بھی زیادہ مشکل تھا۔ محض چند افسر تھے جن کو اختیار تھا کہ اپنے اپنے مذاق کے موافق امیدوار کی قابلیت کا اندازہ کرنے کے لئے ملکی اخلاقی سیاسی مذہبی ہر طرح کے سوالات کریں۔ نیز امیدواروں کی نقل و حرکت انداز گفتگو طریقہ جواب۔ قطع قلم لباس نشست برخاست عزم استقلال سلیقہ ہر بات کا جائزہ لیں اور جو چاہیں سوال ہیں سے سوال پیدا کرنے پئے جائیں۔ اللہ کی قدرت کہ نمبر وارجا ہوں محض سوالات سے اس طرح فارغ ہوئے کہ میاں سعید کے ہر جواب پر سرور و محفوظ ہو کر ہنس ہنس پڑتے تھے۔ ایک ماہ بعد سب سے اول ایک دوست کے مبارکبادی کے تار اور اگلے دن انگریزی اخبارات کی اشاعت سے معلوم ہوا سیکڑوں امیدواروں میں سب سے اول رہنے کا سہرا حق تعالیٰ نے دعا و خلیل ہی کے سر رکھا کہ میاں سعید مجموعہ ہی میں نہیں بلکہ فرداً ہر ہر مضمون میں اول رہے۔ چنانچہ ذرا ہی بعد امتحان نتخواہ پر نقرر ہوا اور اب ماشاء اللہ گورنمنٹ آف انڈیا میں اسسٹنٹ ہیں۔

ایسے واقعات اگر شمار کئے جائیں تو صد ہا بلکہ ہزاروں نکلیں گے مگر آپ کے معنوی کمالات بالخصوص استقامت علی الدین اور اتبلع سنت محمدیہ میں فنایت کے سامنے ان کی نہ کوئی وقعت ہے نہ شان اس لئے مجھے خود اس سے کچھ پی نہیں اور پی سمجھتا ہوں کہ آپ کی طبیعت کو قدرت نے اتبلع سنت نبویہ کا سانچہ بنا دیا تھا اور اللہ و رسول کے ساتھ وہ محبت جو خون کی طرح آپ کی رگ رگ میں جاری و ساری تھی آپ کی مبارک طوین زندگی کے لمحہ لمحہ کو ایک بے نظیر مستقل کرامت بنائے ہوئے تھی۔ آپ کا عمر بھر بنی خدمت میں نہاں حدیث میں بحر فقہ میں اجتہاد، تحریر و تقریر میں اشاعت دین، حرکت و سکون میں اظہار حق، قیام و قعود میں اتبلع سنت لازمی و متعدی نفع دینی کا دم بے پایاں سمندر تھا جس میں کوئی بھی غوطہ لگانے والا غواص موتیوں سے کبھی محروم نہیں رہا اور اس بنا پر مجھے یہ کہنے کا حق ہے کہ

اولئك ابائى فجئتى بمثلهم اذا جمعتنا يا جبريل المجامع

تربیت تصرفات اور وصیت وفات

بھوک ہر چیز کے ایک تکلیف ہے کیونکہ معدہ کی اس کھرچن کا نام ہے جو انسان کو غذا کی طلب پر مجبور کرتی ہے ہر قسم کے تعب اور مشقت کا متحمل بناتی ہے۔ مگر درحقیقت بڑی نعمت ہے کہ یہ نہ ہو تو غذا کی طلب نہ ہو اور غنائے نواز انسان مرحلے پس انسانی زندگی کا مدار صرف بھوک پر ہے اور اسی نے عالم دنیا کو آباد بنا رکھا ہے ورنہ گورستان بھی دنیا میں ہے جہاں ہم جیسے بیسیوں قرن جل چکے ہیں مگر چونکہ بھوک سے خالی ہیں اس لئے مسلمان شہر اور عالم غموں میں کے باشندہ ہیں۔ بھوک کی حالت میں انسان سوکھے ٹکڑے بھی کھاتا ہے تو اس میں مزہ آتا ہے اور وہ خون بن کر طاقت پہنچاتے ہیں مگر بھوک کے بغیر ریائی و متنحن بھی کھائے تو نہ لذت آتی ہے اور نہ قوت پیدا ہوتی ہے بلکہ عجب نہیں کہ بد معاشی پیدا ہو کر ہلاکت کا سبب ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان جب اپنی بھوک میں کمی محسوس کرتا ہے تو طبیب کی طرف رجوع کرتا اور دوا و پتہ پر کولڈت پسندی پر ترجیح دیتا ہے کہ کسی طرح بھوک کھل جائے جو غذا کی طلب پر مجبور و مضطر کرے۔ اسی طرح حق تعالیٰ نے روح انسانی میں بھوک کا مادہ رکھا ہے جو اس کو روحانی غذا کی طلب پر مجبور کرتا ہے اور وہ پیٹ کی بھوک سے زیادہ اور بڑی نعمت ہے کہ اس پر آخرت کی زندگی کا مدار ہے جب نفسانی خواہشات میں پڑ جائے یا نا جنس بد دینیوں کی صحبت میں رہے یا اس بھوک سے بے پروا ہو کر کالی و غفلت کی عادت ڈال لے

لہ غفلت۔ مگر یہ میں میرا پادار تو تمہاں کے مثل لاؤں گے جبر جبر کہ تم کو مجھ میں جمع کریں۔

وہ بھوک بند یا کمزور ہو جائے تو ضرورت ہے معالجہ کی کہ کسی طرح وہ پینا ہو اور روح اپنی غذاؤں کو طلب کر کے اپنی زندگی قائم رکھ سکے جسمانی غذاؤں میں مفید اور مضر کی کوئی فہرست مرتب نہیں ہے۔ ان کا مدار صرف تجربہ پر یا کچھ طبی کتابوں کے احسان پر ہے اور یہی وجہ ہے کہ اکثر دھوکا کھا جاتا اور مفید غذا سمجھ کر بھوک میں ایسی مضر چیز کھا بیٹھتا ہے جو اس کی زندگی کو ختم کر دیتی ہے مگر روحانی غذاؤں کی مکمل فہرست جس میں تمامی مفید اور مضر چیزوں کی پوری تفصیل موجود ہے۔ حق تعالیٰ نے اپنی آسمانی کتابوں میں بھیج دی ہے جس کو شریعت اور مذہب کہتے ہیں۔

اور اسلام نے تو اس تفصیل کو اتنا حد پر پہنچایا ہے کہ ہر مفید و مضر غذا کے نفع و نقصان کے درجے بھی بتلا چنانچہ استعمال کے لئے فرض واجب سنت مستحب مباح کے مراتب قائم فرما کر ضرورت کی نوعیت دکھائی تو پرہیز کے لئے حرام مکروہ تحریم کراہت تنزیہ اور خلافِ اولیٰ کی تقسیم سے بچنے کی ضرورت کے مدارج بتادیئے اور اللہ اکملکم العلم دینکہ نازل فرما کر اطمینان دلادیا کہ اب اندیشہ نہیں کہ شاید کسی مضر کو مفید سمجھ کر کھا لینے سے ہلاک ہو جاویں۔ اس عطا کردہ مکمل فہرست پر صرف عمل کی ضرورت ہے اور وہی نجات کی کفیل ہے۔ مگر بھوک کا سوال اب بھی باقی ہے کہ روح میں طلب صادق ہوگی تو وہ روحانی غذا ان کے استعمال اور شریعت پر عمل کی محک بنے گی ورنہ بادل ناخواستہ کیسی ہی قوی غذا کا استعمال کرے وہ بیکار بلکہ عجب نہیں منافقوں کے اعمال کی طرح مہلک و مضر ہو۔ چونکہ بھوک کے بغیر غذاؤں کی فہرست پر عمل دشوار تھا اس لئے حق تعالیٰ نے طیب و معالج بنا کر اپنے پیغمبروں کو بھیجا کہ یہ کیہم سے ان کی شانِ معالجہ بیان فرمائی اور مخلوق کو بتلایا کہ ان کی محبت میں رہنا ان کی عقیدت و محبت رکھنا قدرتی قانون کے موافق تمہاری روح کو ان کی روحانی قوت میں مغرب کر دیا اور جو بچی بھوک ان کے قلوب میں ہے وہ تمہارے قلوب میں اس طرح آئے گی جیسے لوہے میں مقناطیس کے ساتھ صحت و تعلق رکھنے سے مقناطیس کشش پیدا ہو جاتی ہے۔ اور پھر تم کو خود محسوس ہو گا کہ ابتداء شریعت اور مریضی الہیہ پر چلنے کی طلب تم کو رغبت ہے یا کسی شرم و دباؤ کے لحاظ میں پس اب یہ کوئی علمی سوال نہیں جس میں مباحثہ کی ضرورت ہو بلکہ مشاہدہ اور تجربہ کے متعلق بات ہے کہ اپنے قلب کو خود ٹٹو۔ اگر وہ عبادات و مریضات الہیہ کا ایسا طالب ہے جیسا روزہ دار شام کو سچی بھوک لگنے کے وقت افطاری کا طالب ہوتا ہے تو بیشک تمہاری بھوک

سہ آیت شریفہ ہے۔ آج میں تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ سہ ان کو پاکیزہ بناتے ہیں (برائیوں سے دور کرنے اور عذروں سے زینت بخشنے میں)۔ سہ وہ لوہے کا ٹکڑا جس کو مقناطیس بہتر عمل لیتے ہیں خود اس میں بھی لوہا کھینچنے کی تاثیر ہو جاتی ہے۔ عہ بلا فلوں اور بے توجہی کی عبادت پر ثمرات نہیں گئے گو فرض اور اقراء پلے گا۔ بادل ناخواستہ یہ نہیں کہ دل نہیں چاہتا پھر پر بھی تو اس پر توجہ ہے۔

قائم ہے اور تم کو معالج کی ضرورت نہیں۔ اور اگر ایسا نہیں بلکہ برعکس ہے تو گو یا تمہاری بھوک بند ہے اور اندیشہ ہے پوری ہلاکت یعنی سویر خاتمہ کا۔ یا رغبت تو ہے مگر پوری اور کامل نہیں ہے تو بھوک میں کمی ہے اور وہ بھی خطرے خالی نہیں کہ مبادا بڑھ کر مرض کو علاء علاج نہ بنادے۔

اللہ کے پیغمبروں کے قلوب ایک برقی قوت کے مخزن اور مقناطیس کی کشش کے سرچشمہ ہوتے ہیں اس لئے قلوب کو اپنی طرف منجذب کر کے اول ان میں بھوک پیدا کرتے اور پھر دوسروں میں بھوک پیدا کرنے والی برقی قوت پیدا کرتے ہیں، جن میں یہ طاقت معتدبہ آجاتی ہے وہ شیوخ طریقت کہلاتے ہیں اپنے معدن یعنی مشکوٰۃ قلب محمدی سے روحانی بھوک کی پیدا کرنے والی اسفود حاصل کر کے اپنے زمانہ کے مریدوں کو پاس بٹھا کر سینے سے سینہ لگا کر کچھ دوا اور کچھ پرہیز کا پابند بنا کر ان کے قلوب میں بھوک پیدا کرتے ہیں۔

سلوک و طریقت اسی کا نام سلوک و طریقت ہے اور یہی بیعت و کتاب کا مقصد ہے پس طریقت در حقیقت شریعت ہی پر عمل کا نام ہے کوئی شے زائد نہیں مگر بشرطیکہ اس کی بھوک ہو

کہ رغبت و شوق کے ساتھ اس پر عمل ہو۔ لہذا اگر یہ خلاف شرع ہے تو مریضیات الہیہ کا خود بھوکا نہیں وہ کسی قلب میں اس بھوک کو کس طرح پیدا کرے گا۔ آئیں گے کہ خود کم است کرا رہی کند۔ اور اگر شیخ شریعت ہے مگر دوسروں میں بھوک نہیں پیدا کر سکتا تو گو تندرست ہے مگر معالج طبیب بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اسی بھوک کا نام فطرۃ ہے کہ فطرۃ اللہ التي فطر الناس علیہا لا تبدل یخلق اللہ۔

ہر یکاں بھوک کو اپنی زندگی بھر کا رفیق بنا کر اپنے ساتھ لانا ہے کہ ماں کے پیٹ سے جدا ہو کر گھوارہ دنیا میں قدم رکھتے ہی غذا کی طلب میں چینا چلاتا اور ہاتھ پاؤں ہلاتا ہے شیخ ماں اس کی ناتوانی اور احتیاج و طلب کو دیکھ کر اسے اٹھا لیتی اور آغوش میں لیکر وہ پستان اس کے منہ میں دیدیتی ہے جس میں مادرانہ محبت کی وجہ سے دودھ خوش مازنا اور بچہ کے ذرا چوسنے سے ابل ابل کر اس کے منہ میں بھرنا چلا جاتا ہے یہی حال روحانی بھوک کا ہے کہ پیدا ہونے کے ساتھ ہی قلب میں پیدا ہوتی ہے اور بڑے ہو کر بری طرح صحت یا عادت اور رواج میں ڈوب کر کم یا بالکل بند ہو جاتی ہے چنانچہ حدیث میں ہے: کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواه یهودانہ وینصرانہ

لہ طلب پیدا کرنے کے معالج کی وردہ آگے کے ہر کام میں روحی معالج کی حاجت ہوگی۔ شہ قابل اعتبار۔ شہ صحیح پیر۔

شہ کان یعنی حضور کے دل مبارک کے نور کے مقام سے۔ شہ یہ طریقہ عمل ہے اسی کو طریقت کہتے ہیں۔ مگر انہوں نے دھوکہ دینے کے لئے کچھ کا کچھ گھڑ رکھا ہے۔ خیال تو کیجئے دین تو صرف دی ہے جو اللہ نے پیغمبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لے کر پہنچایا اور اس کی تشریح جو اس کے خلاف ہے وہ دین کیسے ہو سکتا ہے۔ شہ جو شخص خودی گمراہ ہے کس کی رہبری کر سکتا ہے۔ شہ اللہ کی تخلیق جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اور اللہ کی تخلیق کو کوئی بدلتے والا نہیں۔ شہ ہر بچہ تخلیق الہی پر پیدا کیا جاتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی و نصرانی اور آتش پرست بنا لیتے ہیں۔

ویمجسمانہ ہاں اگر وہ بھوک قائم رہے اور اپنی غذا کی طلب میں ذرا بھی بلبلائے اور ہاتھ پاؤں ہلائے تو رحمت الہیہ میں جوش آجاتا اور وہ ماں سے زیادہ اس کی مرہبہ بن کر اپنے آنکھیں لطف و کرم میں اس کو پرورش کرنے لگتی ہے اپنی محبت اس کو عطا فرماتی اور اپنے اولیاء کے قلوب سے انوارِ قدسیہ اس کے قلب میں پہنچاتی اور اس کو جوان بنا دیتی ہے۔

پس طریقت اور سلوک معالجہ روحانی کا نام ہے جس سے روح کی ظلمت و کثافت دور ہو کر وہ بھوک اصل حالت پر آجائے جو فطرت میں ودیعت ہے اور اسی لئے عمروں کا تفاوت مزاجوں کا اختلاف مشاغل کا تنوع طبائع کا تخیلف اور زمانہ کا انقلاب طریق معالجہ کو بدلتا رہتا ہے کہ ہر طبیب مقصود صحت قلب کو مدنظر رکھتے ہوئے جو طریق بھی جس مریض کے لئے مناسب پاتا ہے اس کو عمل میں لاتا ہے جیسے جہاد کا مقصود ہے کفار کو مغلوب کرنا مگر طریفہ جنگ میں امیر لشکر کو اختیار ہے کہ جو صورت غلبہ کے لئے مفید پائے خواہ تیر اندازی ہو یا توپ و تفنگ کی گولہ باری اس کو اختیار کرے اس کو کوئی عاقل بدعت نہیں کہہ سکتا۔

اب بھوک کے ساتھ ایک اور چیز ملاو یعنی محبت۔ کیونکہ بھوک کا کام صرف اتنا ہے کہ غذا کی طلب پر مجبور کرے اگرچہ وہ غذا ادنیٰ اور اتنی قلیل ہو جس سے صرف وعدہ کی کھرچ جاتی رہے۔ مگر محبت میں قدرت نے طلب کا کچھ ایسا مادہ رکھا ہے کہ سمندر کے پانی کی طرح جتنا بھی پیاجائے وہ پیاس کو بڑھاتا اور کسی حالت پر بس نہیں کرنے دیتا۔ بھوک میں طالب کو اپنا نعب و تکان محسوس ہوگا مگر محبت میں طالب کو بجائے تعب کے لذت آئینگی اور اس کو طلب محبوب میں اپنی جان کا دینا بھی پیارا معلوم ہوگا۔

مجنون کا قصہ سنو، لیلیٰ کی محبت میں اس کا حال اتنا شکستہ ہو گیا تھا کہ دیکھنے والوں کو ترس آتا تھا مگر اس نے کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خواہش نہیں کی کہ یہ محبت اس کے دل سے نکل جائے جس نے اس کو تکلیفوں کا تختہ مشق بنا رکھا تھا۔ اس کے باپ نے مرض کو لا علاج پا کر آخری تدبیر یہ کی کہ اپنے ساتھ حج کو لایا اور بیت اللہ کا دامن پکڑا کر اس سے کہا کہ دعا مانگ یا اللہ میری خطاؤں کو معاف فرما اور لیلیٰ کی محبت میرے دل سے نکال لے۔ مگر وہ دعا مانگتا ہے۔

المی تبت من کل المعاصی الیک فقد تکرث الذنوب
واما من ہوی لیلی وشرکی زیارتھا فانی لا ا توب

یا اللہ سارے گناہوں سے تو یہ کرتا ہوں مگر لیلیٰ کی محبت اور اس کی زیارت کے شوق سے توبہ نہیں کرتا۔

لے یعنی مقصود صحت قلب ہے وہ نصیہ ہے باقی اذکار و اشغال اور ان کی صورتیں یہ خود مقصود نہیں ہیں تو باری آلات و ذلے ہیں جیسے جہاد میں تیروپ بم جیسے جہادیں توپ کا استعمال بدعت نہیں یہاں اشغال بدعت نہیں کہ خود ان کو مقصود و ثواب نہیں قرار دیا جاتا

طیقت میں جا رہا، روحانی اندازوں کی بھوک پیدا ہوتی ہے، دوسرے ساتھ ساتھ حق تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے طالب ہر دم امتثال امر محبوب کے لئے تیار اور ہر وقت اس کی رضا جوئی میں ڈوبا رہتا ہر صاری مشریت پر عمل اس کو آسان نظر آتا ہے محض بھوک رفع کرنے کی خاطر نہیں بلکہ محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس کا متمنی ہوتا ہے کہ اس جیسی ہزار شریعتیں بھی ہوں تو ان پر عمل کروں گا اور عمر کا محظہ محظہ بھی ایک نئے حکم سے جکڑا ہوا ہو تو اس کی تعمیل میں زندگی ختم کر دوں گا۔

فریاد سے شیریں کی فرمائش ہوئی کہ پیار کھود کر دودھ کی نہر اس کے مکان تک لائے تو اس نے یہ بھی نہ پوچھا کہ ایسا ہونا ممکن ہے یا ناممکن۔ بلکہ کام میں لگ گیا اور کوہ کنی میں لذت معلوم ہوئی۔ جب فانی مخلوق کی ذلیل محبت کا یہ اثر ہے تو کیا پوچھنا حق تعالیٰ شانہ کی محبت کا کما میں مرکبنا تو عین حیات ہے۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لگائے ہوئے باغ میں کوڑیاں بلکہ ان گنت پھول کھیلے اور جبکہ جن کو الیہ اللہ کہتے ہیں۔ اور گورنگ سب کے مختلف اور بوسب کی جدا تھی مگر ان کی مرثت و آب پاشی صرف اسی محبت سے ہوئی تھی کہ دنیا کی ہر چیز ان کی نظروں میں ہیچ اور انتہائی، امر محبوب کے سوا ہر شے ان کو بے وقعت نظر آتی۔ کتابوں کے اور انی اٹھو اور ان محبت والوں کے قصے پڑھو تو مجسم حیرت بن جاؤ گے اور تمہارے دل میں بھی ایک گدگدی اٹھے گی۔ آخر کیوں؟ اس لئے کہ تمہارے دلوں میں بھی محبت کا مادہ رکھا ہوا ہے اور ہر جنس اپنے ہم جنس کے جاذب کشش کیا کرتی ہے مسلمان تو مسلمان کسی کافر کا دل بھی اس مادہ سے خالی نہیں۔ مگر چونکہ وہ اپنے مرکز سے ہٹ گیا اور مقصود سے غافل ہو کر محبوب حقیقی سے بہت دور جا پڑا ہے اس لئے اس کا یہ اضطرابی خوش یا سیم وزر کی طرح جھک جاتا ہے یا دنیا کے مٹ جانے والے حسن کی طرف۔ کوئی باغات کا شیدائین جانا، کوئی تعمیرات کا کسی کوچے چمڑے والی عورتوں کے ساتھ گردیدگی ہوتی ہے اور کسی نرم و نازک کپڑوں کے ساتھ عشق ہوتا ہے ہر حال کوئی نفس نہیں جو کسی نہ کسی چیز کی طرف کشش نہ کرتا ہو۔ بس یہی مادہ جب بازاری حسین کبھیوں سے متفر ہو کر ایک گھر کی مالک عفت و آب خاتون کی طرف کھینچ آتا ہے تو سرگندے مرض اور غمناک نتیجہ سے امن مل جاتا اور اس وقت بدچلن عیاش کا نام نیک وضع پاک دامن قرار پا جاتا ہے۔

محبت ایک عجیب انخاصیتہ اکسیر ہے جو کبر و نخوت کے جھاڑ جھنکار کو جس میں ہزاروں ہلک حشرات الارض چھپے ہوئے ہیں یکدم صاف کر دیتی ہے۔ خضوع و مسکنت کا بیج بونتی ہے ہمت بلند کرتی تو اضع اور زہد کا سبق پڑھاتی، طاعت میں اخلاص پیدا کرتی، رضا جوئی کا مشاہدہ کرائی، فانی اور باقی فرق ظاہر کرتی اور

سب زمیں کے اندر رہنے والے جانور کپڑے وغیرہ۔

جس قلب کو اپنا گھونسلہ بناتی ہے اس کے جسم کو انسانیت کے سانچہ میں ایسا ڈھال دیتی ہے کہ کسی عضو اور کسی حاسہ سے بھی کوئی کام خلافت انسانیت سرزد نہیں ہو سکتا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمامی کمالات جن کے ذکر کرنے سے بھی دل کو فرحت ہوتی اور مزہ آتا ہے اسی محبت کے ثمرات تھے اور آپ کی عمر شریف کے ہر لمحہ اور ہر آن کا کارنامہ جو آج قانون اور اصولی موضوعہ بنا ہوا ہمارا راہبر ہے وہ اسی آتش سوزاں کا دھواں تھا جس کو مخلوق کے دلوں میں سلگانے کے لئے آپ تشریف لائے تھے کہ ٹھنڈے سیاہ کوئلے کو اپنے سلگتے ہوئے انگارے سے چمٹائیں اور پھونک مار کر اس کو بھی سلگائیں۔ یہی ایک چیز ہے جو سینوں میں سلسلہ بسلسلہ سلگتی چلی آئی کہ سلسلہ کے ہر شیعہ کو طالب کے قلب میں آتش محبت سلگانے کیلئے اپنی چھاتی سے چمٹانا ضرور ہوا۔ مجین خدا کے قصوں سے کتاب میں بھری پڑی ہیں مگر خود محبت چونکہ بھوک کی طرح ایک وجدانی چیز ہے اس لئے دنیا میں وہ الفاظ نہیں جن سے اس کی حقیقت بیان ہو سکے۔ ہاں خود حق تعالیٰ فرماتے ہیں یحبہم ویحبونہ اور الذین امنوا اللہ حبائہ۔ اس لئے اس میں شک نہیں کہ محبت کوئی چیز ضرور ہے۔ نیز کہ ایمان درحقیقت اسی شدت محبت کا نام ہے جس کو اصطلاح دنیا میں عشق کہتے ہیں کہ مومن اس سے خالی نہیں ہو سکتا اور جو اس سے خالی ہوا ہے اس کا حاصل کرنا ضروری ہے تاکہ مومن کا مصداق بن سکے۔ البتہ اس کے مراتب غیر متناہی ہیں جن میں ادنیٰ درجہ الفت اور میلان قلب کا ہے اور انتہائی درجہ ولہ کا۔ پھر اسی کی کیفیت بڑھتی رہتی ہے اور کسی حد پر نہیں کرتی۔ یہ درجہ صرف سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوا تھا جس کی وجہ سے آپ خطاب محبوبیت سے نوازے گئے۔ البتہ نیچے کے مراتب میں جس خوش نصیب کے لئے جتنا مقدر تھا وہ عطا ہوا اور اتنے ہی میں ان پر وہ احوال طاری ہوئے کہ دیکھنے والے قیس اور فریاد کے قصوں کو بھول گئے۔

محبت کے ثمرات عجیب و غریب ہیں کہ محبوب کی طرف دل کھینچتا ہے اور اس کے پہلے ہی حلیہ میں وہ عقل و ہوش جن کے بل بوتہ دنیا کی طلب میں مرکب رہا تھا رخصت ہو جاتے ہیں۔
 حدیث حسنہ اوناکہ فردو خواندند در گوشم در آمد عشق یکبارہ مبردار عقل و از چشم
 بیچارہ بیتابی دل کو چمپاتا ہے مگر چھپ نہیں سکتی۔
 ہر چندے دارم نہاں در سینہ ام ستر تو چو جاں لیکن ہی گم در عیاں از چشم و از رخسارہ

سہ مقرر شدہ۔ سہ اللہ تعالیٰ کو ان سے محبت ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔ سہ اور جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ تعالیٰ سے بہت سخت محبت کرنے والے ہیں۔ سہ حد پر ختم نہ ہونے والے۔ سہ دل کا جھکا۔ سہ حیرانی۔ سہ محبوب کے حسن کی بات اچانک میرے کان میں ڈال دیتی تو عشق ایک دم اپنے تمام عقل و ہوش سے دور کر دیا۔ سہ بہت کچھ تیرے راز کو اپنے سینے میں سچ کی طرح چھپا کر رکھتا ہوں لیکن آنکھوں اور رخساروں سے ظاہر ہو ہی جاتا ہے۔

پھر دیدار محبوب کی تمنا اور قرب کی آرزو پیدا ہوتی ہے مگر نہیں سمجھتا ہے

ہزاراں سرد آہنجا پائمال است نظر دروے دریں جا خود محال است

با اینہم نہ جان کا اندیشہ کرتا ہے نہ مال و آبرو کا آگے بڑھتا اور اس تمنائیں مرجا بھی حصول مراد سمجھتا ہے

اگر فریادِ حاصل نہ شد پیوندِ با شیریں ہم آخر جان شیرینش برآمد در تمنائیں

ہجر و دوری سے گھر اگر محبوب تک اپنی خبر پہنچانے اور خود محبوب کی خبر معلوم کرنے کا شتاق ہو کر رسول تلاش کرتا

اور قاصد کا رامن پکڑتا ہے اور نہیں پاتا تو دیوانہ وار نسیم و صبا کو مخاطب کرتا ہے

کفی حزناً انی مقیم ببلدۃ وانت باخری ما الیک سبیل

و ان لم یکن بینی و بینک مرسل فریخ الصبا منی الیک رسول

پھر تضرع و نلای اور منت و سماجت سے محبوب کو اپنے حال پر ترس دلاتا اور عرض کرتا ہے

تم بے وسد و جانم زیر خاک شود ہنوز مہر تو باشد در استخوان لے دوست

پھر اپنے نفس کی مخالفت کرتا اور یہاں تک بڑھتا ہے کہ نفس جس چیز کو تکلیف بتا رہا ہے یہ اس کو راحت کہہ رہا ہے

اور نفس جس کو لذت کہہ رہا ہے یہ اس کو تلخی بتا رہا ہے کیونکہ اس کے لئے لذت اسی ہیں جو محبوب کی طرف سے آئے

ہر درد و رنج کو تو رسد بر دل حسریں آں محض راحت است مرا عین عافیت

آتش شوق شعلہ زن ہوتی ہے تو فریاد کرتا ہے

مشاقی و صوری از حد گذشت مارا گر تو شکیب داری طاقت نہ ماند مارا

اور قلق و اضطراب کے ہاتھوں گھبراتا ہے تو چیتا ہے

کارم ز اشتیاق تو جانم بلب رسید وز تو ہنوز خزندہ وصلے نے رسید

اب اس کی زبان محبوب کے ذکر سے اور تخیل محبوب کے فکر سے مانوس ہو جاتا ہے

لے نام تو ام شفا و امراض و زیاد تو ام حصول اغراض

لے ہزاروں سردیاں پیروں سے روندے جاتے ہیں اس جگہ اس میں نظر کر لینا بھی خود محال ہے۔ لے اگرچہ فریاد کو شیریں سہل جانا

نفسیہ نہ ہو سکا مگر کار اس کی جان شیریں تو اس تمنائیں مکمل گئی۔ لے پیائی۔ لے غم کے لئے ہوا کئی ہے کہ میں ایک شہر میں قیام

رکھتا ہوں اور دوسرے میں تجھ تک کوئی راستہ بھی نہیں۔ لے اور اگر میرے تیرے دیوان کوئی پیام لے جانے والا نہیں تو نہ سہی

کیونکہ جہاں میری طرف تجھ تک پیام رساں ہے۔ لے میرا بدن ریزہ ریزہ اور جان خاک کے پیچے ہو جائے گی مگر لے محبوب

تیری محبت میری ہڈیوں میں پیوست رہے گی۔ لے ہر وہ تکلیف اور غم کہ تیری طرف سے عنگیں دل پر پہنچتی ہے وہ میرے لئے خالص

راحت اور عافیت ہوتی ہے۔ لے شوق کی آگ لپٹیں مارتی ہے ہمارا شوق اور صبر تو جسے گزر گیا اور اگر تم صبر کر سکتے ہو تو ہم کو تو یہ

طاقت نہیں رہی۔ لے میرا کام تو یہ ہے کہ تیرے شوق میں جان ہونٹوں پر پہنچ گئی اور تیری طرف سے اب تک کسی ملاقات کی توقع میری

نہیں پہنچ سکی۔ لے وہ ذات کہ تیرے لئے تیرا نام تمام بیماریوں کی شفا اور تیری یاد سے تمام غمخوئی کا حصول ہے۔

اور کہتا ہے ۛ

واللہ ما طلعت شمس ولا غربت
ولا اہممت بشرب الماء من عطش
الا و ذکر لا مقرون بانفا سی
الا رأیت خیالاً منک فی الکاس

اور کہتا ہے ۛ

اے نام تو راحت دہا نم
گر بر سر من تو تیغ رانی
وزیراد تو پر شکر دہا نم
جز نام تو بر زبان نہ انا نم

یہ ہے وہ ذکر اللہ جو اللہ کو پیارا ہے اور جس پر نمرہ مرتب فرمانے کا وعدہ ہے کہ فا ذکر فی اذکارکم۔ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا کیونکہ محبت محبوب پر اثر ڈالے بغیر نہیں رہتی۔ آج جو بیچارہ محب ہے امتحان کے سچا ثابت ہونے کے بعد محبوب بنے بغیر نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ ارشاد ہے: قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحبکم اللہ۔ خود سوچو کیا فرق ہے گھڑی کی رفتار کی طرح اللہ کا نام رٹنے میں کہ دل کہیں ہو اور خیال کہیں۔ اور عبادت و عاشقانہ اشتیاق سے اللہ جلالت کا نام پاک لینے میں۔ کہ وہ عبادت دنیا کی عبادت و خودی اور یہ عبادت خدا کی طلب و جستجو۔ بھوک کی طلب کا مدار بھی خود غرضی پر ہے اور وہ شکم سیری پر ختم ہو جانے والی ہے۔ مگر عبادت طلب خاص مخلصانہ طلب ہے اور غیر متناہی ہے کہ مگر مرکز اور بار بھی زندہ ہوتا ہے تو یہ طلب ترقی کر کے نہ کرے گی اسی لئے اس کا صلہ بھی محبوب کی طرف سے غیر متناہی راحت یعنی خلوتی انجنت ہے کہ جیسا کام دیا انعام۔

غرض یہ محبت جب قلب میں اس درجہ پیوست ہو جاتی ہے کہ محبوب کا خیال ہمہ وقت قائم رہنے لگے اور کسی وقت بھی دل سے نہ ہٹے تو اس کا نام نسبت یادداشت ہے۔

ملکہ یادداشت

اور ایسی حالت ہو جاتی ہے جیسے دن میں انسان سب کچھ کرتا اور اس کا یقین رکھتا ہے کہ سورج نکلا ہوا ہے اور جو کچھ کر رہا ہوں اسی کی روشنی میں کر رہا ہوں اسی کا نام

یقین اور حضور

یقین اور حضور ہے اور ان مختلف اثرات کو رنگہائے نسبت کہتے ہیں کہ ایک ہی بلوغ محبت کے گوناگوں پھول ہیں جن کی بوجہ جدا ہے مگر ہر ایک واحد اور سب میں مشترک ۛ

بہر رنگے کہ خواہی جا مہ سے پوشش من انداز قدرت راے شناسم

لے خدا کی قسم نہ کہی آج تک طلوع ہوا نہ غروب مگر اس حال میں کہ تیرا ذکر میرے سانسوں میں ملا ہوتا ہے۔ ۛ اور میں نے پیاس میں کبھی پانی پینے کا قصد نہیں کیا مگر تیرا خیال پہلے کے اندر نظر آ گیا۔ ۛ لے وہ کہ تیرا نام میرے منہ کی راحت ہے اور تیری یاد سے میرے منہ شکر بھرا ہے ۛ اگر میرے سر پر تلووار چلائے تو تیرے نام کے سوا میری زبان پر کچھ نہ آئے۔ ۛ آپ فرما دیجئے اگر تم لوگ اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائیں گے۔ ۛ نہ ختم ہونے والا۔ ۛ جنت میں ہمیشہ رہنا۔ ۛ تم چاہے جس رنگ کا لباس پہن لو میں تمہارے قدر کے انداز کو پہچان لیتا ہوں۔ اثرات اور رنگ کیسے ہی الگ الگ ہوں محبت پہچان لی جاتی ہے۔

مگر سب رنگوں میں پیارا رنگ وہ ہے جو خباب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا کہ محبت کا اثر امتثال محبوب پر کہاں اعتدال تھا اور خوشان زر خرید غلام کی اپنے مولیٰ اور اقا کے سامنے ہونی چاہئے وہ آپ کی اپنے اللہ جل جلالہ کے سامنے تھی۔ ہمہ وقت اقل کے دروازہ پر حاضر ہر لمحہ حکم کے منتظر ہر امر میں طاعت کیلئے تیار اور اس کے ہر تصرف و انقلاب میں راضی و مسرور نمازیں دل لگایا توپاؤں درم کرتے گویا اسی کے لئے پیدا ہوئے تھے، اور روزہ دار بنے تو ایسے کہ ہمینہ جہینہ مسلسل ہو گیا اور چھوڑنے کا قصد نہ کیا غنی بنے تو لاکھوں درہم و دینار کے ڈھیر نظر اور ہاتھوں سے گزار دیئے اور زاہد و فقیر بنے تو ایسے کہ گھر میں ایک دینار دیکھ کر رات گزارنا دشوار ہو گیا، متاعا ہل بنائے گئے تو نو نو میسیاں رکھیں اور بار نفقہ کا پاس نہ آیا، اور سپہ سالار لشکر بنے تو ایسے کہ کوہ و جبل کو لرزہ آیا۔ دزدی کی سوئی کو تامل ہوتا ہے کہ بلبل میں چل کر ٹاپ میں مشکل سے چلے لیکن آپ کے حق تعالیٰ نے بادشاہ سے لیکر گدا تک ہر شخص کو جتنے بھی مختلف حالات دنیا میں پیش آسکتے ہیں سب ہی میں چکر دیا مگر آپ یکساں تھے اور گویا مرکز سے بندھی ہوئی رسی کے طول پر دائرہ کا چکر لگا رہے تھے کہ جنوب ہو یا شمال اور مشرق ہو یا مغرب مگر آپ کا رخ ہر حال اور ہر وقت مرکز پر پھیرا ہوا تھا۔ موسم بدلے زمانہ بدلا، حالات پلٹے، وقت پلٹا، کبھی عسروا کبھی سیر کبھی راحت ہوئی کبھی تکلیف کبھی دن ہوا کبھی رات کبھی گرمی ہوئی کبھی سردی کبھی کوئی پیدا ہوا کبھی کوئی مرا کبھی فتح ہوئی کبھی شکست کبھی تمول ہوا کبھی فقر کبھی جوانی ہوئی کبھی بڑھاپا کبھی سفر ہوا کبھی حضر کبھی بیماری لاحق ہوئی کبھی صحت کبھی سب و شتم ہوا کبھی اعزاز و احترام، گردش فلک کے نیچے جو کچھ ہونا چاہئے سب ہی کچھ ہوا مگر آپ اپنی غلامی و عبدیت کے متوالے ہر حال میں مصلوب الارادہ تھے کہ بجز براں حضور اور لبیک یا اللہ کچھ جانا ہی نہیں۔

رفقا اگر گرفت گور و پاک نیست تو بمان اے آنکہ جز تو پاک نیست

نسبت عبدیت اس کا نام نسبت عبدیت ہے اور یہی ترکہ پیری میں ان خواص اولیاء کو دیکھائی ہے جن کو اقطاب کہا جاتا ہے کہ آپ کے خاتم النبیین ہونے کے سبب اصلاح امت کے لئے جانشینی کا کام انہی سے لیا جاتا ہے۔

بات بہت دور چلی گئی مگر بلا اختیار حاصل یہ ہے کہ سلوک طریقت کا مقصود صرف یہ ہے کہ سادہ قلب میں مرضیات اللہ کی ایسی طلب پیدا ہو جائے جیسی بھوکے کو غذا کی طلب ہوتی ہے اور اس کے لئے ضرورت ہے خاص تعلیم کی کہ مجاہدہ و ریاضت کرے تاکہ بداخلاقیوں کے وہ عوارض دور ہو جاویں جنہوں نے فطرۃ کو مغلوب کر کے اس بھوک کو بند کر دیا اور اس تعلیم پر عمل کے ساتھ ضرورت ہے شیخ کے ساتھ انس اور

سہ بہت سے دن اگر چلے گئے تو کبہر و جا کچھ رہیں بس تو رہے وہ کہ تیرے جیسا کوئی پاک نہیں۔

تعلق کی کہ اس کے محب خدا قلب سے مرتبط ہو کر اپنے سیاہ کو نہ قلب میں محبت کی چنگاری لگ جائے اور وہ بڑھتی رہے اور پہنچے جہاں تک بھی پہنچا اس کے لئے مقدر ہوا۔ اس محب خدا کا شریعت پر عمل نہ جنت کی ہوس میں ہو گا نہ دوزخ کے خوف میں بلکہ اس لئے ہو گا کہ اللہ جل جلالہ محبوب ہے اور وہ جنت دوزخ پیدا نہ فرماتا تب بھی مستحق تھا کہ مطلوب بنے اور ہم طالب و شیدا۔ اور اس کے ساتھ ہی چونکہ اس کی رضا اتلوع شریعت ہی میں ہے کہ خود ارشاد فرما چکا لہذا جائز ہی نہیں کہ اس سے سرموقدم ہٹائیں۔
ماہرِ چہ خواندہ ایم قراوش کردہ ایم الاحادیث یار کہ تکرار

مولوی ظفر احمد صاحب کو جب حضرت نے بیعت فرمایا تو حجرہ میں لے گئے اور تصوف کی حقیقت مختصر مگر جامع الفاظ میں اس طرح فرمائی۔ سلوک کا مقصود یہ ہے کہ بندہ کا دل حق تعالیٰ کی مرضیات کا ایسا طالب ہو جائے جیسا کہ جسم غذا کا طالب ہے اور اس کو عبادت کی ایسی خواہش ہو جیسی جسم کو غذا اور پانی کی خواہش ہوتی ہے۔ اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ دل حق تعالیٰ کی عظمت و محبت سے پُر ہو جائے اور دوسری اللہ کی محبت و عظمت سے خالی ہو جائے۔ جن تک اغیار کی محبت و عظمت اس درجہ میں قائم ہے کہ عظمت و محبت حق سے مزاحمت کرتی ہے اس وقت تک وہ مرضیات حق کا طالب نہیں ہو سکتا اور نہ معاصی سے پوری طرح بچ سکتا ہے۔

پس اب دو چیزیں ضروری ہوں، ایک تخلیہ کہ دل کو اغیار سے پاک کیا جائے اور دوسرے تجلیہ کہ دل کو محبت و عظمت حق سے پُر کیا جائے۔ پہلے زمانہ میں مشائخ ان دونوں کی الگ الگ تعلیم کرتے تھے مگر اب چونکہ عمریں قصیر ہیں اور افکار و مشاغل بھی زیادہ ہیں اس لئے اس وقت مشائخ نے ایسا طریقہ تجویز کیا ہے جس میں دونوں مقصود ساتھ ساتھ حاصل ہو جاتے ہیں۔ اور وہ طریقہ کثرت ذکر ہے کہ طالب حق تعالیٰ کے ذکر اس درجہ مشغول ہو کہ یاد الہی اس کے ہر عین میں سراپت کر جائے۔ اس سے دل محبت و عظمت حق سے پُر ہو جاتا اور اغیار کی محبت و عظمت سے خالی ہو جاتا ہے۔ اور اسی سے مرضیات الہیہ کا شوق بڑھتا اور اس کی طلب دل میں مستحکم اور معاصی سے نفرت قوی ہو جاتی ہے کیونکہ جب وہ کہ معصیت کا ارادہ بھی کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک وحشت و ضیق اور ظلمت و بے چینی ایسی پیدا ہوتی ہے جو غیر ذکر کے دل کو محسوس نہیں ہوتی۔ اس سے پریشان ہو کر وہ معصیت پر اقدام کرنے سے

لے یعنی طلب جنت اور خوف دوزخ محض اس لئے ہو گا کہ محبوبے طلب و خوف کو بتاؤ خدا ان کی طلب و خوف نہ ہو گا۔

۳۱ فاستقم كما أمرت راہ مستقیم پر رہو جیسے تم کو حکم دیا گیا ہے۔

۳۲ ہم نے تو کچھ پڑھا بھلا دیا مولے محبوب کی بات کے جس کو بار بار دہراتے ہیں۔

رک جاتا ہے، اور اگر اتفاقاً معصیت کا صدور ہو جائے تو وحشت و دل تنگی ترقی پیکر اس کو بہت جلد توبہ کی طرف مضطر کرتی ہے کہ بدوئے سچی توبہ کے اس کو چین نہیں پڑتا۔

ذکر شغل کی تعلیم اور کثرتِ ذکر کے دو طریقے ہیں ایک وہ جو مشائخ کا معمول ہے مثلاً ذکر نفی

صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اوقات اور مختلف حالات کے متعلق ارشاد فرمائی ہیں ان پر مواظبت کی جائے میرے نزدیک ان دونوں کو جمع کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد آپ نے اپنے دستِ مبارک میں میرے ہاتھ لیکر جب معمول بیعت فرمایا اور پھر دوسو بار ذکر نفی اثبات اور دوسو مرتبہ اسم ذات کی تلقین فرمائی اور خود باقاعدہ کر کے دکھلایا کہ چار زانو بیٹھ کر آنکھیں بند کر کے لا الہ کو کامل مدد کے ساتھ گردن کی دائیں طرف لے جا کر لا الہ کو قلب پر ہلکی ضرب کے ساتھ ختم کیا۔ دو تین بار اسی طرح کر کے دکھلایا اور فرمایا کہ مشائخ کا معمول یوں ہی ہے اور اسی طرح سکھاتے آئے ہیں اس طرح نفع زیادہ اور جلدی ہوتا ہے۔ اس کے بعد ذکر اسم ذات بھی خود کر کے دکھلایا۔

اور پھر فرمایا کہ حصن حصین سے ادنیٰ تا ثورہ متعلقہ اوقات و حالات مختلفہ معلوم کر کے ان کا بھی ورد کیا جائے اور چلتے پھرتے تسبیح ہاتھ میں رکھ کر شغل پاس انفاس کی مشق کی جاوے۔ اوپر کے سانس ہیں اللہ اور نیچے کے سانس ہیں ہو کا تصور کیا جائے، یہ بہت مثنوی اور برکات ہے نیز ذکر اسم ذات میں یہ تصور کیا جائے کہ لفظ اللہ کے ساتھ ایک نور منور سے نکلتا ہے جو میرے سارے جسم کو محیط ہے اور پھر احاطہ کو اس قدر وسیع کیا جائے گویا تمام عالم کو محیط ہے اور تم اس میں فانی ولا شے ہو۔ اور لا الہ میں یہ تصور کیا جائے کہ قلب سے تمام ظلمات علائق ماسوی اللہ کو پس پشت پھینک رہا ہوں۔ اور لا الہ میں یہ تصور کیا جائے کہ قلب انوار محبت و عظمت حق سے پُر ہو گیا۔

حضرت کے سوا خ عمر بناریہ ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو نسبتِ عدیبت سے نوازا تھا کہ ابتداءً مشرک میں گھل مل جانے کے سوا آپ پر کسی حال کا غلبہ نہ تھا اور صرف استقامت کا رنگ آپ پر چڑھا ہوا تھا کہ آپ کی زبان آپ کا دل اور آپ کے بدن کا رُوں رُوں بس یہ پکارتا تھا کہ ابتداءً سنت میں فنا ہو جاؤ اور عادات ہوں یا عبادات ہر حال اور ہر امر میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو اپنا امام اپنا ہادی اپنا پیشوا اپنا راہبر بناؤ کہ مجھ اس کے کوئی صورت بھی فلاح کی نہیں سنتِ محبوب ہی وہ قلعہ ہے جس کے چار طرف قدرت نے سرب فلک دیواروں کا حصار کھینچ دیا ہے اور دروازہ پر اسن و قوی پہرہ دار

لے لا الہ الا اللہ۔ لے اللہ اللہ۔ لے عمر بھر کے واقعات۔

کھڑے کر دیئے ہیں کہ اس کے اندر شیطان کی کسی طرح رسائی نہیں ہو سکتی۔ پس ہر طرح کا امن چاہتے ہو تو اپنے آپ کو حصار کے اندر لے آؤ ورنہ اندیشہ ہلاکت سے محفوظ نہ رہو گے۔

آپ کی ساری تعلیم کا خلاصہ صرف یہی تھا اور جس طرح آپ نے اس حال پر اپنی عمر شریف کے لمحات ایام گزاریے آپ چاہتے تھے کہ آپ کے متنبین بھی اسی کے عاشق بن کر اپنی زندگیاں ختم کر دیں اور اس کے سوا کسی دوسرے رنگ کا فرہ بھی نہ چکھیں۔

موصوف کی نسبت متعلق حضرت امام ربانی مولانا گنگوہی قدس سرہ نے آپ کی نسبت کے متعلق جو ارشاد فرمایا وہ اس کی شہادت ہے کہ فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ شانہ نے میرے قرۃ العین سعید مازنی خلیل احمد کو نسبت صحابہ سے نوازا ہے اور یہ کہ تمہاری نسبت کو میری نسبت سے زیادہ قرب و مناسبت ہے۔

چونکہ محبت میں یہ خاصیت ہے کہ مغایرت کو پسند نہیں کرتی اور کان نمک کی طرح ہر شے کو اپنے رنگ میں لے آتی ہے چنانچہ المرء مع من احب سے اسی کی طرف اشارہ ہے اور یہی سلوک کا اصل الاصول ہے جس کی ابتلاعیۃ سے ہوتی ہے پس آپ اس تعارف و تعلق کو سالک کے قلب میں بڑھانے کی اولیٰ کوشش فرماتے اور اس کو تعلیم کرتے تھے کہ شیخ سے ملنا جلنا بڑھائیں۔

بیعت کے بعد خط و کتابت کی تاکید خط بھیجنے کا یا بندی سے خیال رکھیں اور جہاں اوراد و ذکر کے پابند ہوں وہیں حبیب مع الشیخ کے وسائل اختیار کرنے کی سعی کرتے رہیں۔ بعض لوگ بیعت ہو کر جاتے اور مراسلت سے غفلت کرتے تو آپ کو یہ سنی بیعت ناگوار گذرتی اور جب موقع پاتے اس پر تنبیہ فرماتے تھے۔

بہنئ میں ایک صاحب آئے اور میں نے یہ سمجھ کر کہ حضرت نے پہچانا نہیں ان کی تقریب کی کہ یہ حضرت کے خدام میں ہیں حضرت نے ان پر غور کی نظر ڈالی اور شکایت کے درجہ میں فرمایا کہ میرے پاس تمہارا کبھی کوئی خط بھی نہیں آیا پھر بھلا پہچانوں کیسے؟ عرض کیا کہ حضرت خط بھیجنے کی مجھے عادت نہیں ہے۔ بے ساختہ فرمایا مجھے بھی عادت نہیں کہ جو خط نہ بھیجے اسے یاد رکھوں۔

مولوی محمود العالی صاحب کرسوی کا خط بعد مدت آیا تو تحریر فرمایا عرصہ دراز کے بعد رعایت نامہ

ملہ آٹکھ کی ٹھنک ازل سے نیک۔ ملہ جیسے نمک کی کان جو چیز اس میں گر جاتی ہے نمک بن جاتی ہے۔ ملہ انسان اس کما مٹہ ہوتا ہے جس سے محبت کرے۔ ملہ کس قدر غلط جواب ہے یا پاس رہ کر زبانی عرض کر کے حالات کی اطلاع پر ہدایات لیکر پیروی کی جانی یا خط سے۔ جب دونوں نہیں تو خالی بیعت ہو جانے سے کیا ہوگا جیسے ڈاکٹر سے معاہدہ ہو جائے کہ ہمارا علاج کرنا پھر نہ حال بتایا جائے نہ دوا دی جائے اور استعمال کی جائے تو کیا محنت ہو سکتی ہے۔

متضمن خیریت موجب مسرت ہوا۔ ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ آپ نے ہم کو بالکل ٹھکھلادیا مگر خیر اس خط سے معلوم ہوا ابھی کچھ تعلق باقی ہے جو موجب یادآوری ہوا۔

محبت شیخ چونکہ پہلی سیڑھی ہے محبت الہیہ کی کہ جس طرح ایک نل سے وابستہ ہو کر دوسرے نل میں پانی آتا ہے اسی طرح شیخ کے منور قلب سے فیضانِ محبت سالک کے قلب میں پہنچے گا بشرطیکہ قلب طالب میں مستندانہ نشیب اور قلب شیخ کے ساتھ پوری مجاہدہ بندش ہو، اس لئے اس کے حصول کی جو صورت حق تعالیٰ نے عالم اسباب میں تجویز فرمائی ہے اس کو آپ عمل میں لاتے اور نتیجہ مولیٰ اکرم کے حوالہ فرماتے تھے کہ درحقیقت قلب میں محبت ڈالنا بطنِ مادر میں جنین کے اندر روح ڈالنے کی طرح اسی کا کام ہے۔

آپ روحانی معالج تھے اور معالجہ میں حاذق ہونے کے ساتھ حق تعالیٰ نے دستِ شفا بھی آپ کو مرحمت فرمایا تھا اس لئے جو کوئی بھی آپ کے دامن سے وابستہ ہوا وہ بالعموم کامیاب و صحتیاب ہوا چونکہ یہاں طبیب کا مطلب بیان کرنا مقصود نہیں ہے اور نہ وہ دوسروں کے لئے مفید کہ ہر مرض کا علاج جدا ہے اور ہر قسم کی تشخیص الگ۔ ہاں بالاحمال اتنا ضرور سمجھیں آیا کہ آپ کا مطرح نظر ہمیشہ یہ رہا کہ دوا کی مقدار نہایت قلیل ہو مگر دوا اثر و کثیر النفع ہو، پس میرے علم میں آپ کا کوئی خادم بھی ایسا نہیں جسے آپ نے متقدمین کے موافق چوبیس ہزار دفعہ ذکر اسم ذات تلقین فرمایا ہو۔ آپ زیادہ تر اول ذکر نفی اثبات اور اس کے ساتھ دوسرا یا تین ہزار یا چھ ہزار جیسی بھی سالک کی طبیعت اور اس کی فرصت و گنجائش دیکھتے ذکر اسم ذات بتلاتے اور بعض کو صرف چار سو مرتبہ ذکر لا الہ الا اللہ کی تعلیم پر اکتفا فرماتے۔

ذکر میں دو باتوں کی تاکید

البتہ دو باتوں کی بہت تاکید فرمایا کرتے تھے ایک یہ کہ ذکر میں عجلت نہ ہو بلکہ پورے اطمینان اور شوق کے ساتھ پورا کیا جائے دوم مواظبت اور پابندی ہو کہ کسی حال میں ترک نہ کیا جائے کیونکہ ایک قطرہ جو ہمیشہ پڑتا رہے آخر ایک دن سوراخ کر دیگا مگر بارش کے کروڑوں قطرے جو موسلا دھار بن کر ادرہ برسیں اور اُدھر ختم ہو جاویں خاک بھی اثر نہ کریں گے نیز آپ کا معالجہ زیادہ تر مرکبات سے ہوتا تھا جو معجون کا حکم رکھتی تھیں اور ان میں متعدد امراض اور مختلف قوتوں کی رعایت ایک وقت میں جمع کر دی جاتی تھی چنانچہ آپ اکثر ذکر ہی کے ساتھ مراقبہ تعلیم فرمادیتے تھے مثلاً یہ کہ ذکر میں لفظ اللہ کے ساتھ یہ تصور کرو کہ منہ سے ایک نور نکل رہا ہے جو ذکر کو اور تمام عالم کو محیط ہے۔ اور جب اس کے اثرات ظاہر ہونے لگتے تو

یعنی اصلاح و تربیت کا نہیں صرف دوتی کی طرح خیریت معلوم کرنے کا۔ یہ عرض تھی کہ اصل بات چھوڑ کر فضول میں مبتلا ہو رہے ہو۔ یہ حاجت نہ پستی۔ یہ نگاہ پڑنے کی جگہ۔

مراقبہ معیت

تو مراقبہ معیت تعلیم فرمانے کے ذکر کے وقت معیت حق کا تصور کرو کہ اللہ میرا ساتھ ہے اور پھر اس تصور کو ہر وقت اور ہر حال قائم رکھو کہ اللہ ساتھ ہے نہ جسم ہے نہ جہت نہ کوئی صورت ہے نہ کیفیت۔ ان تصورات کے قائم ہو جانے پر طالب کی جو حالت ہوتی تھی اس کو وہی خوب جانتا ہے جس پر گذری اور جس نے اس طریق کو طے کیا ہے۔ سمجھ جہاں تک علم ہے انہیں تصورات قائم ہو جائیں حضور مع اللہ کی شان پیدا ہو جاتی تھی اور پھر حضرت منتظر رہتے تھے کہ اس میں قوت اور شان تمکین پیدا ہو جائے کہ کسی وقت بھی ذہول و غفلت نہ ہو اور کوئی مشغلہ خواہ دنیا کا ہو یا دین کا اور کوئی حادثہ خواہ موت کا ہو یا ولادت کا اس حضور کو نہ مٹا سکے۔

اسی کو اہل نسبت فرمایا کرتے اور اسی کے پختہ ہو جانے پر معیت کی اجازت فرمادیا خلافت کا معیار کرتے تھے۔ جب تک اس حضور کا تمکین اور جذرِ قلب میں بیٹھ جاتا حضرت نے اپنی فراست و روحانیت سے جانچ نہیں لیا کتنے ہی حالات عجیبہ اور وادائِ حسنہ سالک پر کیوں نہ پیش آئے ہوں مگر آپ مجازِ طریقت ہرگز نہ بتاتے۔ ہاں دلدلی فرمانے اس کے شوق کو بڑھاتے وادائِ کرام کی نظر بٹاتے اور گویا محبت کے ساتھ فرمانے کہ بچو آگے بڑھو اور چلو چلو کہ مقصود ابھی آگے ہے۔ یہ جو کچھ دیکھ رہے ہو راستہ کے مناظر اور شاہی باغ کی تفریح گاہیں ہیں عنقریب وہ محبوب نظر آیا چاہتا ہے جس کے نظارہ سے مست ہو کر تمہیں اپنی بھی خبر نہ رہے گی کہ کون ہو اور کہاں ہو عزیز و دوستو لیکو لیکو کہ بس چھاتی سے لگنے والی صرف ایک ہے اور وہ اتنا دیکھنا چاہتی ہے کہ تم اس کے طالب ہو اور اس کے آغوش کی تمنائیں پریشان حال بکھرے بال یہ جنگل قطع کر رہے ہو دیکھو درخت گھبراؤ مت آیا وہ وقت کہ نگاہ دو چاہ ہوئی اور یاں خود لپک کر تم کو فرشِ خاک سے اٹھالے گی اور لوہیاں دے کر کہے گی کہ امیر ہے پچھڑے ہوئے لال جس کے پاؤں میں میری خاطر چھالے پڑ گئے۔ اس معرکہ کے سامنے راستہ کی ساری کلفت بھول جاؤ گے۔ تمہارا قلب محبت کا لذت چٹیدہ بن جائے گا کہ اب وہ تم کو جدا کر لگی تو تڑپو گے اور اڑیاں رگڑ کر اسی کی طرف ہاتھ پھیلاؤ گے۔ وہ کہے گی کہ ایک قلب میں دو کی گنجائش نہیں اور رقابت و شرک مجھے ناپسند ہے، اگر ناچا ہو تو ہمارے سوا ہر شے کی محبت و تمنا دل سے رخصت کر کے آؤ تو کیسی دنیا اور کیسی اس کی ترقی سب کو پس پشت ڈالو گے اور پروانہ وار لپک کر التجا کرو گے کہ بار الہا پروردگار ہم کو اپنا بنا لیجئے اور آستانہ سے دھکے نہ دیجئے۔ جناب خواجہ عزیز حسنین نے خوب فرمایا ہے۔

سب تمنا دل سے رخصت ہو گئی اب تو آج اب تو خلوت ہو گئی

دل میں داغوں کی یہ کثرت ہو گئی رونما اک شانِ وحدت ہو گئی

ایک تم سے کیا محبت ہوگئی ساری خلقت ہی سے وحشت ہوگئی
جی رہا ہوں موت کی امید میں مری جاؤں گا جو صحت ہوگئی

آہ یہ وہ ٹھنڈی آگ ہے جس کی سوزش میں لذت جس کے درد میں مزہ جس کی ناریت میں نور اور جس پر مرثیے میں بقاد حیات ہے کسی کا منہ نہیں کہ جو کام کرنے سے تعلق رکھتا ہے اس کو کہہ کر سمجھائے اور لفظوں سے بتا دے کہ حضرت سالک کو کہاں پہنچانا چاہتے تھے اور کس راستہ سے لے جاتے اور اس کی مرافقت کا کیا حق ادا فرمایا کرتے تھے جس نے دنیا کے کسی سفر میں حضرت کے ساتھ رہ کر اس کا اندازہ کیا ہو کہ آپ نے اس کے دکھ درد میں کتنا ساتھ دیا وہ سمجھ لے کہ یہ صرف نمونہ اور عکس تھا اس مرافقت طریقی حق کا جس کے لئے حضرت دنیا میں آئے تھے اور ہزاروں ہزار مخلوق کو ہر طرف سے پکڑتے تھے ان سے سنبھالتے دائرہ کے چکر پر اپنے ساتھ دوڑاتے پکاتے لئے چلے گئے حتیٰ کہ خود نواپنے مرکز پر پہنچ کر جس پاک مٹی سے پیدا ہوئے تھے اس میں چلے مگر محور پر چلنے والوں کو صحیح راستہ بتا گئے کہ اس دائرہ سے ایک نقطہ بھی اندر یا باہر نہ جھکیں ورنہ مرکز سے رخ پھرتے ہی خدا جانے مقصود سے کتنا دور چلے جائیں حضرت بالعموم ابتدائیں ذکر یا بحجر کی تعلیم فرماتے تھے مگر متوسط کہ سونے اور سننے والے کو تکلیف نہ ہو اور فرمایا کرتے تھے کہ اس سے مذکور کی طرف میلان اور شوق میں ہیجان پیدا ہونا ہے۔ چنانچہ حافظ فخر الدین صاحب کو تحریر فرمایا "اذکابیں آواز متوسط بلند ہونا چاہئے مگر ضرب قوت کے ساتھ ہو اور اگر ذوق شوق میں آواز زیادہ بلند ہو جائے تو مصائقہ نہیں چونکہ یہ سلوک کی ابتدا تھی اس لئے شیطان رخساندازی شروع کرتا اور قلب میں طرح طرح کے دوسوے ڈالتا تھا۔ کوئی کہتا کہ حضرت ذکر یا بحجر سے تو شرم آتی ہے تو فرماتے کہ بھائی یہ شیطانی دوسوہ ہے اس کو بے اعتداف دفع کرو اور ہمت کے ساتھ اپنے کام میں لگو۔ ایک خادم نے لکھا کہ حضرت ذکر یا بحجر سے شہرت کا اندیشہ ہے کہ لوگ کہیں گے بزرگ ہو گئے اور دیر کا احتمال ہے اس لئے مناسب ہو تو ذکر خفی تعلیم فرماویں۔ جواب تحریر فرمایا۔ انشاء اللہ شہرت اور دیر کا اندیشہ نہیں، اس زمانے میں تو ایسے لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کا نام لیں یا علم دین پڑھیں یا لکھیں یا سمجھیں یا پھر یا کا کیا موقع ہے۔ کیا تو ان افعال میں ہوتی ہے جو لوگوں کے نزدیک اچھے سمجھے جاویں۔"

کارکن کار بگذرا ز گفتار کاندہیں راہ کار آید کار

ذکر کے آداب | نیز فرمایا کرتے کہ ذکر یا وضو ہونا چاہئے بلکہ درویش سالک کو ہر وقت با وضو رہنا چاہئے اور اسم ذات ہو یا نفی اثبات اطمینان کے ساتھ خوب ٹھیرا کر کرنا چاہئے اور معنی کا بغور

لے ہم سفری۔ لے راہ خدا کی ہم سفری۔ لے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھنا۔
لے کام کر دو کام، باتیں بنانے سے درگزر کر دو کیونکہ اس میں تو کام ہی کام آتا ہے۔

محاذ رکھنا چاہئے اور بہتر ہے کہ آخر شب میں اٹھ کر تہجد کے بعد ذکر مہونا چاہئے کہ برکت اور قبولیت کا وقت ہے اور طبیعت پر اس وقت سکون و انبساط بھی زیادہ ہوتا ہے۔ ہاں کسی عذر کی وجہ سے کبھی آنکھ نہ کھلے تو دن میں جس وقت موقع پائے پورا کر لے اور آخر شب میں اٹھنے کا خاص اہتمام کرے کہ سلوک کی پہلی سیڑھی یہی ہے کسل کو پاس نہ آنے دے ہمت کو بلند کرے کہ آنکھ کھلتے ہی اٹھ بیٹھے جہاں کسمایا اور خیال کیا کہ اب اٹھوں اب اٹھوں پس وقت ہاتھ سے گیا کہ پھر سو کر اٹھنے کی ہمت نہ ہوگی۔ سالک کو خواب نظر آتے تھے کمرچ کو جا رہا ہوں، بزرگوں

سالک کو رویا پر مبارکبادی اور تنبیہ کے مجمع میں بیٹھا ہوں، بغیر کشتی و جہاز کے سمندر عبور کر رہا ہوں، حرم شریف میں نماز پڑھ رہا ہوں، فرشتوں سے مصافحہ کر رہا ہوں، ہو اس اڑ رہا ہوں، ایک قوت پر وار ہے تو زمین سے اوپر اٹھائے ہوئے خلا میں چلا رہی ہے یا مثلاً آج اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یا اور کسی نبی کی زیارت ہوئی یا مقامات منبر کہیں کسی مقام کی۔ تو ایسی تمام خوابوں پر آپ مبارکباد لکھتے اور تخریر فرماتے کہ الحمد للہ حسن احوال کی علامت ہے اور کوئی پریشان خواب لکھتا کہ سانپ پکڑے ہوئے ہوں یا شیر مجھ پر حملہ کر رہا ہے یا کتا بھونک رہا ہے وغیرہ تو اطمینان کہ یہ سب شیطانی اثرات ہیں درود مت انا اللہ دفع ہو جائیں گے اور جب ایسا خواب دیکھ کر آنکھ کھلا کرے تو اعوذ پڑھ کر بائیں طرف منھ منھو کر کے کرٹ بدل لیا کرو! ایسے وحشت ناک خواب زیادہ تر ان لوگوں کو نظر آتے تھے جو کسی نا اہل پیر کی بیعت توڑ کر ادھر متوجہ ہوتے تھے کیونکہ ان کے ذہن کا یہ تخیل و اندیشہ کہ فسق بیعت کو کوئی مصیبت نازل نہ ہو جیسا کہ منہوک پر غصہ ہو کر دعویٰ کے ساتھ کہہ دیا ہے ان کے دماغ میں متخیل ہوتا اور پھر شیطان اس میں سہارا لگاتا اور حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے اس کی طلب صادق اور سختی و ہمت کا امتحان یا جاتا تھا۔ پس ایسی صورت میں آپ اس کا ہمت زیادہ خیال رکھتے اور قلباً و جسداً ساناؤ قلما ہر طرح اس کو سنبھالتے اور پھسلنے سے بچاتے تھے۔

پوہب کی ایک مسماہ کو یہی صورت پیش آئی اور اتنی وحشت ناک خوابوں کا سلسلہ بندھا کہ خدا کی پناہ حضرت سے تجرید کرتے ہی کبھی خواب دیکھا کہ نجاست بھرے ہوئے سنڈاس میں کو گزند ہی ہوں کبھی دیکھا گھریں آگ لگ گئی اور جان بچا کر باہر جنگل کو بھاگ رہی ہوں، کبھی دیکھا الہ آباد کے اسٹیشن پر ریل کی منظر ہوں مگر ریل آکر چلی گئی اور میں حیران پریشان بیٹھی ہو گئی وغیرہ وغیرہ۔ وہ بیچاری بلکہ دوسرے سننے والے بھی یہی تعبیر دیتے کہ فسق بیعت کے وبال میں وصول الی اللہ سے محرومی ہوئی اور گندگی د

آتش عذاب میں پڑ گئی مگر اللہ ربہ استقلال وہ ہی کہتی رہی کہ جو پیر عورتوں کے مجمع میں منہ کھول کر آئے اور پردہ نشین جوان مریدنیوں سے کہے کہ میرا منہ دیکھ لو تاکہ قیامت کے دن مجھے پہچان سکو تو وہ پیر بننے کے ہرگز قابل نہیں ہے۔ اگر بیعت کا مقصود یہ ہے کہ اللہ کی محبت اور اس کے احکام کی تعمیل نصیب ہو تو پیر کا مریدوں سے زیادہ تبع شریعت ہو نا ضروری ہے پس یا کہو کہ پردہ کا حکم شریعت میں نہیں ہے اور اگر یہ غلط ہے تو بے پردہ پیر ہرگز بیعت کے قابل نہیں ہے۔ کئی جینے تک اس بیجاری کو یہ ابتلا رہا۔ آخر فضل الہی نے دستگیری کی کہ خواب دیکھا گھر میں آگ لگی اور گھر کا ریاہر نکلی، کوئی تعاقب کر رہا ہے کہ ہلاک کرے اور یہ بد حال پریشان بھاگ رہی ہے کہ جائے پناہ تلاش کرے۔ کچھ فاصلہ پر چند نورانی صورتیں نظر آئیں اور یہ ان میں گھس گئی کہ دشمن سے بچاویں۔ ایک بزرگ کھڑے ہوئے ہیں اور انھوں نے غصہ کے تیراجہ میں تعاقب کرنے والوں کو دھتکارا وہ معدوم و فنا ہو گئے اور آنکھ کھل گئی۔ خواب ہی میں قلب پر وارد ہوا کہ یہ بزرگ مولانا گنگوہی تھے۔ بس وہ دن آنتوں کے ختم کا دن تھا کہ اس کے بعد نورانی خواب نظر آنے لگے اور قلب کا سکون بڑھتا چلا گیا۔

ہونہار منتسبین پر خصوصی توجہ جن منتسبین کو آپ ہونہار پاتے ان کی طرف خصوصی توجہ فرماتے اور اولاد سے زیادہ ان کو محبوب سمجھتے تھے۔ حافظ فخر الدین صاحب کو بیعت کے بعد صرف تسبیحات بلا قید وقت وغیرہ پڑھنا تعلیم فرمایا اور حالات کی اطلاع دیتے رہے کہ حکم دیا طبیعت میں استعداد پا کر کچھ ہی دنوں بعد نفی اثبات اور ایک ہزار بار اسم ذات کا ذکر تلقین فرمایا اور چار سال تک یہی چلتا رہا کہ بھرا اللہ کا میاں ہوئے اور مولوی محمد کی صاحب کے ہاتھ سے اجازت نامہ لکھوا کر بھیج دیا۔ انشاء سلوک میں ان پر ایک خاص حالت حزن کی پیدا ہوئی کہ کھانے پینے سے بے رغبتی بڑھ گئی خوراک کم ہو گئی طبیعت ہر وقت مضطرب رہنے لگی کہ بیوی سے بولنے کو دل چاہے نہ بچوں سے بہنے کو، دوستوں سے مل کر وحشت ہوتی اور اکیلے پڑے رہنے میں مزہ آتا۔ رونے کو دل چاہتا اور جنگل کی طرف نکل جانے کی طلب ہوتی تھی۔ ہر وقت حزن کا غلبہ دیکھ کر ماں کو پریشانی ہوئی اور ان کے والد نے حضرت کو لکھا کہ بچہ کی ایسی حالت سے ماں بہت متفکر ہے حضرت نے ان کو جواب لکھ دیا کہ چند روز کی مشقت ہے اس کا خیال کر اس انشاء اللہ جلد کامیابی ہوگی اور یہ صورت نہ رہے گی۔ خود حافظ صاحب نے اپنا حال بذریعہ تحریر پیش کیا تو آپ نے جواب لکھا مبارک حالت ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متواصل الا حزان۔ پس حزن خواہ اپنے نقصان پر ہو یا محبوب حقیقی سے لے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل فکر و دل والے تھے۔

مہجوری پر ہوا خوف و رجا کی وجہ سے ہو بہو حال اچھا اور عمدہ ہے۔ نیز ناک کا قلب جب ذکر کے ساتھ منبصغ ہو جاتا ہے تو لذائذ دنیویہ سے طبع میں افسردگی پیدا ہو جاتی ہے۔ الحمد للہ شرم الحمد للہ کہ یہ نعمت میرے تحت جگر کو نصیب ہوئی، اس کے بعد جب آپ خود تشریف لائے کہ حافظ صاحب وہاں اسٹیشن پر ملازم تھے تو مسرت کے ساتھ فرمایا حافظ جی تمہارے ساتھ تو ہمارا پرانا تعلق نکلا۔ عرض کیا حضرت وہ کیسے فرمایا تمہارے والد صاحب سے خط کتابت رہی اور معلوم ہوا کہ انھوں نے تو غدر سے پہلے مولانا مملوک علی صاحب سے تحصیل علم کیا ہے اور مولانا رحمت اللہ علیہ میرے نانا تھے۔ بعض خدام پر کشف زبانی و کشف کوئی کا دروازہ کھلتا کہ رات کو واقعہ خواب میں دیکھا اور صبح کو اس کا ظہور مجسمہ ہو گیا۔ مگر آپ اس کی مقصودیت بھی ذہن میں نہ جننے دیتے تھے بعض پر حقائق علیہ کا انکشاف ہوتا اور طرح طرح کے نکات و دقائق احادیث و آیات قرآنیہ کے متعلق منکشف ہوتے تو آپ مبارکباد دیتے مگر فرماتے کہ مقصود ابھی آگے ہے۔ کسی پر مخلوق سے وحشت اور خلوت کی محنت کا غلبہ ہونا تو آپ منبھالتے اور صحرانوردی سے روکتے تھے۔

مولوی لطیف احمد صاحب حضرت مولانا رائے پوری سے بیعت تھے اور بچپن سے حضرت رائے پوری زیر سایہ پرورش پائی تھی مگر طبیعت میں آزادی تھی کہ شرارتوں کی وجہ سے حضرت نے کئی بار سزا بھی دی۔ آخر آوارہ گردی کی دھن میں وطن سے نکل پڑے اور برسوں بنگال کی طرف مارے پھرے کہ اسی درمیان میں حضرت رائے پوری کا وصال ہو گیا۔ اسی مدت میں بیسیوں پیروں کے پاس پہنچے اور سب ہی نے چاہا کہ مرید کریں۔ ایک بدعتی فقیر نے تو اتنا زور دیا کہ پچیس دن تک روکے رکھا اور جانے کی اجازت دی، مگر حضرت کے منساب کی برکت تھی کہ کسی حال میں نہ پھنسے اور آخر پچیسویں دن شب کو چوری سے نکل بھاگے اور اب گجرات کی سیر و سیاحت شروع کی۔ اس اثنا میں ایسے ناقابل بیان واقعات پیش آئے کہ عیاذ اللہ ارتداد کی طرف میلان ہوا اور ایک معزز یورپین پادری کا رقبہ لیکر احمد آباد کے پادری مسٹر مارٹن کے پاس جانے کی نوبت آئی۔ آخر معمولی میلان پر حضرت سے بذریعہ تحریر بیعت ہوئے تو کاپاپلٹ گئی اور خود لکھتے ہیں کہ حضرت کا روحانی تصرف ہے جو کہ یہ غلام مسلمان ہے ورنہ عرصہ سے کسی جگہ کا پادری بنا بیٹھا ہوتا۔ الحمد للہ کہ حضرت کی دعا سے میری نامی دنیوی مشکلات کا خاتمہ ہو گیا۔

ان کی بیعت حضرت کے قیام ہندوستان کے اخیر زمانہ کی ہے اور بیعت کے بعد شاید حضرت کی زیارت کا اتفاق رائے میں ایک یاد دہی دفعہ اور پھر آخری سفر حج کے وقت حیدرآباد میں ہو باقی کچھ تعلیم ہوئی وہ بذریعہ تحریر ہوئی اور اب ان کے احوال حسنہ قابل مبارکباد ہیں۔ بے روزگاری سے ان کو پریشانی لاتی ہوئی اور ساتھ ہی ساتھ دس و س دھنطرات کا ہجوم ہو کر ذکر کے اثر سے جنگل میں جا بیٹھے کا شوق بڑھا تو حضرت نے

تخریر فرمایا تمہاری پریشانی اور بیماری سے کلفت ہے۔ حق تعالیٰ شانہ تمہارے لئے رزق کا باب مفتوح فرمادے
تمہاری پریشانیوں کو رفع فرمادے اور اہل و عیال کو صحت عطا فرمادے۔ وسوسوں و خطرات کا کچھ فکر نہ کریں،
نہ اس کے دفعیہ کے درپے ہوں، جب اطمینان قلب نصیب ہوگا یہ سب خطرات رفع ہو جائیں گے جس وقت
فرصت ہو کرے مراقبہ کر لیا کریں جنگل میں جا کر بیٹھنا اور کھانا پینا ترک کرنا اور سبوں کا کام ہے اسلام میں یہ
نہیں ہے۔ فقط والسلام

دوسرے خط میں تحریر فرمایا آپ التزام اور اقامت کے ساتھ اپنا ورد اور وظائف پڑھتے رہیں اور پورے
کرتے رہیں، کیفیات کے پیچھے نہ پڑیں جنگل کے نکل جانے کا خیال صرف خیال ہی کے درجہ میں رہنا چاہئے۔
البتہ کبھی کسی وقت تفریح کے طور پر تھوڑی دیر کے لئے چلے جانے کا مضائقہ نہیں۔ ذکر چار زانو بیٹھ کر کرنا چاہئے
مراقبہ کے لئے کوئی بیٹھک مخصوص نہیں۔ ذکر اسم ذات ایک ضروری کرنا چاہئے۔ خواب میں حضرت نگلوہی کی زیارت
موجب برکت ہے۔ والسلام

خصت کے وقت حضرت نے ان کو مشورہ دیا کہ عاشق الہی کے ساتھ مراسلت رکھیں۔ انھوں نے
شکایت کی کہ وہ تو خرابی خط کا بھی جواب نہیں دیتے۔ فرمایا تم نے پتہ کیا لکھا تھا؟ عرض کیا خیر نگر دروازہ میرٹھ
فرمایا یہی تو خرابی ہے پتہ بھی غلط لکھا اور پھر خود بندہ کا پتہ تحریر فرما کر ان کے حوالہ کیا اور فرمایا میرے لوگوں میں
سب سے زیادہ انتظام جواب کا اسی کے ہاں ہے۔

لگی ہوئی ملازمت کا ترک آپ کو بالکل پسند نہ تھا اور کبھی اجازت نہیں دیتے تھے کہ خود کوئی ملازمت
یا سلسلہ معاش کو چھوڑے کہ کفران نعمت ہے اور اس کے وبال میں آدمی بہت پریشان ہوتا ہے۔ ذکر و غسل
تو کیا نماز بھی اطمینان سے نصیب نہیں ہوتی پھر آگندہ روزی پر آگندہ دل کسی طرح لوگ اپنے اہل وطن
اور اعزہ کی طرف سے کوفت و کلفت پا کر خواہش کرتے کہ وطن چھوڑ کر دوسری جگہ جا رہیں تو یہ بھی آپ پسند
نہ فرماتے اور لکھا کرتے کہ بھائی پریشانی سے دنیا میں کوئی بھی حالی نہیں ہے۔ پریشانیوں تو انسان کے ساتھ پیدا
ہوتی ہیں کہ جب تک انسان رہے گا پریشانیوں اس کے ساتھ رہیں گی اس لئے منہ سرائے پڑے رہو اپنی طرف
سے کہیں جلنے کا خیال نہ کرو کہ باہر جا کر قہر جانے کن پریشانیوں میں مبتلا ہو گے۔

مولوی لطیف احمد کو اہل بدعت کی طرف سے روٹی کا لطف کے ساتھ بدنی تکلیف بھی پہنچی تو آپ نے لکھا۔

اسلام علیکم آپ کی اور قاری نظام الدین صاحب کی تکلیف جو آپ صاحبوں کو پہنچی
مکتوب گرامی موجب کلفت اور موجب مرمت ہوئی۔ کلفت تو اس وجہ سے کہ دوستوں کی تکلیف موجب
کلفت ہوا کرتی ہے اور مرمت اس وجہ سے کہ جو کچھ تم صاحبوں کو تکلیف پہنچی ہے وہ فی سبیل اللہ تھی تم نے

حدیث میں دیکھا ہوگا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انشت مبارک مجروح ہوئی تھی تو آپ فرماتے تھے

هَلْ أَنْتَ إِلَّا صَبْرٌ وَمَيِّتٌ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ مَا لَقِيتُ

اہل اللہ کو یہ تکالیف قدیم سے اٹھانا پڑی ہیں یہاں تک کہ قتل تک ہوئے ہیں۔ پس اگر تم کو یا ہمارے دوستوں کو کوئی تکلیف پہنچے تو موجب سرت ہونا چاہئے۔ میراث پر درخواستی علم پیر آموز۔

حضرت کی تحریر مختصر مگر جامع اور ایسی بابرکت سیدھی سادی ہوتی تھی کہ دو فقروں میں بڑے بڑے مسائل و مراحل طے فرمادیتے تھے۔ تکلیف جسمانی ہو یا روحانی موجب کلفت بھی رہے کہ اجر کا مدار اسی پر ہے اور شان تسلیم و رضا بھی مرتب ہو کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہو رہا ہے۔ ان دو اضداد یعنی رنج و خوشی کے ایک جگہ جمع ہونے کا عملی سبق آپ نے دو سطریں پڑھا دیا۔

بعض سالکین پر بعض فی اللہ کا غلبہ ہوتا کہ وہ اپنے عزیزوں کے ساتھ جن کو معاصی یا اندازِ تحریر پر عقیدگی میں منہمک پاتے تو کوئی تعلق نہ رکھ سکتے تھے تو آپ اس کو اعتدال پر لانے

کے لئے فرمایا کرتے کہ میاں خدا بن کر تو غم نہیں آئے، اس کی مخلوق ہے وہ جو چاہتا ہے ان سے کام لیتا اللہ کی مشیت ہی ہے کہ کافر اور مومن، فاسق اور صالح سب اس دنیا میں آباد ہیں کہ شروع سے عالم کو اسی طرح چلا رہا ہے۔ نرمی و شفقت کے ساتھ ان کو سمجھاؤ کوئی نہ مانے تو یہ سمجھ کر کہ اللہ کی مشیت یوں ہی ہے چپ ہو جاؤ مگر قطع رحمی نہ کرو۔

خود مجھ پر یہ حالت گزری کہ اپنے خاندان کے بعض بڑوں کو بتلائے بدعات یا بے نمازی دیکھتا تو اندر ہی اندر جھلکراتا تھا کہ نہ زور کے ساتھ نصیحت پر قدرت تھی اور نہ ان کی یہ غفلت ضبط ہو سکتی تھی حضرت کو لکھا تو آپ کا والا نامہ آیا۔

السلام علیکم۔ بغور سنو خداوند تعالیٰ اجل و علی شانہ نے دنیا میں کافر اور مسلم دیندار اور بدین حسن اور قبیح پیدا فرمائے اور ہر ایک کو لما آخلق لہ کی طرف رغبت دی تم کسی پر داروغہ

کر کے نہیں بھیجے گئے۔ تم بقدر وسعت امر بالمعروف کے مامور ہو اور جب نہ کر سکو تو خدا کی مخلوق کو خدا پر حوالہ کرو۔ پھر کسی کی حالت کا شاہدہ آپ کے لئے کیوں سوہان روح ہے۔ دنیا میں جو چیز پیدا ہوئی ہے کتنی ہی قبیح ہو حکمت سے خالی نہیں ہے پھر قاضی شہر کے اندیشہ سے کیوں دبلا ہو۔

ماثورہ دعاؤں کی ترغیب و تاکید حضرت اپنے منتبین کو نشست برخواست خواب بیداری دخول

لہ نہیں ہے تو گرا یک ایسی اچھی کڑھ ہوئی ہے اور خدا ہی کے راستہ میں تو ہے وہ مصیبت جس سے تو نے ملاقات کی ہے۔

مکہ باپ کی میراث چاہتے ہو تو باپ کا علم سیکو۔ ۳۳ اس عمل کی جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

خروج بول براز صبح شام دن رات غرض ہر وقت اور ہر حال کے متعلق جو دعائیں حدیث میں آئی ہیں ان کی مواظبت پر اہتمام کی تعلیم دیتے اور عبادات میں بھی ابتداء سنت محمدیہ کے ہمہ وقت دھیان اور لحاظ قائم رکھنے کی تاکید فرمایا کرتے تھے کہ اس کی برکت سے محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت قلب میں پیدا ہوتی تھی۔ اور چونکہ آپ ہی دربار خداوندی کے فیوضات تقسیم فرمانے کا واسطہ و وسیلہ ہیں اس لئے برکات محبوبیت کی بارش برے لگتی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ دوسرے پیدل یا ہل میں یا نانگہ یا موٹر میں یا ریل پیجر پر راستہ قطع کرتے تھے تو آپ کے منتسبین اس میل ٹرین میں سفر کرتے تھے جس کا بردست انجن آندھی کی طرح بیسیوں اسٹیشنوں کو چھوڑا ہوا جانا تھا کہ سوئے تھے وطن کے اسٹیشن پر اور آنکھ کھلی تو منزل مقصود پر کھڑے نظر آئے اور راستہ کا کوئی جنگل پہاڑ بستی بلعہ دیا بھیل شہر یا گانوں کچھ بھی نظر نہ آیا۔

بدعت سے بچنے کی تاکید | ہاں دوا کے ساتھ آپ کو پرہیز کا بہت اہتمام تھا تھا کہ سب سے زیادہ آپ بدعت سے بچنے کی تاکید فرمایا کرتے اور سمجھاتے تھے کہ دوا کھا کر

ہند کا استعمال کیا تو دوا کا نفع کیا خاک ہو گا۔ قلب کی ساری صلاحیت کا مدار ہے حق تعالیٰ کی محبت پر اور اس کا طریق صرف وہ ہے جو اس کے اپنے محبوب اکمل نے تعلیم و تعمیل کے ذریعہ زبان سے کہہ کر اور بدن سے کر کے مخلوق کو دکھا دیا پس اس کے خلاف ذرہ برابر بھی دوسروں کی تجویز کو پسند کیا تو نہ وہ نور و برکت رہے گی جو سنت محمدیہ پر موقوف تھی اور نہ وہ حصار و امن رہے گا جو معمولات محمدیہ کے ساتھ مخصوص ہے پس بدعت کا ارتکاب تو بڑی چیز ہے اس کی رغبت اور قلب میں اس کی طرف سے وحشت کی کمی کو بھی سالک کے لئے آپ سم قائل فرماتے تھے کہ لاکھ دوائیں اور مقویات استعمال کرے مگر ساتھ میں ذلہ سانس کیا کھالے تو انجام ظاہر ہے کہ مرنے سے بچ بھی گیا تو خشکی کا دوسرا مرض انسان قوی ہو گیا جس کے سبب قوی دواؤں کا اثر بھی کمزور ہو گیا اور اب معالجہ بھی مشکل ہو گیا۔

سالک جتنا بھی سنت کے دامن سے چمٹے گا اسی قدر بارانِ رحمت میں جوش آئے گا اور جتنا اس سے قلباً یا جہلاً ٹپے گا اسی قدر شیطان اس پر قابو پائے گا۔

آپ کی تعلیم کا سارا لازماً دو حرفوں میں مندرج تھا کہ غارت ہو یا عبادت اللہ کے محبوب کی ہر ادا کو

لے یہ حصہ حصین اور نجات مقبول میں مل جائیں گی۔

سے بدعت کے لئے حدیث شریفہ میں ارشاد ہے کہ جس نے ہمارے اس کام یعنی دین میں کوئی نئی بات پیدا کی جو اس سے ماخوذ نہیں وہ مردود ہے اس کی دو صورتیں ہیں جو قرآن و حدیث میں نہ ہو اس کو ثواب قرار دینا، یا صرف جو جائز ہو اس کو یا مستحب کو واجب قرار دے لینا ہے اور فرمایا ہے کہ بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں ہے۔

سے قلم۔

دانتوں سے مضبوط تھا، اس پر عمل کرو اور محبت و شوق کے ساتھ عمل کرو کہ ہمارے اللہ کے محبوب پیغمبر کا طریقہ ہے۔ اس طرح اول محبوب کی محبت قلب میں آئے گی اور وہ پہچائے گی محبت یعنی اللہ جل جلالہ کی محبت تک کہ اس کی وجہ سے شوق ہوگا اللہ کو راضی رکھنے کا اور طلب ہوگی مرضیات کی فہرست معلوم کرنے اور اس پر چلنے کی۔ لہذا شریعت کے علم اور عمل کا شیدائین کر اپنی زندگی کے لمحات اس حالت پر گزارے گا جو آخرت میں بنی آدم کی غایت ہے اور جس کی تعلیم کے لئے آنحضرت رومی فداہ دنیا میں تشریف لائے تھے اسی کا نام حیات طیبہ ہے اور یہی شریعت کی روح اور طریقت کا مقصود ہے۔

اعمال میں آپ کی نظر زیادہ ان امراض پر جاتی تھی جو بانی بن کر عموماً لیتے اور لڑھیاؤں کی طرح نہ آگ دیکھیں نہ پانی سب کو بلکہ رو مغلوب بناتے چلے جاتے ہیں۔ مثلاً سودینا کہ سود لینے کو سب حرام سمجھتے ہیں مگر سودی نانا آسان ہو گیا کہ معمولی ضرورت بلکہ خرافات اور حظ نفس میں بھی بے دریغ اس پر جھکتے ہیں کہ قلوب سے بھی اس کی حرمت و وحشت کا اثر جاتا رہا۔ لہذا آپ کسی کو سننے کہ اس پر سود و قرض ہے تو بہت زیادہ تاکید فرماتے کہ اس بلائے بے دریاں سے جہاں تک ممکن ہو جلد نکلو اور فائدہ کو تنگی جھیلو ضروریات کو بند کرو مگر اس وبال کو کسی طرح نجات پاؤ جو شعلہ ناز کی طرح سارے چہرے بھوس کو لیک آں میں را کہہ بنا چھوڑی۔ اسی طرح ڈاڑھی کو منڈانا یا کتر وانا کہ ایک مشت سے کم ہو جائے آپ کے لئے بہت ہی تکلیف دہ تھا میں نے بار بار دیکھا کہ کوئی اجنبی آتا جس پر خفگی کا کوئی

ڈاڑھی کی تاکید

حق نہ ہوتا تو آپ باکراہ اس سے گفتگو کرتے اور گرانی کے سبب منہ پھیر لیا کرتے کہ ایسی حالت کا دیکھنا آپ کو برداشت نہ ہوتا تھا۔ کوئی ایسا شخص بیعت ہوتا تو سب سے اول اور سب سے زیادہ تاکید اسی کی ہوتی تھی کہ آئندہ کبھی ڈاڑھی نہ کتر وانا۔ اور کسی خادم کو اس کا مرتکب پاتے تو اول تیزی سے اور پھر غصہ کی نصیحت فرماتے اور آخرتسری بار صاف فرما دیا کرتے تھے کہ میرا تعلق ڈاڑھی کے ساتھ ساتھ ہے۔ یہ رہے گی تو وہ بھی رہے گا اور یہ قطع ہے تو اسی وقت وہ بھی قطع ہے۔

نیز فرمایا کرتے کہ نصرا بیت کا لباس ڈاڑھی منڈانا یا کتر وانا عورتوں کا مردانہ وضع سے انس کھڑا جو تہ پہننا پردہ میں کمی کرنا وغیرہ طاعون اور مہینہ کی طرح و باء عام بن کر پھیلے ہوئے ہیں کہ جسے دیکھو اس مرض میں مبتلا ہے الا من شاء اللہ۔ ان کے نزدیک گویا ڈاڑھی رکھنا شوا را اسلام اور طریقہ محمدیہ ہی نہیں اور اسلام کی صورت سے بھی وحشت ہے۔ ایسی حالت میں محبت حق کا حصول ناممکن ہے۔

انذار تعلیم و تربیت

حضرت کی تعلیم سالکین کے طبائع کی رعایت پر مختلف ہوتی تھی جو کسی ایک صورت میں محدود نہیں اداس کا ملار محض آپ کی مذاقتِ شخص اور فہمِ خدا پر تھا۔

کسی کو حشیت کی تعلیم فرمائی اور کسی کو نقشہ بندت کی کسی کو مراقبہ صمدیت تلقین فرمایا کسی کو مراقبہ معیت کسی سے ذکر کا کام زیادہ کیا کسی سے شغل کا کسی کو اوراد زیادہ تعلیم کئے کسی کو محض ایام بیض کے روزے اور تہجد اور این و اشراق کے نوافل۔ مگر یہ امر مشترک سب میں ملحوظ رہنا تھا کہ عادات میں اور احوال مختلفہ کی ادعیہ ماثورہ میں سنت کا اتبلاع اور خیال اور دھیان ضرور رکھیں اور جادہ شریعت سے چاول برابر بھی قدم نہ ہٹائیں، اور سالیکن کے لئے تو ناکہ تھی کہ صغیرہ گناہ کو بھی سانب کچھ سمجھیں اور گناہات چھوڑ کر عزیمت پر عمل کریں۔ حافظ فخر الدین ریلوے ملازم تھے اور اکثر ریلوے ملازمین کو بغیر ٹکٹ سفر کرنے کی عادت ہے۔ آپ ان کو سفر میں ساتھ لیتے تو ٹکٹ دینے کے دروازہ پر پہنچ کر آپ ان کو آگے بڑھانے کہ چلو اور اس طرح نظر ڈالا کرنے کہ ٹکٹ لیا تھا یا نہیں۔

خدا کو ساتھ کھا نا کھلاتے تو دیکھا کرتے کہ پانی کا برتن سیدھے ہاتھ میں اوپر کی طرف سے لیا یا سکون آرام کے ساتھ چامچ ملائے تو نظر رکھتے کہ پیالی داہنے ہاتھ سے اٹھائی یا بائیں سے۔ بہر حال یہ کوئی نہیں تباہ کرتا کہ حضرت کے متنبسین کو کیا تعلیم ہوئی۔ عوام سے زیادہ آپ کی طرف علماء اور اہل ذوق کا رجوع ہوا کہ اس جماعت کے ایک شخص کی اصلاح گویا ہزاراں ہزار کی اصلاح تھی۔ اس لئے آپ کی نسبت عجدیت کا نور جو آپ کی پیشانی میں چمک رہا تھا ان قلوب کو زیادہ کھینچتا تھا جو ایک قوم کے مقتدر ہیں یا آئندہ بننے والے ہیں۔ نیز آپ کی توجہ زیادہ تر اپنے مرشد مولانا گنگوہی کے ان متوسلین کی طرف زیادہ مبذول ہوئی جن کا کسب ناممورہ کیا تھا یا صرف بیعت ہو کر اس کے ثمرات سے نا آشنا تھے اور ان کی تکمیل کو آپ اپنے اوپر منجملہ حقوق شیخ سمجھ کر واجب الادا سمجھتے ہوئے تھے حضرت کے یہاں کوئی رجسٹر تھا کہ مریدین کے نام لکھے جاتے اور صحیح شمار ہو سکتی۔ مگر جہاں تک مجھے علم ہے اطراف ہند میں حضرت کے متنبسین بڑی تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں اور آخری زمانہ میں تو اتنا رجوع بڑھا کہ ایک دفعہ میں کئی کئی سو کو آپ نے اس طرح بیعت کیا کہ غلام دوڑتے پھیلادیا اور طالبین اس کو کپڑے چلے گئے جو سفر بھی آپ کا ہوا جہاں آپ نے دینی مدرسہ کی بقا اور زائرین کی تعلیم دین کا نفع اس سے اٹھایا وہیں سلسلہ روحانی کی تخم ریزی بھی فرمائی اور بدعات و معاصی سے توبہ کرا کے اتبلاع سنت پر مجھے رہنے کا عہد لیا۔ پھر جس نے کسب کرنا چاہا اس کو تعلیم دی ورنہ برکات دخول سلسلہ سے مالا مال ضرور کرائے۔

سہ جو مکہ والا ہجودہ عزیمت ہے جو عذر کے وقت نرمی کا ہے وہ رخصت ہے اور گو رخصت پر عمل کرنا بھی پسندیدہ ہے مگر نفس کو ڈھیل کا عادی بنانے میں وہ بے عزت یا غیر واقعی عذر بھی رخصت و گنجائش اختیار کر لیتا ہے جو مضرت ہوتا ہے اس لئے کوشش عزیمت کی ہوتی چاہئے کہ نفس کو ڈھیل نہ ملے اور جب واقعی عذر ہوگا تو عزیمت پر عمل ہوئی نہ کے اس وقت صحیح عمل پر رخصت کا عمل ہوگا اور نفس کی شرارت نہ چل سکے گی۔ سہ مظاہر علوم کی اساتذہ۔ سہ کما نا طریق کی دولت کا نسبت مع اساتذہ کا

رنگون کا سفر

چنانچہ حاجی محمد یوسف کی دعوت پر آپ رنگون تشریف لے گئے تو ان کی درخواست پر پورا رمضان وہاں گزارا اور دس بارہ تاجر داخل سلسلہ ہوئے جن میں محمد ابراہیم سیٹھ ابراہیم محمد منی اور محمد جیوا کرنا صاحب قابل ذکر ہیں۔

میرٹھ دہلی، کاندھلہ، گکڑنٹھی وغیرہ کا تو پوچھنا ہی کیا کہ بارہا تشریف لانا ہوا اور حضرت کی جوتیوں کے صدقے اچھے اچھے پھلدار درخت پیدا ہوئے۔ ہاں مینوات کا منظر جو آپ کی سکونت ہند کے آخری سال کا آخری نظارہ تھا ضرور قابل ذکر ہے جو قصبہ نوح کے سیدھے سادے مسلمان باشندہ محراب خاں اور نصر اللہ خاں پٹواری نے لکھ کر بھیجا ہے۔

میں تو طویل و عریض علاقہ میو قوم سے آباد ہے جو مسلمان ضرور ہیں مگر جہالت اور مذہبی ناواقفیت کے سبب ان کو مسلمان کی اصلاح کی تاکید کہنا مشکل۔ کوئی عالم اس علاقہ میں گیا بھی تو تقدیر سے

بدعتی اور زہر پرست کہ گاؤں کے گاؤں مرید کئے مگر کسی مرید کو اس سے زیادہ بیعت کا کوئی مقصود ہی معلوم نہ ہوا کہ جب چھٹے مہینہ پر کا دورہ ہوا تو ہر مرید نقد نہ لائے لیکر حاضر ہو گیا اور سیر کی نذر قبول کر لینے کو جنت کی قیمت سمجھ لیا کہ جو چاہے کروں اور جہاں چاہے رہوں۔ اول مولانا محمد صاحب نے اور پھر ان کے بھائی مولانا محمد الیاس صاحب نے اپنی مخلصانہ توجہ اس کی اصلاح اور ظلمت جہالت دور کرنے کی طرف مبذول کی اور بکھرا ہوا شہر سہا بریں کے بعد اس ملک میں جو علم دین کے نام سے گھبرا کر کانوں پر ہاتھ رکھتا تھا جگہ جگہ مکاتب قرآن مجید کھل گئے اور نو عمر بچے ان میں پڑھنے لگے۔ لگے حضرت وہاں کی حالت سن سن کر ہمیشہ مصدوم رہتے اور قلبی توجہ سے اندر ہی اندر کام لیتے ہوئے مولانا محمد الیاس کو تاکید فرماتے رہتے تھے کہ اس طرف توجہ بڑھاتے رہیں۔ آخر جب آپ نے ہندوستان چھوڑنے کی دل میں ٹھکان لی تو باوجود ضعیف اور علیل ہونے کے آپ نے میوات جانے کا غزم کیا اور تشریف لے گئے۔ یہ ایک قدرتی کشش تھی کہ آپ کا پہلا سفر اور انجان لوگوں میں جانا مگر مخلوق آپ کا نام ہی سن کر زیارت کے شوق میں گھروں سے نکلی تو یہ عالم تھا کہ قصبہ نوح ہی کے نہیں بلکہ گرد و نواح کے دیہات اور دور دور کے ہندو مسلمان بچے اور جوان ہزاراں ہزار کی تعداد میں گھروں سے نکل کھڑے ہوئے اور اس شوق میں کہ پہلے ہم زیارت کریں سب سے باہر سڑک کے دونوں طرف قطار باندھ کر دوڑتے ہوئے باندھ لے حضرت کی موٹر وہاں پہنچی تو حضرت اتر لے اور مخلوق پروانہ وار گری تو خدام کو اندیشہ ہوا کہ حضرت گرنے جائیں مگر اللہ رے ہمت سب ہی آپ نے مصافحہ کیا اور آگے بڑھے کہ دس ہزار کی گویا پیچھے تھی اور ہر شخص کی زبان پر بے اختیار

یہ لفظ جاری تھے واہ واہ پیر کیا ہیں فرشتہ ہیں۔ دل چاہتا ہے اس نور کے ٹکڑے کو دیکھے ہی جاؤ۔ پیر بہت دیکھے مگر ایسا سونہا پیر کبھی نہیں دیکھا۔

جمعہ کا دن تھا نماز ہوئی تو مسجد اندر باہر سے لبریز چھت ساری پُورے دن دور تک بند کبھی سارے ملک کو یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوا تھا۔ نماز کے بعد وعظ شروع ہوا اور حضرت قیام گاہ پر تشریف لے آئے کہ واعظ موعوب نہ ہو۔ دل کے دل وعظ چھوڑ کر حضرت کے پیچھے ہوئے کہ ہمیں تو وعظ میں یہ مزہ نہیں آتا جو پیر کی صورت دیکھنے میں آتا ہے کہ نور کی شعاعیں نکل رہی ہیں، گلاب کا پھول کھلا ہوا امک رہا ہے۔ خدا جانے کتنی دیر کا ہمان ہے۔ بس پیر کی تصویر دیکھتے ہی جاؤ، جانے پھر دیکھنا نصیب ہو یا نہ ہو۔ پھر اس بے شمار مخلوق نے الٹی پلٹی باتوں کی اپنی گنہاری زبان میں پوچھ گچھ جو شروع کی تو سننے والے پریشان ہوئے جاتے تھے مگر حضرت ہر بات کا جواب مسکرا کر دیتے اور ان کی دل لگتی دلیل سے ان کو سمجھاتے تھے۔ آخر بیعت کا وقت آیا تو ایک پر ایک گرتا اور ہر شخص چاہتا تھا کہ یہ سعادت سب سے اول مجھے حاصل ہو۔ مگر صدا کا مجمع اور حضرت کے دو ہاتھ اس لئے عامہ دور تک پھیل دیا گیا اور ایک کافی نہ ہوا تو دوسرا اور تیسرا عامہ اس میں بانڈھ دیا گیا اور دوطرفہ صف اس کو تھامے ہوئے دور تک چلی گئی۔

بیعت کے الفاظ تب حضرت نے خطبہ پڑھا اور آیت ان الذین یبایعونک نلاوت فرمائی پھر سب کو سیک زبان کلمہ طیبہ پڑھا کر ایمان کی تجدید کر کے توبہ کرائی کہ ہو عہد کیا ہم نے کفر نہ کریں گے شرک نہ کریں گے بدعت نہ کریں گے چوری نہ کریں گے زنا نہ کریں گے جھوٹ نہ بولیں گے کسی پر بہتان نہ دھریں گے، پر ایسا مال ناحق نہ کھائیں گے اور کوئی گناہ چھو یا ہو یا بڑا نہ کریں گے اور اگر ہو جائے گا تو فوراً توبہ کریں گے بیعت کی ہم نے خاندانِ چشتیہ میں نقشبندیہ میں قادریہ میں سہروردیہ میں خلیل احمد کے ہاتھ میرے اللہ ہماری توبہ قبول فرما اور ہم کو اپنے نیک بندوں کی جماعت میں محصور فرما۔ اس طرح دو مرتبہ میں تقریباً ایک ہزار میواوی داخل سلسلہ ہوئے اور ایک ہی نظر کیا اثر میں نماز روزہ کے پابند اور اتل سنت پر اتنے پختہ کہ جان جائے مگر ایمان نہ جائے۔

نسبت کی کشش حضرت کی نسبت میں کشش بہت تھی بارہا تجربہ ہوا کہ حضرت نے کسی کو سہارنپور میں یاد کیا اور فوراً ہی اس کے دل میں حاضری خدمت کے لئے بے چینی واضطراب پیدا ہوا۔

مولانا عبد اللہ صاحب مرحوم بعض دفعہ رات کو تھکا بھون میں اٹھے اور سہارنپور چلنے کی تیاری کی۔ لوگ کہتے کہ ریل نہیں مل سکتی کہ صرف دس منٹ باقی ہیں اور اسٹیشن دو میل ہے۔ مگر فرماتے کہ مجھے جاننا ضرور

ریل کے پانے، مگر ریل مل جاتی اور واپسی پر احباب دریافت کرتے تو فرماتے کہ حضرت نے یاد فرمایا تھا اس لئے قلب میں بے چینی پیدا ہوئی اور اسی وجہ سے ریل مل جانے کا مجھے پورا وثوق بھی تھا۔ چنانچہ حضرت نے دیکھتے ہی فرمایا میں تو یاد ہی کر رہا تھا۔

حاجی محمد خاں مرحوم خوجوی جو گھوڑوں کی تجارت کے سلسلہ میں کابل گئے اور امیر عبدالرحمن خان مرحوم کی ملاقات سے مشرف ہوئے تھے بکتے تھے کہ میں خوجوی میں تھا کہ دفعۃً قلب پر تقاضہ ہوا بلند شہر چل۔ ہر چند اس تقاضہ کو رد کیا مگر رد نہ ہوا آخر اسٹیشن پر آیا اور مجھ اپنے اوپر مرض کا شبہ ہوا کہ آخر آج سفر کس لئے کر رہا ہوں اور بلا وجہ یہ تقاضا کیوں ہے؟ معلوم ہوتا ہے مجھے مراق ہو گیا یا ہونے والا ہے، اسی ادھیڑ میں ریل پر سوار ہو کر بلند شہر کے اسٹیشن پر اتر۔ دیکھتا ہوں کہ ایک بیچ پر حضرتؒ اور مولانا محمود حسن صاحب بیٹھے ہیں۔ میرا دل خوش ہوا کہ خیر یہ سفر بیکار نہ گیا۔ پاس آ کر حضرت سے مصافحہ کیا تو سنا کہ فرمایا میں تو نہیں یاد ہی کر رہا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کی یاد تھے تو مجھے ایسا مضطرب بنا دیا کہ مجھے اپنے دل غ پر مرض کا شبہ ہو گیا تھا اور اگر اس وقت جا نہ ملتے تو مجھے ڈاکٹر کے پاس جانا پڑتا۔

مولوی ظفر احمد صاحب اپنے بالائی حجرہ میں بیٹھے مشغول ذکر تھے کہ دفعۃً نیچے آنے کا دل پر تقاضا ہوا۔ ذکر ملتوی کر کے نیچے آئے تو دیکھتے ہیں کہ حضرت کسی کے انتظار میں کھڑے ہیں۔ عرض کیا حضرت کیا مجھ سے ارشاد فرماتا ہے؟ فرمایا ہاں ذرا چارپائی بچھا دو میں لیٹوں گا کچھ تعب سا معلوم ہوتا ہے۔ ایسے واقعات صد ہا ہیں اور یہی قوت تھی جو سالکین و متنبین کو مغرب کرتی اور بہت جلد اپنے رنگ میں رنگ لیا کرتی تھی۔ ہمت بھی حضرت کی بہت عالی اور عزم اتنا قوی تھا کہ دنیوی معاملات میں بھی آپ حوالہ دہ کر لیتے اس سے ہٹتے تھے تو اور دینی امور یا مخصوص تربیت سالکین میں تو آپ کی توجہ اور ہمت ایک بڑی چیز تھی کہ قوی تر انجن بن کر ہزار ہا میں بوجھ سے لدی ہوئی بیسیوں گاڑیوں کو یکدم محرک بنا دیتی اور ان کی آن میں کہیں کا کہیں پہنچا دیا کرتی تھی مگر اس کا تعلق صرف انہی سے ہی جن کو اس کی ضرورت ہوتی اور انھوں نے مشاہدہ کیا۔

بمبئی میں سیٹھ محمد عمر صاحب کہ بچپن سے آزادی لئے ہوئے تھے وطن سے کل کر ایسی خرافات میں مبتلا ہوئے کہ ان کے عزیزوں کو بچاؤ کا شکل تھا کہ ہندو ہے یا مسلمان تمام بمبئی میں بچوں اور شہر دلوں کی کمان ان کے ہاتھ میں تھی کہ عزت و آبرو والے ڈرتے تھے جس کے چاہا۔ سر بازار جوتے مار دیتے اور پولیس جدا گھبراتے تھے کہ اوباشوں کا بڑا جڑ کہ زیر فرمان تھا۔ آخر جب وقت آیا اور حضرت سے مرید ہوئے تو ایک ہی نظریہ کا کام کر گئی اور مسجد کا ملا بنا دیا۔ ہر شخص حیران تھا کہ یہ مجھ عروہی ہے جو پہلے تھا یا کوئی دوسرا ہے۔ وہ لوٹ پوٹ ہی دیکھا نگاہ کی جس پر کسی کے بس کا نہ تیرے کماں نہ ہوا۔

مولوی حبیب احمد نارتولی نے خواب دیکھا کہ حضرت مجھے میدوں سے مار رہے ہیں کہ میں دو دو گز پر سے جا پڑتا ہوں اور پھر بار کا مزمہ لینے قدموں میں آ پڑتا ہوں۔ صبح کو حضرت سے خواب عرض کیا تو فرمایا ہاں۔ کلام کسی کا اور نام کسی کا حضرت کو حاضرین کے تباہ و وسوس پر بھی بہت جلد اطلاع ہو جاتی تھی۔

ایک مرتبہ آپ مولوی عبداللہ جان کے پاس جانے لگے اور مولوی ظفر احمد صاحب کو ساتھ لیا۔ راستہ میں ان کے قلب میں یہ خطرہ گزرا کہ حضرت ایسے جہلمیں کے پاس از خود کیوں تشریف لے جاتے ہیں۔ اگر وہ التجا و درخواست کرتے تو مصائفہ بھی نہ تھا۔ فوراً ان کی طرف متوجہ ہو کر حضرت نے فرمایا مولوی عبداللہ جان کا دل بہت اچھا ہے گو ظاہر دنیا داروں جیسا ہے۔ مولوی ظفر احمد صاحب پر یہ سن کر گھڑوں پانی پڑ گیا۔

مولوی حبیب الرحمن صاحب ہواروی حضرت کے سفر حج سے قبل حاضر خدمت ہوئے تو خیال ہوا کہ مسلمات کی اجازت حضرت مجھے بھی عطا فرمادیتے۔ حضرت نے ادھر منہ کر کے فرمایا مولوی حبیب الرحمن تم بھی طلبہ میں چل بیٹھو مسلمات کی اجازت لے لو۔ خوشی سے پھولے نہ سمائے مگر ساتھ ہی خیال ہوا کہ صحاح کی اجازت بھی مل جاتی تو حضرت نے پھر متوجہ ہو کر فرمایا صحاح کی بھی اوائل سادہ اجازت دیدوں گا۔ دوسری خوشی ہوئی مگر فکر ہوا کہ کوئی شناسا بھی نہیں کتابیں کس سے مانگوں تو تیسری بار حضرت نے ادھر رخ فرمایا اور کہا جاؤ کتب خانہ سے کتابیں لے لو۔ سچ ہے بن مانگے موتی ملیں اور مانگے ملے نہ بھیک فرماؤ و شاداں اٹھے اور حسب مراد اجازت حاصل کی۔

بیعت کے موقع پر طلبہ صابق کا امتحان | حضرت ابتداً بیعت میں سائل کی طلب کا امتحان ضرور لیا کرتے اور چونکہ روحانی نفع کا مدار اسی

طلب پر ہے اس لئے جب تک فراست و وجدان سے اس کا اطمینان نہ فرمایا لیتے اس وقت تک بیعت نہ کرتے تھے۔ بار بار دیکھا کہ کسی کو حضرت نے درخواست کرتے ہی بیعت فرمایا اور بعض کو ہینوں ٹالا۔ اور حسب جواب دیا ہی دیا کہ تمہارے بھون جاؤ یا یہ کہ راہ پور جاؤ۔ آخر معلوم ہوا کہ حقیقتہً اس کو تذبذب تھا اور جب توحید و مطلب حاصل ہو کر یک درگیر محکم گیر کا مضمون حاصل ہوا اسی وقت حضرت نے بیعت فرمایا۔ سید شیر محمد صاحب نے کہ خلیفہ ہیں مولانا محمد انوری کے ایک مرتبہ عرض کیا کہ حضرت یہ پیر زادے اور مولوی اکثر محروم کیوں رہتے ہیں؟ فرمایا پیر زادے تو باب کے بعد اپنے کو پیر سمجھ بیٹھے ہیں اور مولوی تحصیل علوم کے عالم فاضل ہو جاتے ہیں کہ آئندہ کسی شے کی ضرورت نہیں سمجھتے حالانکہ جب تک بزرگوں کے جوتے میرے نہیں کئے جاتے تب تک حالت نہیں بنتی۔

لے ایک در کہ پڑ و مضبوط پکڑو۔

علم محض آکہ ذریعہ ہے عمل کا اور عمل کے بعد ایک درجہ ہو حال کا
کہ عمل کو اعضا بدن سے تعلق ہے اور حال کو قلب سے کہ عمل کا
محرك قلب ہو، اور یہ نصیب نہیں ہو سکتا جب تک کہ حق تعالیٰ کی

محبت و عظمت قلب میں راسخ اور جاگزیں نہ ہو جائے پس جس طرح بادام میں ایک پوست ہے کہ محافظہ
کری کا مگر گری کے اندر ایک روغن ہے کہ گری سے مقصود وہی ہے۔ اسی طرح علم اگرچہ موثر عمل ہے
مگر عمل سے بھی مقصود صرف وہ حال ہے جو عمل میں ایسا کھلا ملا ہے جیسے گری میں تیل۔ کہ وہ نہ ہو تو جھپکا
جلانے کے قابل ہے اور گری پھینک دینے کے قابل۔ چونکہ عمل کا روغن یعنی شوق و اخلاص اور صلاوات
و حسن نیت سلوک کے بغیر نصیب نہیں ہوتا اس لئے علما کو خائفانوں میں بیعت و کتاب کی ایسی
ضرورت ہے جیسے پڑھنے کے بعد گنتی کی اور سیکھنے کے بعد مشق و تمرین کی ورنہ ایم اے پاس کرنے والا بھی
تعلیمی یا تجارتی یا صنعتی کام میں نہ کھل سکتا ہے نہ بے تکلف کھل کر آزادانہ اس کو انجام دے سکتا ہے
مگر علما یا تو علمی کو مقصود بالذات سمجھ لیتے ہیں کہ عمل کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے۔ اور آگے بڑھے بھی تو
بس عمل کو کافی سمجھ کر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ ابھی ان کو آخری درجہ اور طے کرنا ہے جو سب میں زیادہ
اہم اور ضروری ہے کہ اس کے بغیر علم موجب وبال ہے اور عمل پوست بے مغز کی طرح ردی اور بیکار اور
جب اس کی ضرورت ہی ذہن میں نہ ہو تو طلب نہ ہوگی اور طلب کے بغیر قوی النسبت شیخ کے بیٹے اور
بیوی کو بھی کبھی کچھ نہیں ملا، اجنبی کو دس بیس سال رہنے سے نوکیلاں مل سکتا ہے۔

ہاں عورتوں کی بیعت میں اتنی طلب کا آپ امتحان نہ لیتے بلکہ ادنیٰ درخواست پر بیعت فرما لیا
کرتے تھے کہ صنف ضعیف ہے اور مردانہ نفاق و تصنع سے خالی۔ یا کوئی بتلائے بدعات ہوتا تو اس کے
اظہار طلب پر بھی آپ کو زیادہ کرب نہ ہوتی تھی کہ مبادا بدک نہ جائے اور سلسلہ میں جکر بند ہو جانے کے بعد
سیدھا ہو جانے کی توقع غالب ہوتی ہے۔ ایک بار سالانہ جلسہ کا موقع اور ہمانوں کے کثیر مجمع کا ازدحام
مگر دیکھا کہ آپ گھبرائے ہوئے ایک شخص کو تلاش فرما رہے تھے کہ فلاں کہاں ہے وہ بیعت ہونے کو کہتا تھا
عادت کے خلاف اس الٹی طلب و تلاش پر دیکھنے والوں کو حیرت بھی ہوئی مگر بعد میں معلوم ہوا کہ ان
کی عمر بدعات میں گزری تھی چنانچہ بیعت ہو کر ان کی کایا ہی پلٹ گئی کہ خود تنبیع سنت ہو کر کثیر اہل خاندان کو
تنبیع سنت بنا چکے۔ بیعت کے بعد عموماً آپ نماز یا جماعت کی پابندی کا حکم فرماتے کہ معراج المؤمنین ہی ہے
اور قلب میں سب سے اول اسی کا تخم جمتا ہے جو چند روز بعد ایسا سایہ دار مضبوط درخت بنتا ہے جس کے نیچے
لے عزاب کا ذریعہ ہے کہ جانے والے کا ہر گناہ نہ جانے والے سے بہت سخت ہوتا ہے۔

ہزار پیادہ و سوار آرام لیتے ہیں۔ پھر دار بھی وغیرہ کے متعلق کوئی علیٰ ضعف یا کسی بدعت میں ابتلا رکھا
اعتقاد ہی نقص ہوتا تو اس کی تصریح فرما کر نصیحت کرتے اور ہر امر میں ابتلاع سنت کا لحاظ رکھنے کی تاکید
فرما کر ہر نماز کے بعد کچھ وظیفہ پڑھنے کو بتلاتے تھے۔ مثلاً یہ کہ فجر و مغرب کے بعد سو سو مرتبہ کلمہ تجید اور ظہر کے
بعد سو مرتبہ لا حول اور عصر کے بعد تین تسبیح درود شریف اور عشا کے بعد سو مرتبہ استغفار نیز قرآن مجید کا نہ کے
بعد تسبیح فاطمہ اور کم سے کم ایک پارہ قرآن مجید کی روزانہ تلاوت۔

حزب الاعظم پر پابندی کی تاکید | اور حزب الاعظم کی ایک منزل کہ حزب الاعظم سے آپ کو خاص
محبت تھی اور اس کی موافقت کو بہت زیادہ موجب برکت

سمجھتے تھے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی دعائیں ہیں جن میں آپ نے ہر خوبی
اپنے اللہ سے مانگ لی اور ہر عیب و مضرت سے پناہ چاہ لی ہے، نہ اس سے زیادہ جامع کوئی دعا ہے نہ اس
زیادہ کسی دوسرے کی تصنیف کی ہوئی دعایاورد میں حسن ادب اور مقبولیت و حلاوت پیدا ہو سکتی ہے۔
پھر اگر مرید عالم ہوتا تو تہجد و اہلین کی نوافل بتا کر علم دین کی تعلیم یاد و سری طرح اشتغال بالعلم کی تاکید
فرمانے کہ قلب اور دماغ کا بہترین شغل ہے اور یہی اس کے سلوک کا طریق بن کر مورت شان حضور ہو جانا
تھا ورنہ دوازہ تسبیح ذکر یا کچھ یا اس کے مناسب مزاج آپ کا نور فراست جو کچھ بھی تجویز کرتا وہ اس کو خوب
سمجھا کر تلقین فرماتے تھے۔ ہاں اس تلقین میں کہ تربیت و اکتساب کہلاتا ہے پھر دوبارہ آپ طلب صادق کو
جاچختے تھے کہ طلب کے بغیر دامت والترام نہیں ہو سکتا اور پھر بتا لے سودا و بچوں کا کھیل بنا جاتا ہے۔
مولوی محمد زکریا صاحب نے ایک مرتبہ کسی مخلص دوست کے متعلق حضرت سے عرض کیا کہ فلاں کو

حضرت کے ساتھ محبت ہے مگر اس نے کچھ کرنا شروع نہیں کیا۔ حضرت اس کو کچھ تلقین فرمادیں۔ مباحثہ
فرمایا وہ پوچھے بھی یا یوں ہی بتلا دوں؟ عرض کیا حضرت سے اس کو تعلق ضرور ہے مگر یا شرم و حجاب مانع
ہے یا بے توجہی اور جب تعلق ہے تو حضرت از خود ہی ارشاد فرمادیں۔ تب آپ نے تیر لہجہ میں فرمایا میں تو
نہیں بتانا تم بتا دو۔ عرض کیا حضرت توبہ توبہ میں کیا بتا سکتا ہوں، ارشاد ہوتا ہے لکھ دوں کہ پوچھے، فرمایا
اپنی طرف سے جو چاہو لکھو میری طرف سے نہیں۔

چند روز بعد مولانا عبد القادر صاحب سے کہ حضرت مولانا راہ پوری کے خلیفہ و جانشین ہیں اور حضرت
کے ساتھ وہی محبت و عقیدت کا تعلق رکھتے ہیں جو حضرت کے متسبین کو حضرت کے ساتھ ہے اسی قسم کا تذکرہ
آگیا تو فرمانے لگے کہ مولوی صاحب مجھے تو اس کی بڑی غیرت ہے کہ بلا طلب کے بتلاؤں۔ کسی کو دس دفعہ
سے شیخ کی طرف سے تربیت بڑھانا اور ترقی دینا میری طرف سے اکتساب ان امور کو کہنا اور اپنے اندر پیدا کرنا۔

غرض ہو تو پوچھے ورنہ میری پاپوش سے۔ مگر ان بابا بیٹوں کا یہ اصول ہے کہ دوسرے ایسے تیسے کے سر ہو جاؤ۔ مولوی زکریا نے چونکہ حضرت کی پیرائے شستوں میں پرورش پائی تھی اور تعلق میں تو حضرت کے گویا قوت بازو اور ہاتھ کا قلم یا آنکھوں کی روشنی ہی تھی اس لئے حضرت ان کو بہت ہی پیار کی نظر سے دیکھتے تھے عرض کیا کہ حضرت جب اس کو اپنے ساتھ تعلق ہو تو کیا مقتضائے تعلق یہ نہیں کہ اس کی خیر خواہی کی جاوے؟ فرمایا میں منع تھوڑا ہی کرتا ہوں۔ بھی اپنا اپنا اصول ہے۔

اس کے بعد مولانا کو خطاب فرما کر اپنے داماد کی بیعت کا قصہ سنایا کہ میں ایک دفعہ محمدیامین کو ساتھ لیکر گنگوہ حاضر ہوا اور عرض کیا کہ محمدیامین حضرت سے بیعت ہونا چاہتا ہے۔ حضرت نے کچھ اعراض فرما کر کہا خوب کہا کر لائے ہو گے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے تو اس امر میں اتنی غیرت ہے کہ اشارہ بھی کسی سے نہ کہنا گوارا نہیں کہ حضرت کی طرف توجہ کرو۔ میرا شیخ تو آفتاب ہے لاکھ دفعہ کسی کا جی چاہے حاضر آستانہ ہو ورنہ جہاں چاہے بٹکا کھڑے، پہلانے پھسلانے سے مجھے تو بڑی عار آتی ہے؟ طلب اور تلقین کے تمام مراحل جب طے ہو جانے اور سالک اپنا کام شروع کر دیتا تب تو آپ کی توجہ و شفقت کی کچھ انتہاء نہ رہتی تھی۔ اب تک تو وہ طالب تھا اور آپ مطلوب مگر کتاب میں لگ جانے کے بعد آپ طالب بنتے تھے اور سالک کو مطلق سمجھتے تھے۔ توجہ کی یہ صورت کہ سالکین! نکمیں بند کر کے گردنیں جھکا کر شیخ کے گرد بیٹھیں اور شیخ اسی طرح بیٹھ کر اپنے خیال سے ان کے قلوب پر اثر ڈالے آپ کو پسند نہ تھا، مگر اصل توجہ کہ آپ سالک کا خیال دل میں رکھتے اور ہمت و عزم سے اس کی مدد فرماتے قریب و بعید دونوں حال یکساں تھا، ہاں خاص حالت میں اپنے پاس بلا لیتے اور فرمایا کرتے تھے کہ چند روز میرے پاس رہو۔ اور اس کا نفع بس وہی سمجھتا ہے جس کو یہ مبارک وقت نصیب ہوا۔

مولانا جبرائیل رحمہ اللہ کے قلوب پر اتنا سلوک میں ایک خیراتہ کا تعلق مستولی ہو گیا کہ شرم کے مار سے حضرت سے عرض نہ کر سکے اور وہ اندر ہی اندر اپنا کام کرتا رہا کہ جنوں کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ آپ نے مجبور کیا کہ تھانہ بھول چھوڑ کر سہارنپور تیار کریں۔ چنانچہ وہ آئے اور ان سے حضرت نے کچھ کام لیا کہ کام کے قابل ہی نہ رہے تھے، خود تصرف و ہمت سے مدد فرمائی کہ قلب سے کافی سی پھٹی چلی گئی اور ایک جہینہ نہیں گذرنا تھا کہ گویا ان کو ہوش آگیا اور قلب بالکل خالی ہو کر محبت الہیہ سے معمور ہونے لگا۔ بد نظری اور امر دیا اجنبی عورت محبت کا

لے جو عام طور پر بعض بزرگوں کے یہاں رہی ہے ہمارے بزرگوں میں نہیں کہ اس سے فوری اثر ہوتا ہے یہ جانا رہتا اور بعض دفعہ سخت مضروب جانا کہ وہ اس وقت اپنے کو اونچے درجے پر سمجھنے لگتا ہے ترک ہوئے اپنے کو گمراہ سمجھ بیٹھتا ہے بلکہ بعض دفعہ معاصی میں جا پڑتا یا دائمی تعلق اور توجہ کی صورت اور اس کی مدد سے ذکر و شغل سے جو حال و مقام ہوتا ہے وہ دائمی ہوتا ہے وہی یہاں معمول تھا اور ہے۔

قلبی آپ کو بہت گراں گذرتا تھا اور سالک کو اس سے بچنے کی بہت ہی زیادہ تاکید فرماتے تھے کہ یہ جب قلب کو گھیر لیتا ہے تو پھر کسی کام کا نہیں چھوڑتا۔

مولوی کفایت اللہ صاحب سابق مدرس مدرسہ اسلامیہ میرٹھ حضرت مولانا محمود حسن صاحب سے بیعت تھے اور گنگوہی پرورش پائی تھی۔ مولانا حسن زمانہ میں مالٹا تھے ان پر اشارہ ذکر و شغل ایک کیفیت پیدا ہوئی کہ خود کشی کی رغبت ہوتی تھی مگر کرنے سے اور اس وجہ سے ایسے ضیق میں مبتلا تھے کہ مر جانا بہتر سمجھتے تھے۔ انھوں نے حضرت کی خدمت میں خط لکھا اور درد چاہی حضرت نے حسب عادت انکار کا جواب لکھا جس میں یہ فقرہ بھی تھا خیر ائمہ کہ بچہ دیہقاں را بچہ کار سہم دندہ

صلاح کار کجا و من خراب کجا بیس تفاوت رہ از کجا است تا کجا

مجھے ایسے کام کے لئے اہل کیوں سمجھ لیا وغیرہ وغیرہ۔ آخر یہ میرٹھ سے دیوبند گئے اور وہاں سے تھانہ بھون کا ٹکٹ لے کر سہارنپور پہنچے۔ اتفاق سے تھانہ بھون کی گاڑی نہ ملی اور مجبوراً مدرسہ مظاہر علوم میں آئے۔ بعد نماز ظہر حضرت سے ملے تو حضرت نے محبت کے ساتھ پاس بٹھالیا اور جب حاضرین چلے گئے تو ان کی طرف خطاب فرمایا کہ تم نے کیا لکھا تھا مجھے تعجب ہو کہ جانتے بوجھتے تم ایسی بات لکھو۔ بھلا میں اس کا اہل کہاں؟ مولوی کفایت اللہ صاحب نے جرات سے کام لیا اور کہا کہ حضرت اگر کوئی کہے کہ آپ اہل نہیں تو بس آپ پر نہیں بلکہ حضرت گنگوہی پر اعتراض ہے کہ انھوں نے آپ کو خلیفہ کیوں بنایا، آپ یقیناً اہل ہیں اور حضرت گنگوہی کے خلیفہ ہیں۔ چونکہ میں نے اسی دروازہ پر پرورش پائی ہے جہاں سے آپ کو سب کچھ ملا ہے اس لئے میرا فرض تھا کہ اپنا دھک دد عرض کر دوں۔ اس پر حضرت نے سکوت فرمایا اور پھر پوچھا کہ اب کیا حالت ہے؟ عرض کیا کچھ نہیں۔ بعد عشا کمال شفقت حال سنا اور ذکر و ارادہ تسبیح میں کچھ ترسیم فرما کر ارشاد فرمایا کہ حضرت گنگوہی کے یہاں ایک شخص کو یہی حالت پیش آئی تھی تو حضرت نے بھی یہی بتایا تھا جو میں نے بتایا ہے۔ یہ کہیں کہ کسی طرح اس مصیبت سے نجات مل جائے کہ درس تدریس میں لگیں چھوڑا اس ذکر شغل کو جس میں جان سے عاجز ہو گیا اور حضرت اصرار فرمایا کہ گھبراؤ مت ذکر شغل جاری رکھو اور کرتے رہو جو کر رہے ہو۔ یہاں تک کہ جب مکان تشریف لیجانے لگے تو فرمایا کتب خانہ کے سامنے والے کمرہ میں بچھلی رات کو بیٹھ کر اتنے زور سے بارہ تسبیح کرنا کہ میرے گھر تک آواز جاوے۔ پھر صبح کو نماز فجر کے بعد ارشاد ہوا کہ یہاں مجھ سے باہر مراقب ہو کے بیٹھ جاؤ۔ مولانا لکھتے ہیں کہ اس وقت کی کیفیت ذکر میں یہی تھی

لے میں حیران ہوں کہ دیہقانی بچہ کو کیا کام سپرد کرتے ہیں۔ اٹھ کام کی درستی کہاں اور میں خراب کہاں۔ دیکھو تو راہ کا تفاوت کہاں سے کہاں تک ہے۔

کہ اندر بیٹھ گیا کرہے تھے، مجھے اپنا قلب زخمی نظر آتا تھا کہ جیسے اس میں پیپ پڑ گئی ہے اور میں محسوس کر رہا تھا کہ حضرت اپنے دست مبارک سے اس کو صاف فرما رہے ہیں۔ بعض دفعہ میں چونک پڑتا اور پھر مراقب ہو کر بیٹھ جاتا تھا۔ بعد اشرق حضرت حجرہ سے باہر تشریف لائے اور درس کے لئے تشریف لے چلے تو مجھے ساتھ لیا اور بخاری شریف کا سبق ہونے لگا۔ سبق میں مجھے وہ کیفیت نظر آئی کہ پھر تعصیب ہونا شکل ہے میرا دل چاہتا تھا کہ حضرت تقریر کو طول دیں اور اس کے لئے حضرت کو چھیڑنے کی ضرورت تھی لہذا میں نے اُٹے سیدہ سوالات شروع کر دیئے پھر کیا تھا گویا سمندر میں تلاطم آگیا۔ حضرت نے ایک سوال کے کئی کئی جوابات دینا شروع کئے اور بعض دفعہ یہ بھی فرمایا کہ اس جواب کو کتابوں میں مت تلاش کرنا کہ یہ جواب کتابی نہیں ہے۔ بعض دفعہ میں اشکال پیش کرتا تو اس کا جواب دے کر فرماتے دوسرا اشکال اور ہے جس سے شرح نے تعرض نہیں کیا اور اس کے بعد وہ اشکال اور پھر اس کا جواب خود ارشاد فرماتے۔ غرض وہ حلال جاتا رہا اور طبیعت میں سکون پیدا ہو گیا تو میں نے عرض کیا کہ میں نے ٹکٹ تھانہ بھون کا لیا تھا۔ فرمایا اچھا جاؤ مگر واپسی میں کم از کم ایک دن یہاں کے واسطے رکھنا کہ ابھی حامی باقی ہے چنانچہ واپسی میں بجائے ایک دن کے میں نے دو دن حضرت کے پاس قیام کیا اور جو حامی مجھے محسوس نہ ہوئی تھی وہ محسوس ہونے لگی کہ جب نماز فجر کے بعد حضرت کے حجرہ کے باہر مراقب ہو کر بیٹھتا تو معلوم ہوتا کہ قلب میں کوئی چیز بھری جا رہی ہے جس سے دل میں سکون قوت اور راحت معلوم ہوتی۔ غرض اول حاضری میں زخم قلب کو آلائش سے پاک صاف فرمایا اور دوسری میں زخموں کو مندل کیا اور آئندہ مرہم پٹی سے مستغنی رہے نیاز بنا دیا۔ اللہ جزائے خیر دے حضرت کو کہ میری ایسی دستگیری فرمائی جس کا شکریہ تمام عمر ادا نہیں ہو سکتا۔

توجہ کا اثر | حضرت اپنی قوت قلبیہ کے تصرف کو بہت کم کام میں لاتے اور خاص ضرورت ہی کے وقت صرف فرمایا کرتے تھے۔ سہارنپور میں اہل اسلام اور آریہ کا مناظرہ ہوا جو موضع روڑی سے منتقل ہو کر سہارنپور آیا تھا۔ حضرت شریک جلسہ تھے اور مسلمانوں کی طرف سے فریقین کی تقریریں کو قلمبند کرنے کے لئے مولوی کفایت اللہ اور مولوی احمد اللہ صاحب تجویز ہوئے تھے۔ مگر مولوی احمد اللہ تھک گئے تو صرف مولوی کفایت اللہ صاحب نے اس خدمت کو انجام دیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ مجلس مناظرہ میں آریوں کی طرف ایک جوان خوبصورت گیر وے کپڑے پہنے ہوئے سادھو تھا جو آرام کرسی پر لیٹا رہتا اور جب مسلمانوں کے مقرر تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوتے تو وہ گردن جھکا کر بیٹھ جاتا تھا۔ مقررین اسلام کی تقریریں نہایت پرانگندہ اور خراب ہو رہی تھیں حتیٰ کہ مولانا عبدالحق حقانی سے دور تسلسل کی تقریر بھی نہ ہو سکی تو میں نے صدر جلسہ مرزا عزیز بیگ کو ایک پرچہ پر لکھ کر دیا کہ مسلمانوں کی طرف سے جب مناظرہ تقریر کرنے کو کھڑا ہوتا ہے تو یہ

جو کی انڈر ڈالتا ہے۔ لہذا مولانا خلیل احمد صاحب کو اس کی اطلاع دیدی و صدر جلسہ نے یہ پرچہ پڑھ کر حضرت کی طرف سرکادیا اور حضرت نے پرچہ پڑھتے ہی گردن جھکالی کہ دونوں حق و باطل میں تصرف قلب کی جنگ ہونے لگی، دو منٹ بھی نگذرے تھے کہ وہ سادھو بیکرا ہو کر آرام کرسی سے اٹھا اور میدان جلسہ سے باہر چلا گیا۔ پھر کیا تھا مسلمانوں کی وہ تقریریں ہوئیں کہ گویا دریا کا بند کھل گیا۔ اور حالانکہ اس مناظرہ میں بہت کچھ بے عنواںیاں ہوئی تھیں مگر نتیجہ یہ نکلا کہ گیارہ آدمی مشرف باسلام ہوئے۔ اسی دن دو پھر کو کھانا کھانے میں حضرت نے فرمایا اس کا تو مجھے یقین تھا اور ہے کہ اسلام غالب رہے گا الحق یعلو وکالی علی مگر حق تعالیٰ کی شان بے نیاز ہے اس کا خوف ہر وقت اور ہر شہر کو ہے۔“

سالانہ جلسہ سے فارغ ہو کر باہر کے ہمان رخصت ہوئے پنجاب جانے والی گاڑی پہلے آئی اور اس طرف کے ہمان گاڑی میں سوار ہوئے۔ گاڑی میں ایک سادھو بیٹھا تھا جو ہر دوار سے آ رہا تھا۔ اسٹیشن پر از دھام دیکھ کر اس نے دریافت کیا کہ یہ بھیڑ کیسی ہے؟ حضرت کے خادم نے جو اس گاڑی میں سوار ہوئے تھے جواب دیا کہ یہ از سہارنپور میں ایک بڑے بزرگ شیخ ہیں۔ سب لوگ مختلف اطراف سے ان کی زیارت کو آتے تھے اور اب اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو رہے ہیں۔ وہ حضرت کے حالات پوچھنے لگا اور پھر خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ کہتے تھے کہ کچھ دیر کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ قلب پر ایک غیر مانوس اثر اور دباؤ پڑ رہا ہے جس کا ظاہری سبب کوئی معلوم نہیں ہوتا اور دل اندر سے گھبراتا اور رڑان ہوا جاتا ہے۔ حیران تھا کہ دن ہے رات نہیں جمع ہے تنہائی نہیں، ریل کا ڈبہ کچھ کچھ بھرا ہوا ہے جنگل یا بیابان نہیں ہے پھر یہ وحشت و پریشانی کیوں ہے کہ طبیعت آپے سے نکلی جاتی ہے اور زبان گنگ اور سن ہوئی جاتی ہے۔ اسی پریشانی میں تھا کہ دفعہ حضرت کی شبیہ نظر آئی اور اس کا عکس دل پر پڑنا شروع ہوا اور اشارہ ہوا کہ پڑھو حبسٹی اللہ و نعم الوکیل چنانچہ زبان گنگ تھی مگر دل نے اس کا ورد شروع کیا اور گھبراہٹ و اضطراب کے بادل پھٹنا شروع ہو گئے چند منٹ میں وہ کیفیت جاتی رہی اور قلب کو سکون نصیب ہوا۔ کان میں آواز آئی سادھو کہتا ہوں واقعی تمہارے گرو بڑے کامل اور بہت زوردار ہیں۔ اس وقت میں سمجھا کہ یہ انڈر ڈال رہا تھا اس لئے میں نے کہا بس تم میں اتنی ہی ہمت تھی ذرا کچھ کر کے دکھایا ہوتا وہ کھسیانہ ہو گیا اور منہ موڑ کر بیٹھ گیا کہ پھر بات تک نہیں کی۔

ہاں اپنی توجہ و خیال طالب سالک کی طرف بڑھانے کے لئے کہ گھڑی کو چلانے کی غرض سے گویا

۱۔ حق غالب ہوتا ہے غلبہ۔ ج نہیں ہوتا۔ ۲۔ یہ کیا ضروری ہے کہ ہمارے ذریعے سے فرمایاں تو شکست کا اندیشہ بھی نہ
۳۔ مجھے کافی ہے اللہ زور دہ بہتر آیت دہا رہے۔

لوگ دیتے ہیں آپ سالک کو تاکہ فرمایا کرتے تھے کہ جلد جلد خط بھیجئے اور حالات کی اطلاع دیتے رہو بلکہ اگر کسی کے خط میں معمول ملتا تو خود ابتدا فرماتے اور شکوہ لکھتے کہ تم کو اس کا خیال نہیں ہوتا کہ مجھے انتظار رہتا ہے آئندہ کبھی ایسا نہ کرنا۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ حضرت کو اپنے بتائے ہوئے نسخہ میں تبدیل کی ضرورت پیش نہ آتی تھی، یا پہلی ہی مرتبہ تشخیص کامل کے بعد وہ تعلیم فرمادیتے جو آخر تک چلتا اور حضور کی شان پیدا کر دیتا تھا اور نہ درمیان میں ایک دو مرتبہ خفیف سا اضافہ فرمادیتے اور آخر تک اس کا بناہ کرتے تھے حضرت کے تعلق میں خدا داد برکت بہت زیادہ تھی۔ کسی کا کوئی مشغلہ ملازمت و صنعت بشرطیکہ خلاف شریعت نہ ہو آپ نے کبھی نہیں چھڑایا، نہ کڑی نہیں چھوڑنے دی، بیوی بچوں کے ساتھ محبت میں کمی نہیں آنے دی، کھانا پینا کم نہیں کرایا، چلہ کشی کبھی نہیں کرائی، جنگل یا دریا کے کنارہ کبھی نہیں بھیجا، دماغ میں خشکی کبھی نہیں آنے دی اور طاقت سے زیادہ بوجھ کبھی نہیں ڈالا بلکہ ہمیشہ ان صورتوں سے منع کیا یہاں تک کہ اپنے پاس رہنے پر بھی کبھی زور نہیں دیا ہمیشہ بہت ہلکا کام بنایا کہ تمامی تعلقات مباح بحال رکھتے ہوئے بشارت کے ساتھ انجام پا جائے۔ مگر اس کا ثمرہ اتنا کثیر دیکھا کہ ہر سہا برس مجاہدوں میں پڑنے والے بھی وہ بات نہ پاسکے۔ آپ کے سلسلہ میں نہ وجد و حال کی دھوم دھام تھی نہ گرمی و بکا کا شور و غل نہ مکاشفات کا اور ودھانہ و ادرات کا صدور گویا سالک آنکھیں بند کرے دل میں بیٹھا ہوا مقصود کی طرف جاتا اور خود اس کو بھی پتہ نہ چلتا تھا کہ کہاں جا رہا ہوں اور کہاں پہنچ گیا۔ آپ کے تعلیمی اصول صرف دو تھے کہ امراض قلبیہ ہر مرض کے مستقل علاج کی اس زمانے میں فرصت نہیں رہی لہذا اسل طریقہ یہ ہے کہ سالک کے قلب پر ذکر اشر کو غالب کر دیا جائے تاکہ محبت حق میں مغلوب ہو جائے اس سے تمام رذائل اور اخلاق ذمیمہ خود بخود جاتے رہیں گے کیونکہ محبت کا خاصہ ہے کہ جب دل میں جگہ پکڑ لیتی ہے تو سب چیزوں کو مغلوب کر دیتی ہے۔

عشق آل شعلہ است کو چوں فروخت ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت
اس اصول کا خلاصہ یہ تھا کہ جنگل کی جھاڑیوں کی درستی سے کاٹنا دشوار بھی ہے اور مہینوں کا دھندا ہے۔ آسان تدبیر یہ ہے کہ چلتے ہوئے انجن سے ایک چنگاری آگ کی پھینکو کہ سارے جھاڑ جھنکار بلکہ ان کی جڑوں میں رہنے والے سانپ بچھو بھی بھک سے اڑ جائیں گے، مگر اس کے لئے ضرورت ہے دو باتوں کی ایک یہ کہ جھاڑیاں خشک ہوں تاکہ آگ قبول کریں، دوم چنگاری والا انجن نیز رفتار ہو کہ کرچا پھینکنا چلا جائے اور اتنے یہاں کا میدان صاف ہو دوسرے جنگل پر جاتا آتش برسائے۔ پس اخلاق ذمیمہ کی تازہ شاخوں میں لے عشق تو وہ شعلہ ہے کہ جب بھڑک اٹھتا ہے محبوب کے سوا کچھ بھی ہو سب کو بھونک ڈالتا ہے۔

خشکی تو ذکر اللہ سے آتی تھی۔ مگر آتش محبت آپ کے اس قلب سے پڑتی تھی جو محبت الہیہ کی انگلیٹھی بنا ہوا تھا۔ اور اس لئے طالب کو آپ کے قلب میں اپنا تعلق بٹھانا اور آپ کا جوش محبت میں ہمت و غم پر متوجہ ہونا ضروری تھا اور فقہنا اس میں وقت صرف ہونا اسی قدر حصول مقصود میں توقف ہونا تھا۔ دوسرا اصول یہ تھا کہ ذکر اللہ سے قلب میں ایک نور پیدا ہوتا ہے جو ذکر کو خود بخود معاصی سے متنفر اور طاعات کا شائق اور راغب بنا دیتا ہے۔ کیونکہ معصیت سے اس نور میں کمی آتی ہے لہذا وہ اس سے گھبرانا اور کتراتا ہے اور طاعت سے اس میں ترقی ہوتی ہے لہذا وہ اس سے مانوس ہوتا اور اس کی طرف جھکتا ہے۔ گویا طاعت اس کی غذا بن جاتی ہے اور معصیت ستم قاتل اور ہر لہلہ۔ مگر اس ذکر میں جب تک لذت نہ آئے اس پر عواظت نہیں ہو سکتی۔ اور لذت پیدا ہونے کی آسان صورت یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑا جائے اور عبادات روزمرہ میں بھی آپ کے اتباع کا خیال رکھا جائے اور اوقات مختلفہ میں جو دعائیں آپ نے تعلیم فرمائیں یا خود پڑھی ہیں ان کا دھیان اور در رکھا جائے۔ اور ہمہ وقت اس کا اہتمام رہے کہ میرا کوئی حرکت سکون سنت کے خلاف نہ ہو۔ تو محبوب رب العالمین کے ساتھ قلب کا یہ تعلق ذکر اللہ میں حلاوت و برکت پیدا کرے گا اور اس طرح پر سالک الذاکرین اللہ کثیرا میں داخل ہو کر ہمہ وقت اللہ کی یاد میں رہے گا۔ کریم کے دروازہ پر چھا ہوا فقیر نشاء اللہ خالی ہاتھ واپس نہ آئے گا۔ خصوصاً جبکہ مقبولین و محبوبین کی طرف منسوب اولین کا نام لیوا بن کر یہ سمجھ کر بیٹھا ہو کہ ملے یا نہ ملے مگر اس دروازہ سے نہ ٹلے گا کہ نہیں کیونکہ یہاں سے اٹھا تو دروازہ ہی کوئی اسلحہ جس پر جا کر پڑوں یا کچھ ملنے کی امید رکھوں۔ مگر اس پر واز اور جہاؤ کے لئے بھی کوئی ترانہ حرم سے وابستگی اور آستانہ حق پر چھنے والے شمعے چمٹا رہنے کی ضرورت ہے کہ اسی کا نام توحید مطلب اور حب شیخ و تعلق مع الشیخ ہے۔

بود مہرے ہو سے داشت کہ در کعبہ رسد دست بر پائے کہو تر زود نا گاہ رسید

پانی سے بھرے ہوئے تل سے پانی حاصل کرنے کی صرف ایک صورت ہے کہ اپنا تل نیچا کر کے اس تل سے اتنا چپکا دیا جائے کہ سارا پانی تل ہی میں آوے کہ بغیر بندش تام کے سارا پانی تل میں نہ آئے گا اور اُدھر نکل جائے گا اور شیب اس لئے ضروری ہے کہ بلند بلکہ مساوی سطح پر بھی پانی کا چڑھا اس کی طبیعت کے خلاف ہے۔ پس اس روحانی فیضان کے لئے آپ بیعت کرنا ضروری سمجھتے تھے کہ اس کے بغیر طالب ہرجائی

ملے اگر کسی نے جلد تعلق کر کے توجہ کر لیا جلد کامیاب ہو گیا اور نہ دیر لگی۔ سہ کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کرنے والے۔ سہ مفصل کا ایک ہونا۔ سہ ایک چوٹی تھی شوق رکھتی تھی کہ کعبہ شریف پہنچ جائے۔ ایک کہو تر کے پاؤں پر ہاتھ جاملے اور چانک پہنچ گئی۔ مگر کہو تر حرم کا فضا ہے پرے یوں گنگ پٹ جانا منزل پر پہنچا نا ہے۔ سہ بس دو کام کرنا یعنی سچے پیر سے پٹارنا اور تعمیل ہدایت میں سرنگوں ہونا۔

بنار تھا ہے اور اس کو وہ یکسوئی نہیں ہوتی جو ایک پاکدامن شریف عورت کی طرح اس کا یقین دلائے کہ میں زبردست محتاج ہوں اور بجز شہر کے دوسرے مرد کی طرف آنکھ اٹھانا بھی مجھے حرام ہے۔ ہاں مطلق محبت کا فیضان ہر وارد و صادر کو پہنچا تھا کہ بارش برستی ہے تو اس کی خلی اپنے اور غیر شخص ہی کو محسوس ہوتی ہے۔ پس اگر کسی نے بدون بیعت کے آپ سے تعلیم و تلقین ذکر کی درخواست کی تو آپ نے میا خنہ جواب دیا کہ یہ طریقہ مولانا اشرف علی صاحبی کا ہے تم تھانہ بھون چلے جاؤ۔ اسی اصول پر آپ نے حضرت گنگوہی کے متبیین کو بھی اکثر تجدید بیعت کے بعد ہی ذکر و شغل تلقین فرمایا۔ البتہ ان کی طرف توجہ سے زیادہ کام لیا کہ ان کو اپنا چھوٹا بھائی سمجھتے تھے۔

طالب اگر شجرہ مانگتا تو آپ اکثر دیدیا کرتے مگر فرمایا کرتے کہ وظیفہ بنانا کبھی کبھی دعائیں تو سل اہل اللہ یا حصول برکت کے لئے پڑھ لینا۔

مستورات کا وظیفہ | مستورات کو آپ ذکر و شغل تعلیم نہ فرماتے بلکہ نماز و حج گناہ کے اہتمام اور اتباع شریعت کی تاکید فرما کر ایک پارہ کی تلاوت ایک منزل حزب الاعظم اور نماز کے بعد تسبیح فاطمہ اور کلمہ تمجید و لا حول و درود شریف و استغفار کی تسبیحات تعلیم فرماتے اور فرمایا کرتے کہ شومر کی اطاعت بچوں کی تربیت خانہ داری کا انتظام خود طاعت ہے۔ اللہ کا حکم سمجھ کر رسول کے طریقہ کے موافق اس کو انجام دو کہ یہی بہت کچھ ہے۔ پھر کوئی اضافہ چاہتا اور اس کو فرصت و فراغت دیکھتے تو تہجد و آئین اور اشراق کے نوافل بتاتے اور اس پر بھی کوئی اضافہ چاہتا اور اس کی طبیعت میں مناسبت اور امور خانہ داری سے مہلت متحقق فرماتے تو ذکر و تلاوت تسبیح اور پاس انفاص تعلیم فرمادیا کرتے تھے۔ محض اتنی تعلیم پر ان کے قلوب میں شریعت کی عظمت اور شارع علیہ السلام کی محبت حق تعالیٰ کی مرضیات سے رغبت اور معاصی سے نفرت پیدا ہو جاتی تھی کہ اصل ایمان ہے۔ مستورات میں صوفی کرم حسین صاحب کی لڑکی کو البتہ حضرت نے تفصیلی طریق پر سلوک طے کرایا اور اس پر حالات و واردات بھی بہت زیادہ طاری ہوئے جن کی نگہداشت میں حضرت نے قاصر تھا۔ فرمایا چونکہ واردات سالک ذکر میں لانے کی چیز نہیں اس لئے بیان کرنا فضول ہے اور ان کو چھوڑنا ہوں۔

نصائح سلوک

اشارہ سلوک میں آپ کی عامہ تعلیم و نگہداشت مقصود پر نظر رکھنے کے متعلق ہوتی تھی کہ سالک ادھر ادھر نہ بھٹکے۔ چند امور جن کو نصائح سلوک کہنا چاہئے اپنی یادداشت اور حافظہ فخر الدین صاحب کے خطوط سے ملخص کر کے درج کرتا ہوں :-

چونکہ شب کے وقت خلوت اور سکون حاصل ہوتا ہے اس لئے ذکر و شغل کے لئے رات کا وقت بہتری اگر کسی کو رات کا وقت نہ ملے یا کبھی رات کو کسی ضروری کام یا سوجھنے کی وجہ سے وظیفہ رہ جائے تو دن میں

لے اس کا یہ رنگ تھا کہ ان کا دل اس طرح بھی ذمہ داری لے لیتا تھا گو بیعت سے کم۔

پورا کر لے کہ عبادت کے لئے رات دن سب برابر ہیں: جَعَلَ اللهُ لَكُمْ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خَلْفَةً لِمَنْ
اراد ان يَذْكُرْ اَوْ اراد شكورا

تلاوت کلام اللہ چلتے پھرتے لیٹے بیٹھے ہر حال میں درست ہے مگر کلام مجید کو بغیر وضو نہ چھوئے
اور حالت ناپاکی میں زبان سے بھی نہ پڑھے، لیٹے ہوئے پڑھنے میں بہتر ہے کہ گھٹنے سیکڑ لیوے۔ برہنگی
کی حالت میں نہ پڑھے۔ ہاں درود شریف وغیرہ ناپاکی کی حالت میں بھی پڑھنا درست ہے۔
سالمک کو صال لقمہ اپنے پیٹ میں پیچنا چاہئے تاکہ نورانیت پیدا ہو، اور حرام بلکہ مشتبہ سے بھی
پرہیز کرنا ضروری ہے کہ ظلمت پیدا ہوتی ہے۔

ہدیہ و تحفہ صرف ان لوگوں کا قبول کرنا چاہئے جو محبت یا دینی تعلق غرض جائز وجہ سے پیش کرتے
ہوں اور ایسے لوگوں سے نہ لینا چاہئے جو منصب اور عہدہ ملازمت کی وجہ سے یا ناجائز ضرورت پورا کرنے کو
جن کی آمدنی کا بیشتر حصہ حرام یا مشتبہ ہو ان کی دعوت بھی قبول نہ کرے۔ مگر بلا وجہ مسلمانوں کے
حالات میں تجسس بھی نہ چاہئے۔

قبض کی حالت پیدا ہووے تو امیدوار رحمت بن کر توبہ و استغفار اور خشوع و خضوع کے ساتھ
گریہ و زاری میں مشغول ہو اور اپنے مولیٰ کریم سے توفیق طلب کرے اور ناامید نہ ہو۔ بحالت بسط ہر وقت شکر
نعمت ادا کرتا رہے کہ از یادِ نعمت شکر کے ساتھ وابستہ ہے۔ لَنْ شُكِرْتُمْ لَّا زَيْدٌ نَّكْمٌ وَلَنْ كَفَرْتُمْ
ان عذابى لست ابدین۔

مراقبہ کی حقیقت مراقبہ کی حقیقت نگہداشت ہے کہ حضور کے ساتھ قلب کو خطرات ماسوی اللہ
سے خالی و محفوظ رکھنا یہ جو محض آنکھیں بند کر کے اور گردن جھکا کر کیا جاتا ہے اور
عرف میں اسی کو مراقبہ سمجھا جاتا ہے صرف بتدیروں کو عادت ڈالنے کے لئے ہے کہ یکسوئی سے مناسبت
ہو جائے اور پھر رفتہ رفتہ جب طبیعت معتاد ہو جاتی ہے تو وہ کیفیت مراقبہ قائم ہو کر ہمہ وقت جاری

۱۔ اللہ نے بنیائے ہمارے لئے رات اور دن کو ایک کے پیچھے ایک آنے والا اس کے لئے جو ارادہ کرے اللہ کے ذکر کا اور شکر گزاری کا۔
۲۔ اشکال یہ ہے کہ آجکل خبر بد و فروخت ناجائز طریقوں سے ہو رہی ہے اور سود کی آمیزش ہر کاروبار میں ہے تو اس سے کیسے بچے
اس کے لئے فقہانے یہ صورت لکھی ہے کہ تم اپنا معاملہ شریعت کے مطابق صحیح کر لو پہلے کھال نہ پوچھو ہاں اگر معلوم ہی
ہو جائے کہ خاص یہ چیز سود و رشوت جو ہے یا اور حرام طریقہ کی ہے تو اس سے پرہیز ضروری ہے۔
۳۔ کہ کردہ تحریمی ہے اگر معلوم ہو جائے اور اگر کل آمدنی حرام ہو تو تمامی حرام ہے زیادہ حلال ہو تو جائز ہے۔
۴۔ ضرور ہے کہ اگر تم شکر کرو گے تو ہم تم کو زیادہ دیں گے اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب سخت ہے۔
۵۔ خیالات۔ ۶۔ عادی۔

رہتی ہے اور کسی وقت منقطع نہیں ہوتی۔
 مراقبہ میں حق تعالیٰ کی کسی صفت کا اضمحام اس لئے کرتے ہیں کہ اس صفت کے لحاظ سے اس کی عظمت اور اس کے ساتھ محبت قلب میں راسخ ہو جائے، ورنہ آخر میں ایک بے کیف حضور رہ جاتا ہے جس کو نسبت مسلسلہ کہتے ہیں۔

سالک کو پاکی اور طہارت کا بہت خیال رکھنا چاہئے بلکہ ہمیشہ با وضو رہنا چاہئے کہ سونا بھی با وضو ہو۔
 غیر جنس سے اختلاط ہرگز نہ رکھنا چاہئے بجز اس کے کہ اس کی اصلاح کی نیت سے ہو، بشرطیکہ اس کی حالت رو باصلاح ہو۔ اور اس اختلاط میں اپنا کوئی قول یا فعل خلاف شرع سرزد نہ ہو، ورنہ علیحدگی اختیار کرے اور ایسے مضر اختلاط سے سخت پرہیز کرے۔

جو عبادت غفوری ہو مگر خلوص اور مداومت کے ساتھ ہو وہ اس کثیر عبادت سے جو خلوص یا مداومت کے ساتھ نہ ہو بدرجہا بہتر ہے کہ عبادت و ریاضت کی تمام برکات وابستہ ہیں خلوص اور مداومت کے ساتھ۔
 تصویر شیخ کی مطلق ضرورت نہیں اور اس میں سخت اور آرد مضر ہے جب مزید کوشش کے واسطے استفادہ ہو گا تو خود اس کی محبت سالک کے قلب میں پیدا ہو جائے گی۔ اور جب محبت ہو گی تو شیخ کا تصور خیال خود آئے گا۔ اس شے جس کا نفع ہے وہ محبت ہے اور تصور اس کا فرع غیر اختیاری۔ ورنہ محض تصور بجائے مفید ہونے کے بسا اوقات مضر ہوتا ہے۔

تہجد کی نفلوں کا اہتمام بہت زیادہ کرنا چاہئے کہ شعار صافی میں ہے اور روحانیت کے لئے یہی مفید اگر شب میں قوت ہو جاوے تو بعد طلوع آفتاب بارہ رکعت: ادا کر لے اور تہجد کے وقت اٹھنے کا اطمینان ہو تو وتر بعد نوافل تہجد ادا کرے ورنہ بعد عشاء مگر رمضان میں بعد از ویرج جماعت کے ساتھ پڑھنے چاہئیں۔ اور دنوں میں ان کو جماعت سے ادا نہ کرے۔

سالک کو اپنے دل اور دماغ کی صحت کا زیادہ خیال کرنا چاہئے، ان کو تقویت پہنچانا یہ نیت تقویٰ فی العبادت خود عبادت ہے۔ اور اس کی طرف توجہ نہ کرنے سے پھر انسان نہ دنیا کے کام کا رہتا ہے نہ دین کے کام کا۔ طریقت سے مقصود یہ ہے کہ دنیا و مافیہا کی طرف سے بے رغبتی ہو اور اللہ و رسول کی محبت دل میں جاگزیں ہو۔ پس اس سے ادھر یا ادھر نظر نہ ہٹانا چاہئے۔

کیفیات و حالات ہر سالک کو پیش آنے لگے ہیں مگر جس قدر زیادہ صحابہ کرامؓ کے حالات سے مطابقت ہوگی

۱۔ ملانا۔ ۲۔ کافر فاسق فاجر سے میل جول۔ ۳۔ بدرجہ تہیں۔ ۴۔ عبادت میں قوت پیدا کرنے کی نیت سے کہ یہ سب خدائی مشین کے کل پرزے ہیں ان کو چکنا چکھنے سے کام لیتا ہے۔

میں لیوے۔ چھوٹے اور بڑے میں یہی فرق ہے۔ جو شخص اس کے خلاف عمل درآد کرے گا دینی یا دنیوی نقصان اٹھاوے گا۔
 شانِ حضور اور اتباعِ سنت میں جتنی ترقی ہوگی اسی قدر قرب الہی بڑھے گا اور برکت ہوگی۔

مولانا صادق الیقینؒ کے بھانجے مولوی محمود العالی اپنے نانا شاہ سرماج الیقین صاحبِ قدس سرہ سے بیعت تھے۔ ۳ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ کو حضرت کی خدمت میں سہارنپور حاضر ہو کر تجدیدی کی درخواست کی۔
 حضرت نے استخارہ کا حکم دیا اور بعد استخارہ ان کے قلب پر وارد ہوا: فاستجاب لہم بعد ہجرتی کا اذیع
 عمل عامل منکم چنانچہ انھوں نے پختگی ظاہر کی اور بعد مغرب حضرت نے بیعت فرما کر یہ مختصر و جامع
 مضمون ارشاد فرمایا ”ہر چیز کی تحصیل سے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ مقصود کیا ہے اور غیر مقصود کیا ہے
 تاکہ غلطی سے محفوظ رہے اور مقصود بخوبی ذہن نشین اور متمیز ہو جائے۔ سو سمجھنا چاہیے کہ جناب رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں برکتِ صحبت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بندے کے عبادت و عبادات
 مشروعہ و صلوٰۃ و بہاد وغیرہ کے حصول نسبت کا ہو جاتا تھا۔ اول ایک نظر اشرف انور میں کل مقامات
 طے ہو جاتے تھے۔ بعد اس کے جب اکابر امت مرحومہ نے دیکھا کہ اس قوتِ قدسیہ کے مستور ہو جانے کے سبب
 اب یہ امور وصول الی اللہ کے لئے کافی نہیں ہوتے تو انھوں نے خاص خاص طرق ذکر کے نکالے تاکہ کثرت
 ذکر سے حق تعالیٰ کے ساتھ خاص تعلق پیدا ہو جاوے۔ خواہ اس کو علاوہ محبت کا ہو یا بندگی اور نیاز مندی کا
 تو مقصود اذکار و اشغال سے یہ ٹھہرا کہ اسم کی کثرت اور تکرار سے مسمیٰ یعنی حق تعالیٰ کا حضور ہو جاوے، اسی کو
 حدیث شریف میں احسان سے تعبیر فرمایا ہے اور ان بعد ربك کانک تراء اس کا حاصل اور بدلہ ہے۔
 باقی رہیں کیفیات و حالات یہ امور زائدہ ہیں مطلوب اور مقصود لذاتہ نہیں۔ کسی کو ہوتی ہیں اور کسی کو نہیں
 ہوتیں شیخ محی الدین بن عربی نے فرمایا ہے کیفیات تربی بھا اطفال الطریقة طریق باطن کے بچے ان سے
 پرورش کئے جاتے ہیں۔ پس طالب کو لازم ہے کہ مقصود کی طرف ملتفت اور متوجہ رہے اور غیر مقصود کے درپے نہ ہو۔
 حوادث پر صبر اور وقائع میں تقدیر پر نظر رکھنے کی تعلیم حضرت کے ہاں خاص اہتمام سے ہوتی تھی۔ حافظ
 فخر الدین صاحب کے والد ماجد کا انتقال ہوا تو حضرت نے تعزیت نامے میں یہ الفاظ تحریر فرمائے۔

”یہ ظاہر ہے کہ یہ دنیا لگدشتی اور گناہ شنی ہے۔ ہر ایک جزا اس کا ناپائیدار ہے۔ اگرچہ مفارقت اعزہ
 بظاہر شاق ہے لیکن اگر غم کیا جائے تو سب کے سب اپنے حقیقی دار کی طرف پس و پیش رجوع کر رہے ہیں اور

لے پس قبول کر لی ان کی بات ان کے رب نے۔ میں کس عمل کرنے والے کا عمل مانتے نہیں کرتا۔ ۱۔ صرف یہ عبادات شرعیہ۔
 ۲۔ اچھی طرح عبادت کرنا۔ ۳۔ یہ کہ تم اپنے رب کی عبادت ایسے کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ ۴۔ کیفیتوں سے تو طریق کے
 بچل کی پرورش کی جاتی ہے۔ ۵۔ چھوٹے اور چھوٹے کے قابل۔ ۶۔ گھر یعنی جنت کے آدم علیہ السلام وہیں پیدا ہوئے
 وہیں گئے ہم سب بھی وہیں جائیں گے بلا مزیا سزا کے بعد مگر جائیں گے وہیں۔

ایک پائدار راحت کی طرف سفر ہو رہا ہے۔ اگر سچ پوچھو تو یہ نہایت لذیذ امر ہے۔ بہر کیف اللہ تعالیٰ اسب کو اپنے حبیب کی سچی متابعت کی توفیق عطا فرمائے جس کے ساتھ آخری راحت و آرام وابستہ ہیں۔

جنگِ عظمیٰ کے زمانہ میں جبکہ خانقاہوں، بنوں اور پہاڑی غاروں سے عجیب عجیب پیشینگوئیوں کی صدائیں آرہی تھیں۔ ایک خادم نے دریافت کیا کہ اب تو قراوداد ویش بھی تبدیلِ سلطنت کا حکم لگانے لگے جس کی بنا پر ملازمین اپنا جمع شدہ روپیہ لینے کے لئے مستعفی ہو رہے ہیں لہذا میرے متعلق حضرت کا کیا مشورہ ہے؟ تو آپ نے تحریر فرمایا:

بھائی کس کو خبر ہے کہ کل کیا ہونے والا ہے۔ تمہارا توفیق میں ہزار دو ہزار ہی روپیہ ہوگا لوگوں کا تو کاروبار میں لاکھوں روپیہ لگا ہوا ہے اگر ایسی موہوم باتوں پر وہ خیال کریں تو سب کاروبار بند ہو جاویں۔ پس تم سکون کے ساتھ اپنا کام کئے جاؤ۔ جو مشیتِ الہیہ ہوگی وہ خود ظاہر ہو جاوے گی۔ ان باتوں پر التفات کرو۔ حضرت اپنے متوسلین کی تربیت محض قلم اور زبان ہی سے نہیں فرماتے تھے بلکہ مال اور جان سے بھی فرماتے تھے کسی کو ناداری سے پریشان پاتے تو قرض یا ہدیہ جس پر جتنی قدرت پاتے خود برد فرماتے۔ کوئی سفارش چاہتا تو تحریر یا تقریر سے سفارش فرماتے اور اس کی ہر ضرورت میں خدائے ہمتہ بٹا سکتے اس میں دریغ نہ فرمایا کرتے تھے۔

مولوی عبدالرحمن صاحب سلمہ خردکن کے علاقہ صرف خاص تعلقہ سلوڑ کے صدر مقام قصبہ انوار کے باشندہ تھے اور ان کے باپ ہری رام نے کہ مرثیہ منقصب ہندو خاندان کا تھا ان کا نام بی رام رکھا تھا۔ اللہ کی شان کمان کے قلب میں نور اسلام چمکا اور چوہہ برس کی عمر میں کہ باپ نے سرکاری مدرسہ میں بغرض تعلیم روانہ کیا تو اس کو پہانہ بنا کر گھر سے تنہا چل دیے۔ اس خوف و سراسیمہ میں کہ کوئی عزیز قریب باخبر ہو کر پکڑنے لے منزل بمنزل چل کر ریلوے اسٹیشن پر آئے اور راستہ میں طرح طرح کی تکلیف اٹھا کر بمبئی پہنچے۔ یہاں علانیہ مشرف باسلام ہوئے اور اسلامی نام عبدالرحمن رکھا گیا۔ جو نوران کے قلب میں چمکا تھا اس نے صرف اسلام پر قانع نہیں رکھا بلکہ ان کو گدگدایا کہ علم دین حاصل کریں۔ بمبئی میں چونکہ اہل وطن کے تجارتی تعلقات تھے اس لئے وہاں سے گھر کر دہلی آئے اور چھ مہینے میں قرآن شریف ختم کر کے ابتدائی تعلیم دینی شروع کر دی۔ دہلی میں دل نہ لگا اور اس لئے مدرسہ مظاہر علوم میں آگئے۔ یہاں پہنچ کر تو گویا ماں کی آغوش میں پہنچ گئے کہ حضرت نے سینہ سے لگا کر باپ اور ماں دونوں کو بھلا دیا۔ دیات سے فارغ ہو کر سند لے چکے تو حضرت نے مدرسہ کا مدرس بنادیا اور اپنے پاس سے جہانہ ہونے دیا۔ پھر نکاح کا فکر کیا اور ششہ تجویز فرما کر سپام لے گئے حتیٰ کہ بہر کی تکلیل پر خود زودیا اور خود نکاح پڑھا کر روحانی بیٹے کو متاہل بنا بٹھایا۔

سالہ بعد میں وہ خود اورنگ آباد میں رہنے لگے بڑے نیک صوفی عالم ہیں۔

ہندوستان سے سوتے مدینہ

الحاصل چونکہ آپ مدنی مٹی سے پیدا ہوئے تھے اور تقدیر میں

مہاجرانہ وفات لکھی تھی اس لئے آپ نے ۱۶ شوال ۱۵۰۵ھ میں اثنی

ایک ڈیڑھ سال کی رخصت مدرسہ سے لیکر دارمحبوب کا دفعۂ غم کر دیا اور افاصل شوال میں آپ نے اپنے عزیزوں دوستوں اور خدام سے رخصتی ملاقات کے لئے انہیں، گنگوہ، دیوبند، کاندھلہ اور میرٹھ کا سفر کیا کہ ایک ایک کے مکان پر گئے اور یہ الفاظ فرمائے کہ میرا کہاں سماعت کرنا میں عرب جا رہا ہوں۔ کسی نے اگر جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کا سفر مبارک کرے اور بخیریت واپس لائے تو فرمایا بھائی جب میرا شباب تھا تو جب کبھی حاضر آستانہ ہوا ہوں ہی تنہا ساتھ لیکر گیا ہوں کہ وہاں کی پاک زمین مجھے نصیب ہو جاتے۔ اب جبکہ تمام میرے ساتھ کے کھیلے ہوئے میرے ساتھ کے پڑھے ہوئے ہم عصر عزیز دوست ایک ایک کر کے ملک بقا کو راہی ہو چکے ہیں کتنک زندہ رہوں گا۔ اب اس توقع پر جا رہا ہوں کہ شاید اب میرا وقت آگیا ہو اور مدینہ طیبہ کی خاک پاک مجھے نصیب ہو جائے اور حجاز نبوی میں مجھ کو بھی جگہ ملے۔ دعا کرو حق تعالیٰ ایمان کے ساتھ اٹھا نصیب فرمائے اور مراد پوری کرے۔

شیخ رشید احمد صاحب میرٹھی سے فرمایا کہ میں اپنے بچوں کا نکاح کر دیتے تو ہم بھی شریک ہو جاتے چنانچہ انھوں نے سلسلہ جذباتی شروع کی اور خدا کی شان کہ چند ہی دنوں میں دونوں والدین کا رشتہ بخت ہو کر جلد سے جلد تاریخ بھی مقرر ہو گئی ورنہ برسوں میرا پھیری کرنا قومی رواج تھا حضرت کے فرمانے کی برکت تھی کہ خود بخود سامان مہیا ہو گئے اور حضرت خوشی خوشی اس میں شرکت کے لئے میرٹھ تشریف لائے، یہاں بھی ایک ایک خادم کے مکان پر مستقل تشریف لگے اور آخری سلام فرما کر ہمیشہ کیلئے رخصت ہو گئے حافظ فخر الدین صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کے اس مبارک ارادہ ہجرت سے خدام پریشان ہیں اور دریافت کرتے ہیں کہ ہم کیا کریں؟ فرمایا پریشان ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ عادیۃ اللہ اسی طرح جاری ہے اور سلسلہ اسی طرح چلتا رہا ہے کہ جب کوئی شیخ وصال کرتا ہے تو اس کے خلف کام کرتے ہیں اور ان سے مخلوق ہدایت و فیضان حاصل کیا کرتی ہے پس میرے لوگوں کو چاہئے کہ میرے خلفائے رحمت کی طرف چاہیں رجوع کریں اور اپنا کام کرتے رہیں۔ میں اگر ہندوستان ہی میں رہتا تو آخر کینک زندہ رہتا۔

کوئی چیز باہر سے ہدیہ آئی اور حضرت نے حسب عادت گھر سے منگا کر خالصین کے سامنے رکھی کہ کھائیں مولوی زکریا بچے حضرت کے طفیل میں کیا کیا کچھ کھایا اور کھاتے ہیں۔ یہ سن کر فرمایا اب طفیل میں کھاتے ہو

۱۶ شوال ۱۳۴۴ھ تا ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ - ۳۵ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑوس۔

۱۶ شوال ۱۳۴۴ھ تا ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ - ۳۵ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑوس۔

چند روز بعد انشاء اللہ مستقل کھاؤ گے کہ لوگ خود پیش کریں گے۔

کاندھلہ سے دہلی جاتے ہوئے ریل میں تنہائی پا کر میں نے عرض کیا کہ حضرت مبارک جگہ تشریف لے جا رہے ہیں اس کی مسرت ہے مگر اپنی بیسی کا قلق ہے کہ مولانا اپوری جیات تھے تو حضرت کی مفارقت کا صدمہ وہاں حاضر ہو کر کم ہو جانا اور جب طبیعت گھبراتی تو رات پور جا کر سکون مل جاتا تھا۔ اب جدھر نظر اٹھانا ہوں کوئی اپنا نظر نہیں آتا۔ اتنا کہہ کر میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے اور شکی بندھ گئی حضرت بھی چشم نم ہوئے اور فلاسکوت کے بعد فرمایا اللہ خلیفتی علیک انشاء اللہ کہیں جانے کی ضرورت نہ ہوگی۔ اور کوئی مشورہ کی ضرورت پیش آئے تو اپنے بھائیوں سے لیجواوران سے ملتے رہو۔

عرض جلد جلد وہ آخری منظر ختم ہو گیا ادراواں شوال میں حاضر ہوا تو شفقت کے ساتھ فرمایا لو بھی اب ہماری تاریخ روائی مقرر کر دو کہ کس تاریخ یہاں سے چلیں۔ بندہ ہی ہے ۱۴ شوال مقرر کی کہ پنجشنبہ کا دن تھا مگر کیا خبر تھی کہ یہ تقریر آخری زیارت کا ہے جو اپنی زبان سے تجویز کر رہا ہوں حضرت میرٹھ ہی میں تھے کہ حیدرآباد سے بلاوا آگیا اور مدرسہ کو نفع پہنچنے کی توقع تھی۔ ہر چند کہ لمبا سفر تھا مدت دراز بلکہ عمر بھر کے لئے قیام کی نیت سے سفر تھا سارا اسباب بندھوانا اور یہاں کے تمامی معاملات طے کرنا تھے ضعیفہ اہلیہ اور ان کے بیمار بھائی کو ساتھ لے جانا تھا اور پھر دوستوں کے قریب رفقا کی معیت تھی اور بہ نزدیک و دور سب کو اطلاع ہو چکی تھی کہ ۱۶ شوال کو روانگی ہے اور اس لئے کوٹہ اور کشمیر تک سے خدام رخصتی زیارت کے لئے آنے والے تھے۔ سب کچھ تھا مگر خدا دعویم بے نظیر مہمت مدرسہ اور کارِ تعلیم پر جان نثاری اور صدقات جاریات علمیہ کا شغف اور انہماک اتنا زبردست تھا کہ دنیا میں نظیر نہیں ملتی اس لئے ہمیں سے ارادہ کر دیا کہ میں ۱۹ شوال کو حیدرآباد چلا جاؤں گا اور گھر والے حسبِ تجویز ۱۲ کو رفتار کے قافلہ کے ساتھ روانہ ہوں۔ میں وہیں سے ممبئی میں آملوں گا۔ چنانچہ آپ کر گزرتے جو عزم کیا تھا اور حیدرآباد روانہ ہو گئے۔ بندہ قافلہ کے ساتھ ممبئی تک گیا اور حضرت کا حیدرآباد لائن پر استقبال کر کے کہ مولانا رحیم بخش صاحب عاشقانہ طرز سے ہمراہ تھے قیام گاہ پر آیا۔ آخر چوتھے دن حضرت نے تاکید فرمایا کہ وطن واپس جاؤ اور اب ٹھیرنا فضول ہے۔ وہ سال عمر بھر نہ بھولوں گا جبکہ رخصت ہو کر عرتہ کے بعد چلا اور حضرت گاڑی میں سوار کرنے کے لئے مرٹھ تک آئے۔ ہر چیز عرض کیا کہ اندھیرا ہے راستہ خراب ہے وقت ناوقت ہے حضرت تکلیف نہ فرماویں یہیں سے رخصت کر دیں مگر پیرانہ شفقت نے نہ مانا اور جب گاڑی پر سوار ہونے لگا تو حضرت نے چھاتی سے لگایا کہ میں رو رہا تھا اور حضرت کا قلب غیر معتدل حرکت کر رہا تھا۔ آخر ہوا جو ہوا مقدر تھا کہ حضرت مجھے دیکھتے رہے اور میں

سے اللہ تعالیٰ میرے بجائے تمہارے نگراں ہوں گے۔

حضرت کو تکتا رہا یہاں تک کہ راستہ کے موڑنے دو باپ بیٹوں کو ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا۔
 حقیقت درحیثم زدن محبت یا آخر شد روئے گل سیر ندیدم و بہار آخر شد
 میرے لئے تو ہی آخری معاف تھا مگر آپ اپنے دو سوز نقار کی برات کے دولہا بنے ہوئے ہیں
 دن بمبئی میں ٹھہرے کہ سب آپ ہی کی معیت کے شوق میں گھروں سے نکلے تھے اور موجودہ جہاز نکشت
 اتنے ٹکٹ نہیں دے سکتا تھا۔ آخر رزق بقدرہ کو زبانی جہاز میں آپ سوار ہوئے جس کے متعلق مشہور تھا
 کہ نب میں برا اور نہایت بوسیدہ و سست جہاز ہے۔ خدا کی شان کہ اس کی رفتار اچھے جہازوں کی بھی
 بڑھ گئی اور رزق بقدرہ کو آپ کامران میں بغرض قرظینہ اتر گئے ۱۸ کو وہاں سے چل کر ۲۲ کو جدہ اور
 وہاں سے اونٹ کی سواری پر ۲۵ کو مکہ مکرمہ پہنچ لئے۔ مناسک حج سے فارغ ہو کر ذرا محبوب کا قصد
 فرمایا اور ۲۷ محرم ۱۲۵۴ کو حرم نبوی کی خاک پاک کا سرمہ چشم بنانا آپ کو نصیب ہوا کہ آپ کی عمر کا سوا
 برس باقی رہ گیا تھا۔ خوشی کی گھڑیاں گزرتی محسوس نہیں ہوا کرتیں۔ یہ زمانہ آپ کے لئے ایسی فرحت و
 سرور کا تھا کہ آپ کی ہر سال ڈیڑھ ماہ کی عمر میں کوئی وقت بھی اس کی نظیر نہیں کہا جاسکتا۔ محبوب کا
 وطن، محبوب کا قرب وصال کی راتیں وصال کے دن جو کچھ بھی لذت منوہ تھوڑی ہے پھر مشغلہ کلام
 محبوب کی شرح کا کلامی میں ہر آن دماغ مشغول اور اسی میں زبان اور خیال منہمک۔ بچپن سے جس تمنا و
 شوق کی آگ اشتہار میں جل رہی تھی اس پر ٹھنڈے پانی کی ٹھپور برسی اور جس توقع و امید میں زندگی کے
 پل اور لمحے گزارے تھے خدا خدا کر کے اس کے بر آنے کی صورت نظر آئی۔ خدام در در فرقت میں بیتاب مگر آپ
 وہاں سے مجھے تحریر فرماتے ہیں کہ میں ابتداء سفر سے اس وقت تک بجدائے نہایت راحت و آرام سے ہوں،
 اور حق تعالیٰ شانہ کے اس بے انتہا انعام پر کہ مجھ جیسے ناکارہ کو یہاں پہنچا دیا نہایت شادان و فرحان ہوں۔

کہاں میں اور کہاں یہ نگہت گل نسیم صبح تیری ہنس بانی

وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا و مولانا محمد وآلہ وصحبہ و بارک وسلم۔

۱۲ صفر ۱۲۵۴ کو آپ کے رفقا واپس ہند ہوئے اور مولوی محمد زکریا صاحب مولوی محمد الیاس صاحب اور
 مولوی محمد جلیل صاحب کا ندھلوی کے سوا سب کو آپ نے رخصت کر دیا۔ اب ہم تن تالیف بذل الجہود میں مشغول
 ہو گیا اور وسط شعبان میں آپ اس کو ختم فرما کر بالکل فارغ ہوئے۔ بذل کا ختم ہونا تھا کہ ادھر نقار رب کا

۱۳ اخوس پلک جھپکے میں محبوب کی صحبت ختم ہو گئی پھول کا چہرہ ہم نے جی بھر کے بھی نہ دیکھا تھا کہ بہار ختم ہو گئی۔
 ۱۴ سینہ و مگر کے درمیان کا اندرونی حصہ۔ ۱۵ شیخ الحدیث صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا محمد الیاس
 بھی واپس ہو گئے تھے اور ایک صفحہ بعد کی عبارت سے بھی یہ نکلا ہے۔

شوق بڑھنے لگا اور ادھر کشش اپنا کام انجام دینے لگی۔

اگر از جانب معشوق نباشد کشش طالب عاشق بیچارہ بجائے نرسد
تعلقات سے یکسوئی ہونے لگی خلوت و تنہائی سے اس بڑھ گیا۔ تلاوت کلام اللہ کی رغبت اتنی ہوئی کہ دیکھنے والے ترس کھاتے اور عرض کرنے کا سبب ضعیفی میں تعلق ابو داؤد کی ناقابل برداشت محنت سے دماغ تھک گیا ہی اب اس پر رحم فرمائیے۔ مگر آپ جواب دیتے کہ دماغ سے کام ہی لینا کیا باقی ہے جو رعایت کروں اچھا ہے جس نے دیا ہے اسی کے کام آوے۔

جان بھی دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا
قیس بے پوچھو کہ بیل کے ساتھ باتیں کرنے میں کیا مزہ ہے؟ اور اس سے اندازہ کرو کہ محب خدا کو کلام اللہ کی تلاوت میں کیا لذت آتی چاہئے۔ اب رمضان قریب آچکا تھا اور عمر کا آخری رمضان تھا کہ مجرد عن الخلق و ملکوتی صفت نصیب ہونے کے لئے آئندہ کبھی یہ وقت نصیب ہونے والا نہ تھا۔ اس لئے آپ نے اپنے متوسلین کو بھی خطوط لکھ دیئے کہ آئندہ جواب کا انتظار نہ دیکھیں۔ چنانچہ احقر کے پاس جو رشتہ جانا کا لکھا ہوا خط آیا تو اس میں تحریر فرمایا تھا۔ اب رمضان شریف آگیا خطوط کا لکھنا دشوار ہوگا لہذا جواب کا انتظار چھوڑ دیجئے اور رمضان بعد مولوی زکریا وغیرہ اجاب جج کے لئے واپس ہوں گے اور بعد فرار جج وطن کو واپس ہو جاؤں گے پھر جواب کا ملنا نہایت ہی مشکل اور دشوار ہے۔ بہر کیف اب آپ اپنی خیریت سے اکثر اطلاع کرتے رہیں اور ممکن ہوا تو کبھی کبھی میں بھی اپنی خیریت لکھ دیا کروں گا۔

ادھر سے امراض و عوارض کے ہلایا پیش ہونے لگے کہ اول نزلہ کا سخت دورہ ہوا اور پھر بخار آیا کہ کئی دن تک آستانہ محبوب تک جانے کی طاقت نہ رہی۔ مگر رمضان کی خاطر افاقہ ہوا اور وہ مبارک مہینہ اس مجاہدہ نامہ میں گذرا کہ بیان کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ رات دن کے چوبیس گھنٹے اور دو چار فغان چار اور مشکل آدھی چپاتی۔ دن بھر تلاوت اور رات بھر ساعت کہ شاید سونے کے لئے تین گھنٹے بھی نہیں تھے۔ رمضان ختم نہ ہوا تھا کہ تپ لرزہ شدید ہوا اور اسی میں فالج کا اثر۔ مگر آپ نے ہندوستان میں اطلاع نہ دی کہ خدا پریشان ہوں گے۔ چنانچہ ۱۲ اشوال کو بندہ کے پاس خط تحریر فرمایا تو اس میں لکھا کہ گذشتہ ہفتہ میں مختصر خط لکھوا چکا ہوں مگر اس میں اپنی بیماری کی خبر قصداً نہیں لکھی تھی کہ باعث تشویش ہوگی۔ اب الحمد للہ افاقہ ہے اور طبیعت رو بصحت ہے۔

لے اگر محبوب کی جانب سے کشش نہ ہو تو بیچارہ عاشق کسی مقام پر بھی نہیں پہنچ سکتا۔ ۱۰ صبح کو کھانے سے قبل تین چار پارے خود تلاوت فرماتے اور بعد ظہر دو پارے اہلہ کو سناتے۔ بعض آیات پر بے اختیار گریہ غالب ہو جاتا اور رونے لگتے تھے پھر ترجمہ فرما کر والوں کو سناتے۔ ۱۰ حلقوات سے علیحدگی امر فرشتوں کی سی صفت۔

اس لئے اطمینان لکھتا ہوں۔ آخر رمضان المبارک میں مجھے کچھ تپ لرزہ کی شکایت ہوئی مگر روز بروز بعد وہ تو بالکل جاتی رہی لیکن بایں ٹانگ اور بایں ہاتھ میں ایک خدر و استرخاء کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی جس کی وجہ سے چلنا بچھڑنا بالکل ناممکن ہو گیا تھا۔ اس میں کسی قسم کا درد یا تکلیف بالکل نہیں تھی صرف قوت مٹتی اور قوت ماسک کم نہیں کرتی تھی۔ اب الحمد للہ کہ بہت افاقہ ہے اور طبیعت گویا اچھی ہے۔ بے تکلف تو اب بھی چلنا یا کھڑا نہیں ہوتا مگر تھوڑا بہت چل سکتا ہوں۔“

اس وقت آپ نے لکڑی اور آدمی کے سہارے آستانہ محبوب پر حاضر ہونا پھر شروع کر دیا کہ پاؤں بے تکلف اٹھانے اور گویا گھسیٹے ہوئے چلتے تھے مگر جھگانے اوقات میں حاضر ہو جایا کرتے تھے۔ ذیقعدہ میں آپ نے مولوی زکریا صاحب اور مولوی جلیل صاحب کو بھی رخصت فرما دیا اور اب عجیب کیفیت میں دن گزرنے لگے کہ شوق لقا کہتا تھا جلد وہ دن آئے جس میں قفس غصہ کی کاجال ٹوٹے اور لب کہتا تھا کہ چپ رہو سنت الہیہ کے غلام بنے ہوئے کام کئے جاؤ۔ یہ دن کچھ عجیب حسرت اور مسرت سے مخلوق گذر رہے تھے کہ ان خوابوں کا اور رویا و بشرات کا خیال آتا جو عرصہ سے بار بار دیکھ رہے تھے تو امید بڑھتی تھی کہ ضرور یہاں کی مٹی میں ملنا نصیب ہو گا اور شانشاہ کی بے نیازی و جلالت شان پر نظر جاتی تھی تو خوف ہونا تھا کہ دیکھئے کیا مقرر ہے۔ امید وصال حقیقی شان شاہاں تھے تو خوف قطعیت و اندیشہ ہجر سے ترساں و لرزاں۔

زجاں دادن نمی ترسم من اے جاں ازیں ترسم کہ از تو دور مانم
آپ نے ۵ ذیقعدہ ۱۰۸۵ کو مظاہر علوم کے ظاہری تعلق سے انقطاع کی تحریر سرستان کے نام خبری کرا کے مسجد نبوی مکی کیس جب سہارنپور سے رخصت ہوا تھا تو میں نے ہجرت کی نیت نہیں کی تھی اور نہ اب تک ہجرت کی نیت کی ہے کیونکہ مجھ کو معلوم نہیں کہ حق تعالیٰ شانہ کے نزدیک میں اس مقدس ارض کے قابل ہوں یا نہیں۔ اگر حق تعالیٰ شانہ کو مجھ جیسے ناکارہ کا قیام اس مقدس زمین میں منظور نہ ہوا تو اپنے سیاہ اعمال کے ساتھ واپس ہو جاؤں گا۔ لیکن ابھی تک مجھ کو بحمد اللہ یہاں دلچسپی ہے اور یہاں سے واپسی کے لئے مضطر نہیں ہوا۔ لہذا یہاں کے قیام سے کسی طرح برداشتہ خاطر نہیں ہوا ہوں۔ اگر خدا خواستہ میں یہاں نہ ٹھیرا یا گیا اور واپسی ہوئی تو بھی میں اس قابل نہیں رہا ہوں کہ مدد کسی کوئی خدمت بعض خواہ بجا لاسکوں۔ اس لئے جو انتظامات عارضی طور پر کئے گئے تھے ان سب کو منتقل کر دیا جائے مگر اس کے چند ماہ بعد جبکہ آپ اپنے رفقا کو ہندوستان بھیج چکے۔

لے بے حسنی احمد چلا پڑا۔ ۱۰۸۵ روکنے والی۔ ۱۰۸۵ کہ موت کی تمنا نہ ہو گو شوقی لقا میں تمنا جانتے ہیں مگر صورت اس کی بن جاتی تھی کہ گویا مرض وغیرہ تنگ ہو کر تمنا کی جاتی ہے اس لئے اس سے پرہیز رہا۔
۱۰۸۵ خوش خوش - ۱۰۸۵ قطع تعلق و دوری -
لے بے محبوب میں جان دینے سے نہیں ڈرتا بلکہ اس سے ڈرتا ہوں کہ تم سے دور نہ رہ جاؤں۔

ہجرت کی نیت

تہ ہجرت کی نیت پختہ کر لی اور ایک دن گھر میں تشریف لاکر متعلقین سے فرمایا کہ اب مجھے اپنے قیام کا یقین ہو گیا ہے لہذا میں تو ہجرت کی نیت کر چکا۔

زندگی کے آخری ایام میں درسِ حدیث کے گزرنے۔ حتیٰ کہ ربیع الثانی کا دوسرا جمعہ پڑھ کر غیر تشریف

کا آخری ہفتہ آیا اور آپ نے بعض علماء مدینہ کے اصرار پر ابو داؤد پڑھانا شروع کر دیا کہ مولوی سید احمد صاحب قاری بنے اور مولانا عمری مدرس حرم شریف سامعِ شنبہ اور یکشنبہ کے بعد عصر و دو دن مدرسہ شرعیہ مدینہ میں درس دیا تھا کہ تیسرے دن دو شنبہ کو جبکہ ظہر کی نماز حرم شریف میں پڑھ کر واپس ہوئے تو راستہ میں فرمایا

مرض الموت کا آغاز

سینہ کے اوپر کے حصہ میں پھر آج کچھ درد محسوس ہو رہا ہے۔ اس سے تین چار دن پہلے بھی اسی طرح ایک درد محسوس ہوا تھا جو بالمشاورت اور سینک سے دو

تین گھنٹہ میں جاتا رہا تھا۔ گھر پہنچ کر بالمشاورت اور سینک ہوئی مگر عصر کے وقت معلوم ہوا کہ درد تو کم ہے لیکن

ضعف بہت ہے کہ حرم شریف جانے کی ہمت نہیں ہے۔ چنانچہ عصر کی نماز مکان پر مولوی سید احمد صاحب کے اقتداء میں پڑھی اور باوجود ضعف کے کھڑے ہو کر پڑھی۔ پھر ضعف اور بڑھا کہ بدن میں بجائے حرارت کے

خنکی اور پسینہ تھا۔ مغرب کی نماز کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکے بیٹھ کر پڑھی بلکہ مولوی سید احمد سے فرمایا کہ مختصر اور

جلدی پڑھاویں عشا کی نماز کے لئے نیچے اترا بھی دشوار ہو گیا اور پلنگ ہی پر بیٹھ کر پڑھی۔ کرب اور بے چینی

کے ساتھ ساتھ ضعف بڑھتا رہا اور تمام رات کلمہ واستغفار اور ورد و رذبان رہا۔ مطلق نیند نہیں آئی۔

صبح سے شنبہ نمودار ہوئی تو نماز فجر بھی پلنگ پر بیٹھ کر ادا فرمائی مگر پسینہ اور بڑا اطراف بڑھا جا رہا تھا اور وقت پکار رہا تھا کہ یہ صبح ہوش و حواس کی آخری صبح ہے۔ دن میں دوا دار و کا خدام کو اہتمام رہا مگر

نہ پیشاب ہوا اور نہ کوئی دوا مضمّن ہوئی۔ ظہر کے وقت اتنا ضعف ہو گیا کہ وضو بھی کرنے کی طاقت نہ رہی اور تیمم فرما کر پلنگ پر بحالتِ قعود نماز پڑھی اور اس کے بعد حرکت و سکون نہ تکلف اور دوسرے کا محتاج

ہو گیا عصر کے وقت ہوش و حواس میں اختلال شروع ہو گیا اور ایام کی آواز پر خود رکوع نہ کیا بلکہ جب حاجی مقبول احمد صاحب نے رکوع کا لفظ کہہ کر اشارہ کیا اور جب سجدہ کو کہا تو سجدہ کر لیا۔ اس طرح چار رکعت بمشکل پوری کر کے آپ کو لٹا دیا گیا اور اس کے بعد سکوت بڑھنا گیا کہ اس سے پہلے بات کا

سمجھنا اور جواب دینا یا از خود کوئی بات فرمانا برابر جاری تھا۔ مغرب کے وقت مولانا سید احمد صاحب نماز پڑھانے کے لئے آئے تو بالکل غفلت تھی کہ نماز کے واسطے پکار کر اطلاع کی مگر کچھ جواب نہ ملا اور نہ اٹھنے کی طاقت محسوس ہوئی۔ خدام نے اپنی نماز علیحدہ پڑھ لی مگر انتظار رہا کہ کچھ التفات یا افتادہ ہو تو نماز کے لئے

عرض کیا جائے گا لیکن بالکل دنیا سے قطع تعلق ہو چکا تھا اور سوائے پاس انفاس کے نہ کوئی حرکت تھی نہ کسی بات کا جواب نہ سوال۔ شب میں ایک دو مرتبہ نماز نہ مٹا لایا تو اس کے حلق سے اترنے میں بھی تکلف ہوا لہذا وہ بھی نرک کر دیا گیا۔

وفات پورے چوبیس گھنٹے اس عالم خموشی میں گذار کر یوم چہار شنبہ کے عرب میں ۱۸ اور ہندوستان میں ۱۵ ربیع الثانی تھی منزل مقصود پر پہنچ گئے کہ باؤز بلند اشتراک کرنا شروع کیا اور دفعۃً اٹھ کھڑے ہوئے۔

بندر کے خاموش ہو گئے۔ ہر چند کہ وقت تنگ تھا مگر غیب سے عجلت کے سامان مہیا ہو گئے غسل کا انتظام ہوا۔ سید احمد قواب صاحب مرد نے نہلایا۔ ابو مسعود نے پانی دیا اور مولوی سید احمد اور مولوی عبد الکریم نے مدد پہنچائی۔ جلد جلازہ طیار ہوا اور آستانہ محمدیہ پر باب جبریل کے باہر صلوۃ جنازہ کی جگہ لارکھا گیا۔ صلوۃ مغرب سے فراغ کے بعد مدرسہ شرعیہ مدنیہ کے صدر مدرس مولانا شیخ طیب نے نماز جنازہ پڑھائی اور بقیہ کو لے چلے۔ بایں صیق وقت کہ اطلاع کا موقع ہی نہیں ملا جنازہ کے ساتھ اتنا زحام تھا کہ بہتیروں کو باوجود کوشش کے کھدھار دینا نصیب نہ ہوا اور سر پرکے صرف ہاتھ لگا دینا ہی غنیمت معلوم ہوا۔

لے نہاں گاہ عالم روئے تو تو کجا بہر تماشا می روی
آخر آپ کا جسد اور جو آتش محبت میں گھل گھل کر مغز استخوان رہ گیا تھا قبیل اہل بیت کے متصل عٹلے قبل آغوشِ محبت کی سپرد کر دیا گیا اور وہ شب شب عروسِ قراری بانی کہ دیریتہ مراد جو صدمہ مرتبہ آپ کی زبان اور قلم سے نکلی تھی کہ کاش میری مٹی بقیع کی خاک پاک میں مل جائے الحمد للہ پوری ہو گئی۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ ماخذ ولہ ما اعطی کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام۔

مرض موت سے پیشتر دیا اور اس کی تعبیر مرض کے پہلے ہی دن آپ نے فرمایا تھا میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ میں ایک مکان میں ہوں جس کے نیچے تہ خانہ ہے اور چھت اس کی تختوں سے پٹی ہے۔ اس میں سے دو تختے نیچے کو جھکے ہیں اور نکل گئے ہیں پس میں بہت ہلہوت سے اس تہ خانہ میں اتر رہا ہوں وہاں پہنچ کر کیا دیکھتا ہوں کہ وہ بہت بڑا اور اچھا چوہ قلمی کیا ہوا روشن مکان ہے اور اس میں ایک طرف دروازہ ہے جس سے روشنی وغیرہ آتی ہے لیکن لوٹنے وغیرہ کا ارادہ انہی تختوں

لے جا رہا ہوں۔ سہ اے وہ کہ تیرا چہرہ تمام عالم کے لئے تماشہ کی جگہ ہے تو کہاں تماشہ کے لئے جا رہا ہے۔
سہ اشہری کے لئے ہے جو وہ لے لیں اور انہی کا ہے جو عطا فرما دیں۔ ہر وہ شخص جو زمین کے اوپر ہے فنا ہونے والا ہے پس آپ کے رب جلال واکرام کی ذات باقی رہے گی۔

عہ ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۱۳ھ (اخلاق احمد)

کی طرف سے جدھر سے آیا ہوں کر رہا ہوں۔ اٹھ کھڑے کے بعد فرمایا اس کے بعد میرا خیال دوسری طرف چلا گیا اور پھر آنکھ کھل گئی، اس کے بعد خود ہی تعبیر بتائی کہ وقت تو جب بھی ہو مگر میرے لئے بشارت ہے کہ انشاء اللہ قبر میں سہولت ہوگی۔ اور وہ دروازہ دروازہ جنت کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔

مولوی سید احمد صاحب خواب اور تعبیر سن کر صبا باہر چلے گئے تو آپ نے اہلیہ کو پاس بلایا اور التجا کے درجہ میں یہ الفاظ فرمائے کہ جو کچھ تمہارے حقوق میرے ذمہ ہوں یا میں نے تم کو برا بھلا کہا ہو وہ سب اللہ واسطے معاف کر دو۔ اس کے بعد ان کے بھائی حلاج مقبول احمد سے کہ مدت سے حضرت کے پاس رہتے تھے فرمایا کہ میں تم پر بہت مرتبہ خفا ہوا ہوں اور اکثر بُرا بھلا کہا ہے تم بھی معاف کر دو۔

اہلیہ کی دلگیری | اخیر زمانہ میں اہلیہ کے ساتھ حسن معاشرت بہت بڑھ گیا اور ان کی بیوی کے نفور سے ان کی دلگیری زیادہ فرمانے لگے تھے۔

ایک مرتبہ ان سے فرمانے لگے کہ مدینہ منورہ میں رہ کر یہاں کے مصائب و تکالیف پر اگر کوئی صبر کرے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میں خاص طور پر اس کی شفاعت کروں گا۔ اہلیہ نے عرض کیا کہ مجھے تو کوئی تکلیف یا مصیبت نہیں ہے میں تو بخیر اندیشیت راحت سے ہوں۔ فرمایا آخر کچھ تو ہے ہی۔ یہی دینی فکر ہے کی۔ غرض بات کو ملا دیا لیکن ان کو چند ہی روز بعد ہیہ بننے پر معلوم ہوا کہ مصیبت کیا چیز ہے اور اس پر صبر کس قدر کٹھن ہے۔ مگر اللہ سے ہمت کہ شوہر کی آخری وصیت کو پورا کر دیا گیا کہ بعالم غربت و تنہائی یکایک دنیا آنکھوں میں تار یک بیکھ کر اچانک بقیع کو جاتا ہوا دیکھا مگر نہ چیخ نکالی نہ آہ وزاری کا شور مچایا کلیجہ تھام کر بیٹھ گئیں، مگر صدمہ نے اندر ہی اندر چر لیا۔

اہلیہ کا وصال | اواخر کار چار مہینے ہوئے کہ ۲۰ رزی ۱۲۷۴ھ کو قبل مغرب خود بھی دنیائے رخصت ہو کر اگلے دن پنجشنبہ کو شوہر کے قدموں میں دفن ہو گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شیخ سعید تکرودی مدنی کہتے ہیں کہ مجھے ہمیشہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا بہت شوق تھا اور اکثر اس مطلب کے لئے دعائیں پڑھا کرتا مگر زیارت سے مشرف نہ ہوتا تھا جس زمانہ میں حضرت مولانا مدنیہ منورہ تشریف لائے تو قبل اس کے کہ مولانا سے میری شناسائی ہو میں نے خواب دیکھا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور مجھ سے کسی نے کہا کہ بیہ رسول اللہؐ ہیں اور ایک عالم ہندی خلیل احمد نام کا انتقال ہو گیا ہے ان کے جنازہ کی شرکت کے لئے تشریف لائے ہیں۔ چنانچہ میں نے اپنا خواب اسی زمانے میں مولانا شیخ الفاضل شام سے بیان کیا تھا جب مولوی زکریا صاحب وغیرہ ہندوستان واپس ہوئے اور مولانا واپس نہ ہوئے تو شیخ الفاضل

نے مجھ سے کہا کہ تمہارے خواب کی صداقت کے بعض قرائن ظاہر ہو رہے ہیں کہ مولانا نے اقامت کی نیت فرمائی اور ہندوستان نہیں گئے۔

گرمیہ و بیکہ | اخیر زمانہ میں آپ کا اندرونی سوز و گداز زیادہ بڑھ گیا تھا کہ ضبط نہ فرما سکتے اور بات بات پر رقت و گریہ طاری ہو جاتا تھا۔ بزرگوں کی عمروں کا ایک بار ذکر ہو رہا تھا فرمانے لگے دو سال زندہ رہا تو اپنے شیخ کی عمر کو پہنچ جاؤں گا۔ اتنا کہہ کر ودیئے اور فرمایا سب چلے گئے میں ہی رہ گیا۔

ایک مرتبہ کسی نے عرض کیا کہ حضرت ہندوستان کا کتنک ارادہ ہے؟ تو چشم پڑا کہ ہو گئے اور فرمایا اب بقیع کا ارادہ ہے۔ آخرت کا قیامت کا یا بزرگوں کا جس وقت بھی ذکر آتا تو آبدیدہ ہو جاتے اور آوازیں بغیر آجاتا تھا۔ آپ کے ہاتھ پر درلاس کی طرف کے ایسے لوگ جو نہ اردو سمجھتے تھے نہ عربی بواسطہ ترجمان بیعت ہوئے تو مولانا اصغر حسین صاحب نے کہا حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ مولانا محمود حسن صاحب کو مالٹا میں لے جا کر بٹھادیا اور حضرت کو یہاں پہنچا دیا کہ دور دراز کے لوگ جن کے طلب فیض کا کہیں گمان بھی نہ ہوتا فیض حاصل کرنے لگے۔ یہ سن کر آپ پر گرمیہ غالب ہو گیا اور فرمایا بھائی وہ بڑے لوگ تھے میں تو کچھ بھی نہیں۔ لوگوں نے کہتے کہتے مجھے تو شیخ بنادیا۔

جنتی تد کی رخصت اتنے ہی دن کا قیام | یہ عجیب اتفاق ہے کہ مدرسہ سے ڈیڑھ سال کی حاصل شدہ رخصت ہی آپ کی حیاتِ دنیویہ کی مدت تھی کہ

اس میں نہ ایک دن کم ہوا نہ زیادہ۔ یہ رخصت کا زمانہ ۶ ربیع الثانی کو ختم تھا اور سورج ڈوبنے میں گھنٹہ بھر باقی تھا کہ آفتابِ علم و عمل غروب اور مدرسہ کا چمکا ہوا چراغ یکدم گل ہو گیا۔ مگر بیسیوں مشعلیں روشن کر کے دنیا میں چھوڑ گیا کہ شریعت و طریقت کے چمکتے ہوئے پھول گلزارِ خلیل میں ناقامت کھلتے رہیں۔

تصانیف | ان مجسم صدقاتِ جاہلیات کے علاوہ آپ کی تصانیف ہدایات الرشید مطرقة الکرامہ اتمام النعم

تنشيط الاذان المنہر اور سب سے آخری تالیف بذل المجهود جداگانہ کارنامے ہیں جو ایصالِ ثواب کا سلسلہ تادیر قائم رکھیں گے۔ اور خود مدرسہ عالیہ مظاہر علوم تو ایسی مستقل یادگار ہے کہ اس کے علمی سلسلہ سے بواسطہ و بلا واسطہ جو طالب علم بھی دینی نفع اٹھائے گا وہ آپ ہی کے نامہ اعمال میں درج ہوتا رہے گا۔

خلفاء | نیز روحانی سلسلہ میں آپ کی یادگار وہ خلفاء ہیں جن کے قلوب میں آپ آتشِ محبتِ الہیہ سلگا کر دینا سے اٹھے ہیں کہ

سب سے اول حضرت حافظ قمر الدین صاحب امام جامع مسجد سہارنپور

بہت ممکن ہے کہ حضرت پر ہندوستان میں بھی منکشف ہو گیا ہو کہ اتنی عمر کی مدت باقی ہے۔

اور پھر حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کا نہ معلوم کی کہ اعلیٰ حضرت امام ربانی کی وفات کے چند ہی روز بعد آپ کی طرف سے مجاز ہوئے مگر افسوس کہ دونوں حضرات وصال فرما کر سہارنپور کے گورستان میں سو گئے۔
نیز مولانا مولوی عبدالرشید صاحب گنگوہی جن کو غالباً ساٹھ سالہ میں اجازت ملی تھی تب کہنے میں وفات پا کر کا نہ صلہ میں مدفون ہوئے فرحہم اللہ رحمۃ واسعہ۔

صرف سلسلہ نقشبندیہ میں آپ نے مکہ مکرمہ میں حاج محمد حسین حبشی کو بھی اجازت دی تھی مگر ترکی انقلاب میں وہ کہیں چلے گئے اور اب پتہ نہیں کہ زندہ ہیں یا وصال فرما گئے۔
ہاں جو حضرات بغیر حیات اور سلسلہ خلیلیہ کے مایہ ناز ہیں وہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ مقیم نظام الدین دہلی۔

جناب حافظ محمد ارین صاحب ریلوے ملازم غازی آباد۔
مولانا ظفر احمد صاحب مفتی خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔
مولانا حافظ فیض الحسن صاحب گنگوہی مقیم کانپور۔
مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور۔
اور مولانا رشید احمد صاحب مدرس انجمن ہدایت المرشد قصبہ گروٹ ریاست ہلکڑہیں۔
منتعنا اللہ بطول بقائہم۔ تلافی عشرۃ کاملہ۔

ممکن ہے اور کوئی صاحب بھی مجاز ہوں کہ حضرت کے الطاف خدام پر پیش از پیش تھے مگر کام لئے یہ حضرات کافی ہیں اس لئے حضرت کے متوسلین یا دیگر حضرات طالبین سلوک میں جس کو بھی اکتساب شوق ہوں حضرات میں جس سے طبعی انس پائیں ان کی طرف رجوع کریں انشاء اللہ محروم نہ رہیں گے ہر چند کہ بڑوں کو دیکھ لینے والی نظر چھوٹوں کو واقع نہیں سمجھتی مگر یاد رکھیں کہ پھر ایسے بھ نصیب نہ ہوں گے کہ زمانہ قحط الریال کا ہے۔

اب میں ناظرین سے رخصت ہوتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ شانہ مجھے اور آپ کو اور تمام امت محمدیہ کو توفیق بخشے کہ سنت کو اپنے دائرۂ اعمال کا مرکز بنائیں اور عادات ہوں یا عبادات اقوال ہوں یا افعال، حرکات ہوں یا سکنات، تفکرات ہوں یا تخیلات ہر امر اور ہر حال میں طریقہ محمدیہ مرضیہ کو مطرح نظر قرار دے کر معبانہ و عاشقانہ مگر عقابانہ و مودبانہ طریق پر البشر صل جلال الکی رضا جوئی میں اپنی عمر کو ختم کر دیں۔ اور اگر امت اعمال سے یہ درجہ نصیب نہ ہو تو کم سے کم سنت کی عظمت اور

لہ اور خود مصنف حضرت مولانا عاشق الہی صاحب جوڑے پایہ کے خلفائے تھے تواضع نام نہ لکھا۔

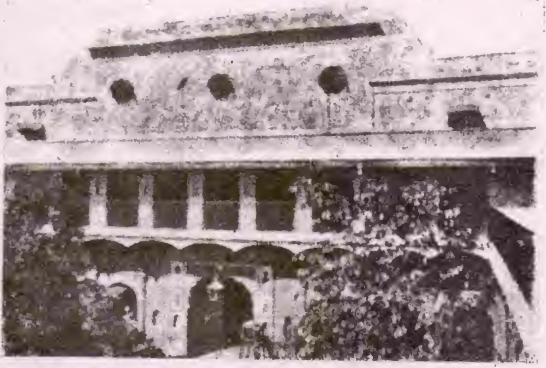
متبعین سنت کے ساتھ محبت اور ان کے قدم بقدم چلنے کی رغبت قلب میں ضرور ہو کہ بس یہی کام آنے والی چیز ہے۔ نیرد خواست ہے کہ جو حضرات اس سے نفع اٹھائیں میرے لئے بھی دعا فراویں کہ حق تعالیٰ شانہ اپنی محبت اور اپنے حبیب کا اتباع نصیب فرماوے اور دنیا سے حلاوت ایمان کے ساتھ اٹھاوے۔

عمر عزیز قابل سوز و گداز نیست

ایں رشتہ را مسوز کہ چندیں دراز نیست

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی عبدہ ورسولہ سیدنا و مولانا و قائدنا
وامیرنا و شفیعنا و ہادینا و نبینا و مرشدنا محمد و آلہ و صحبہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین فقط

بندۂ ناچیز عاشق الہی عنہ



دارالطبیعیات و دارالکتابت و دارالعلوم اسلامیہ



درستگاه کتب و محراب و قیامگاه حضرت علیہ السلام



کتابخانه مرکزی و دارالعلوم اسلامیہ



مکتبہ الشیخ

۲/۲۲۵- بہادر آباد- کراچی ۵